فتاویٰ نوریہ

فقیہ اعظم ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز

شعبہ تصنیف و تالیف
دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور
(ضلع اوکاڑا)


بسم الله الرحمن الرحيم

بلغ العلى بكماله

كشف الدجى بجماله

حسنت جميع خصاله

صلوا عليه وآله

الله نور السموت والارض

مثل نوره كمشكوة فيها مصباح المصباح في زجاجة الزجاجة كانها كوكب دري

يوقد من شجرة مبركة زيتونة لا شرقية ولا غربية يكاد زيتها يضيء ولو لم تمسسه نار نور على نور

يهدي الله لنوره من يشاء ويضرب الله الامثال للناس والله بكل شيء عليم صدق الله العظيم

١٤٠١ھ

يَسْتَفْتُونَكَ ط

قُلِ اللّٰهُ

يُفْتِيكُمْ



فتاویٰ نوریہ

جلد اوّل

تصنیف

شیخ الحدیث فقیہ اعظم حضرت علامہ ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی القادری

بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

ترتیب و تدوین

استاذ الفقہ والحدیث حضرت مولانا علامہ ابو الفضل محمد نصر اللہ صاحب نوری

رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

شعبہ تصنیف و تالیف دار العلوم حنفیہ فریدیہ

بصیر پور ضلع اوکاڑہ

کتاب --- فتاویٰ نوریہ

جلد --- اوّل

تصنیف --- فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی علیہ الرحمہ

ترتیب وتدوین --- مولانا ابوالفضل محمد نصراللہ نوری علیہ الرحمہ

ترتیب نو --- (صاجزادہ) محمد محب اللہ نوری

اشاعت اوّل --- ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء

اشاعت دوم --- ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

اشاعت سوم --- ربیع الاوّل ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء

اشاعت چہارم --- صفر المظفر ۱۴۱۸ھ/ جون ۱۹۹۷ء

اشاعت پنجم --- جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ/ اگست ۲۰۰۳ء

اشاعت ششم --- ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ/ مارچ ۲۰۰۸ء

صفحات --- ۷۹۲

مطبع --- چاچا پرنٹنگ پریس، ریٹی گن روڈ، لاہور

ناشر --- فقیہ اعظم پبلی کیشنز۔ بصیر پور (اوکاڑا)

قیمت --- ۴۰۰ روپے

1250 /—


ISBN 969-9079-06-1

خریدی = 04/05/2010 منگل

نقش آغاز

منعم حقیقی (جل جلالہ) کا بے حد و حساب شکر اور قاسم نعم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بے پایاں لطف و کرم ہے کہ حجۃ الاسلام سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی شہرہ آفاق تصنیف "فتاویٰ نوریہ" کے پہلے حصے کا چھٹا ایڈیشن منظر عام پر آرہا ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے درس و تدریس، تبلیغ وارشاد اور فتویٰ نویسی کا کام للّٰہیت و اخلاص کے ساتھ پچاس سال تک انجام دیا۔۔۔ اس دوران آپ کے بعض فتوے رجسٹروں میں نقل کیے جاتے رہے اور بہت سے فتاویٰ سائل کی عجلت یا ناقل کی عدم موجودگی کے باعث محفوظ نہ رکھے جا سکے۔۔۔۔۔ اس طرح آپ کے وصال (۱۹۸۳ء) تک "فتاویٰ نوریہ" کے قلمی نسخے کی پانچ جلدیں تیار ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ برادر گرامی شیخ الفقہ والحدیث علامہ ابوالفضل محمد نصراللہ نوری کی روح مقدسہ پر کروڑوں رحمتیں نچھاور کرے جنہوں نے ان غیر مرتب فتووں کی تدوین و تبویب کی طرف توجہ فرمائی۔۔۔ چنانچہ ۱۹۷۴ء میں "فتاویٰ نوریہ" کی پہلی جلد اور ۱۹۷۷ء میں دوسری جلد زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔۔۔ تیسری جلد کی تدوین کا کام ابھی ابتدائی مرحلے میں تھا کہ مالک حقیقی نے آپ کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیا۔۔۔ شکر اللہ مساعیہ۔

آپ کے وصال کے بعد بقیہ جلدوں کی تدوین کی ذمہ داری احقر کے حصے میں آئی چنانچہ تیسری جلد ۱۹۸۳ء میں اور چوتھی، پانچویں اور چھٹی جلدیں ۱۹۹۰ء میں منظر عام پہ آئیں۔۔۔۔ جلد ۲ تا ۶ میں درج ذیل ابواب آگئے ہیں۔

زکوۃ، عشر، روزہ، رویت ہلال، اعتکاف، حج، رضاعت، نکاح، طلاق، ظہار، ذبح اور حلال و حرام جانور، قربانی، عقیقہ، تعزیر، حظر واباحت، بیوع، سود، رہن، دعویٰ، ثبوت نسب، حق پرورش، وصیت، فرائض (احکام میراث) عقائد، تفسیر، حدیث وغیرہ۔۔۔۔

زیر نظر حصہ طہارت، اوقاف (مساجد وغیرہا) کتاب الصلوۃ، اوقات، اذان، امامت، مباحات و مفسدات نماز، قرات، وتر و نوافل، سجدہ سہو، نماز مسافر، جمعہ و عیدین، جنازہ وغیرہ ابواب پر مشتمل ہے۔۔۔۔ ان ابواب سے متعلق بعض اہم مسائل اور نادر تحقیقات فتاویٰ نوریہ جلد ششم میں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔

"فتاویٰ نوریہ" کے اس حصے میں ۲۴۷ استفتاءات کے جوابات ہیں جن میں علماء و دانشور حضرات کے استفتاءات کی تعداد ۷۲ ہے --- گویا فتویٰ طلب کرنے والوں کی ایک تہائی سے زائد تعداد علماء اور دانشوروں کی ہے --- اس جلد میں سات عدد مستقل رسائل ہیں:

مجموعی طور پر اس حصے میں ۶۰۰ سے زائد فقہی جزئیات کا مدلل بیان ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ اس جلد کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا جس کے آغاز میں کتب ماخذ کے صرف نام درج تھے جب کہ فہرست مسائل آخر میں تھی --- ۱۹۸۱ء میں جب دوسرا ایڈیشن چھپا تو اس میں مختصر حالات مصنف و مرتب کا اضافہ کیا گیا اور فہرست آخر کی بجائے ابتدا میں لگا دی گئی ---

۱۹۹۱ء میں ترتیب نو کے ساتھ تیسرا ایڈیشن شائع ہوا جس میں حسب ذیل ترامیم کی گئیں:

- پہلے ایڈیشنوں میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں —— اس ایڈیشن میں صحت و درستی کی مقدور بھر سعی کی گئی۔
- بعض مقامات پر ضروری حوالہ جات اور مفید تعلیقات کا اضافہ کیا گیا۔
- فہرست کی زبان عام فہم بنانے کی سعی کی گئی —— نیز کالموں کی بجائے اس کی خوبصورت کتابت کرائی گئی۔
- آغاز میں صاحب فتاویٰ و مرتب فتاویٰ کے قدرے مفصل حالات شامل کر دیئے گئے

- ترتیب میں کتاب بہ کتاب [illegible] کیا گیا۔
- یہ اہتمام کیا گیا کہ ہر باب اور ہر مسئلہ نئے صفحے سے شروع ہو۔ اسی طرح ابواب کے اندر بھی عنوانات قائم کر دیئے گئے۔
- کتاب کے آخر میں "اشاریہ" کے عنوان سے تین فہرستوں کا اضافہ کیا گیا۔

ا —— فہرست آیات کریمہ

ب —— فہرست احادیث مبارکہ

ج —— فہرست ماخذ و مراجع

ان فہرستوں میں فتاویٰ میں مندرج آیات، احادیث اور کتب حوالہ کی تفصیل ہے۔ ماخذ میں صرف وہی کتابیں درج کی گئی ہیں جن سے براہ راست استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کی تعداد ۲۳۰ تک جا پہنچی ہے۔

ان فہرستوں سے حضرت فقیہ اعظم کی وسعت مطالعہ، قرآن و حدیث سے استشہاد و استنباط اور دقت و ژرف نگاہی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

فتاویٰ کی زیر نظر طبع کے دوران مختلف ادوار میں جمع کیے گئے فتاویٰ کو ترتیب دینے پر یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس میں قرآن مجید کے ہر پارے سے کوئی نہ کوئی اقتباس ضرور لیا گیا ہے۔

زیر نظر طبع کی اشاعت میں جن حضرات نے معاونت فرمائی ہم ان کا دل سے ممنون ہیں۔

- مولانا محمد لطف اللہ نوری اشرفی نے پروف ریڈنگ کی اور اصل کتب سے مراجعت کے

بعد ماخذ و مراجع کی نہایت جامع فہرست مرتب کی جس میں مصنف، مطبع، سن اشاعت اور مصنف کے سن وصال وغیرہ کی تفصیل درج ہے۔ اسی طرح آیات و احادیث کی فہرست بھی ان ہی کی مرتب کردہ ہے۔

- مولانا حافظ محمد اسد اللہ نوری نے فہرست کو عام فہم بنایا۔
- مولانا حافظ محمد عرفان اللہ اشرفی نے جزوی طور پر پروف ریڈنگ کی۔
- مولانا محمد یوسف نوری بھڈالوی اور مولانا صاحبزادہ محمد فیض المصطفٰے نوری نے بڑی محنت اور دل جمعی سے پیسٹنگ کی اور اسے حسن صوری سے آراستہ کیا۔ نیز موخرالذکر نے جملہ طباعتی امور بڑی لگن اور دلچسپی سے انجام دیئے۔
- کتابت مولانا شاہ محمد چشتی نے کی جب کہ مولانا عزیز احمد نوری اس کے لئے ممد و معاون رہے۔
- علامہ احمد علی قصوری اور پروفیسر خلیل احمد نوری نے مفید مشوروں سے حوصلہ افزائی کی۔

اور یوں فتاوٰی کا یہ حسین گلدستہ آپ کے پیش نظر ہے۔ اللہ تعالٰی جملہ معاونین کو اپنی بے کراں نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

ہم نے اس جلد کی تصحیح و تزئین کی مقدور بھر کوشش کی ہے تاہم اگر کہیں کوئی خامی نظر آئے تو اسے ہماری کوتاہی پر محمول کیا جائے۔

اللہ رب العزت جل و علا اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کے صدقے صاحب فتاوٰی نوریہ کے درجات بلند فرمائے اور جادۂ حق کے مسافروں کو آپ کے علمی فیضان سے مستفیض و مستنیر ہونے کی توفیق بخشے اور فتاوٰی نوریہ کے نور کو عام فرمائے ـــ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین ـــ وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ اجمعین ـــ

محمد محب اللہ نوری






فهرست

فہرست

مسائلِ فتاویٰ نوریہ ۔ جلدِ اوّل











شمار	مسائل	صفحہ
	کتاب الوقف (مساجد وغیرہ) ——— ۱۳۵-۲۲۰	
۳۹	نئی مسجد تعمیر کر کے پہلی مسجد کو اپنے تصرف میں لانا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔	۱۳۷-۲۶۵
۴۰	اگر آبادی ویران ہو جائے تو مسجد پھر بھی مسجد ہی ہے۔	۱۳۸-۱۵۴، ۱۶۵
۴۱	مسجد آسمان کی بلندی اور تحت الثریٰ تک مسجد ہی ہے۔	۱۳۸
۴۲	اگر موجودہ مسجد قائم رکھیں اور نئی تعمیر کریں جس سے موجودہ غیر آباد ہو تو ناجائز ہے۔	۱۳۸-۱۴۲
۴۳	اگر گاؤں ویران ہو گیا تو گاؤں والے مسجد کا سامان اپنے نئے گاؤں والی مسجد پر لگا سکتے ہیں۔	۱۳۹
۴۴	مسجد میں دوکانیں بنانا، کرایہ پر دینا حرام ہے۔	۱۴۰
۴۵	مسجد کے کسی حصہ کو نفع کمانے یا بسنے کی جگہ بنانا منع ہے۔	۱۴۱
۴۶	غیر آباد گاؤں کی مسجد کا سامان حاکمِ اسلام کی اجازت سے کسی نئی یا پرانی مسجد پر لگا سکتے ہیں۔	۱۳۹-۱۴۳
۴۷	وقف حوض یا وقف رباط غیر آباد کا سامان دوسرے وقف میں منتقل کیا جا سکتا ہے	۱۳۹-۱۴۳
۴۸	دریا سے غرق شدہ مسجد کا بعینہٖ سامان یا اس کی قیمت حاکمِ شرع کی اجازت سے دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں۔	۱۴۴
۴۹	مسجد کا مستعمل سامان خرید کر اپنی عمارت میں استعمال کیا جا سکتا ہے مگر ناپاک وحقیر جگہ پر نہ لگایا جائے۔	۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۹۸
۵۰	مسجد کا کوڑا کرکٹ ناپاک جگہ نہ ڈالا جائے۔	۱۴۴، ۱۴۹، ۱۹۹
۵۱	قبرستان کے درخت تعمیرِ مسجد میں صرف کئے جا سکتے ہیں۔	۱۴۵
۵۲	مسجد کا پرانا سامان فروخت کر کے اس کے عوض اسی مسجد کے لئے نیا سامان خریدنا جائز ہے۔	۱۴۶-۱۴۷، ۱۴۹







فتاویٰ نوریہ
جلد اول



جلد اول
فتاویٰ نوریہ

شمار	مسائل	صفحہ
۸۶	عبارتِ مذکورہ کا دوسرا جواب۔	۱۷۷-۱۷۶
۸۷	صحنِ مسجد کو عرف میں مسجد کہا جاتا ہے بلکہ بعض احکام میں وہ حکماً مسجد ہے۔	۱۷۷
۸۸	مسجد میں راستہ بنانے کے جواز و عدمِ جواز کے بارے میں فقہائے کرام کی عبارتیں اور ان میں بہترین تطبیق۔	۱۷۸-۱۷۷
۸۹	مخالف کی تیسری دلیل اور اس کا جواب۔	۱۸۰-۱۷۹
۹۰	مسجد یا کسی اور وقف زمین کی بیع و تملیک کے منع ہونے کا ثبوت از عبارات فقہاء و احادیثِ طیبہ۔	۱۸۰-۱۷۹
۹۱	امام محمد علیہ الرحمہ کا قول عود الی ملک البانی مرجوح ہے۔	۱۸۰
۹۲	مخالف کی چوتھی دلیل اور اس کا ردّ۔	۱۸۲-۱۸۱
۹۳	وقف کرتے وقت اگر واقف شرط کرے کہ جب چاہوں اس زمین کو اپنی دوسری زمین سے تبدیل کرلوں گا تو یہ وقف و شرط دونوں صحیح ہیں۔	۱۸۱
۹۴	اگر واقف فوت ہوجائے تو شرطِ استبدال دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔	۱۸۱
۹۵	مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف میں شرطِ استبدال معتبر ہے اور مسجد میں اگر یہ شرط ہے تو باطل متصوّر ہوگی، مسجد مسجد ہی رہے گی۔	۱۸۲-۱۸۱
۹۶	وقف میں یہ شرط معتبر نہیں کہ اس میں فلاں قوم نماز پڑھے، فلاں نہ پڑھے۔	۱۸۲
۹۷	مخالف کی پانچویں دلیل اور اس کا رد۔	۱۸۳-۱۸۲
۹۸	وقف کے شرائط سے ہے کہ بوقتِ وقف واقف کا ملک ہو۔	۱۹۳-۱۸۲
۹۹	غیر واقف متولّی اگر کسی وقف حویلی کو مسجد میں داخل کردے تو وہ حقیقۃً مسجد نہیں بنتی، اسے دوبارہ حویلی بنانا جائز ہے۔	۱۸۳
۱۰۰	تعمیرِ مسجد کے بعد ضروریاتِ مسجد سے امام اوّل نمبر پر ہے۔	۱۸۴









فتاویٰ خوبیہ
جلد اول

































جلد اول
خزائن
فتاوی





فتاویٰ خواجہ
جلد اول









جلداول
فتاویٰ





جلد اول
فتاویٰ نوریہ



جلد اول
فتاویٰ نوریہ











جلد اول
فتاوٰی رضویہ



متفرقات







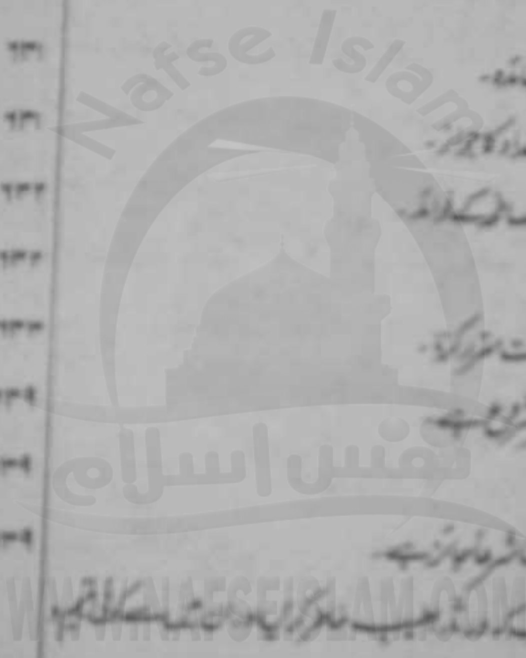




جلد اول
فتاویٰ



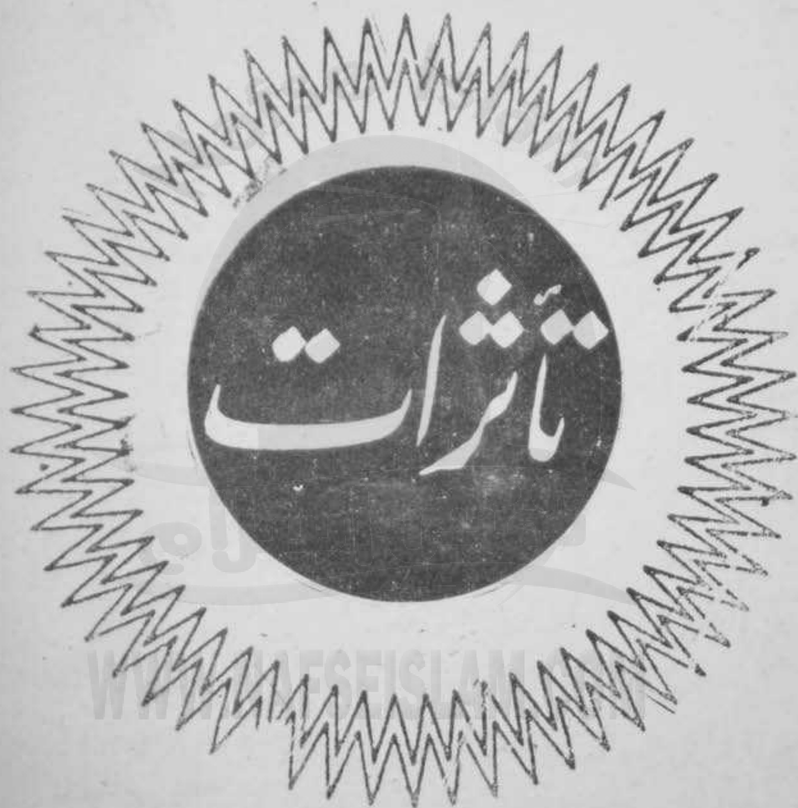




Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

تمّ الفہرس




تاثرات

تقریظ سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید احمد سعید کاظمی
صدر مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان
صدر مرکزی تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان
مہتمم وشیخ الحدیث مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان

فون | مدرسہ: 30429
رہائش: 76861
[illegible] کالونی
پولیس لائنز روڈ - ملتان

تاریخ لغرة جمادی الاخری ١٤٠٣ھ



الحمد لله الذی نور الآفاق والاقطار واستنار
بنوره عالم الانوار، والصلوٰة والسلام علی حبیبه
سید الابرار، نور الانوار، محمد المختار، و
آله وصحبه الاخیار، وبعد فیقول العبد الفقیر
الی المولی القدیر، احمد سعید الکاظمی الحقیر، قد
طالعت من بعض المقامات "الفتاوی النوریة"
لاعظم الفقهاء الحبر العلامة فضیلة الشیخ
الحاج استاذ العلماء مولانا ابی الخیر محمد نور الله
النعیمی القادری لازالت شموس علومه بازغة واقمار
فیوضه طالعة فوجدتها زاهیة بالجزئیات الفقهیة مؤیدة
بالدلائل القویة موشحة بالعبارات الانیقة فجزاه الله عنا و
عن سائر المسلمین جزاءً حسنا موافیا للنعمة مکافیا للفضل و
امتعنا بطول بقائه بمنه وکرمه نمقت الکلمات ارتجالا کما
طالعت الکتاب استعجالا وصلی الله تعالیٰ علی حبیبه وآله وصحبه و
امناء دینه وعلماء شریعته اجمعین وانا الفقیر المدعو باحمد سعید الکاظمی
غفر له ولوالدیه المولی القوی

ترجمہ تقریظ سعید

سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے زمین و آسمان کے اطراف و اکناف کو منور فرمایا اور جس کے نور سے عالم انوار مستنیر اور روشن ہوا اور اس کے حبیب خاص جو نیکیوں کے سردار، منبع انوار اور محمد مختار ہیں اور ان کی آل و برگزیدہ اصحاب پر تمام رحمتیں اور سلامتی نازل ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد قدرت والے مولیٰ کا عاجز و محتاج بندہ احمد سعید کاظمی کہتا ہے کہ تمام فضلاء سے عظیم تر، بہت زیادہ علم والے عالم، پیشوا، استاذ العلماء الحاج مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قادری (ان کے علوم کے سورج ہمیشہ چمکتے رہیں اور فیوض کے چاند ہمیشہ طلوع رہیں) کے فتاوٰے نوریہ کے بعض مقامات کا اچھی طرح مطالعہ کیا تو اسے جزئیاتِ فقہیہ سے مزین مضبوط دلائل کے ساتھ مؤید اور نفیس عبارات سے آراستہ پایا، اللہ تعالٰے ان کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ایسی بہترین جزا عطا فرمائے جو اس کی نعمتوں اور فضل کے برابر اور مساوی ہو اور اپنے کرم و احسان سے ان کی درازیٔ حیات کے ساتھ ہمیں نفع عطا فرمائے۔

میں نے یہ کلمات و سطور جلدی میں لکھی ہیں جیسے اس کتاب کا جلدی میں مطالعہ کیا، اللہ تعالٰے اپنے حبیب خاص پر اور آپ کی آل پر، آپ کے اصحاب، آپ کے دین کے امانتداروں اور آپ کی شریعت کے تمام علماء پر رحمتیں بھیجے

فقیر احمد سعید کاظمی

اسے اور اس کے والدین کو قوت والا مولیٰ اپنی مغفرت سے نوازے۔



وقتِ مجدّد

جامع معقول ومنقول استاذ الاساتذہ حضرت مولانا علامہ عطا محمد بندیالوی

چشتی گولڑوی مدظلہ العالی، بندیال ضلع سرگودہا



اَلْحَمْدُ لِاَهْلِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِهَا اَمَّا بَعْدُ:

ابتدائے آفرینش انسان سے رحمانی اور شیطانی قوتوں کی باہمی آویزش رہی ہے۔ ہر دور میں ہر قوت کے رئیس نے اپنی قوت کا مظاہرہ کیا، ہابیل کے مقابلہ میں قابیل پیدا ہوا اور ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں نمرود، موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ فرعون سے ہوا تو سید الانبیاء کا مقابلہ ایک بڑے فرعون ابوجہل سے ہوا اور پھر ہر صدی سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجددین کی ایک جماعت پیدا فرمائی جنہوں نے دین سے مبطلین کی بدعات کو نکال کر دین کی تجدید فرمائی۔ علماء نے ان مجددین کی ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ گذشتہ صدی کے

آخر اور تند روی کے اول میں ان کے علم و رشد و ہدایت کا شہرہ ہوتا ہے حضرت شیخ العلماء ابی الخیر شیخ الحدیث فقیہ اعظم محمد نور اللہ صاحب قدس سرہ آپ مجدد ہونے کی یہ علامت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

یہ فقیر محرر ایں سطور ایک مدرس ہے، تدریس کے بغیر دیگر کسی علمی شغل سے قاصر ہے لیکن فقیہ اعظم رحمۃ اللہ باوجود اس امر کے کہ ان کی صحت قابل رشک نہ تھی بے شمار صلاحیتوں کے مالک تھے۔ بندہ یہاں آپ کی چند صلاحیتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

اول

دار العلوم حنفیہ فریدیہ کی عالیشان تعمیر اور بہت بڑا کتب خانہ

دوم

اس دار العلوم میں سینکڑوں دینی طلباء کی رہائش، کتابوں اور خورد و نوش کا انتظام یعنی فقیہ اعظم اس عظیم دار العلوم کے ناظم اعلیٰ تھے اور کسی دار العلوم کی نظامت اتنی عظیم ذمہ داری ہے کہ دوسری طرف توجہ بہت مشکل ہے۔

سوم

حضرت فقیہ اعظم اس دار العلوم کے شیخ الحدیث تھے۔

چہارم

آپ بلند پایہ مفتی بھی تھے اور آپ کا فتویٰ پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی مقبول عام تھا۔

پنجم

چونکہ آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کے مجاز تھے اس لئے مریدین و متوسلین کا ایک عظیم حلقہ رکھتے تھے اور متوسلین کی رشد و ارشاد کا بھاری بوجھ بھی آپ کے کاندھوں پر تھا۔

ششم

تبلیغ دین کے لئے جلسوں اور کونشنوں میں تشریف لے جاتے اور سامعین کو محظوظ فرماتے



ہفتم

اہلِ سنت کی سیاسی اور مذہبی تنظیموں میں مجلس عاملہ اور شوریٰ کے رکن تھے۔

ہشتم

اکثر علماء و مشائخ کو دیکھا گیا ہے کہ ان کی اولاد یا تو علم سے محروم ہوتی ہے یا برائے نام عالمِ دین اور یا دنیاوی علوم سے بہرہ ور لیکن فقیہ اعظم نے اپنے تمام بیٹوں کو علمِ دین کی اعلیٰ تعلیم دی۔

نہم

حضرت فقیہ اعظم ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے چنانچہ فتاوٰے نوریہ اس کی بہترین مثال ہے۔ فتاوٰے نوریہ کے مطالعہ سے آپ کا تبحرِ علمی واضح ہوتا ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ سائل نے اگر سوال میں اجمال سے کام لیا ہے تو مفتیٔ اعظم نے سوال کی تمام شقوں پر تفصیل سے بحث فرمائی ہے۔

فتاوٰے نوریہ میں جدید مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے جو کہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے، ہو سکتا ہے کہ فتاوٰے کے بعض مسائل پر بعض علماء کو خلاف یا اختلاف ہو لیکن اکثر مسائلِ باصواب کی داد دینی ہی پڑتی ہے کیونکہ ہر عالم آدمی کی ہر تصنیف پر یہ خلاف اور اختلاف ہوتا آیا ہے، کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

فان ردّ فقد ردّ قبلی الوف

کل واحد منهم یقابل بصفوف

"یعنی میری تحقیق اگر رد کر دی گئی تو کوئی غم کی بات نہیں ہے کیونکہ مجھ سے قبل ہزاروں کو رد کر دیا گیا اور یہ ہزار بھی ایسے تھے کہ ہر ایک تن تنہا صفوں کا مقابلہ کرتا تھا۔"

اس وقت دار العلوم حنفیہ فریدیہ کے ناظمِ اعلیٰ مولانا الحاج مولوی محمد محب اللہ صاحب نوری زید مجدہ



ہیں جو کہ عقیدہ اہلسنت و جماعت میں اور عشق مصطفیٰ کے بہترین ترجمان ہیں۔

میری خلوص دل سے یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے عظیم مقصد کے عظیم مشن کو کامیابی سے جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے

آمین یا رب العالمین

احقر عطا محمد چشتی گولڑوی







ایک انقلاب آفریں کتاب

فقیہ العصر حضرت علامہ غلام رسول سعیدی دامت فیوضاتہم، شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی



فتاوی نوریہ سے پہلی بار میں اس وقت متعارف ہوا جب محترم عابد نظامی (سابق مدیر ضیائے حرم) نے مجھے اس کی پہلی جلد تبصرہ کرنے کے لئے دی، یہ تبصرہ تو میں بعض وجوہات کی بنا پر نہ لکھ سکا لیکن یہ جلد میرے زیرِ مطالعہ رہی۔ مجھ سے بعض اکابر علماء نے یہ کہا کہ اس پر تبصرہ نہ لکھو کیونکہ بعض مسائل میں حضرتِ مصنف (رحمہ اللہ) نے جمہور علماء سے اختلاف کیا ہے۔ مجھے عابد نظامی کا یہ جملہ آج بھی یاد ہے کہ حضرتِ فقیہِ اعظم (قدس سرہ) نے جو لکھا ہے، سو سال بعد تمام علماء کا اسی پر اتفاق ہو گا۔

فتاوٰے نوریہ سے میری دلچسپی کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ مجھے زمانۂ طالب علمی سے یہ بتایا گیا تھا کہ ہمارے نزدیک چلتی ٹرین کے سفر میں نماز جائز نہیں ہے۔ میرا ہر سال لاہور سے کراچی ٹرین میں سفر ہوتا تھا، میں لوگوں کو ٹرین میں نماز پڑھتے دیکھتا اور اس بات پر کُڑھتا کہ چلتی ٹرین میں میں نماز نہیں پڑھ سکتا اور یہ دنیادار اور داڑھی منڈے لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور اللہ کے مقرر کئے ہوئے فرض کو بجا لا رہے ہیں تا آنکہ میں نے پہلی بار فتاوٰے نوریہ میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث پڑھی اور بے اختیار حضرتِ فقیہِ اعظم (نور اللہ مرقدہ) کے لئے دل سے دعائیں نکلیں، میں نے اطمینان کا سانس لیا اور شرحِ صدر کے ساتھ چلتی ٹرین میں نمازیں پڑھیں اور فرضِ عین کو قصداً ترک کرنے کے گناہ اور وبال سے بچا۔ جو مسلمان فرض نماز کو ادا کرنے کی

ذمہ داری کا احساس رکھتے ہیں اور فرائض کی قدر و قیمت سمجھتے ہیں اور قصداً نماز ترک کرنے کے گناہ سے ڈرتے ہیں وہ یقیناً حضرتِ فقیہِ اعظم کی اس مجتہدانہ بصیرت اور اس علمی خدمت کی اہمیت کو سمجھتے ہوں گے اور اس فتوے کے شائع ہونے کے بعد جتنے مسلمانوں نے چلتی ریل میں نمازیں پڑھی ہوں گی ان سب کی نمازوں کا اجر و ثواب حضرتِ فقیہِ اعظم (ادام اللہ فیضہ) کے قرطاسِ عمل کی زینت بنے گا۔ اس کے بعد میں دورۂ حدیث کی تعلیم میں ہمیشہ طلباء کو حضرتِ فقیہِ اعظم (نور اللہ روحہ) کے دلائل کی روشنی میں چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کی تلقین اور تبلیغ کرتا رہا اور جب اللہ تعالیٰ نے مجھے شرح صحیح مسلم لکھنے کی توفیق دی تو میں نے اس مسئلہ پر بہت زیادہ غور و خوض کیا اور مزید حوالہ جات کو تلاش کیا اور اس مسئلہ کو قرآنِ مجید، احادیثِ صحیحہ اور عباراتِ فقہاء کی روشنی میں لکھا اور مانعین کے تمام شکوک و شبہات کے تفصیلی اور مسکت جوابات لکھے لیکن مجھے اس حقیقت کا اعتراف بلکہ اظہار کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں رہنمائی اور روشنی مجھے فتاویٰ نوریہ سے ہی ملی۔

دوسرا معرکہ آرا مسئلہ انتقالِ خون کا تھا۔ ہمارے عام علماء انتقالِ خون کو ناجائز کہتے ہیں لیکن میں سوچتا تھا کہ آج کے زمانہ میں انتقالِ خون علاج معالجہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، جب کسی شخص کا کوئی بڑا آپریشن ہوتا ہے، جب کوئی کسی گاڑی کے حادثہ میں زخمی ہو جاتا ہے اور جسم کا بہت سا خون بہہ جاتا ہے تو اس کے علاج اور بعض اوقات اس کی جان بچانے کے لئے انتقالِ خون (یعنی کسی دوسرے شخص کا خون اس کے جسم میں پہنچانا) ناگزیر ہوتا ہے، اسی طرح جس شخص کو بلڈ کینسر ہو اس کا علاج ہی صرف یہ ہے کہ اس کے جسم کا سارا خون بدل دیا جائے۔

ہمارے عام علماء نے اس مسئلہ پر غور و فکر نہیں کیا بلکہ روایتی انداز میں انتقالِ خون کو ناجائز کہتے رہے۔ میں سوچتا تھا کہ ہمیں اس انسانی مسئلہ پر غور کرنا چاہئے تاہم کہ میں نے پہلی بار اس کے جواز پر حضرتِ فقیہِ اعظم (طاب اللہ ثراہ) کا مفصل فتوے پڑھا اور



میری ذہنی خلش دور ہوئی۔ میں اس مسئلہ پر مسلسل مطالعہ اور غور و فکر کرتا رہا اور جب اللہ تعالےٰ نے مجھے شرح صحیح مسلم لکھنے کی سعادت عطا کی تو میں نے اس مسئلہ کو بہت شرح و بسط کے ساتھ لکھا لیکن یہاں بھی میری فکری رہنمائی کا سبب حضرتِ فقیہِ اعظم (اسکنہ اللہ الجنۃ الفردوس) کا فتوےٰ ہی بنا تھا۔

اسی طرح بعض مسائل میں توارد اور توافق بھی ہوا مثلاً رمضان شریف میں تنہا فرض پڑھنے والے کے متعلق ہمارے ہاں یہ مشہور ہے کہ وہ امام کی اقتداء میں نمازِ وتر نہیں پڑھ سکتا۔ اس مسئلہ میں شروع سے میری رائے یہی رہی ہے کہ ایسا شخص امام کے پیچھے وتر پڑھ سکتا ہے پھر میں نے دیکھا کہ فتاوٰی نوریہ میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح لکھا ہے اور میں نے اس کے بعض دلائل سے استفادہ بھی کیا اور شرح صحیح مسلم میں یہ مسئلہ بہت تفصیل سے لکھا، بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی (رحمہ اللہ و قدس اسرارہ) کا بھی یہی فتوےٰ ہے۔



حضرتِ فقیہِ اعظم (شکر اللہ مساعیہ) کے نام سے میں پہلی بار اس وقت متعارف ہوا جب طالب علمی میں دورانِ سبق ایک بار یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ اگر امام کی آواز لاؤڈ سپیکر کے ذریعے مقتدیوں تک پہنچے تو آیا اس امام کی اقتداء میں نماز جائز ہے یا نہیں، مجھے بتایا گیا کہ اس مسئلہ پر حضرت فقیہِ اعظم (اطال اللہ درجاتہ) کا رسالہ "مکبر الصوت" چھپا ہوا ہے (یہ رسالہ فتاوٰی نوریہ جلد اول میں ہے) لوگ اس مسئلہ پر اختلاف تو کرتے ہیں لیکن اس رسالہ کے دلائل کا جواب پیش کرنے سے قاصر ہیں اور یوں حضرت کی علمی وجاہت مجھ پر منکشف ہوئی اور اب تو بیس برس سے زیادہ گزر گئے اور مانعین میں سے کوئی شخص تاحال اس رسالہ کے دلائل کا جواب نہیں لکھ سکا۔

میرے استاذ صاحب حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی (متعنا اللہ بطول حیاتہ) فرماتے ہیں کہ امام کا لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ مقتدیوں تک اپنی آواز پہنچانا زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اس طرح



بغیر کسی کراہت کے امام کی آواز مقتدیوں تک پہنچ جاتی ہے ورنہ مکبرین کے کھڑے کرنے میں بعض اوقات کراہت اور دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فتاویٰ نوریہ ایک انقلاب آفریں کتاب ہے، اس میں پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔ یہ محققین، مدرسین اور مفتیوں کی رہنما ہے، طلباء کیلئے فقہی معلومات کا انسائیکلوپیڈیا ہے اور عوام کے لئے دینی معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ اور خزانہ ہے۔ حضرت فقیہ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے لائق صد فخر فرزند حضرت محمد محب اللہ نوری زید مجدہم بڑی لگن اور محنت اور جانفشانی سے اس فتاویٰ کی اشاعت اور طباعت کرا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو شرف قبول کرے، ان کے حضرت والد گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیوض سے اور فتاویٰ نوریہ کی برکات سے تمام مسلمانوں کو مالا مال رکھے۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی

۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

۱۰ جولائی ۱۹۹۹ء







حیاتِ فقیہِ اعظم

تحریر
محمد محب اللہ نوری

عُمرہا در کعبہ و بُتخانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

قرنہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اُویس اندر قرن



حضرت فقیہ اعظم مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمۃ نسباً ارائیں، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد صوفی مشرب، پاکیزہ سیرت اور صاحب دل بزرگ تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا ابو النور محمد صدیق قدس سرہ "م ۱۳۸۰ھ ر ۱۹۶۱ء" نے ایک کتاب[1] کے سرورق پر حضرت علیہ الرحمۃ کا نام و نسب یوں تحریر فرمایا ہے

"علامہ دوراں، فہامہ زماں محمد نور اللہ سلمہ ربہ بانی و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پوری ابن ننگ اسلاف، احقر العباد فقیر محمد صدیق ابن حضرت مولانا مولوی احمد الدین ابن سلطان التارکین مولانا محمد ابراہیم[2] ابن مولانا مولوی جمال الدین

---

[1] سرورق "رسائل ابن عابدین" یہ کتاب راقم کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔
[2] آپ کے آباؤ اجداد ملوٹ ضلع فیروز پور میں قیام پذیر تھے۔ آپ دل کے غنی اور بے ریا طبیعت کے انسان تھے۔ آپ کی ملکیت میں ساڑھے چار سو ایکڑ زمین تھی۔ مگر محبت علم اور رضائے الٰہی کی خاطر جائیداد کو خیرباد کہتے ہوئے سکھوں کے عہد میں ہجرت کر کے ضلع اوکاڑہ کے ایک گاؤں میں آباد ہو گئے، اسی لئے آپ کو سلطان التارکین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔



ابن مولانا حضرت حافظ محمد حبیب اللہ ؒ برقع پوش طوفی فیروز پوری"۔

آپ کی ولادت باسعادت ۲۹ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ ر ۲۰ جون ۱۹۱۴ء کو موضع سوجیکی ضلع اوکاڑہ میں ہوئی۔ ولادت سے قبل ہی خاندان کے بزرگوں کو ملت اسلامیہ کی اس عظیم شخصیت کے ظہور کی متعدد بشارتیں بذریعہ رویائے صادقہ اور بوساطت اولیائے کرام مل چکی تھیں۔

تعلیم

حضرت علیہ الرحمۃ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد زبدۃ الاصفیاء مولانا ابو النور محمد صدیق چشتی علیہ الرحمۃ "م ۱۳۸۰ھ ر ۱۹۶۰ء" اور جد امجد حضرت مولانا احمد الدین علیہ الرحمۃ "م ۱۳۶۱ھ ر ۱۹۴۲ء" سے حاصل کرنے کے بعد سلف صالحین کی سنت کے مطابق طلب علم کے لئے سفر شروع کیا۔ آپ نے بڑی جانفشانی سے کام لیتے ہوئے متحدہ ہندوستان کے دور دراز مقامات پر جا کر متعدد علماء کرام سے علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل کی۔ اس سلسلے میں اساتذ

لے موصوف بلند پایہ عالم اور ولی کامل تھے۔ چہرہ انوار و تجلیات کا مرکز تھا روئے زیبا پر ہمیشہ حجاب رہتا اسی وجہ سے برقع پوش کے لقب سے مشہور ہوئے۔ تدفین کے بعد دوسرے روز ہی آپ کی مرقد پاک کو لمبے لمبے سبزہ زار نے ڈھانپ لیا گویا بعد از وصال بھی اس محبوب بندے کی ادائے محبوبی کو باقی رکھا گیا۔

ے مزید حالات کے لئے درج ذیل کتب کا مطالعہ کریں۔

(الف) حیات فقیہ اعظم (مولانا شبیر احمد ہاشمی) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء

(ب) انوار حیات (تذکرہ جلیلہ) مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

(ج) تذکرہ فقیہ اعظم (ابو الاحسان) مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء

العلماء حضرت مولانا فتح محمد جیبوی محدث بہاولنگری علیہ الرحمۃ "م ۸۹ ۱۳ھ ر ۱۹۶۹ء" کا نام

خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

حضرت علیہ الرحمۃ نے دوران تعلیم محنت لگن اور ذاتی مطالعہ سے وہ استعداد پیدا کی کہ اساتذہ بھی اس خداداد صلاحیت و لیاقت کے معترف تھے۔ اس ضمن میں آپ کے ہم جماعت حضرت علامہ جلال الدین صاحب جیون شاہی نے راقم سے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"میں آپ کو بچپن سے جانتا ہوں۔ میں نے آپ کو کبھی کھیلتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ ہمیشہ محو مطالعہ ہی پایا۔ دوران تعلیم ایک دفعہ ہم دیوبندیوں کے مشہور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں گئے۔ یہاں کے قابل ترین اور تجربہ کار مدرس مفتی محمد اسد اللہ ان دنوں شمس بازغہ پڑھاتے تھے۔ دوران سبق حضرت نے ایک اعتراض کیا مفتی مذکور نے جواب دیا حضرت نے پھر اعتراض کر دیا۔ اس طرح یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ مفتی صاحب نے سبق ختم کر دیا۔ کافی دیر مطالعہ کرنے کے بعد اگلے روز پھر یہی سبق پڑھایا مگر حضرت کے تند و تیز اور مضبوط اشکالات کے جواب سے عاجز رہے۔ آخر مجھے (مولانا جلال الدین کو) مخاطب کر کے برملا یہ کہا

"تم میرے ہم پلہ ہو مگر تمہارے بھائی اور ساتھی مولانا محمد نور اللہ علم میں مجھ سے کہیں زیادہ آگے ہیں"

حضرت علیہ الرحمۃ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے بعد حزب الاحناف لاہور تشریف لے گئے۔ جہاں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری علیہ الرحمہ (م ۵۴ ۱۳ھ ر ۱۹۳۵ء) اور مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد قادری علیہ الرحمۃ (م ۹۸ ۱۳ھ ر ۱۹۷۸ء) سے دورہ حدیث پڑھا۔ حضرت محدث الوری دورہ حدیث پڑھنے والوں کو



"اس بار تم مولانا محمد نور اللہ کی طفیل پڑھ رہے ہو"

دورہ حدیث مکمل کرنے کے بعد ۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء / ۶ شعبان ۱۳۵۲ھ کو سند فراغت و دستار فضیلت عطا کی گئی۔ اس موقعہ پر امام اہل سنت محدث الوری علیہ الرحمتہ نے آپ کو مطبوعہ سند کے علاوہ خصوصی اسناد سے بھی نوازا اور ابوالخیر کنیت عطا کی۔ بعد میں حضرت مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمتہ نے آپ کو فقیہ اعظم کے لقب سے ممتاز فرمایا۔ غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمتہ (م ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) نے بھی اپنے گرامی نامہ میں حضرت کے نام کے ساتھ فقیہ اعظم کا لقب تحریر فرمایا۔

جامع العلوم

حضرت فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ نے اپنی فطری ذکاوت و ذہانت سے زمانہ طالب علمی ہی میں علوم درسیہ کے متعدد علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل کر لی تھی۔ ایسے تمام علوم کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے جن کی تفصیل یہ ہے

(۱) علم قرآن	(۲) علم حدیث	(۳) اصول حدیث	(۴) تفسیر
(۵) اصول تفسیر	(۶) فقہ (جملہ مذاہب)	(۷) اصول فقہ	(۸) عقائد
(۹) کلام	(۱۰) فرائض	(۱۱) رسم الافتاء	(۱۲) تصوف
(۱۳) سلوک	(۱۴) اخلاق	(۱۵) سیر	(۱۶) شمائل
(۱۷) اسماء الرجال	(۱۸) تاریخ	(۱۹) قراءت	(۲۰) تجوید
(۲۱) صرف	(۲۲) نحو	(۲۳) معانی	(۲۴) بیان
(۲۵) بدیع	(۲۶) ادب	(۲۷) لغت	(۲۸) عروض و قوافی
(۲۹) فن تاریخ	(۳۰) منطق	(۳۱) فلسفہ	(۳۲) مناظرہ

(۳۳) ہندسہ (۳۴) ہیئات (۳۵) حساب (۳۶) طب
(۳۷) توقیت (۳۸) اشتقاق (۳۹) تکسیر (۴۰) زیجات
(۴۱) مثلثات (۴۲) مربع (۴۳) نظم و نثر عربی (۴۴) نظم و نثر فارسی
(۴۵) نظم و نثر اردو، پنجابی (۴۶) جدل (۴۷) تعبیر رؤیا (۴۸) طبعیات
(۴۹) فراست و قیافہ (۵۰) سیاست وغیرہ وغیرہ

مندرجہ بالا علوم میں نہ صرف یہ کہ آپ کو مکمل دسترس تھی بلکہ بعض پر تو آپ کی مستقل تصانیف موجود ہیں۔ مثلاً حدیث، فقہ، عقائد، صرف، نحو وغیرہ۔ دیگر علوم کے بارے میں آپ کی مہارت تامہ کا اندازہ آپ کی تصانیف سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔



درس و تدریس

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ نے تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے بنگلہ فاضلکا (بھارت) موضع واسو سالم، موضع سوجیکی وغیرہ مقامات پر تدریسی خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصہ اپنے استاد گرامی حضرت مولانا فتح محمد صاحب محدث بہاولنگری کے پاس ان کے مدرسہ مفتاح العلوم میں صدر مدرس رہے۔ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء میں تحصیل دیپالپور کے ایک قصبے فرید پور میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے نام سے مدرسہ کی داغ بیل ڈالی۔ آپ کی قابلیت اور پر تاثیر تدریس کا شہرہ عام ہونے لگا۔ جملہ علوم و فنونِ درس نظامیہ کی تدریس کا کام انجام دیتے رہے۔ کسی بھی فن کا درس ہوتا طلبہ کے قلوب و اذہان میں عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع فروزاں کرتے چلے جاتے۔ اسی مقام پر ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء میں بخاری شریف سے دورہ حدیث کا آغاز فرمایا یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ دورہ حدیث کی اس پہلی جماعت میں دیگر تلامذہ کے علاوہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد صدیق علیہ الرحمۃ بھی شریک درس تھے۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد ایک عظیم

الشان علمی ادارے کی متقاضی تھی۔ جس کے لئے یہ جاگیردارانہ ماحول مناسب نہ تھا۔ اس لئے آپ نے ۱۹۴۵ء / ۱۳۶۴ھ کو بصیر پور میں ڈیرہ جمایا۔ یہ پسماندہ علاقہ خصوصاوہ خطۂ زمین جس پر اب دارالعلوم موجود ہے قزاقوں کا مسکن تھا۔ اس وادی غیرذی زرع[1] کو اس عاشق مصطفٰے نے اپنی شبانہ روز محنت، پیہم لگن اور جہد مسلسل سے عظیم یونیورسٹی بنا دیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

آپ نے مسلسل پچاس سال قرآن، حدیث اور دیگر علوم و فنون کا درس دیا اسباق کی پابندی فرمائی۔ تدریس سے آپ کو بڑا شغف تھا۔ چنانچہ جب کبھی حرمین شریفین (زادھما اللہ شرفا) میں حاضری کا موقع ملتا تو وہاں بھی تصوف و حدیث کا درس جاری رکھتے۔ اسی وجہ سے آپ محدث عرب و عجم کے لقب سے بھی مشہور تھے۔ ۱۹۷۶ء میں احقر کو بھی مسجد نبوی میں گنبد خضراء کے سایہ تلے آپ سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

جب سنت یوسفی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جیل جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں بھی حدیث شریف پڑھاتے رہے۔ اسباق سے محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۸۲ء میں آپ نے اپریشن کرایا زخم ابھی مندمل نہیں ہونے پائے تھے، نقاہت[2] حد سے زیادہ تھی مگر آپ نے اس عالم میں بھی سلسلہ تدریس منقطع نہ ہونے دیا۔ یکم اپریل ۸۳ء کو شدید علیل ہوئے اس سے قبل یعنی ۳۱ مارچ کو بھی آپ نے باقاعدگی سے طحاوی شریف کا سبق پڑھایا گویا عمر بھر اپنے مرشد کامل کے بتائے ہوئے محبوب وظیفے ـــــــ درس و تدریس ـــــــ کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ سے فیض یافتہ حضرات آسمان علم پر آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔ ملک کے گوشے گوشے میں بلکہ بیرون ملک بھی آپ کے تلامذہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور افتاء و تبلیغ کے ذریعے رشد و ہدایت میں مصروف ہیں۔





بیعت و خلافت

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مرشد کامل کی جستجو کی۔ چونکہ درس و تدریس کا شوق تھا۔ اس لئے خیال پیدا ہوا کہ کہیں لمبے لمبے وظیفوں کا ارشاد نہ ہو جائے اس لئے آپ چاہتے تھے کہ ایسا رہبر ملے جو شریعت و طریقت کا جامع ہو۔ ۱۹۴۰ء میں آپ مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے تو حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ بس پھر کیا تھا آنکھ نے جو کچھ دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی۔

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاری دل
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

حضرت مفتی اعظم سید ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کے مشورے سے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ رہبر کامل نے خود ہی ارشاد فرمایا۔

”مولانا! آپ کا وظیفہ درس و تدریس ہے“

چنانچہ حضرت فقیہ اعظم نے عمر بھر اس وظیفہ کو حرز جاں بنائے رکھا۔

سیدی فقیہ اعظم رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ کی تعطیلات میں مراد آباد حاضر ہوئے تو حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے آپ کو سلوک و معرفت کی منازل طے کرائیں، اپنے سلاسل حدیث کی اسناد اور مختلف اشغال و اعمال اور اوراد و وظائف کی اجازت سے نوازا ۔۔۔۔ قلب منور کو مزید مجلّی کیا ۔۔۔۔ اور سلسلہ قادریہ مکیہ کے علاوہ دیگر سلاسل میں بھی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی ۔۔۔۔ اس تحریری اجازت نامے پر حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ ”۲۸ ستمبر ۱۹۴۲ء بروز پیر“ کی تاریخ درج فرمائی۔

صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے علاوہ حضرت کو اپنے استاد گرامی مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب الوری کی طرف سے بھی اسناد حدیث اور دیگر اعمال و وظائف اور سلاسل طریقت کی اجازت حاصل تھی۔ محدث الوری کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز سے اجازت حاصل تھی۔

حضرت علیہ الرحمۃ کو اپنے دیگر اساتذہ حضرت مولانا ابوالبرکات قادری اور محدث بہاولنگری کی طرف سے بھی بہت سے عملیات اور مختلف سلاسل طریقت کی اجازت حاصل تھی۔

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہٗ کی شخصیت اس قدر پرکشش تھی کہ ان کی خدمت میں حاضری دینے والا ہمیشہ کے لئے دامِ عقیدت و محبت میں گرفتار ہو جاتا۔ آپ سے متاثر ہو کر کئی بدمذہب اپنی بدعقیدگی سے تائب ہو کر مسلک اہل سنت کے مبلغ بنے۔ بے شمار لوگوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ آپ کے مریدین و معتقدین پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی موجود ہیں۔

تفقہ فی الدین

حضرت فقیہ اعظم فتوٰی نویسی میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے آپ کی ذات مرجع خلائق تھی، ملک اور بیرون ملک کے لوگ استفتاءات میں آپ کی طرف رجوع کرتے۔ فقہ میں آپ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا۔ ایک فقیہ اور مفتی کے لئے جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے وہ تمام تر آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی نے فتاوی نوریہ کی تقریب تعارف منعقدہ ۴ جون ۱۹۸۰ء بمقام پاکستان نیشنل سنٹر لاہور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"مفتی کے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے: (۱) علمی وسعت (۲) ایمانی فراست (۳) دیانت (۴) تزکیہ نفس۔ یعنی طہارت ظاہر و باطن یہ چار چیزیں اگر مفتی میں ہیں تو وہ صحیح معنی میں رہنمائی کر سکتا ہے۔ حضرت فقیہ اعظم میں یہ چاروں بتمام و کمال پائی جاتی ہیں۔"

فتاوی نوریہ کی چھ ضخیم جلدوں کے مطالعہ سے آپ کے تبحر علمی، وسعت نظر، قوت استدلال، صلابت رائے اور فقہی بصیرت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اکثر و بیشتر فتوے اعلیٰ ترین تحقیقی مقالات کے معیار پر پورے اترتے ہیں جن میں بیسیوں مآخذ سے رجوع کیا گیا ہے۔ ایک استفتاء کے جواب میں ضمناً آپ نے خود تحریر فرمایا!

"بفضلہ تعالیٰ مجھے التزام ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو متعدد معتمدات مذہب ضرور دیکھ لیا کرتا ہوں"۔ [1]

اس قدر محنت اور تحقیق کے باوجود آپ نے عمر بھر کسی سے فتویٰ نویسی کے عوض ایک پائی بھی وصول نہ کی، جو کچھ کیا محض رضائے الٰہی کے لئے کیا۔ اسی طرح درس و تدریس اور امامت و خطابت کے فرائض بھی عمر بھر بغیر کسی ادنیٰ معاوضے کے للّٰہیت و خلوص کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ دیانت دار ہو۔ اس پہلو میں بھی حضرت فقیہ اعظم ممتاز نظر آتے ہیں۔ یہاں آپ کے مکتوب کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جو بظاہر بہت معمولی بات ہے مگر اس سے حضرت کی زندگی میں امانت و دیانت کے اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کے تلمیذ رشید مولانا زید احمد صاحب نوری خطیب میاں چنوں نے ایک بار آپ کو مدینہ

---

[1] فتاوی نوریہ، جلد اول ۱۰۶

عالیہ میں خط تحریر کیا۔ خط میں مدینہ عالیہ کے بہت سے حضرات (جن میں کچھ دکاندار بھی تھے) کے نام سلام تحریر کردیئے۔ حضرت علیہ الرحمتہ چونکہ زیادہ تر وقت حرم نبوی میں رہتے تھے' ظاہر ہے اس قسم کی باتوں کے لئے آپ کے پاس وقت نہ تھا لہٰذا اس دیانت دار فقیہ نے مولانا موصوف کے نام تحریر فرمایا:

"مولانا ضیاء الدین و فضل الرحمٰن صاحبان کو سلام عرض کردیے ہیں مگر باقی احباب کے سلام آپ ہی کو واپس کرتا ہوں۔۔۔۔ آپ عجیب ہیں ایسی تکلیف اس ضعیف کو دینی نہیں چاہئے۔۔۔۔ دوکانداروں کو کہاں تلاش کروں؟ ۔۔۔۔ ان لوگوں کو آپ بالخصوص نام سے یاد نہیں رہ سکتے۔ یہاں تو ہر سال ہزاروں آتے ہیں۔ وہ کس کس کو یاد رکھیں اور میرے پاس ان حضرات کو تلاش اور پھر بڑی مشکل سے یاد دلانا اتنا وقت نہیں۔۔۔۔ سلام پہنچانے کے متعلق کہا جائے تو ضروری ہو جاتا ہے۔ جو میرے لئے احد پہاڑ سے بھی بڑا ہے۔"[1]

ایک فقیہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طبقاتی کشمکش اور گروہی و جماعتی تعصب سے بالاتر رہے اور حق گوئی کا مظاہرہ کرے۔ چنانچہ آپ سے بوہلی کے دودھ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ:

"ایک دیوبندی مولوی نے فتویٰ دیا ہے کہ اس کا کھانا ناجائز ہے"

اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا:

"بلاشک و شبہ و ریب شرعاً حلال ہے' اس کا کھانا پینا جائز ہے۔۔۔۔ کسی دیوبندی مولوی کے اس فتوے سے کہ کھانا ناجائز ہے یہ حکم نہیں بدلتا کہ ناجائز ہو

---

[1] مکتوب محررہ ۷ شوال ۹۳ھ

جائے"۔[1]

ایک اور فتویٰ کے جواب میں تحریر فرمایا:

"کسی دیو بندی کی سچی بات صرف اس لئے جھوٹی نہیں ہو سکتی کہ وہ دیو بندی کی بات ہے۔"[2]

اس کے برعکس اگر اپنے کسی ہم مسلک سے کوئی تساہل ہوا تو اس کا بھی برملا اظہار فرما دیا۔ مثلاً اہل سنت کے ایک عالم کی طرف سے بھجوائے گئے ایک استفتاء میں حضرت کے نام پر لفظ محمد پر "م" کا نشان لگا ہوا تھا اس پر یہ تنبیہہ فرمائی:

"یہ جو مشہور ہے اور اس کی بنا پر آپ نے بھی میرے نام پر "م" لکھ دیا ہے یہ سخت ناجائز ہے۔۔۔۔ پھر حضور کے اسم مقدس کے ساتھ بھی یہ "م" لکھنا ناجائز ہے۔"[3]

ایک عالم اور فقیہہ پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ بلا تحقیق جواب نہ دے اور اگر کسی مسئلے میں تحقیق نہ ہو تو اس کی وضاحت کرنے اور اصل صورت حال کے برملا اظہار میں اپنی توہین محسوس نہ کرے جیسا کہ امام دارالہجرۃ حضرت مالک بن انس سے ایک بار چالیس سوال دریافت کئے گئے مگر آپ باوصف اپنی جلالت علمی کے صرف چار کا جواب دے سکے اور چھتیس سوالات کے بارے میں فرمادیا "لا ادری" "ان کا جواب میری سمجھ میں نہیں آتا۔" حضرت فقیہہ اعظم کی ذات میں بھی یہی شان عجز و انکسار نظر آتی ہے۔ آپ اس وقت تک فتویٰ

---

[1] فتاویٰ نوریہ، حصہ سوم ۴۵۰

[2] فتاویٰ نوریہ، جلد اول ۶۷

[3] فتاویٰ نوریہ، جلد سوم ۱۱۶

نہ دیتے جب تک کامل تحقیق نہ ہو جاتی۔ ۱۳۷۱ھ میں آپ سے مولانا عبدالعزیز صاحب مہتمم مدرسہ احیاء العلوم بورے والا نے تین سوالات کا جواب طلب کیا۔ پہلے دو سوالوں کا جواب آپ نے عطا فرما دیا مگر تیسرا سوال نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے بارے میں تھا۔۔۔۔ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا۔

"واللہ تعالیٰ اعلم"[۱]

بعد میں جب تحقیق کامل ہوئی تو اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب تحریر فرما دی۔

ایک مفتی عالم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مخلص ہو، تحقیق مسائل میں نفسانیت سے بالاتر ہو کر حق کی جستجو میں لگا رہے۔ صاحب فتاویٰ نوریہ اس پہلو سے بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ علماء کو دعوت فکر و عمل دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"کیا تازہ حوادثات و نوازل کے متعلق احکام شرعی موجود نہیں کہ ہم بالکل صمٌ بکمٌ بن جائیں اور عملاً اغیار کے ان کافرانہ مزعومات کی تصدیق کریں کہ معاذ اللہ اسلام فرسودہ مذہب ہے۔ اس میں روز مرہ ضروریات زندگی کے جدید ترین ہزارہا تقاضوں کا کوئی حل نہیں۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔۔۔۔۔۔ یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ کسی ناجائز اور غلط چیز کو اپنے مفاد و منشا سے جائز و مباح کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں مگر شرعاً اجازت ہو تو عدم جواز کی رٹ لگانا بھی جائز نہیں۔ غرضیکہ ضد اور نفس پرستی سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ذمہ دار علماء کرام محض اللہ کے لئے نفسانیت سے بلند و بالا سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایسے جزئیات کے فیصلے کریں۔۔۔۔۔ مگر بظاہر یہ توقع تمنا کے حدود

---

[۱] فتاویٰ نوریہ، جلد سوم ۳۵۷

طے نہیں کر سکتی۔ اور یہی انتشار آزاد خیالی کا باعث بن رہا ہے۔۔۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون"۔[1]

ایک فقیہ اور مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے دل میں صاحب شریعت کی پختہ محبت ہو، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے اس کا قلب بھرپور ہو، وہ ایمانیات اور اعتقادیات میں متصلب ہو۔۔۔ صاحب فتاویٰ نوریہ کی ذات میں یہ اوصاف درخشاں نظر آتے ہیں۔ عشق نبوی نے آپ کو پختگی ایمان اور اتباع سنت و شریعت کی معراج پر پہنچا دیا تھا۔ سرکار کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی کرنے والا بھی آپ کے نزدیک واجب القتل تھا۔ فرماتے ہیں:



"شہنشاہ کون و مکان حبیب رب رحمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں نازیبا الفاظ اور گالی بکنے والا انسان تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے اور کافر بھی ایسا سخت کہ جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ حاکم اسلام اسے قتل کر دے۔ یہ سزا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔۔۔۔۔ ایسے بد خواہان ملک و ملت کو شرعی سزائیں لگائے اور پاکستان کے پاک وجود کو ایسے گندے اور ناپسند عناصر سے پاک فرمائے"۔[2]

مرجع العلماء

سیدی فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو جواد مطلق نے بے پناہ فقہی بصیرت سے بہرہ ور فرمایا

---

[1] فتاوی نوریہ، جلد سوم ۴۷۰

[2] فتاوی نوریہ، جلد سوم ۳۴۰

[3] فتاوی نوریہ، جلد اول ۲۰۹ تا ۲۱۱ (مفہوماً)

تھا۔ آپ کی اس خصوصیت کے پیش نظر آپ کے استاد گرامی مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد قادری رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو فقیہ اعظم کا لقب عنایت فرمایا اور سراج الفقہاء مفتی سراج احمد صاحب علیہ الرحمتہ (م ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء) نے آپ کو فقیہ اعظم اور علم کا بحر ذخار قرار دیا۔[1]

عام طور پر عوام الناس مفتیان کرام سے شرعی مسائل دریافت کرتے ہیں مگر حضرت فقیہ اعظم کی طرف رجوع کرنے والوں میں بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو بجائے خود محقق، مفتی، مصنف، مدرس، دانشور یا جید عالم دین تھے۔

مولانا محمد فیض الحبیب اشرفی فاضل دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور نے اس حوالے سے "فقیہ اعظم ۔۔۔ بحیثیت مرجع العلماء" کے عنوان سے مقالہ تحریر کیا ہے ان کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق فتاویٰ نوریہ کی چھ جلدوں میں ۱۹۲۶ استفتاءات ہیں جن میں ۱۶۵۵ استفتاءات عوام الناس کے ہیں جبکہ علماء و دانشور حضرات کے پیش کردہ استفتاءات کی تعداد ۲۷۱ ہے گویا استفتاء کرنے والوں میں ایک چوتھائی سے زائد تعداد علماء اور دانشوروں کی ہے۔

آپ کے ہم عصر اکابر علماء کرام آپ کی اجتہادی بصیرت اور تبحر علمی کے قائل تھے جب کوئی اہم معاملہ پیش ہوتا تو علماء، آپ کی طرف رجوع کرتے جب "خلافت معاویہ ویزید" نامی رسوائے زمانہ کتاب شائع ہوئی تو اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے آپ کے استاد حضرت سید صاحب کی نظر آپ کی طرف اٹھی چنانچہ ایک گرامی نامے میں یوں تحریر فرمایا۔

"اگر آپ (فقیہ اعظم) وقت نکال کر اس کے رد کی ہمت کریں تو اس فتنہ کی روک

تمام ہو سکتی ہے۔" [1]

صاحب بہار شریعت صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت علامہ عبدالمصطفےٰ الازہری (م ۱۹۹۰)، حضرت مولانا سید حسین الدین صاحب شیخ الحدیث جامعہ رضویہ، راولپنڈی اور دیگر علماء کرام نے ۱۹۷۶ء میں حج کے موقع پر عرفات میں آپ کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔ راقم الحروف اس واقعہ کا عینی شاہد ہے۔۔۔ علامہ ازہری صاحب نے بھی اپنے ایک مکتوب میں اس کا ذکر کیا ہے [2]۔

جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری جج وفاقی شرعی عدالت آپ کی اجتہادی بصیرت کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

"حضرت کا علم و حلم، ورع و تقویٰ، فقاہت و اجتہاد مسلمہ امور ہیں لیکن جس امر نے مجھے فکری اعتبار سے ہمیشہ ان کے قریب رکھا ہے وہ حالات حاضرہ کے جدید تقاضوں کا گہرا شعور اور مسائل عصریہ کا مجتہدانہ حل پیش کرنے کی اعلیٰ ترین صلاحیت کا ان میں موجود ہونا ہے۔

ایک مرتبہ پچیس سے زائد مسائل پر مشتمل ایک سوالنامہ فقیر نے پاکستان کے اکابر علماء کی خدمت میں ارسال کیا۔ جس میں انتقال خون، اعضاء کی پیوند کاری، ٹیوب بے بی وغیرہ جدید مسائل کے بارے میں رائے طلب کی گئی۔۔۔۔ حضرت مفتی صاحب (فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ) ان چند بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے جواب کی زحمت برداشت کی بلکہ صحیح یہ ہے کہ پوری دلچسپی سے معقول و مدلل جوابات صرف آپ ہی کے تھے۔" [3]

---

[1] مکتوب حضرت سید ابوالبرکات بنام فقیہ اعظم مخزونہ راقم الحروف

[2] حیات فقیہ اعظم، ۱۴۳

[3] مکتوب بنام مولانا شبیر احمد ہاشمی، محررہ ۶ مئی ۱۹۸۳ء



شیخ القرآن حضرت علامہ ابو الفضل والبیان مولانا غلام علی اشرفی اوکاڑوی دامت برکاتہم العالیہ نے حضرت کی جلالت علمی کا تذکرہ یوں کیا۔

"اگر دیگراں علماء اند او اعلم العلماء بود "اگر دیگراں فضلاء اند او افضل الفضلاء بود' لوگ فقیہ اعظم کہتے ہیں۔ لیکن میں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ اگر دیگراں فقہاء اند او افقہ الفقہاء بود۔۔۔۔ اگر دیگراں اصفیاء اند اور ئیس الاصفیاء بود و اگر دیگراں مشائخ اند او شیخ المشائخ بود۔۔۔۔ فتویٰ کے اندر اگر میں یہ کہوں کہ وہ اصحاب ترجیح سے تھے تو مبالغہ نہیں ہو گا۔ ان کے فتوؤں کے اندر اجتہادی شان ہے' مجتہدانہ بصیرت ان کو حاصل تھی' ویسے تو لابد للمفتی ان یکون مجتھداً ہر مفتی کے لئے مجتہد ہونا ضروری ہے لیکن حضرت فقیہ اعظم کے فتاویٰ کی اپنی شان ہے۔ ان کی بعض تحقیقات سے کسی کو اختلاف ہو تو الگ بات ہے لیکن ان کی فقاہت اور ثقاہت کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔[1]

انہی اوصاف کے پیش نظر شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی نے آپ کو "آیت من آیات اللہ" کہا[2] اور شہباز خطابت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب نے آپ کو دور حاضر کا امام ابو حنیفہ قرار دیا۔[3]

چنانچہ نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال' انگریزی اور ہومیو پیتھی ادویات' جاں بلب مریضوں کے لئے عطیہ خون' بچیوں کو لکھنے کی تعلیم دینے' ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں نماز'

---

[1] خطاب مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۸۳ء بمقام دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

[2] روایت مولانا ابوالاسد محمد ہاشم علی نوری مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور و خطیب پاکستان مولانا محمد عارف نوری قصوری مریدکے۔

[3] مکتوب مولانا ابوالسرور منظور احمد نوری قصوری بنام احقر محررہ ۱۸ فروری ۸۳ء



رویت ہلال، روزہ کی حالت میں انجکشن، بلغاریہ، ڈنمارک وغیرہ (جہاں سال کے کچھ دن ایسے آتے ہیں جن میں صرف ڈیڑھ دو گھنٹے کی رات ہوتی ہے) میں نماز روزے اور دیگر تقریبات کے اوقات کا تعین، حج کے لئے تصویر کا جواز، ایوبی دور میں عائلی قوانین پر مبنی پنجاب اسمبلی میں بیگم سلمٰی کے پیش کردہ بل پر تحقیقی رائے ایسے متعدد فتوے ہیں جن کے مستفتین بھی ملکی وغیر ملکی علماء کرام اور دانشور حضرات ہی ہیں۔

ذوق شعرو سخن

حضرت علیہ الرحمۃ بلند پایہ فقیہ اور تبحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ سخن فہم بھی تھے۔ آپ نے نعت گوئی کو بطور خاص اپنایا اور اپنے واردات قلبیہ اور جذبات عشق مصطفویہ کو اشعار کے سانچے میں ڈھالا۔ مختلف اصناف سخن میں وہ گل کاریاں کی ہیں کہ ذوق عش عش کر اٹھتا ہے اور وجدان جھوم جھوم جاتا ہے۔ آپ کا اکثر کلام فارسی میں ہے، تاہم عربی اردو اور پنجابی میں بھی نعتیں کہی ہیں۔ بیشتر کلام زمانہ طالب علمی کی یادگار ہے۔ آپ کا کلام آداب شرعیہ کی پاسداری کے ساتھ ساتھ محبت و شیفتگی کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی نعتیں بارگاہ حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء میں شرف قبولیت رکھتی ہیں ----- آپ کے ایک مرید حاجی رشید احمد صاحب نوری نے جو نہایت متقی اور متدین ہیں، راقم کو بتایا کہ مجھے خواب میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ---- ایک محفل جمی ہے ----- نعت خوانی ہو رہی ہے -- ایک فارسی نعت پڑھی گئی جس کا مطلع تھا۔



کے خدایا روئے زیبائے ورا بینیم باز
از بہم دو قوس ابروئیش تا بینیم باز

محفل پر عجیب کیفیت طاری ہے۔ نعت ختم ہوئی تو میں نے سرکار فداہ روحی کے حضور عرض کیا کہ یہ نعت مجھے تحریر کروادیں۔ آقا حضور نے ارشاد فرمایا:



"یہ نعت تمہارے پیرو مرشد کی کہی ہوئی ہے ان سے جاکر لکھوالو"

چنانچہ میں حضرت فقیہ اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اپنے بیاض سے نقل کر دی۔ آپ کا اکثر کلام غیر مطبوعہ ہے کچھ حصہ ۱۹۵۴ء میں نعمائے بخشش کے نام سے طبع ہوا۔

عشق مصطفیٰ علیہ التحیتہ والثنا

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کی حیات مبارکہ کا امتیازی وصف عشق مصطفیٰ تھا۔ آپ بلاشبہ فنافی الرسول اور فنافی حب المدینہ تھے۔ آپ کی محفل میں حاضری سے شرف یاب ہونے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ سرکار عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے شہر مدینہ منورہ کا ذکر آتے ہی مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپ اٹھتے۔ درس حدیث دیتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابلنے لگتے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں آرا کے دیدار میں محو ہیں۔ مولانا حافظ محمد اسد اللہ نوری کے نام ایک مکتوب گرامی میں اس حقیقت کو یوں منکشف فرماتے ہیں:



"میرا تو بفضلہ تعالیٰ یہ عالم ہے کہ بصیر پور میں درس اسباق دیتے ہوئے مدینہ عالیہ میں ہی حاضر معلوم ہوتا ہوں۔ گنبد خضراء پیش نظر رہے تو کوئی دوری نہیں۔ تعلیم بھی نہایت ضروری کہ صوفی بے علم شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے، ورنہ دل یہی چاہتا ہے کہ ہروقت مدینہ عالیہ حاضر رہے"۔[1]

آپ کے دل میں حاضری مدینہ کی کتنی تڑپ تھی، اس کی جھلک آپ کی تحریروں میں جا بجا دیکھی جا سکتی ہے۔ حضرت کے مرید خاص حاجی چودھری محمد اسحاق نوری متعدد بار حاضری

---

[1] مکتوب محررہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۹ء



مدینہ میں حضرت کے ہم سفر رہے۔ وہ حاضری بارگاہ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں تھے کہ ان کے نام ایک مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا:

"حسرت آتی ہے کہ آپ کے ساتھ ان پاک پیاری گلیوں میں یہ فقیر بھی ہوتا تھا مگر کیا کروں کہ یہ نامرادی کے دن بھی قسمت میں تھے۔ گو تذکرہ تو وہیں کا رہتا ہے مگر ہوں تو دور و مجبور۔۔۔۔ حاجی صاحب! اس گدائے بے نوا کی جلدی حاضری کی اجازت لے کر آئیں اور بغداد شریف کی حاضری کی منظوری بھی لے کر آئیں۔۔۔۔وہاں سب کچھ ملتا ہے"۔[1]

جب ظاہراً حاضری میں تاخیر ہو جاتی یا حج و عمرہ کے دن قریب آتے تو آپ کی بے قراری اضطرار کی شکل اختیار کر جاتی۔۔۔۔ دیکھئے اپنے مرید عبدالرزاق مدنی کو ایک مکتوب میں وارفتگی کی عجیب کیفیت میں لکھتے ہیں:



"حضرت مولانا قبلہ فضیلۃ الشیخ محمد ضیاء الدین احمد قادری مدظلہم سے نہایت نیازمندانہ سلام عرض کریں اور خاص الخاص دعا کرائیں کہ یہ سگ بے بضاعت بھی مدینہ کی گلیوں کی زیارت کر سکے۔۔۔۔ حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ چاچڑاں شریف والوں کا ایک شعر لکھتا ہوں کہ میرے دل کی حسرت کی آواز ہے

کوئی یار سینہر[2] گھل وے دن بیتے گزرے
میرا جاوے نہ جوبن ڈھل وے دن بیتے گزرے

مدنی صاحب! خوب بچوں کی طرح بلک بلک کر اور رو رو کر دعائیں کریں اور التجائیں کریں۔۔۔۔ ضدی بچے کے مہربان ماں باپ ضد پوری کر دیتے ہیں، ہمت کریں میں

---

[1] مکتوب محررہ ۲۰ اپریل ۱۹۸۰ء

تو بالکل بے دست و پا ہوں ---- کچھ بھی نہیں کر سکتا' نہ بچہ ہوں کہ ضد پر اڑ جاؤں ---- ہاں کرم ہی کرم درکار ہے"۔ ۱؎

محبت و عقیدت کی ان وارفتگیوں کی جھلک جا بجا ان کی تحریروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ مولانا الحاج غلام حسین نوری علیہ الرحمتہ (ساہیوال) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"دل مدینہ عالیہ کے لئے بے قرار ہے ---- اور بے قراری بھی کیا اضطرار ہے ---- ایک بدکردار 'گناہ گار' نامہ سیاہ اور حال تباہ اگر اپنے مولا و مالک کی بارگاہ بے کس پناہ میں فریادی بن کر حاضر نہ ہو تو اور کیا کرے؟ مجھے امید ہے کہ ظاہری مایوسیوں کے باوجود کوئی صورت بن آئے گی"۔ ۲؎



اور پھر کئی بار ایسا بھی ہوا کہ ظاہری بے سروسامانی کے باوجود بارگاہ حبیب سے بلاوا آ گیا ---- ۱۹۶۴ء کو آپ نے دوسرے حج کی درخواست دی' قرعہ اندازی میں نام نہ آیا ---- ذوالحجہ کا چاند نظر آ گیا۔ بظاہر مایوسی و ناامیدی تھی مگر آپ یہی فرماتے کہ میں حضور کے لطف و کرم سے ناامید نہیں ہوں ---- چنانچہ سرکار کی طرف سے عجیب کرم ہوا کہ یکم ذی الحجہ کو آپ قیلولہ فرما رہے تھے' خواب میں مشہور فقیہ مدینہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر کی زیارت ہوئی۔ موصوف نے فرمایا "میں حضور کے حکم سے آپ کو لینے آیا ہوں" گویا فقیہ اعظم پاکستان کے لینے کے لئے فقیہ مدینہ کو بھیجا گیا) بیدار ہوئے تو ڈاکیہ دفتر حج کی طرف سے اطلاعی چھٹی لئے کھڑا تھا جس میں تحریر تھا کہ آپ کا فلاں نمبر کا تار ملا ہے لہٰذا آپ ۸ مئی ۶۴ء

۱؎ مکتوب محررہ ۲۴ جون ۱۹۸۰ء / ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ

۲؎ مکتوب محررہ ۷ مارچ ۱۹۶۷ء

(۳ ذوالحجہ ۸۱ھ) کو کراچی پہنچیں ـــــ حالانکہ آپ نے کوئی تار نہیں دیا تھا۔ اس غیبی تار کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ چنانچہ آپ عازم حرمین شریفین ہوئے اور حج و زیارت کی سعادت سے نوازے گئے۔

اس عاشق مصطفیٰ کی مسرت اس وقت دیدنی ہوتی جب انہیں بارگاہ حبیب پاک سے اذن حضوری مل جاتا چنانچہ حاجی رشید احمد نوری بھٹی کو تحریر فرمایا:

"ستره ستمبر کو بصیر پور سے (مدینہ منورہ) روانگی ہے۔ اس دن میری عید کا دن ہے"۔[1]

پھر کوئی عزیز آپ کی علالت و نقاہت اور موسم کی حدت کے پیش نظر یہ عرض کرتا کہ:

ع گرمی ہے تپ ہے درد ہے کلفت سفر کی ہے

تو آپ اے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز کے ہم زبان ہو کر جواب دیتے:

ع ناشکر، یہ تو دیکھ عزیمت کدھر کی ہے؟

چنانچہ حاجی رشید احمد نوری بھٹی کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

"کل انشاء اللہ تعالیٰ روانہ ہو رہا ہوں۔ وللہ الحمد والمنۃ ـــــ آپ کی نصیحت بجا کہ کمزور ہوں اور گرمی بڑی ہے مگر مدینہ منورہ کی طرف منہ ہو تو کوئی خوف نہیں"۔[2]

۱۹۶۰ میں پہلی بار آپ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے پھر مسلسل یہ کرم ہوتا

---

[1] مکتوب محررہ ۱۴ اگست ۱۹۸۱ء

[2] مکتوب محررہ ۱۵ جولائی ۱۹۷۹ء

رہا۔۔۔ آپ نے کتنے حج کیے؟ یہ تعداد خود ان کو بھی یاد نہ تھی ایک بار راقم کے استفسار پر فرمایا:

"گنتی یاد نہیں رکھی، اصل مقصود حاضری ہے جو ان کی نگاہ کرم سے ہو جاتی ہے"

ایک بار اس عظیم احسان کا تذکرہ یوں فرمایا:

"بچپن میں کہیں ایک نعت کہی تھی جس کا ایک شعر ہے:

میں صدقے خزانے بھرے تیرے مولا

کدی کاسے بھر دے تو نور گدا دے

میں نے اس دعائیہ شعر میں "کاسہ" کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ "کاسے" کہا تھا، چنانچہ ان کی بارگاہ سے کرم ہو ہی جاتا ہے کہ بار بار بلا لیتے ہیں"

ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کو بیس مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی۔ ۱۹۸۳ء میں بھی حاضری کا پختہ ارادہ تھا۔۔۔۔۔ چنانچہ احقر کے نام مدینہ منورہ میں مکتوب گرامی ارسال فرمایا، جس میں اس خواہش کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

"میرے لئے بھی آئندہ سال حاضری کی اجازت مانگتے آئیں یہ عرض کر کے کلیبکم یستجیز فی الحضور" [1]

چنانچہ علالت سے پہلے پروگرام طے پا چکا تھا کہ رمضان المبارک کے بعد حاضری دی جائے گی۔۔۔۔ ایام علالت میں آپ کے ایک مرید چوہدری محمد اسحاق صاحب نوری مدنی عیادت کے لئے حاضر ہوئے۔ موصوف متعدد حاضریوں میں آپ کے رفیق سفر رہے ہیں، احقر بھی حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ نقاہت کا یہ عالم کہ زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی مگر یہ

---

[1] مکتوب محررہ یکم اکتوبر ۱۹۸۲ء

گفتگو صاف سنائی دی---- آپ نے چوہدری صاحب سے مخاطب ہو کر دریافت کیا۔

"مدینہ منورہ کب حاضر ہو گے؟" عرض کیا: "رمضان شریف سے پہلے کا ارادہ ہے"

فرمایا: "میرا بھی یہی پروگرام ہے۔" احقر نے عرض کیا: حضور! آپ کا پروگرام تو عید کے بعد کا

بنے گا۔ "فرمایا" "اب مدینہ شریف پہلے حاضری ہو گی۔ رمضان شریف سے بھی پہلے----

بہت جلد حاضری ہو گی"

اور واقعی سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مرید صادق کو "کاسہ ہائے وصال" پلائے جانے کا مژدہ جاں فزا سنایا گیا اور سرکار کی طرف سے حقیقی وصل کی نوید پہلے ہی آپہنچی---- ہاں رمضان المبارک سے بھی پہلے---- بہت پہلے----



محبوبانِ حق کی بارگاہ میں

حضرت قدس سرہ کو محبوب اکرم علیہ التحیتہ والتسلیم سے محبت کرنے والوں اور آپ کی راہوں کے راہی---- اولیاء کرام اور مشائخ عظام سے بے پناہ محبت تھی۔ اس محبت و عقیدت نے اپنا رنگ دکھایا۔ ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء میں آپ عراق و شام کے راستے مدینہ پاک حاضر ہوئے اور بغداد شریف، کربلا معلیٰ، نجف اشرف، کوفہ، بصرہ، دمشق، حلب وغیرہ شہروں میں تشریف لے گئے جہاں متعدد مقبولان بارگاہ الٰہی کے درباروں پر حاضری دی۔ جن مزارات پر آپ حاضر ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

حضرات انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام: حضرت زکریا، حضرت یونس، روضہ مبارکہ سرالقدس حضرت یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین: سیدنا علی المرتضیٰ، امام عالی مقام سید الشہداء امام حسین، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

تابعین و اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ: سیدنا غوث الاعظم جیلانی، امام اعظم ابو حنیفہ،

حضرت عباس بن علی، حضرت حسن بصری، حضرت محمد بن سیرین، حضرت موسیٰ کاظم، حضرت سری سقطی، حضرت معروف کرخی، سیدنا جنید بغدادی اور سلطان صلاح الدین ایوبی ۔۔۔ رحمہم اللہ تعالی۔

علاوہ ازیں آپ دمشق کی جامع مسجد اموی میں بھی گئے اور بابل کے کھنڈرات اور عجائب گھر کا بھی مشاہدہ کیا۔[1]

سیاسی بصیرت



حضرت فقیہ اعظم نوّر اللہ مرقدہ جامع الصفات شخصیت تھے۔ وہ بیک وقت بہترین مدرس بھی تھے اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک منتظم بھی ۔۔۔ نعت گو شاعر بھی تھے اور بلند پایہ محقق و مصنف بھی، ژرف نگاہ مفتی بھی تھے اور شیخ کامل بھی ۔۔۔ ان گوناگوں اوصاف کے ساتھ ساتھ جواد مطلق نے آپ کو سیاست میں بھی بڑی فراست سے بہرہ ور فرمایا تھا اگرچہ عملاً سیاست سے کنارہ کش رہے تاہم جب بھی دین کی سربلندی کے لیے قربانیوں کا موقع آیا تو قوم نے آپ کو مجاہدین کی صف اول میں پایا۔ چنانچہ آپ نے تحریک پاکستان میں اپنے مرشد گرامی حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز اور دیگر اکابر علماء و مشائخ اہل سنت کے ساتھ مل کر اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر نمایاں کردار ادا کیا۔

۱۹۴۶ء میں جب کانگرس اور مسلم لیگ کا انتخابی معرکہ ہوا تو آپ نے اپنا بھرپور اثر و رسوخ استعمال کیا۔ نتیجتاً اس حلقہ انتخاب میں مسلم لیگی امیدوار کو کامیابی ہوئی۔ جہاد کشمیر میں غازی کشمیر حضرت علامہ ابو الحسنات قادری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔

---

[1] ان تمام زیارات کی تفصیل احقر کے نام آپ کے مکاتیب محررہ ۳، ۵ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ میں درج ہے



۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے پرزور حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ کو ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی مگر تین ماہ بعد رہا کر دیے گئے ۱۹۷۴ء میں سانحہ ربوہ کے باعث جب دوبارہ تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو آپ نے تحفظ ناموس رسالت کا نعرہ بلند کیا اور اس تحریک میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔

۱۹۴۸ء میں ملتان میں جمعیت علماء پاکستان کی تشکیل ہوئی' اس اجلاس میں حضرت بھی شریک ہوئے۔ آپ جمعیت کے اساسی ارکان میں سے تھے۔ اور جمعیت کی مجلس عاملہ و شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ ۱۹۷۷ء میں خواص و عوام کے پرزور اصرار پر جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کی خاطر باقاعدہ الیکشن میں حصہ لیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ حکمران پارٹی کی مخالفت کرنا جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا مگر اس مرد مجاہد نے نعرہ قلندرانہ بلند کیا۔ مخالفت کی آندھیاں اٹھیں' بدتمیزی کے جھکڑ چلے' دھمکیوں کے طوفان اٹھے مگر جرات و استقلال کے اس کوہ گراں کے پائے ثبات میں ذرا بھر لغزش بھی نہ آئی۔ آپ کے الیکشن میں حصہ لینے اور کلمہ حق کہنے کی پاداش میں حکومت وقت نے کئی انتقامی منصوبے بنائے (جن کا دستاویزی ثبوت موجود ہے) مگر آپ نے تمام سازشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ہر مقام پر ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔

ملک کے دیگر مقامات کی طرح اس حلقہ انتخاب میں بھی وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوئیں۔ دھاندلیوں کے خلاف ابھرنے والی تحریک کے نتیجہ میں جبر و استبداد اور آمریت کا بت پاش پاش ہو گیا۔ نظام مصطفیٰ کی اس تحریک میں آپ کا مثالی کردار ہمیشہ دعوت فکر و عمل دیتا رہے گا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو ایک بہت بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتاری دی۔ ساہیوال سنٹرل جیل میں بھی اپنے مشن کو جاری رکھا اور درس قرآن کریم کے علاوہ قیدی طلباء و علماء کو بخاری شریف کا درس بھی باقاعدگی سے دیتے رہے۔

۱۹۷۸ء میں آپ کو جماعت اہلسنت پاکستان کا سینئر مرکزی نائب صدر مقرر کیا گیا۔ آخر عمر تک آپ اس عہدے پر فائز رہے۔

اتباع شریعت

حضرت فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ کی پوری زندگی اتباع نبوی اور عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت تھی۔ ان کا چلنا پھرنا' اٹھنا بیٹھنا غرض ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ کے مطابق تھی۔۔۔۔۔۔ عبادت و ریاضت اور تقویٰ و طہارت میں مقام رفیع پر فائز تھے۔ فرائض و واجبات کے علاوہ سنن و نوافل کا وہ اہتمام کہ باید و شاید۔۔۔۔۔۔ بچپن ہی سے تہجد کی عادت تھی۔ جس پر عمر بھر مواظبت فرمائی۔ چنانچہ آپ کے ہم جماعت اور بچپن کے ساتھی حضرت علامہ جلال الدین جیون شاہی علیہ الرحمتہ (م ۱۹۸۴ء) نے احقر کو بتایا کہ "حضرت فقیہ اعظم کو میں نے گیارہ بارہ سال کی عمر میں بھی تہجد کا پابند اور عادی پایا" آپ اپنے مریدین و معتقدین کو بھی پابندی سے تہجد ادا کرنے کی تاکید فرماتے۔ چنانچہ اپنے ایک مرید حاجی سکندر علی نوری کے نام تحریر فرمایا:

"نماز پنجگانہ اور نفل تہجد کا خیال آپ کے اہل خانہ بھی رکھیں اور اوراد وظائف پورے کرتے رہیں" [1]

ایک اور مکتوب گرامی میں مولانا مسعود احمد نوری بن مولانا زید احمد نوری خطیب گوجرانوالہ کے نام تحریر فرمایا:

"نمازیوں اور ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک و محبت سے رہا کریں' تہجد قضا نہ کیا

---

[1] مکتوب محررہ ۲۱ اگست ۱۹۷۲ء

کریں۔"[1]

آپ نے عمر بھر شریعت مطہرہ پر پابندی کا درس دیا۔ جس کی جھلک جا بجا آپ کی تحریروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔۔۔۔۔۔۔اپنے ایک فرزند نسبتی مولانا حافظ فیض الرحمٰن کوثر کے نام ایک مکتوب میں یہ نصیحت فرمائی:

"اپنے اوقات عزیزہ پڑھنے اور پڑھانے میں پورے کریں اور استقامت علی الشریعۃ کا خاص خیال رہے کہ اصل وہی ہے اور اسی میں مدارج عالیہ مضمر ہیں۔ خاقانی نے خوب کہا ہے۔

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی

حکیم سنائی نے بھی خوب سنائی ہے۔

غم دین خور کہ غم غم دین است
ہمہ غمہا فروتر از این است"[2]



اسی طرح حضرت مولانا ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری، مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری اور مولانا ابو الحقائق محمد رمضان نوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام تحریر فرمایا:

"شریعت غراء پر عمل پوری کوشش سے کرتے رہیں۔۔۔ ہر قسم کی خیانت سے پوری پرہیز رہے، خلوص و اخلاص و اتفاق سے وقت بسر کریں، یہ دنیا لعب و لہو ہی

---

[1] مکتوب محررہ ۴ر جنوری ۱۹۷۲ء

[2] مکتوب محررہ ۶ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ

تو ہے۔"[1]

شخصیت

حضرت فقیہ اعظم باوقار، بارعب اور پر کشش شخصیت کے حامل تھے۔ آپ بچوں پر رحمت، طلباء پر شفقت اور بزرگوں سے مودت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی زندگی حافظ شیرازی کے اس شعر۔

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں مروت با دشمناں مدارا

کا صحیح مصداق تھی۔ اخلاقیات میں صاحب خلق عظیم کے مظہراتم تھے۔ شخصیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آپ کی ذات شرافت و متانت، جرأت و استقلال، ہمدردی و خیر خواہی، حلم و بردباری، بے لوثی و فرض شناسی، عالی ظرفی، علم و عمل، تواضع و انکساری، خدا ترسی اور پرہیزگاری کا مرقع تھی۔ آپ نے ۱۹۷۵ء میں اپنی جواں سال عالمہ فاضلہ صاحبزادی کی وفات اور پھر ۱۹۷۸ء میں جواں سال عالم فاضل محقق اور قابل ترین صاحبزادے مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمۃ کے وصال پر جس صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا وہ تاریخ عزیمت کا درخشندہ باب ہے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کے موقع پر کتب احادیث میں حضور علیہ السلام والصلوۃ کے طریق عمل کی منظر کشی کی گئی ہے۔ حضور کے اس متبع اور مظہر نے اپنے عمل سے وہی سماں پیدا کر دیا کہ آنکھیں اشکبار تھیں اور زبان پر یہ کلمات جاری تھے۔

"ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یا ابراہیم

---

[1] مکتوب محررہ مدینہ منورہ ۲۷ مئی ۱۹۶۰ء

لحز و نون"

"آنکھیں اشکبار ہیں' دل غمگین ہے ۔۔۔۔۔ مگر ہم ایسی کوئی بات نہیں کہتے ہیں جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو ۔۔۔۔ اور ہم اے ابراہیم تیرے فراق سے بڑے رنجیدہ ہیں۔" [1]

عاجزی و فروتنی آپ کے ماتھے کا جھومر اور استغناء و توکل آپ کی زینت تھے۔ آپ کبھی کسی امیر یا وزیر کے دروازے پر نہ گئے' جلب زر اور طلب دنیا سے پہلو تہی کی ۔۔۔۔ انہیں بھروسہ تھا تو بس اپنے کریم' روف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات پاک پر ۔۔۔۔ حاجی رشید احمد نوری کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

"آپ نے رقم کی ضرورت دریافت فرمائی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں واقعی فقیر ہوں مگر کس کا؟ شہنشاہ دوسرا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ۔۔۔۔ لہٰذا آپ کی رقم کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ خود ضرورت کے مطابق بھیج دیتے ہیں یا بھجوا دیتے ہیں ۔۔۔۔ میرا اکاؤنٹ تو مدینہ منورہ میں ہے۔ میرا ایک شعر ہے۔

چوں وہابی وہم بیزادی نمی داریم ا
چوں در اغنائے محبوب خدا بینیم باز" [2]

حب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی دولت ہی ان کا اصل سرمایہ تھا۔ جیسا کہ حافظ فیض الرحمٰن کے نام تحریر فرمایا:

- "دنیا دار المحن اور سجن المومن ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور حب الحبیب الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے دل آباد رکھے تو سب کچھ حاصل ہے ۔۔۔"

---

[1] مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت

[2] مکتوب محررہ ۱۴ راگست ۱۹۷۲ء

وصال

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے یکم رجب ۱۴۰۳ھ / ۱۵ اپریل ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک دوپہر ایک بجے وصال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ———— ملتان کے حافظ غلام حسین صاحب نے مجھے اپنا ایک خواب سنایا جو انہوں نے حضرت کے وصال سے ایک روز قبل دیکھا اس سے حضرت کی حقیقی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حافظ صاحب موصوف نے بیان فرمایا:

"ایک وسیع سبزہ زار کے ایک حصے میں دریاں بچھی ہوئی ہیں اچانک ایک طرف سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ صحابہ کرام علیہم الرضوان تشریف لا رہے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دریوں کی بجائے سبزے پر جلوہ فرما ہو گئے اور یہ جملہ ارشاد فرمایا "محمد نور اللہ ہو خادمنا۔۔۔ ہو خادمنا۔۔۔ ہو خادمنا" یعنی محمد نور اللہ ہمارے خادم ہیں (تین مرتبہ) گویا آقا علیہ السلام سند قبولیت سے نواز رہے ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے حضرت کے لئے ایک لمبی دعا فرمائی"



اس سلسلے میں ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے آستانہ عالیہ حضرت شاہ مقیم علیہ الرحمتہ (حجرہ شاہ مقیم) کے سجادہ نشین سید اعجاز علی شاہ صاحب قادری زید مجدہ نے راقم کو اپنا خواب سنایا جس سے بعد از وصال آپ کی بارگاہ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ یکم رجب ۱۴۰۳ھ کی صبح میں نے آستانہ عالیہ حضرت شاہ مقیم علیہ الرحمتہ میں حاضر ہو کر حضرت علیہ الرحمتہ کے لئے دعا کی اور ساتھ

لے مکتوب محررہ ۳ فروری ۱۹ء



ہی صاحب مزار کی بارگاہ میں عرض کی کہ خصوصی توجہ فرمائیں کیونکہ حضرت مولانا کا ہم پر ایک بہت بڑا احسان ہے[1] ۔۔۔۔۔ چنانچہ دوپہر کے وقت خواب میں دیکھتا ہوں کہ میرے مرحوم بھائی کے ہاتھ میں سبز رنگ کی ایک دستار ہے جو انہوں نے مجھے دی اور کہا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دستار دے کر آپ کے پاس بھیجا ہے کہ اسے مولانا کے سر پر رکھ دیں ۔۔۔۔ میں نے اپنے بھائی سے پوچھا کہ حضرت صاحب کہاں ہیں انہوں نے بتایا کہ اسی کمرہ میں تشریف فرما ہیں۔ میں نے حضرت کو وہاں موجود پایا اور حضور فداہ روحی کی بھیجی ہوئی دستار آپ کے سر پر باندھ دی۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا کہ :

"حضرت کو مدینہ منورہ روانہ کیا جا رہا ہے"

اگرچہ یہ خواب کی باتیں ہیں مگر راوی معتبر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بصیرت سے نوازا ہے وہ یقیناً اس سے رہنمائی حاصل کریں گے۔



حضرت علیہ الرحمتہ کے وصال کی خبر قیامت اثر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ٹیلیویژن اور ریڈیو پاکستان نے دو مرتبہ یہ خبر نشر کی۔ اخبارات نے صفحہ اول پر یہ جانکاہ خبر شائع کی۔ ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ ملک بھر سے لوگ بصیر پور پہنچنا شروع ہو گئے۔ ۱۶ اپریل کو غسل دینے کے بعد حضرت کو دن کے گیارہ بجے دار العلوم کے صحن میں رکھ دیا گیا۔ تین بجے تک مشتاقان دید، دیدار سے مشرف ہوتے رہے۔ آپ کا چہرہ انور پھول کی طرح کھلا ہوا تھا اور اس پر نورانیت اور مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ روزنامہ مشرق لاہور نے اپنی رپورٹ میں یوں

---

[1] حضرت سجادہ نشین صاحب نے اس احسان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ چند سال ہوئے میرے جواں سال بھائی سید امتیاز علی شاہ صاحب وفات پا گئے تو حضرت صاحب قبلہ باوجود علالت کے تشریف لائے اور جنازہ پڑھایا۔

تحریر کیا۔

"مولانا مرحوم کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ دیکھ کر لوگوں کا ایمان تازہ ہو رہا تھا"۔ [1]

نشان مرد مومن با تو گویم

چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

نماز ظہر کے بعد آپ کی چارپائی اٹھا کر دارالعلوم کی مسجد کے پچھلی طرف دارالفرقان میں رکھی گئی۔ غزالی زمان حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمتہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کے جنازہ کا اجتماع تاریخی تھا دارالفرقان، مسجد اور دارالعلوم کے وسیع و عریض صحن کے علاوہ مسجد سے ملحقہ تمام پلاٹ، چھتیں، گلیاں مخلوق خدا سے اٹی پڑی تھیں۔ روز نامہ جنگ "۱۸ اپریل ۱۹۸۳ء" نے جنازہ کا اجتماع ڈیڑھ لاکھ بتایا۔ تاہم محتاط اندازے کے مطابق دو لاکھ سے بھی متجاوز تھا۔ ملک بھر کے نامور علماء و مشائخ کا جم غفیر تھا۔ مولانا تابش قصوری صاحب رقم طراز ہیں۔

"کم و بیش چالیس ہزار علماء و مشائخ عظام، اصفیاء و حفاظ کرام شریک جنازہ تھے۔ ان خواص کے علاوہ عوام کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں"۔ [2]

نماز جنازہ سے قبل غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی نے اپنے پر درد خطاب میں فرمایا

"امام الفقہاء سیدی فقیہ اعظم کے وصال سے پورا ملک یتیم ہو گیا ہم سب یتیم ہو گئے ----- علم و تقویٰ دفن ہو رہے ہیں"



---

[1] روز نامہ مشرق لاہور، ۱۸ اپریل ۱۹۸۳ء

[2] ترجمان اویس، مرید کے، شمارہ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ

دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے مشرقی حصہ میں اس پیکر قدسی کو اپنے والد ماجد کے پہلو میں آغوش رحمت میں لٹا دیا گیا۔ آپ کی قبر مبارک میں لگنے والی کچی اینٹوں پر متعدد قرآن پاک ختم کئے گئے تھے۔ آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔ روضۂ مبارکہ کی عالی شان عمارت زیر تعمیر ہے۔ آپ کا عرس مبارک رجب المرجب کی پہلی اور دوسری تاریخ کو بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوتا ہے۔ جس میں ممتاز علماء و مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں۔

حضرت علیہ الرحمتہ کے سانحہ وصال پر اخبارات میں بے شمار تعزیتی بیانات شائع ہوئے۔ سینکڑوں خطوط موصول ہوئے اور بہت سے شعراء نے مناقب و قصائد اور قطعات تاریخ تحریر کئے۔ جن کے لیے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔ ذیل میں چند مناقب درج کی جاتی ہیں

پیر طریقت حضرت خواجہ غلام فخرالدین سیالوی مدظلہ ' (برادر گرامی شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمرالدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ) سیال شریف نے فارسی نظم تحریر فرمائی



آں ابوالخیر زبدۂ اخیار بود اندر علوم کوہ وقار

نامدار ولایت عرفاں در دیار علوم دیں سردار

سینہ گنجینہ اش زحب نبی دلش از ذوق وشوق دیں سرشار

رحلتش غرۂ زماہ رجب سال ہفتاد و دو ز عمر شمار

فخر آں بود چونکہ "نور اللہ"

مرقد اوست "مظہر انوار"

۱۴۰۳ھ

سید رضی شیرازی رقم طراز ہیں:

آں فقیہ بے عدیل و بے نظیر رفتہ است از گلشن عالم چوبو

تیرہ و تار است دنیائے علوم نیست در دنیا فقیہے ہم چو او

اے رضی سال وصال آں فقیہ "ہاں فقیہ اعظم مارفت" گو
۱۹۸۳ء

ممتاز نعت گو شاعر راجا رشید محمود مدح سرا ہیں:

فقیہ زماں صاحب اوج و عظمت رہے عمر بھر سادگی کی علامت
جو پوچھوں میں تاریخ ترحیل ان کی تو ہاتف کہے "فاضل پاک طینت"
۱۴۰۳ھ

جناب قمر یزدانی صاحب نے مادہ تاریخ پر مشتمل منقبت کے علاوہ نثر میں بھی تاریخ نکالی ہے چند جملے یہ ہیں:

"شخصیت بے مثال" "عابد مغفور" "عالم یکتا علامہ محمد نور اللہ نعیمی نور اللہ مرقدہ"
۱۹۸۳ء ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء

فارسی اور اردو کے علاوہ حضرت علیہ الرحمتہ کے متعلق عربی میں بھی منقبتیں کہی گئیں۔ حضرت مولانا ابو الضیاء محمد باقر صاحب نوری رحمتہ اللہ علیہ نے بہت سے تاریخی مناقب کہے جو ان کی تالیف "انوار حیات" میں چھپ چکے ہیں۔ ایک عربی منقبت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔



هو شیخ الاسلام و تاج الشریعۃ بل منبع التحقیق للہ درہ
بل مفرغ التدقیق واللہ سرہ طاف الوری و تفقد المثل عصرہ
فقیہٌ وجیہٌ مفسرٌ و محدثٌ شفاء لامراض البو الطن نظرہ
ذکی تقی عملہ و فق علمہ وفی الحب حب محمد مضیٰ عمرہ
وقد الھم تاریخ رحلتہ الضیاء
"فقیہ اعظم یمن زمن" مرہ
۱۴۰۳ھ

اولاد امجاد

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کے ہاں پانچ صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ جن میں دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں بقید حیات ہیں۔ صاحبزادگان کے نام یہ



ہیں:

(۱) مولانا ابو العطا محمد ظہور اللہ نوری

(۲) مولانا ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء)

(۳) صاحبزادہ محمد عبد اللہ

(۴) صاحبزادہ محمد اسد اللہ (یہ دونوں صاحبزادے کم سنی میں وفات پاگئے)

(۵) راقم الحروف محمد محب اللہ نوری

تصانیف



حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ صاحب تصنیف عالم دین تھے ----- تدریسی و انتظامی مصروفیات کے باوجود آپ نے کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ جن تصانیف کا علم ہو سکا وہ یہ ہیں:

۱۔ ○ فتاویٰ نوریہ ---- چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

○ جلد اول: پہلا ایڈیشن مطبوعہ چٹان پریس لاہور 1974ء، دوسرا ایڈیشن: 1981ء، تیسرا ایڈیشن: مطبوعہ گنج شکر پرنٹرز لاہور 1991ء، چوتھا ایڈیشن: شرکت پرنٹنگ پریس لاہور 1997ء، پانچواں ایڈیشن: 2003ء

○ جلد دوم: پہلا ایڈیشن ملی پرنٹرز لاہور 1977ء، دوسرا ایڈیشن گنج شکر پرنٹرز لاہور 1988ء

○ جلد سوم: پہلا ایڈیشن کمبائن پرنٹرز لاہور 1983ء، دوسرا ایڈیشن گنج شکر پرنٹرز لاہور 1994ء

○ جلد چہارم: گنج شکر پرنٹرز لاہور 1990ء

○ جلد پنجم، ششم: (یہ دونوں جلدیں یکجا ہیں) پہلا ایڈیشن گنج شکر پرنٹرز لاہور 1990ء، دوسرا ایڈیشن گنج شکر پرنٹرز لاہور 1993ء

۲۔ رسالۃ الرمز ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء غیر مطبوعہ[1]

۳۔ انوار اتقن الدولہ فی اجوبۃ اسئلۃ فکادولہ تصنیف ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء

---

[1] یہ رسالہ زمانہ طالب علمی کی یادگار ہے۔



۴۔ تنویر فیئی الزوال بنور عدل فیئی الزوال (عربی) ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور

۵۔ قضائے سنت فجر

۶۔ انار استمرار الکفار فی اضرار النار ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

۷۔ نور نعیمی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء [1]

۸۔ نور القوانین ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۳ء مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء

۹۔ عقود العساجد لعمار المساجد ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴

۱۰۔ مسئلہ سایہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء مطبوعہ لاہور

۱۱۔ افادۃ النشر او کد الامر ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

۱۲۔ نعمائے بخشش المعروف دیوان نور مطبوعہ مقبول احمد پریس لاہور ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء [2]

۱۳۔ حرمۃ المصاہرہ ترفع المناکحہ ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء

۱۴۔ نکبر الصوت ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۶ء مطبوعہ اردو پریس لاہور ۱۹۵۶ء [3]

۱۵۔ ضمیمہ نکبر الصوت ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء مطبوعہ لاہور آرٹ پریس لاہور



---

[1] یہ رسالہ دوسری بار ۱۹۷۹ء میں "بہروپیوں کا اصل روپ" کے نام سے شائع ہوا۔

[2] عربی، فارسی، اردو اور پنجابی منظوم کلام، جس کا اکثر و بیشتر حصہ زمانہ طالب علمی کی یادگار ہے۔ اردو اور پنجابی کا کچھ حصہ "نعمائے بخشش" کے تاریخی نام سے ۱۳۷۳ھ (۱۹۵۴ء) میں شائع ہوا۔ باقی غیر مطبوعہ ہے۔

[3] اس کتاب کا تاریخی نام نکبر الصوت لیس فوت (۱۳۷۵ھ) ہے۔ دوسرا ایڈیشن بمع ضمیمہ ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء میں خطیب پاکستان مولانا محمد شریف نوری علیہ الرحمۃ کے زیر اہتمام جمعیت اہل سنت قصور نے شائع کیا۔

۱۶۔ تقبیل الابہامین عند ثانی الاذانین ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء

۱۷۔ حدیث الحبیب ۸۳ھ ۱۹۶۳ء مطبوعہ الہلال پریس لاہور[۱]

۱۸۔ حرمت زاغ ۸۳ھ ۱۹۶۳ء مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور[۲]

۱۹۔ روزہ اور ٹیکہ ۸۲ھ / ۱۹۶۳ء مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء

۲۰۔ ابداء البشریٰ بتقبیل الصلوٰۃ فی الثمرۃ الکبریٰ[۳] ۹۸ھ ۱۹۷۸ء مطبوعہ نثار آرٹ پریس لاہور ۱۹۷۸ء

۲۱۔ الاقناع فی جواز تعلیم الکتابۃ للنساء ۹۲ھ ۷۲ء

۲۲۔ فوائد نوریہ (حواشی شرح جامی) غیر مطبوعہ

۲۳۔ حواشی صحیح بخاری غیر مطبوعہ (عربی)

۲۴۔ حواشی صحیح مسلم غیر مطبوعہ (عربی)

۲۵۔ حواشی جامع ترمذی غیر مطبوعہ (عربی)

۲۶۔ خطبات نوریہ (عربی) مطبوعہ ۱۹۸۲ء

۲۷۔ مکاتیب فقیہ اعظم غیر مطبوعہ

۲۸۔ مواعظ فقیہ اعظم غیر مطبوعہ

---

[۱] اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن نثار آرٹ پریس لاہور سے ۱۹۸۰ء میں اور تیسرا ایڈیشن جسارت پریس لاہور سے ۱۹۸۳ء میں طبع ہو کر انجمن حزب الرحمن کی طرف سے شائع ہوا۔

[۲] اس رسالہ کا تاریخی نام ہے "الجواب الاصل کہاب الغراب" یہ جمعیت علماء اسلامیہ لاہور (موتمر علماء پاکستان) نے شائع کیا۔ دوسری بار انجمن حزب الرحمن نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔

[۳] یہ رسالہ مشرقی پاکستان سے آمدہ سوالات کے جواب میں تحریر کیا گیا۔ جو خطیب دارالسلام جامع مسجد درسہ سلہٹ گنج (بنگلہ دیش) کی طرف سے شائع ہوا۔

تحریر۔ محمد محب اللہ نوری

مرتب

پیشانی کشادہ، مطلع انوار۔۔۔ سر پر علم و فضل کی دستار۔۔۔ چہرہ پُر نور۔۔۔ آنکھیں بادہ محبت سے مخمور۔۔۔ روئے تاباں پر سیاہ گھنی داڑھی کی بہار۔۔۔ سنت محبوب پروردگار۔۔۔ آواز گرجدار۔۔۔ لہجہ باوقار۔۔۔ خلیق و غمگسار۔۔۔ اعدائے دین کے لئے ننگی تلوار۔۔۔ بلند کردار۔۔۔ عابد شب زندہ دار۔۔۔ تحریر، تقریر اور تدریس میں یکہ وطاق۔۔۔ زادہ اللہ بسطۃً فی العلم والجسد کے صحیح مصداق۔۔۔ عاشق رسول۔۔۔ جامع معقول و منقول۔۔۔ نازش علم و عمل۔۔۔ حضرت علامہ ابوالفضل۔۔۔ (علیہ الرحمہ)

نام نامی، اسم گرامی محمد۔۔۔ لقب نصراللہ۔۔۔ کنیت ابوالفضل اور تاریخی نام مرغوب علی تھا۔۔۔ ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء کو ضلع اوکاڑہ کے ایک گاؤں "فرید پور" میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

آپ کے والد گرامی حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیاض میں تاریخ ولادت یوں درج فرمائی:

"تاریخ تولد محمد الملقب بنصراللہ جعل اللہ اخراہ، خیراً من اولیٰہ"

خمیس ہفدہ جمادی اولیٰ می بود قبیل شام نصر اللہ بنمود

محمد نام و "مرغوب علی" (۱۳۵۸ھ) لقب چوں "مرغوب محمد" (۱۳۵۸ھ) حی با ادب

چوں "مظہر باری" (۱۳۵۸ھ) و "منظور الاعیان" (۱۳۵۸ھ) شدہ "راغب محامد نبی" (۱۳۵۸ھ) داں

ہمہ القاب تاریخی و وصفی نہادم لقب نصراللہ و حسبی"

آپ نے تمام تر تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی کے زیر نگرانی حاصل کی۔ زمانہ طالب





علمی ہی میں تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ سند فراغت حاصل کرنے کے بعد مستقل طور پر تدریسی شعبہ سے منسلک ہو کر ترویج و اشاعت دین کی اہم ذمہ داری سنبھال لی۔۔۔۔۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، صرف، نحو، ادب عربی وغیرہ کے علاوہ ریاضی، ہیئت، ہندسہ، منطق، فلسفہ اور کلام میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔۔۔۔۔ انداز تقریر ایسا سہل اور عام فہم تھا کہ ادق اور پیچیدہ مباحث معمولی ذہن رکھنے والے طالب علم کے دل و دماغ میں بھی مرتسم ہو جاتے۔۔۔۔۔

آپ کے سینے میں علم و فضل کا ایک بحر بے کنار موجزن تھا۔۔۔۔۔ ایک شفیق اور محنتی استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین صلاحیتوں کے حامل تھے۔ انہی اوصاف کے پیش نظر ۱۳۷۹ھ میں حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور کا نائب مہتمم مقرر فرمایا اور اسی موقعہ پر "ابوالفضل" کنیت سے نوازا۔۔۔۔۔



حضرت علامہ ابوالفضل علیہ الرحمہ ۲۸ مئی ۱۹۷۳ء کو دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے شعبہ تبلیغ انجمن حزب الرحمٰن کے صدر مقرر ہوئے۔۔۔۔۔ یہ آپ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ انجمن ہذا نے بے سرو سامانی کے باوجود قلیل مدت میں کافی ترقی کی۔۔۔۔۔ ایک مجلّہ ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہونے لگا جو بحمد اللہ تعالیٰ "نور الحبیب" کے نام سے اب تک اسی آب و تاب کے ساتھ مطلع صحافت پر جگمگا رہا ہے۔۔۔۔۔

آپ نے فقہ حنفی کا عظیم انسائیکلوپیڈیا اور فتاوی رضویہ کے بعد برصغیر پاک و ہند میں سب سے عظیم و ضخیم فتاویٰ "فتاویٰ نوریہ" کی ترتیب و طباعت کے کٹھن مگر اہم کام کا بیڑا اٹھایا۔۔۔۔۔ اس طرح اس وقیع علمی ذخیرہ کی پہلی دو جلدیں ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۷ء میں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئیں۔ یہ آپ کی تربیت و رفاقت اور باطنی توجہ کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس احقر کو بقیہ چار جلدیں مرتب کرنے کی سعادت بخشی۔۔۔۔۔ اب بحمد اللہ تعالیٰ فتاویٰ نوریہ مکمل شائع ہو چکا ہے۔

آپ، حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ کے دست حق پرست پر سلسلۂ عالیہ قادریہ نوریہ میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ کی پوری زندگی اتباع نبوی اور عشق مصطفوی سے عبارت تھی۔ تقویٰ و طہارت اور عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے۔۔۔۔۔ علوم

وغیرہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیاسی بصیرت سے بھی نوازا تھا۔ آپ نے جمعیت علمائے پاکستان کے پلیٹ فارم پر تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء اور تحریک نظام مصطفیٰ ۱۹۷۷ء میں بھرپور کردار ادا کیا۔۔۔۔۔۔ آپ کے ہاں تین صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے متولد ہوئے تین صاحبزادے بقید حیات ہیں۔ (۱) مولانا محمد فضل اللہ (۲) مولانا محمد لطف اللہ (۳) مولانا محمد ولی اللہ (سلمہم ربہم تعالیٰ)۔

تدریسی و انتظامی مصروفیات کے باوجود آپ نے کئی تصنیفات یادگار چھوڑیں۔ فتاویٰ نظامیہ کے علاوہ باقی رسائل و مقالات کو احقر نے "منتخب تقریریں" کے نام سے مرتب کیا۔ جسے انجمن حزب الرحمٰن "شعبہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور نے جنوری ۱۹۸۸ء میں بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ / ۲۴ اگست ۱۹۷۸ء کو عین عالم شباب میں یہ آفتاب علم و فضل غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔








فتاویٰ نوریہ

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ

(متفق علیہ)

"اللہ تعالٰی جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے اسے دین کا "فقیہ" بنادیتا ہے۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ مُحَمِّدُہٗ[1] مُحَمَّدُہٗ[2] مُحَمَّدٌ بِجَمَالِہٖ وَجَلَالِہٖ وَمُحَمَّدٌ اِللّٰہُ
مُحَمِّدُہٗ بِاِجْمَالِہٖ وَاِجْلَالِہٖ اَحْمَدُ اللّٰہَ رَبِّیْ وَاُمَجِّدُ عَلٰی اِرْسَالِہٖ وَاِیْصَالِہٖ
وَاُصَلِّیْ وَاُسَلِّمُ عَلٰی حَبِیْبِیْ اَحْمَدَ قَدْرَ جُوْدِہٖ وَنَوَالِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ اَنْجَالِہٖ[3]
وَاَشْبَالِہٖ[4] مَعَادِنِ کَمَالِہٖ وَاِکْمَالِہٖ وَعَلٰی اَصْحَابِہٖ اَحْبَابِہٖ وَاَبْطَالِہٖ[5]

---

[1] علی زنۃ الفاعل من التحمید بمعنی تکثیر الحمد وترکیبہ مبتدأ ۱۲ منہ غفرلہ

[2] علی زنۃ المفعول بالمعنی الوصفی مبدل منہ و محمد علما بدل الکل منہ والمبدل مع البدل خبر المبتدأ والجملۃ خبر الجلالۃ ویتضح من ھذا معنی الجملۃ الثانیۃ ایضا ۱۲ منہ غفرلہ

[3] جمع النجل بمعنی الولد ۱۲ منہ غفرلہ

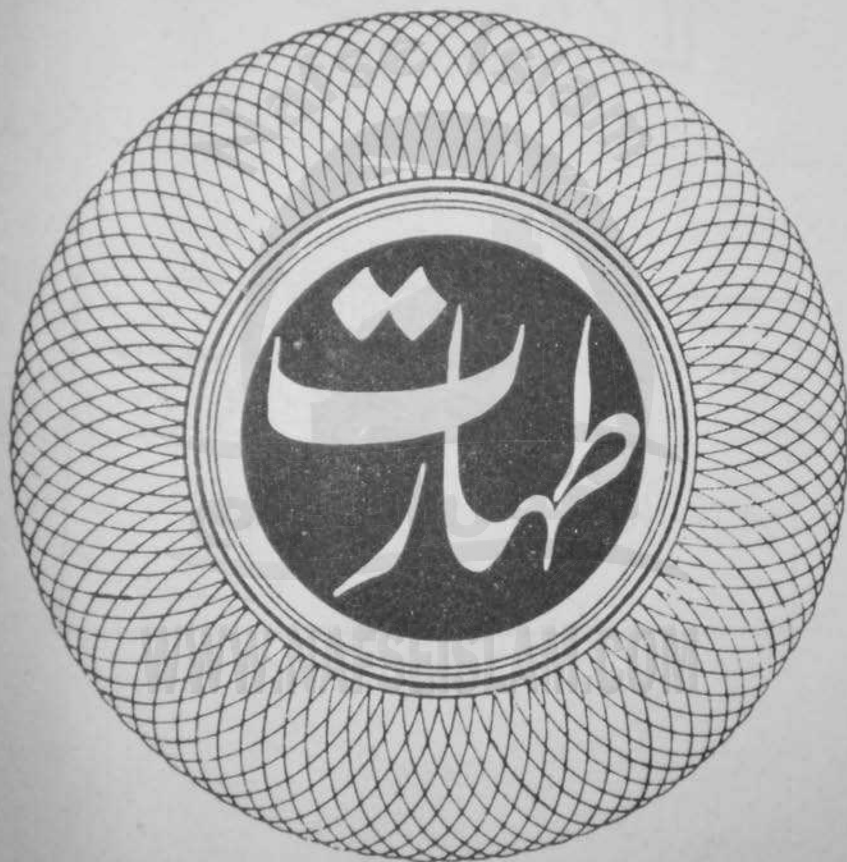
[4] جمع شبل وھو ولد الاسد ۱۲ منہ غفرلہ

[5] جمع بطل وھو الشجاع ۱۲ منہ غفرلہ

مَرَايَا أَعْمَالٍ وَأَحْوَالٍ وَعَلَى الْمُتَفَقِّهِينَ فِي الدِّينِ مَظَاهِرَ آيَاتِهِ وَ
تِبْيَانِهِ الْمُنْذِرِي الْمُكَلَّفِ مِنْ حَرَامِهِ وَحَلَالِهِ الْمُبَصِّرِي دَلَائِلِهِ
وَاسْتِدْلَالِهِ لِيَبْلُغَ إِلَى كَمَالٍ وَيُفْلِحَ فِي حَالٍ وَمَآلِهِ وَأَشْهَدُ أَنْ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ فِي مُلْكِهِ وَاسْتِعْمَالِهِ وَأَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَحَبِيبُهُ الْمُنْتَخَبُ لِنَبَإِ آمَالٍ وَاشْتِمَالِهِ

أَمَّا بَعْدُ فَهَذِهِ أَجْوِبَةٌ مُفِيدَةٌ لِأَسْئِلَةٍ عَدِيدَةٍ مِنَ
الْفَقِيرِ إِلَى اللهِ الْغَنِيِّ إِلَى الْخَيْرِ مُحَمَّدٍ نُورِ اللهِ النُّعَيْمِيِّ عَفَا عَنْهُ
الْخَطَايَا وَهَدَاهُ مَا يُحِبُّ وَيَرْضَى وَرَضِيَ عَنْهُ وَأَرْضَى

[illegible]


طہارت

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ
وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ (المائدہ ۶:)

"اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے بلکہ وہ تو تمہیں صاف ستھرا کرنا چاہتا ہے۔"

کتاب الطہارۃ

الاستفتاء

بخدمت اقدس حضرت العلام مفتیٔ اسلام فقیہ اعظم محدث بصیر پوری دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ :-

س۱ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ غسل خانہ میں بوقتِ غسل وضو کرنا جائز ہے ؟ اور اسی وضو کے ساتھ نماز ادا کرنا یا تلاوتِ قرآنِ پاک کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

س۲ : غسل خانے کے اندر بوقتِ غسل کلمہ شریف پڑھنا جائز ہے ؟ حالانکہ انسان ننگے جسم غسل کر رہا ہو ؟

السائل :- سکندر علی از کندووال تحصیل دیپال پور ضلع ساہیوال ۱۷/۹/۸۵





وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :-

ج۱ : بوقتِ غسل وضو اول کرنا سنتِ غسل ہے کما فی احادیث البخاری ومسلم اور جب شرعاً وضو ہو گیا تو نماز اور تلاوتِ قرآن پاک ہاتھ لگا کر یقیناً جائز ہوگی بلکہ شرعاً غسل کا نام طہارتِ کبریٰ ہے یعنی سب سے بڑی طہارت کیونکہ وضو سے غسل بڑا ہے اور جب صرف چھوٹی طہارت سے جائز ہے تو بڑی سے کیونکر جائز نہ ہو ؟

ج۲ : غسل خانہ میں خصوصاً ننگے جسم کلمہ شریف یا قرآنِ پاک نہیں پڑھنا چاہیے۔ ہاں دل میں

تو ہر وقت کلمہ رہتا ہے مگر ظاہر پڑھنا ادب کے خلاف ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ

حبیبہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین بارے ایں مسائل کے کہ 1 بعد از غسل میت کو کفن دینے کے بعد جب چارپائی اٹھا اٹھا کر تین...... منزل دیتے ہیں کہ شرع شریف میں اس کا کوئی ثبوت ہے؟ اس کا کوئی ثبوت ضرور تحریر فرمائیں۔

نمبر ۲: کیا نیتِ جنازہ کا جو وضو کیا گیا ہے اس وضو سے نماز فرضِ عین ادا کر سکتا ہے یا کہ نہیں! جواب عطا فرمائیں، اجرِ عظیم اللہ تعالیٰ سے حاصل کریں۔

السائل: حافظ ذیشان علی بسید عبدالحمید شاہ چک نمبر ۱۵/۵۴ ایل

ڈاکخانہ خاص مدرسہ میاں چنوں تحصیل خانیوال ضلع ملتان





ہمارے مذہب مہذب حنفی میں وضو کے لئے نیت شرط نہیں تو وضو بلا نیت ہی ہو جاتا ہے اور نماز جنازہ کی نیت تو ہے ہی نماز کی نیت، تو بطریق اولیٰ جائز ہو گیا۔ اور جب وضو ہو جائے تو اس سے سب نمازیں فرض و واجب اور سنت و نفل ادا ہو سکتی ہیں بلکہ تیمم جس میں نیت شرط ہے وہ بھی اگر نیت

نمازِ جنازہ سے کیا جائے تو اس سے بھی ہر فرض نماز بلا خلاف جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ص ۱۳ جلد ا
میں ہے لو تیمم لصلوٰۃ الجنازۃ او لسجدۃ التلاوۃ اجزأہ ان یصلی
بہ المکتوبۃ بلا خلاف کذا فی المحیط ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ
تعالیٰ علی حبیبہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم ۔ یہ دوسرے سوال کا جواب ہے اور پہلا
سوال میں نہیں سمجھ سکا۔ یہاں ایسا کوئی رواج نہیں، تفصیل سے لکھا جائے تو جواب دیا جاسکتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ

حضرت جواب میں ذرہ تاخیر ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ لفافہ گم ہوگیا اور کافی جستجو کے بعد کئی
دنوں کے بعد آج ملا ہے تو آج ہی جواب لکھ دیا ہے۔

فقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بخدمت شریف جناب مولانا مولوی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب دام ظلکم العالی
السلام علیکم: زیادہ آداب کے بعد عرض ہے کہ چند ایک مسئلہ جات کا فتویٰ لکھ کر مشکور
فرماویں، نہایت ہی مہربانی ہوگی۔

نمبر ا: نمازِ جنازہ کے وضو سے دوسری فرضی نماز جائز ہے یا نہیں؟
نمبر ۲: روزے کے درمیان کوئی مسلمان آدمی فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ کس طرح ہے؟
نمبر ۳: خسرے کا جنازہ کس طرح ہے؟
نمبر ۴: نمازِ فجر کی سنتیں جماعت کے نزدیک کیسی ہیں اور کس طریقہ سے بہتر ہیں؟
نمبر ۵: وضو پر وضو کر سکتا ہے یا نہیں؟ جلدی ارسال فرماویں۔ فقط والسلام مع الاکرام۔

السائل:۔ محمد منیر د محمد شریف چک دلیلکے ڈاکخانہ بنگلہ دلّو ضلع ساہیوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور و الصواب

۱ : نمازِ جنازہ کے وضو سے مراد وہ وضو ہے جو بہ نیت نمازِ جنازہ کیا گیا، یا وہ ہے جس کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ سائل نے یہ تفصیل نہیں کی مگر شرعاً ہر طرح اس وضو سے دوسری تمام نمازیں نفل و فرضی جائز ہیں۔ پہلی صورت میں اس لئے کہ وضو میں نیت سرے سے شرط ہی نہیں تو اگر نمازِ جنازہ کی نیت سے بھی نہ ہوتا تب بھی اس سے سب نمازیں جائز ہوتیں لاطلاق اوامر الکتاب والسنۃ والاطلاق حجۃ مطلقۃ۔ اور بدائع صنائع صـ۲۰ جلد ۱ وغیرہا میں ہے لا یشترط لھما ای الوضوء والغسل النیۃ اور دوسری صورت میں یوں کہ وضو کے توڑنے والا صرف حدث ہی ہے۔ بدائع صـ۲۴ جلد ۱ وغیرہا میں ہے فالذی ینقضہ الحدث۔ اور نمازِ جنازہ کو کسی آیت یا حدیث یا کسی امام قدیم و حدیث نے حدث قرار نہیں دیا بلکہ ائمہ عظام نے صاف صاف فرمادیا کہ قہقہہ جو دوسری نمازوں میں مفسدِ نماز و وضو ہے، نمازِ جنازہ میں مفسدِ وضو نہیں۔ بدائع صـ۳۲ جلد ۱ وغیرہا میں ہے لا فی صلوٰۃ الجنازۃ۔ سنن بیہقی صـ۳۰۶/۳۰۷ جلد ۱ میں ہے کہ حضرتِ نافع جو بہت بڑے تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ ہم نمازِ جنازہ پڑھتے تھے اور وضو نہ لوٹاتے تھے ونصلی علیہ ولا نعید الوضوء۔ اور صـ۳۰۳ جلد ۱ میں حضرتِ سعید ابن المسیب جو بہت بلند پایہ تابعی ہیں ان سے بیانِ سنت کے ماتحت ہے کہ نمازِ جنازہ سے وضو نہیں ٹوٹتا ولا وضوء علی احد من غیر ذلک ممن صلی علیہ۔ نیز صـ۳۰۷ میں ہے کہ حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ نمازِ جنازہ چونکہ نماز ہے تو دوسری نماز کے لئے نئے وضو کی ضرورت نہیں قال انما کنا فی صلوٰۃ و رجعنا الی صلوٰۃ فلا وضوء۔

۲ : دوسرے اہلِ اسلام ہی کی طرح ہے۔ سائل نے اس سوال میں بھی تفصیل نہیں کی کہ روزہ کی حالت میں فوت ہونا کس طرح ہے آیا وفات کا سبب روزہ ہے یا کوئی اور مرض یا عرض جیسے عموماً امراض وغیرہ سے بلا حالتِ صیام بھی موتیں واقع ہوتی رہتی ہیں اور روزہ کی سببیت کی بھی کئی صورتیں



ہیں مثلاً بیماری میں روزہ رکھا یا روزہ پر بیماری یا سخت بھوک یا پیاس طاری ہو گئی اور کوئی دوا،
غذا، پانی میسر نہ ہو سکا، یا میسر ہوا مگر اس گمان پر استعمال نہ کیا کہ روزہ پورا ہو جاتا ہے، تکلیفیں
ہوا ہی کرتی ہیں اور قابل برداشت سمجھتا رہا کہ موت آ گئی۔ اور ایسے ہی سفر یا ان صورتوں میں اچانک
غشی طاری ہو گئی، کچھ سوچ ہی نہ سکا یا کسی ظالم نے مقیم تندرست کو مجبور کیا کہ ماہِ رمضان شریف کا
روزہ نہ رکھے یا توڑ دے ورنہ قتل کر دوں گا اور اس نے صبر کیا اور ظالم نے قتل کر دیا تو ایسی سب
صورتوں میں وہ جنتی ہے کیونکہ اچھے کام روزہ پر اس کا خاتمہ ہوا۔ قرآنِ کریم میں معذورین کو فرمایا
وان تصوموا خیر لکم یعنی تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ شرح الصدور ص۱۳۱،
کنز العمال ص۲۹۵ جلد ۴ میں بحوالہ دیلمی ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ محبوب پاک صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا من مات صائما اوجب اللہ له الصیام الیٰ یوم القیٰمة یعنی جو روزہ
کی حالت میں فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے قیامت تک روزہ ثابت کر دیتا ہے۔ شرح الصدور صفحہ مزبورہ
میں بحوالہ مسند امام احمد اور کنز العمال ص۲۹۳ جلد ۴ میں بحوالہ بزار حضرتِ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
بالفاظِ متقاربہ ہے کہ حضور پرنور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من ختم له بصیام یوم
دخل الجنة "جس کا خاتمہ ایک دن کے روزے کے ساتھ یا بسبب ایک دن کے روزے کے
ہوا بہشت میں داخل ہوگا۔ جامع الصغیر ص۵۵۸ جلد ۲ میں حضرتِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بحوالہ
مسند امام احمد و مستدرک حاکم بہ افادہ تصحیح مرفوع حدیث شریف ہے من مات علی شیٔ بعثه
اللہ علیه یعنی جو کسی کام پر مرے اللہ تعالیٰ اس کو اس کام پر اٹھائے گا۔ بحر الرائق ص۲۸۳ جلد ۲،
بدائع صنائع ص۹۴ جلد ۲ بیان اعذار میں ہے والنظم منها بعضها مبیح مطلق لا
موجب کما فیه خوف زیادة ضرر دون خوف الهلاك۔ بحر الرائق ص۲۸۱ جلد ۲
میں ہے معرفة ذٰلك باجتهاد المریض۔ بدائع ص۹۲ جلد ۲ میں ہے واما الاکراه
علی افطار صوم شهر رمضان بالقتل فی حق الصحیح المقیم فمرخص
فالصوم افضل حتی لو امتنع من الافطار حتی قتل یثاب علیه۔
اور اگر ان صورتوں میں ماسوائے اکراہ ظالم کے اسے معلوم ہو گیا کہ روزہ پر قائم رہنا باعثِ ہلاک ہے اور دوا،
غذا، پانی پر قادر بھی ہے یا مسافر و مریض کو ظالم مجبور کرے کہ روزہ نہ رکھے یا توڑ دے یا عموماً روزہ سنت نفل
کے متعلق یوں کہے اور دھمکی دے کہ نہ ماننے پر قتل کر دے گا اور غالب گمان یا یقین ہو کہ واقعی قتل کر دیگا



توشرعاً ان صورتوں میں اس پر لازم کہ جان بچانے کے لئے روزہ چھوڑ دے تو نہ چھوڑنے کی صورت میں گنہگار ہوگا۔ بدائع ص۹۴ جلد ۲ میں ہے وما فیہ خوف الھلاک فھو مبیح مطلق بل موجب۔ ص ۹۷ جلد ۲ میں ہے واما الجوع والعطش الشدید الذی یخاف منہ الھلاک الخ ص ۹۶ جلد ۲ میں ہے واما فی حق المریض والمسافر فالاکراہ مبیح مطلق فی حقھما بل موجب (الی ان قال) یأثم۔ ہاں اگر اس مسئلہ سے ناواقف ہو اور ظاہر معنٰی ان تصوموا خیر لکم کی بنا پر جانے کہ شرعاً میرے اوپر روزہ پر قائم رہنا لازم ہے یا کسی عالم نمابے علم نے فتوٰی دے دیا کہ روزہ پر قائم رہنا ضروری ہے۔ بہرحال وہ اپنی دانست سے شرعی حکم کی تعمیل کرتا ہوا فوت ہوگیا تو ظاہر یہ ہے کہ معذور ہوگا کہ حدیث انما الاعمال بالنیات رواہ البخاری ص۲ ج ۱ وغیرہ من ائمۃ الحدیث یعنی اعمال کے حکم نیتوں پر ہی ہیں اور حدیث ابوداؤد ص۱۵۹ ج ۲ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ یعنی جو بغیر علم کے فتوے دے گا تو گناہ اس کا فتوے دینے والے پر ہوگا۔ اور حدیث ابوداؤد ص۴۹ ج ۱، ابن ماجہ ص۴۳، سنن بیہقی ص۲۲۶، ۲۲۷ ج ۱ باسانید متعددہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ ایک صاحب کو سفر میں نہانے کی ضرورت ہوئی حالانکہ وہ نہانے سے معذور تھے تو فتوے طلب کیا۔ ساتھیوں نے نہانے کا فتوے دیا وہ نہائے اور فوت ہوگئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں یہ معروض ہوا تو فرمایا قتلوہ قتلھم اللہ یعنی ان فتوے دینے والوں نے اسے مارا اللہ انہیں مارے۔ وغیرہا احادیث کا یہی تقاضا ہے بلکہ علامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ حاشیہ مراقی الفلاح ص۳۶۵ میں مرض کی وجہ سے قاتلِ نفس کے متعلق فرماتے ہیں لانہ فی الظاہر دبما یعد معذورا اور اگر معذور نہ ہو تو گنہگار ہوگا اور مسلمان گنہگار کا جنازہ بلا شک و شبہ و ریب تمام اہل سنت کے نزدیک جائز بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ شرح العقائد مع العقائد کے ص۱۱۵ میں ہے ویصلی علی کل بر و فاجر اذا مات علی الایمان للاجماع ولقولہ علیہ السلام لاتدعوا الصلوٰۃ علی من مات من اھل القبلۃ اور ایسے ہی عامہ معتبرات مذہب مہذب میں مصرح ومشرح ہے اور اگر اسے مسئلہ معلوم تھا اور قصداً نہ چھوڑا تو پھر بھی یہی حکم ہے کہ گنہگار ہے اور جنازہ جائز ہے۔ اور اگر اس نے اس لئے روزہ نہیں چھوڑا کہ خودکشی کرنا چاہتا



ہے حالانکہ یہ صورت نہایت ہی ندرت رکھتی ہے تو پھر بھی اس کا جنازہ جائز ہے کہ خودکشی کرنے والے کا جنازہ جائز ہے کہ جنازہ حقوقِ اسلام سے ہے کما یدل علیہ صراح صحاح احادیث الصحاح وغیرھا وھو منطوق اسفار المذھب بلکہ ائمہ دین نے صراحۃً اس جزئیہ خودکشی کا بیان فرمایا ہے۔ تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ص۸۱۵ ج۱، فتاویٰ عالمگیری ص۱۶۳ ج۱ وغیرہا میں ہے و النظم من الدر مع المتن من قتل نفسہ ولو عمدا یغسل ویصلی علیہ بہ یفتی۔ چونکہ دشمنانِ دین جو ہمیشہ علمائے کرام کو بدنام کرنے کی چالیں چلتے ہیں رسالانہ ماہِ رمضان المبارک کی آمد پر ایسے من گھڑت افسانے مشہور کر دیا کرتے ہیں جن سے سادہ لوح اہالیانِ اسلام کے سامنے قدرتی طور پر ایسے سوالات آجایا کرتے ہیں لہٰذا اس سوال کے جواب میں بعض صور کی قدرے تفصیل کی گئی۔

ج۳ ؛ خنثیٰ یعنی جس میں نر و مادہ کی علامتیں پائی جائیں تو وہ حقیقۃً یا نر ہوتا ہے یا مادہ۔ اگر نروں کی علامت سے پیشاب کرتا ہے تو وہ نر ہے اور اگر مادائوں کی علامت سے کرے تو وہ مادہ اور اگر دونوں سے کرتا ہے تو جس سے پہلے کرے اس کا اعتبار ہے اور اگر دونوں سے برابر کرے تو وہ خنثیٰ مشکل ہے فتاویٰ عالمگیری ص۳۹۸ ج۴، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ص۶۳۶ ج۵ میں ہے و النظم من الھندیۃ ان الخنثی ما یکون لہ مخرجان (الیٰ ان قالوا) فان کان یبول من الذکر فھو غلام وان کان یبول من الفرج فھو انثٰی و ان بال منھما فالحکم للاسبق کذا فی الھدایۃ وان یستویا فی السبق فھو خنثی مشکل عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ علیہ الخ اور یہ اشکال بلوغ سے پہلے تک ہے۔ عالمگیریہ کے اسی صفحہ میں ہے قالوا وانما یتحقق ھذا الاشکال قبل البلوغ اور بعد بلوغ احتلام، جماع، حیض، نفاس، ڈاڑھی، پستان، دودھ، حمل وغیرہ علامات کے لحاظ سے مرد یا عورت ہونا معلوم ہو سکتا ہے۔ ان کتابوں کے انہی صفحات میں ہے واما بعد البلوغ والادراک یزول الاشکال فان بلغ او جامع بذکرہ فھو رجل وکذا اذا لم یجامع بذکرہ ولکن خرج لحیتہ فھو رجل کذا فی الذخیرۃ وکذا اذا احتلم کما یحتلم الرجل او کان لہ ثدی مستو ولو ظھر لہ ثدی کثدی المرأۃ او نزل لہ لبن فی ثدییہ

او حاض او حبل او امكن الوصول من الفرج فهو امرأة

اور اگر ان علامتوں میں سے کوئی بھی ظاہر نہ ہو یا علاماتِ متعارضہ ظاہر ہوں یعنی کوئی مرد کی علامت اور کوئی عورت کی پائی جائے تو وہ بھی خنثیٰ مشکل ہوگا انہی کتابوں کے انہی صفحات میں مگر ہندیہ کے ص۳۹۹ ج۴ میں ہے وان لم تظهر احدى هذه العلامات فهو خنثى مشكل وكذا اذا تعارضت هذه المعالم كذا في الهداية ۔ مگر مبسوط شمس الائمہ سرخسی (جو ظاہر الروایۃ کی جامع ہے) میں ہے کہ بعد بلوغ خنثیٰ مشکل نہیں رہتا کہ اگر اسمیں ان علامات سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو وہ مرد ہے۔ اس لئے کہ پستانوں کا عورتوں کی طرح نہ ابھرنا دلیل شرعی ہوگا اس کے مرد ہونے پر۔ ص۱۱۲ ج۳۰ میں ہے وان لم يكن لشئ من ذلك فهو رجل لان عدم نبات الثديين يكون دليلا شرعيا على انه رجل۔ اور یہ فتاویٰ عالمگیر کے ص۳۹۹ ج۴ میں بھی ہے۔ مگر اس صورت میں بھی یوں خنثیٰ مشکل کے حکم میں ہو سکتا ہے کہ لوگوں پر واضح ہونے سے پہلے مرجائے۔ مثلاً ایک خنثیٰ مشکل کو بلوغ سے پہلے لوگ جانتے ہیں اور وہ غائب ہوگیا۔ پھر بالغ ہونے کے بعد آیا اور آتا ہی قتل ہوگیا اور قاتل نے یا جانوروں نے سینے کا گوشت اتار لیا تو حکماً یہ بھی خنثیٰ مشکل ہوگا، جیسے بلوغ سے پہلے بچے کی دونوں علامتیں نہ ہوں اور ناف سے پیشاب کرتا ہو تو وہ خنثیٰ نہیں مگر خنثیٰ مشکل کے حکم میں ہے۔ شامی ص۶۳۶ ج۵ میں ہے قوله او من عرى الخ (الی ان قال) ويدل عليه قول محمد هو عندنا والخنثى المشكل فى امره سواء۔ اور ایسے ہی اگر بعد بلوغ علاماتِ متعارضہ پائی گئیں مثلاً مردوں کی طرح داڑھی اتری اور عورتوں کی طرح پستان ابھرے تو مشکل ہوگا کما هو من الهندية وغيرها نیز شامی ص۶۳۵ میں ہے قوله بعد تقرر اشكاله اى تقرره عندنا بعلمنا به كما لو رأينا له ثديين ولحية ۔ بہر حال جس کا لڑکا یا مرد ہونا معلوم ہوگیا تو اسکا حکم وہی ہے جو لڑکے اور مرد کا حکم ہے اور جس کا لڑکی یا عورت ہونا معلوم ہوگیا تو اس کا حکم انہی کا حکم ہے اور جس کے متعلق وضاحت نہ ہوئی تو وہ خنثیٰ مشکل ہے تو اگر چھوٹا ہے اور حدِ شہوت کو نہیں پہنچا تو عورت مرد دونوں اس کو غسل دے سکتے ہیں اور کفن لڑکیوں کی طرح دیا جائے مگر ریشم وغیرہ کے کپڑے جو مردوں پر منع ہیں ان میں کفن نہ دیا جائے۔ اور اگر حدِ شہوت کو پہنچ چکا ہے یا بالغ ہے تو



اس کو غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمم کرایا جائے۔ پس اگر محرم مرد یا عورت مثلاً باپ، بھائی یا ماں بہن تیمم کرائے تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹنے کی ضرورت نہیں اور اگر غیر محرم ہے تو کپڑا لپیٹ کر تیمم کرائے اور کفن عورتوں کی طرح دیا جائے مگر ریشم وغیرہ نہ ہو۔ درالمختار و شامی صـ۸۰۶ ج ۱ میں ہے و ییمم الخنثی المشکل لو مراھقا و الا فکغیرہ فیغسلہ الرجال والنساء۔ فتاویٰ ہندیہ صـ۳۹۹ ج ۴ میں ہے وان مات قبل ان یستبین امرہ لم یغسلہ رجل ولا امرأۃ الخ صـ۸۲ ج ۱ الخنثی یکفن کما تکفن المرأۃ احتیاطا و یجتنب الحریر الخ البتہ عالمگیری میں شمس الائمہ حلوانی سے ہے کہ ٹوکرے وغیرہ میں ڈال کر غسل دیا جائے یعنی بہتے پانی میں وہ ٹوکرا ڈال کر ہلا دیا جائے کہ غسل ہو جائے۔ اور ہاتھوں سے غسل نہ دیا جائے۔ صـ۳۹۹ ج ۴ میں ہے و قال شمس الائمۃ یجعل فی کوارۃ و یغسل مگر ظاہر الروایۃ پہلی ہی صورت تیمم والی ہے۔ بحر الرائق صـ۱۷۴ ج ۲ میں ہے والظاھر انہ ییمم لہٰذا تیمم ہی کرایا جائے اور نمازِ جنازہ میں دعائے مشہور تو مرد اور عورت کے لئے ایک ہی ہے اور دوسری دعائیں جو مسنون و مروی ہیں جن کی ضمیروں کا تذکیر و تانیث میں فرق ہوتا ہے یا غیر بالغ کی دعائیں تو ان کی تذکیر میں کوئی حرج نہیں کہ اصل تذکیر ہی ہے اور اسی لئے فقہائے کرام نے خنثیٰ مشکل کے لئے الفاظِ تذکیری ذکر کئے ہیں مثلاً مشکل کہتے ہیں اور مشکلہ نہیں کہتے۔ شامی صـ۶۳۶ ج ۵ میں ہے لم یقل مشکلۃ لانہ لم یتعین احد الامرین فجاء علی الاصل و ھو التذکیر یا اس لئے کہ جب دونوں احتمال ہیں تو بوجہ شرف تغلیبِ تذکیر ہو گئی۔ اسی میں ہے او لانہ لما احتمل الذکورۃ و الانوثۃ غلب التذکیر اور اگر الفاظِ تانیث استعمال کرے تو بتاویل نفس یہ بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کل نفس ذائقۃ الموت۔ اور دفن کرتے وقت قبر پر عورت کی طرح پردہ کرلیں۔ درالمختار شامی صـ۸۳۸ ج ۱ نیز مع المتن صـ۶۳۸ ج ۵ میں ہے والنظم من التنویر و ندب تسجیۃ قبرہ۔

مسئلہ: فجر کی سنتیں سب سنتوں سے زیادہ مؤکدہ ہیں ان کی تاکید میں بکثرت احادیث وارد ہیں صرف ایک ہی بطورِ تبرک اختصاراً عرض کی جاتی ہے۔ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لا تدعوھما و ان طردتکم الخیل یعنی انکو

ترک نہ کرو اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں (رواہ ابوداؤد) صـ۱۷۹ ج ۱۔ بدیں وجہ اجلہ صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جماعت کے نزدیک ستون، دیوار وغیرہ کی آڑ میں ادا فرمائی۔ رواہ باسنادہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار صـ۲۱۹، صـ۲۲۰ ج ۱۔ تو جماعت کے نزدیک بھی بشرط پردہ ادا کرنا سنتِ صحابہ بنا۔ اور عموم احادیث مرفوعہ کے ماتحت اندراج کے باعث امتثالِ اوامر و سننِ حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوا لہذا حضرات تابعین نے بھی اس پر عمل فرمایا۔ چنانچہ شرح معانی الآثار صـ۲۳۰ ج ۱ میں حضرت حسن بصری اور مسروق وغیرہ سے مروی ہے اور کتبِ مذہب مہذب میں صراحۃً آیا۔ غنیہ شرح المنیہ صـ۲۴۰ وغیرہا میں ہے لایکرہ سنۃ الفجر اذا علم انہ یدرک الرکعۃ الثانیۃ او التشہد علی ما فیہ من الخلاف اور صـ۳۷۹ میں مع المتن ہے وان یاتی بہا اما فی بیتہ وھو الافضل او عند باب المسجد الخ ہاں یہ ضروری ہے کہ جماعت کلی طور پر فوت نہ ہو جائے یعنی کم از کم ایک رکعت اور ایک قول میں تشہد مل جانے کی قوی امید ہو کہ جماعت نماز کی بہت بڑی تاکیدیں آئی ہیں اور حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اذا اقیمت الصلوٰۃ الخ حدیثِ موقوف ہے ورنہ مؤوّل ہے اور ادا سے مانع نہیں کما فی شرح معانی الآثار صـ۲۱۸ ج ۱۔ اور اس کا عموم یقیناً مراد نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ ایک مسجد میں جماعت کھڑی ہو جائے تو دوسری مساجد والے بھی ادا نہ کر سکیں اور نہ ہی معذور اپنے گھروں میں پڑھ سکیں بلکہ اسلامیانِ روئے زمین کے لئے بندش ہو جائے بلکہ فضاء و سماء کے جن و ملائکہ کے لئے بھی ممانعت ہو جائے وذا مما لا یقول بہ احد۔ نیز سننِ بیہقی صـ۴۸۳ ج ۲ میں یہ حدیث بہ استثنائے سنتِ فجر ہے وما اعترض البیہقی بہ اجاب عنہ العینی فی شرح البخاری صـ۱۱ ج ۲ مفصلا۔

۵۔ ہاں کر سکتا ہے اور کارِ ثواب ہے۔ سیدِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ



سہ کما ھو عن الغنیۃ ۱۲ منہ غفرلہ

ہر نماز کے لئے وضو تازہ فرمایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری صہ ۳۴ ج ا میں حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ عند کل صلٰوۃ۔ اور یہ مضمون مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ، طحاوی، بیہقی وغیرہا کی احادیثِ کثیرہ سے قطعی طور صراحۃً ثابت کہ اس پر بہت ثواب ہوتا ہے۔ سنن ابوداؤد صہ ۹ ج ا، ترمذی صہ ۱۰ ج ا، ابن ماجہ صہ ۳۹، طحاوی صہ ۲۵ ج ا، بیہقی صہ ۱۶۲ ج ا میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بالفاظِ متقاربہ ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من توضأ علی طھر کتب اللہ لہ بہ عشر حسنات یعنی جو طہارت پر وضو کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس وضو کے بدلے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ احیاء العلوم صہ ۱۴۰ ج ا میں حدیثِ مرفوع تحریر ہے الوضوء علی الوضوء نور علیٰ نور یعنی وضو پر وضو نور پر نور ہے۔ شامی صہ ۸۶ ج ا میں فرماتے ہیں وقال الحافظ ابن حجر حدیث ضعیف ورواہ رزین فی مسندہ۔ اور احادیثِ ضعیفہ فضائل اعمال میں بالاتفاق مقبول ومعمول بہا ہیں وذا ظاھر من ان یظھر خصوصًا اذا تأیدت باحادیث صحاح وحسان۔ لہٰذا کتبِ مذہبِ مہذب حنفیہ میں صراحۃً مذکور کہ وضو پر وضو مستحب وادب ہے۔ عالمگیر صہ ۵ ج ا وغیرہا میں ہے ومنھا الوضوء علی الوضوء۔ البتہ علماءِ کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ پہلے وضو کے ساتھ فرض یا نفل ادا کرلے تو دوسرا وضو مستحب ہے۔ شامی صہ ۱۱۱ ج ا میں شرح المصابیح سے ہے وانما یستحب الوضوء اذا صلی بالوضوء الاول صلٰوۃ کذا فی الشرعۃ والقنیۃ اھ وھٰھنا زیادۃ بیان فانظر الشامی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ بروز منگل

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں :۔

نمبر۱ : بعض حضرات گھڑی کے چین کو ممنوع قرار دیتے ہیں کہ دھات کا استعمال جائز نہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ گھڑی بھی تو دھات کی ہے اس کا جائز ہونا کیسے ثابت ہوا ؟

نمبر۲ : ایک آدمی باوضو تھا لیکن ہوا دبر سے خارج ہوگئی تو وضو ٹوٹ گیا لیکن پھر دوبارہ وضو جب کرتے ہیں تو وضو پورا کیا جاتا ہے اور استنجاء نہیں کیا جاتا ، اس کی کیا وجہ ؟

نمبر۳ : آدمی چلتی ہوئی ریل گاڑی پر سفر کر رہا ہے اور نماز کا وقت آگیا اور گاڑی میں کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ منہ بھی قبلہ کی طرف درست نہیں رہتا تو کیا اس وقت جیسے ہو سکے بیٹھ کر نماز پڑھ لے یا پھر ریل گاڑی کا سفر ختم ہونے پر پھر دوبارہ ان نمازوں کا اعادہ کرے یا نہ ؟

نمبر۴ ۔ اگر امام کے پیچھے ایک مقتدی بالغ ہو اور ایک بچہ نابالغ تو کیا اس طرح جماعت جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۵ : فرضوں کی ایک آخری رکعت یا دو رکعت میں قرارت کیوں نہیں کی جاتی ؟

نمبر۶ : ہوائی جہاز میں نماز کا حکم کیا ہے کیونکہ وہ ہوا میں ہوتا ہے ! پڑھنا اس میں جائز ہے یا قضاء کرے ؟

نمبر۷ : کیا مجاہد ایک رکعت نماز پڑھ سکتا ہے یا کہ نہیں ؟

السائل : مولوی مردان علی اہم ہیوی اک اک رجمنٹ آرٹیلری ملیر کینٹ کراچی نمبر۹



نمبر۱ : سونے ، چاندی کے علاوہ کسی دھات کا چین ناجائز نہیں کیونکہ شرعاً ممانعت نہیں۔

۲ : ہوا سے جسم آلودہ نہیں ہوتا لہذا استنجا، کی ضرورت نہیں اور شلوار دھونی بھی ضروری نہیں۔

۳ : گاڑی میں قبلہ رخ کھڑے ہو کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ میں خود ہمیشہ قبلہ رخ کھڑے ہو کر پڑھا کرتا ہوں البتہ اگر بیمار یا کمزور ہو تو بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر بھی جائز ہے مگر قبلہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ نماز ضرور پڑھے اور اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۴ : ہاں اس طرح نماز جائز ہے۔ بچہ بالغ کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ بالغ اگرچہ زیادہ ہوں تب بھی ایک بچہ ساتھ ہی کھڑا ہو گا۔

۵ : نماز فرض اصل میں دو دو رکعت ہی فرض ہوئی تھی اور جب بعد میں زیادہ کی گئی تو زائد میں تخفیف رکھی گئی اور قرارت ضروری نہ ٹھہری۔

۶ : ہوائی جہاز میں نماز جائز ہے۔ گو ہوا میں ہوتا ہے مگر پھر بھی نمازی تو جہاز کے تختوں پہ ہوتا ہے اور قطب نما وغیرہ سے قبلہ بھی معلوم ہو جاتا ہے اور جہاز کا سرکاری عملہ بھی تعاون کرتا ہے۔

۷ : مجاہد دوسرے مسلمانوں کی طرح نماز ادا کرے مقیم ہے تو چار ورنہ دو پڑھے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

نوٹ: استفتاء میں ایک ہی سوال ہو تو باقاعدہ دلائل لکھے جاتے ہیں مگر یہ سوالات کی فہرست ہے لہذا مختصر لکھا گیا۔

حررہ الفقیر الواجیہ محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس امر میں کہ چاہِ مسجد سے پھولا ہوا چوہا برآمد ہوا ہے ایک فریق کہتا ہے کہ صرف بیس ڈول کافی ہیں چوہے میں اس سے زیادہ کسی کتاب میں نہیں آیا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ تین سو ڈول نکالنے چاہئیں۔ ان دو فریق سے کون سا فریق راہِ راست پر ہے بینوا اجورین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

فریقِ اول کا قول غلط ہے اور محض غلط، تمام کتبِ فقہ متون وشروح فتاوی میں مصرح ہے کہ جو جانور خون جاری والا، پھولا ہوا، پھٹا ہوا، خواہ چھوٹا یا بڑا چاہ سے برآمد ہو تو تمام پانی نکالا جائے۔ غنیۃ المستملی میں شرح الآثار سے بسندہ عن علی ہے قال فی بئر وقعت فیہ فارۃ فماتت ینزح ماؤھا یعنی حضرتِ مولا علی مشکل کشا ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کنوئیں میں چوہا گرکر مرجاوے تو تمام پانی نکالا جاوے۔" یہ ارشاد پھولے یا پھٹے کے متعلق ہے کما صرح بہ فی الغنیۃ اور اگر کنواں چشمہ دار ہو تو اس کے متعلق قولِ فصیل یہ ہے کہ جتنا پانی کنوئیں میں موجود ہو تمام کا قدر نکالا جاتے اور اس تقدیر واندازہ کے متعلق کئی قول ہیں صاحبِ ہدایہ وشرح الوقایہ وغیرہما نے اسے اختیار فرمایا ہے کہ دو عدل جن کو پانی کی سمجھ ہو وہ جتنا اپنے اندازہ سے بتائیں اتنا پانی کھینچا جائے اور چوہے نکلنے سے پہلے جب کہ یہ معلوم نہ ہو کہ کب گرا ہے تین دن رات کی نمازیں قضا کریں اور جو نمازیں نکالنے کے پیچھے اور پاک کرنے سے پہلے پڑھی گئی ہوں وہ بھی قضا کریں جب کہ اس پانی سے وضو کیا ہو اور جس نے اس پانی سے غسل کیا ہو یا جس نے کپڑے برتن وغیرہ دھوئے ہوں وہ پاک کئے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

قبلہ وکعبہ حضرت مولانا مولوی نور اللہ صاحب دام فیوضکم

السلام علیکم کے بعد معروض آنکہ چاہ مسجد والے میں پاخانہ نجاست پڑگئی ہے۔ تحریر ارسالِ خدمت ہے۔ اس کے پاک کرنے کا کیا حکم ہے۔ مسئلہ تحریر فرما کر مسمّی سید و ولد سلطان محمد کے ہاتھ عنایت فرمادیں۔

الراقم: نور احمد سکنہ اروڑہ جاگیر

الجواب
اللّٰهم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام : اصل یہ ہے کہ پہلے نجاست کا نکالنا ضروری ہے اور بہترین صورت اطمینانِ دل کیلئے یہ ہے کہ قدرے کیچڑ وغیرہ بھی نکالا جائے اور پانی جس قدر ہو اندازہ سے نکالا جائے تو پاک ہو جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم الانور و آلہ وصحبہ و بارک وسلم

محررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

خلاصہ سوال طویل تحریری میاں سلطان محمود از نور پورہ۔ ایک کنواں غیر آباد کیا گیا مگر عرصہ ڈھائی ماہ تقریباً گذرے کہ اس میں ایک کبوتر اور دو نیول اور ایک سانپ گر کر مر گئے ہیں اور ہڈی وغیرہ گل گئی ہے اور دس روز سے کنواں چل رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں پاک نہیں ہوا اور مزارع کہتے ہیں پاک ہو گیا بینوا توجروا۔

دستخط سلطان محمود بقلم خود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الجواب
اللّٰهم اجعل لی النور والصواب

جب جانور مر کر مٹی ہو جائے تو کنواں صرف کل پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے بلکہ اگر ہڈی، بال یا اس قسم کے اجزاء باقی رہیں تب بھی پاک ہو سکتا ہے اور جب آپ کو ہڈی وغیرہ کے گلنے کا علم ہو گیا جیسے سوال میں مذکور ہے اور کنواں

دس دن سے چل رہا ہے تو پاک ہو گیا لہذا ان اشخاص کو تنگ نہ کریں۔ ۳۰ صفر المظفر ۱۳۷۰ھ

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

محترم قبلہ مولانا مولوی صاحب نور اللہ صاحب دام اقبالہٗ

السلام علیکم: حسبِ ذیل مسئلہ کا مضمون روانہ خدمت ہے جو کنواں کے پانی کے ناپاک ہونے کے متعلق ہے برائے کرم نوازی جلدی وضاحت شرعی فرما کر جواب سے مشکور فرما دیں تاکہ اس کنواں کا پانی پاک کیا جائے اور استعمال میں لایا جا سکے۔ جوابی لفافہ حاضرِ خدمت ہے۔ آپ کے فتویٰ پر آپ کے دستخط اور مہر ضرور لگا کر روانہ فرمادیں تاکہ سب لوگوں کو یقین پورا ہو جائے۔

ایک مسجد کے کنواں کے کھڈے کے بالکل نزدیک ساتھ ہی چلتا ہوئی گاؤں کے گندے پانی کی نالی ہے جس کے اندر پختہ یا خام روڑے اور پرانے جوتے یا دیگر چیزیں اس غلیظ نالی میں پڑی رہتی ہیں اور جب اس نالی کی صفائی کیجاتی ہے یہ چیزیں سب نکال کر باہر گلی میں ڈال دیجاتی ہیں جو گلی میں پڑی رہتی ہیں۔ عصر کے وقت کی نماز کا سلام ادا کرنے کے فوراً بعد کنواں کے اندر کسی چیز کے گرنے کا کھڑکا ہوا جس کا اسی وقت پتہ کیا گیا تو نابالغ بچوں نے بتلایا کہ ان کے ایک ساتھی لڑکا نے پتہ نہیں کہ وہ پختہ روڑا تھا یا خام یا اور کوئی چیز تھی گلی میں سے اٹھا کر کنواں میں پھینک دی۔ چونکہ یہ سب نابالغ بچے ہیں ان سے پورا یقین اور تسلی نہیں ہو سکی کہ بچہ نے جو کنواں کے اندر چیز ڈالی ہے وہ کیا تھی؟ اب اس چیز کے کنواں کے اندر تسلی کر کے پہلے چیز کو نکلوایا جائے اور پھر کتنا پانی نکلوایا جاوے یا چیز کا پتہ نہ کیا جاوے اور کنواں کے اندر ہی پڑی رہنے دیا جائے اور پانی سارا نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ جس طرح شریعت کا حکم ہے وضاحت فرمائی جاوے، مہربانی ہوگی۔

دستخط دعاگو سردار علی شاہ از شہر فرید بقلم خود



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ:

یہ کنواں شرعاً پاک ہے۔ الاشباہ والنظائر ص ۸، میں ہے شک فی وجود النجس فالاصل بقاء الطھارۃ کہ جب پلید شئے کے وجود کا شک ہو تو اصل طہارت کا باقی رہنا ہے۔ اسی بنا پر فتاویٰ عالمگیری فتح القدیر، بحر الرائق، شامی وغیرہا کتب فقہیہ میں ہے کہ بکری وغیرہ حلال جانور زندہ کنوئیں میں گر جائے تو جب تک یقیناً اس پر نجاست نہ ہو، کنواں پلید نہیں ہوگا حالانکہ ایسی صورت میں بڑا شک ہوتا ہے کہ جانوروں کے ران وغیرہ پر پیشاب وغیرہ لگا ہو مگر اس کا اعتبار نہیں اور ایسے ہی بکثرت مسائل انہی کتابوں میں ہیں جن میں شکوک وشبہات کا اعتبار نہیں کیا گیا اور طہارت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر معلوم ہو جائے کہ پلید روڑا یا کپڑا یا لکڑی یا اس قسم کی کوئی پلید چیز کنوئیں میں گر گئی ہے تو وہ چیز نکال کر کنوئیں کا سارا پانی صحیح اندازہ کر کے نکالا جائے مگر وہ چیز اگر کنوئیں میں گم ہو جائے اور نکالنا مشکل ہو جائے تو کنوئیں کے سارے پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا کہ چیز بھی تبعاً پاک ہو گئی کیونکہ اس کی نجاست ذاتی نہیں بلکہ عارضی ہے۔ اصل میں تو یہ چیزیں پاک ہی ہیں۔ فتاویٰ عالمگیر ص ۱ جلد ۱ وغیرہا کتبِ معتمدہ میں ہے والنظم منھا ولو وقعت فی البئر خشبۃ نجسۃ او قطعۃ ثوب نجس وتعذر اخراجھا وتغیبت فیھا طھرت الخشبۃ والثوب تبعا لطھارۃ البئر کذا فی الظھیریۃ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

یکم ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۶ھ ، ۱۳-۳-۶۷



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ ایک تنور جس میں آگ نہ تھی اس میں کتا گر کر مرا، مرنے کے بعد نکالا گیا۔ آیا وہ تنور پاک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا اماجورین۔





اگر تنور کے ساتھ کتے کی چربی یا کھال وغیرہ جزء نجس لگی ہوئی ہے یا کچھ لگا تو نہیں مگر بدبو آتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں تنور پلید ہوگیا مگر ایسا پلید نہیں کہ پاک نہ ہوسکے۔ بلاشک وشبہ یقیناً پاک ہوسکتا ہے۔ اس میں اتنی آگ جلائی جائے کہ چمٹی ہوئی چیز اور بدبو زائل ہوجائے۔ اور اگر صرف بدبو ہی ہے تو جب دور ہوجائے خواہ دھوپ اور ہوا سے دور ہو پاک ہوجائے گا کہ تنور کا حکم زمین کا ہے اور زمین کے متعلق یہ حکم کتبِ مذہب میں منصوص ہے۔ منیۃ المصلی مع غنیۃ المستملی، رد المحتار، در المختار، بحر الرائق، فتاویٰ عالمگیری وغیرہا اسفارِ فقہ میں ہے والنظم من الھندیۃ الارض تطھر بالیبس وذھاب الاثر للصلوٰۃ لا للتیمم ھکذا فی الکافی ولا فرق بین الجفاف بالشمس والنار والریح والظل کذا فی البحر الرائق ویشارك الارض فی حکمھا کل ماکان ثابتا فیھا کالحیطان والاشجار والکلأ والقصب مادام قائما علیھا آہ ایضا فیھا والنظم من الھندیۃ واذا طھرت الارض بالجفاف ثم اصابھا الماء الصحیح انھا لاتعود نجسا ولو رش علیھا الماء وجلس علیھا لا بأس بہ ھکذا فی فتاویٰ قاضیخان علیہ الرحمۃ۔ بلکہ کتبِ مذہب میں مصرح کہ اگر پلید مٹی سے کوزے

وغیرہ بنائے جائیں اور آگ میں پکائے جائیں تو پاک ہوجاتے ہیں حالانکہ پلیدی ان کی ہر جزو میں موجود ہوتی ہے۔ کتبِ مذکورہ بالا اور فتاویٰ امام قاضی خان علیہ الرحمۃ میں ہے و النظم من الھندیۃ الطین النجس اذا جعل منہ الکوز او القدر فطبخ فیکون طاھرا ھکذا فی المحیط وکذا اللبن اذا لبن بالماء النجس واحرق کذا فی فتاوی الغرائب بلکہ خاص تنور کا جزئیہ بھی موجود ہے۔ درالمختار، فتاویٰ عالمگیری میں ہے و النظم منہا اذا سعرت المرأۃ التنور ثم مسحتہ بخرقۃ مبتلۃ نجسۃ ثم خبزت فیہ فان کانت حرارۃ النار اکلت بلۃ الماء قبل الصاق الخبز بالتنور لا یتنجس الخبز کذا فی المحیط۔ شامی، فتاویٰ امام قاضی خان میں ہے و النظم للامام الصبی اذا بال فی التنور او مسحت المرأۃ التنور بخرقۃ مبلولۃ بنجاسۃ ثم خبزت ان کانت قد یبست لم یبق بللہا قبل الصاق الخبز بالتنور لا یتنجس الخبز لان النار لما اکلت البلۃ صارت کالارض اذا یبست بالشمس وان الصقت الخبز بالتنور حال قیام البلۃ فالخبز نجس و قیل ان کان الخبز خبز حنطۃ او شعیر لا یتنجس و ان کان الخبز خبز الارز او الجاورس یتنجس لان ذلک یتنشف۔ اور اگر تنور کے ساتھ نہ کچھ لگا ہے نہ بو آتی ہے تو پاک ہے کہ پلید چیز کا دھواں گزرتے ہوئے پلید نہیں کرسکتا جیسے انسان کی ہوا کہ نجاستِ شکم کا بخار ہی تو ہے۔ فتح القدیر، عالمگیری، درالمختار، ردالمحتار، بحر الرائق میں ہے و النظم للمحقق مرت الریح بالعذرات واصاب الثوب ان وجدت رائحتہا تنجس و ما یصیب الثوب من بخارات النجاسۃ قیل ینجسہ وقیل لا و ھو الصحیح عالمگیری میں ہے وکذا الحمام اذا احرق فیہ النجاسۃ فعرق حیطانہا وکواھا و تقاطر کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔ عالمگیری میں قنیہ سے ہے سعر التنور بالاخثاء والارواث یکرہ الخبز فیہ و لو رشہ بالماء بطلت الکراھۃ کذا فی القنیۃ۔ اس کی بنا، یا قولِ مرجوح پر ہے یا کراہتِ تنزیہ مراد ہے

جو صرف چھڑکاؤ سے زائل ہو جاتی اور صورتِ مسئولہ میں تو اب تنور سرد ہے۔ جب بھڑکایا جائے گا تو اس چھڑکاؤ کی بھی ضرورت نہیں لہذا اگر بدبو نہیں آتی تو حسبِ معمول تنور کو گرم کر کے بلاشبہ استعمال کریں، بلا کراہت روٹی پاک رہیگی اور احتیاط اس میں نہیں کہ خواہ مخواہ شبہات پیدا کئے جائیں۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم جل جلال ربی وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ حبی و آلہٖ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

ایک مینڈک تنور میں گر پڑے اور اس وقت روٹیاں تنور میں پک رہی ہوں اور مینڈک کا دھواں انکو پہنچے یہاں تک کہ مینڈک جل کر راکھ ہو جائے تو شرع کے احکام کی رو سے وہ روٹیاں کھانی جائز ہیں یا ناجائز؟





اگر مینڈک کے دھوئیں کی بو یا رنگت یا ذائقہ روٹیوں میں محسوس ہو تو قابلِ خوردنی نہیں اور اگر کوئی اثر محسوس نہیں تو کوئی حرج نہیں۔ فتح القدیر، عالمگیر، در المختار، رد المحتار، البحر الرائق میں ہے واللفظ للفتح مرت الريح بالعذرات واصاب الثوب ان وجدت رائحتها تنجس وما يصيب الثوب من بخارات النجاسة قيل ينجسه وقيل لا وهو الصحيح۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ہادیانِ شرعِ محمدی اس بارے میں کہ اگر کسی تنور میں گدھا گِر کر تنور کی گرمی سے مرجائے تو کیا وہ تنور پاک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پاک ہو سکتا ہے تو وہ کونسی صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل: دونا ماچھی سکنہ چک نمبر ۳۵ عرف پنڈی مہاراں والی ڈاک خانہ شیر گڑھ تحصیل دیپال پور ضلع ساہیوال۔





اگر تنور کے ساتھ گدھے کی چربی وغیرہ کوئی آلائش نہیں لگی اور بدبودار نہیں ہوا تو پہلے کی طرح پاک ہی ہے پلید بالکل نہیں ہوا اور اگر آلائش وغیرہ ہے تو وہ دور کر دی جائے، کھرچنے اور جلانے سے تو پاک ہو جائے گا کہ تنور مٹی سے بنا ہے اور مٹی کے ساتھ متصلِ مستقل ہے اور مٹی پاک ہے، حدیثِ پاک[1] میں ہے جعلت لی الارض مسجدًا و طهورًا۔ قرآنِ پاک میں ہے صعیدًا طیبًا حتی کہ اگر ایسی مٹی سے برتن بنائے جائیں جو پلید پانی میں گوندھی گئی ہے تو پکانے سے برتن پاک ہو جاتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیریہ[2] میں ہے الطين النجس اذا جعل منه الكوز او القدر فطبخ فيكون طاهرا هكذا فى المحيط۔ نیز اسی میں ہے اذا سعرت المرأة التنور ثم مسحته بخرقة مبتلة نجسة ثم خبزت فيه فان كانت حرارة النار اكلت بلة الماء قبل الصاق الخبز بالتنور لا يتنجس الخبز بلكه

فتاویٰ امام قاضی خان علیہ الرحمۃ میں ہے الصبی اذا بال فی التنور او مسحت المرأۃ التنور بخرقۃ مبتلۃ الخ اور یہ تو آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہے کہ کمہار گھڑے، لوٹے وغیرہ تمام برتن لوگوں میں پکاتے ہیں گوبر، لید وغیرہ کے ساتھ اور سب لوگ یہ برتن برتا کرتے ہیں، نہ پلید ہیں اور نہ ہی کوئی پلید کہتا ہے تو تنور کو خواہ مخواہ کیوں ایسا پلید قرار دیا جائے جو جلانے سے بھی پاک نہ ہو سکے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و اٰلہ وصحبہ و بارک وسلم (۱۰ محرم الحرام [illegible]ھ)

(نوٹ) قدرے تفصیل فتاویٰ [illegible] پر گزر چکی ہے

محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱؎ بخاری ج [illegible] ۲؎ ج [illegible] ۳؎ ج [illegible]







اوقاف
مساجد وغیرہ

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى
الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (التوبہ: ۱۸)

"اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔"

کتاب الوقف المساجد وغیرہا

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس میں کہ ایک چھوٹے گاؤں کے مالک چاہتے ہیں کہ اپنے گاؤں کی مسجد کو تبدیل کریں یعنی نئی مسجد تعمیر کریں اور پہلی مسجد کو اپنے تصرف میں لائیں۔ آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کسی نے ہمیں کہا ہے کہ بالشت بھر مسجد کی زمین کھود کر دفن کر دیں اور مسجد کی اس جگہ کو اپنے تصرفِ خاص میں لا سکتے ہیں، آیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔





یہ تبدیل ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ اس میں مسجد موجود کی تعطیل وتخریب ہے اور تعطیل وتخریب مساجد حرام اور سخت حرام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا الآیۃ (ترجمہ) "اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، انہیں نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔" نیز ارشاد فرماتا ہے کہ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع الآیۃ (ترجمہ) "ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم

دیا ہے" اللہ تبارک وتعالیٰ بلند کرنے کا حکم دے اور وہ چاہیں کہ پست کریں یہ کیوں کر جائز ہو سکے۔ اور بالشت والے کا قول بدتر از بول، سراسر جہالت وضلالت ہے۔ ہرگز ہرگز شرع مطہر سے اس پر کوئی دلیل وسند نہیں لا سکتا اور نہ ہی ہے۔ پہلی آیت کے نیچے آرہا ہے ائمہ کرام وفقہاء عظام فرماتے ہیں کہ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہی ہے، بدل نہیں سکتی۔ اسفار فقہ ہدایہ وغیرہ میں ہے ومن اتخذ ارضہ مسجدا لم یکن لہ ان یرجع فیہ ولا یبیعہ ولا یورث عنہ الخ بلکہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر آبادی ویران ہو جائے، وہاں کوئی نہ رہے تو مسجد پھر بھی مسجد ہی ہے۔ یہی مفتی بہ ہے۔ ہدایہ، فتح القدیر، بحر الرائق، شامی وغیرہا میں ہے والنظم من الفتح (ولو خرب ماحول المسجد واستغنی عنہ) ای استغنی عن الصلوٰۃ فیہ اہل تلک المحلۃ او القریۃ بان کان فی قریۃ فخربت وحولت مزارع یبقی مسجدا علیٰ حالہ عند ابی یوسف و ھو قول ابی حنیفۃ و مالک والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ وہ صرف بالشت بھر کو ہی مسجد سمجھے ہوئے ہے مگر عقلاً ونقلاً یہ باطل اور محض باطل ہے دل سرد سے مسئلہ سرداب کو دیکھیے کہ فقہائے کرام کیا کیا تصاریح جلیلہ فرمائے ہیں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مسجد آسمان کی بلندی اور زمین کے نیچے تک مسجد ہی ہے اور یہ کہے کہ بالشت بھر ہی ہے ع "بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا۔" شامی میں ہے قولہ الی عنان السماء بفتح العین وکذا الی تحت الثریٰ کما فی البیری عن الاسبیجابی۔ اور اگر مسجد موجودہ کو قائم رکھیں اور نئی مسجد تیار کریں جس سے مسجد موجودہ غیر آباد ہو تو پھر بھی ناجائز ہے کہ مسجد کی تعطیل وویرانی گناہ ہے جیسا کہ قرآنِ کریم سے ثابت ہو چکا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۵۹ھ

الاستفتاء

کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس میں کہ ایک گاؤں والوں نے اپنا گاؤں منتقل کر کے دوسری جگہ بنالیا ہے اور وہاں کوئی نہیں رہا اور مسجد اس کی ویران ہوچکی ہے اس میں کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اس کے شہتیر اور کڑیاں وغیرہ سامان اس نئے گاؤں کی مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔





اگر مسجد مذکورہ واقعی ویران ہوچکی ہے کہ اس میں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں تو اس گاؤں والے اس مسجد کا سامان اپنے نئے گاؤں کی مسجد پر صرف کرسکتے ہیں۔ شامی ص ۴۱۵ جلد ۳ میں ہے والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلافرق بین مسجد اوحوض کما افتی به الامام ابو شجاع والامام الحلوانی وکفی بهما قدوة لاسیما فی زماننا فان المسجد اوغیره من رباط اوحوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هومشاهد وکذلك اوقافه یاکلها النظار اوغیرهم ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الأخر المحتاج الی النقل الیه (الی ان قال) ثم رأیت الأن فی الذخیرة قال وفی فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام عن اهل قریة رحلوا و تداعی مسجدها الی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشبه وینقلون الی دورهم هل لواحد

لاهل المحلة ان يبيع الخشب بامر القاضی و یمسک الثمن لیصرفه الی بعض المساجد والی هذا المسجد قال نعم الی اخره۔

(ناتمام)

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک مسجد کو شہید کر کے از سر نو تیار کرتے وقت مسجد بلند کرنے کے لئے کہ مسجد کا بلند کرنا تعظیمِ مسجد ہے اور صورت آمدن نقدی کے خیال سے اس خاص مسجد کی دکانیں بنائی گئیں اور ان دکانوں کی سطح پر مسجد بنا کرنا چاہتے ہیں اور آمدن دکانوں کی کرایہ وغیرہ مسجد پر ہی صرف کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں، آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔





مسجد کا بلند کرنا واقعی تعظیمِ مسجد ہے مگر مسجد میں دکانیں بنانا، کرایہ پر دینا مسجد کی بے حرمتی واہانت ہے جو شرعاً حرام اور سخت حرام ہے۔ افسوس بعض اہلِ اسلام کے حوصلے اتنے پست ہو گئے کہ خانہ خدا کے اجزاء کرایہ پر دینے کو تیار ہو گئے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے ان المساجد للہ "مسجدیں خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ فتاویٰ امام قاضی خان ص ۱۳، جلد ۴، بحر الرائق ص ۲۴۹ جلد ۵، فتح القدیر ص ۴۴۶ جلد ۵، فتاویٰ عالمگیر ص ۳۴۹ جلد ۲ میں ہے والنظم من الهندیة قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمته وهذا لا یجوز یعنی متولی مسجد کے لئے جائز نہیں کہ مسجد کی حد میں یا صحن میں دکانیں بنائے اس لئے کہ مسجد جب دکان یا مسکن بنائی جائے تو یہ اس کی بے حرمتی

ہے جو جائز نہیں" بحر الرائق ص۲۵۱ جلد ۵، فتاویٰ قاضی خان ص۱۳۷ جلد ۴، در المختار ص۵۱۳ جلد ۳ مطبوعہ مع رد المحتار میں ہے والنظم من البحر لا یجوز للقیم ان یجعل شیئا من المسجد مستغلا ولا مسکنا یعنی نہیں جائز متولی کے لئے کہ بنائے مسجد کے کسی حصہ کو نفع کمانے یا بسنے کی جگہ" رد المحتار ص۵۱۳ جلد ۳ میں ہے والمراد من المستغل ان یوجر منہ شیٔ لاجل عمارتہ یعنی اور مستغل سے مراد یہ ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ کرایہ پر دیا جائے کہ اس پر خرچ کیا جائے۔ فتاویٰ عالمگیری ص۳۴۷ جلد ۲ میں ہے اذا اراد انسان ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلۃ لمرمۃ المسجد او فوقہ لیس لہ یعنی جب کوئی شخص ارادہ کرے کہ مسجد کے نیچے دکانیں بنائے یا اوپر کہ ان کی آمدن مسجد کی مرمت پر خرچ کرے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں"

پس ان عبارات سے امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ ایسا کرنا شرعاً ناجائز اور سخت ناجائز ہے اور اس میں مسجد کی بے حرمتی ہے۔ اور مسجد کا بلند کرنا صرف اس پر موقوف نہیں کہ دوکانیں بنائی جائیں۔ کیا دنیا بھر میں جس مسجد میں دوکانیں نہیں بنائی گئیں وہ بلند ہی نہیں یہ سخت نافہمی کی بات ہے لہذا اس سے پرہیز لازم و نہایت ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۶ رذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک مسجد جو ۶۰، ۷۰ سال سے آباد چلی آتی تھی، سیلاب کیوجہ سے اس کا مکان منہدم ہو گیا اور اسی طرح گاؤں کے بھی کئی مکان منہدم ہو گئے، اپنے اپنے مکان تو لوگوں نے بنا لئے اور گاؤں کو آباد رکھا مگر مسجد کو اسی حال پر چھوڑ دیا اور اس کے قریب ایک نئی مسجد بنانی شروع کر دی حالانکہ گاؤں چھوٹا ہے ایک مسجد بھی اچھی طرح آباد نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ دونوں خصوصاً



وہ پرانی مسجد جو شکستہ وخستہ چھوڑدی ہے اور اس کے لئے کوئی امام اور پانی وغیرہ کا انتظام نہ ہوگا تو وہ نئی مسجد (جس میں ہر طرح کا انتظام ہوگا) کے بن جانے سے آباد نہ ہو سکے گی بلکہ ویران رہے گی تو کیا ایسا کرنا جائز ہے!

سائل : سبحان الدین از کوٹھی نورشاہ





قرآنِ کریم سورۂ نور کا نورانی ارشاد ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع قولِ محقق یہ ہے کہ ان بیوت سے مراد جمیع مساجد ہیں۔ لباب التاویل، خازن، معالم التنزیل وغیرہا تفاسیرِ معتبرہ میں ہے والنظم للسید ابی السعود والمراد بالبیوت المساجد کلھا اور اس رفع سے مراد رفع بنا ہے یا تعظیم، ارشاد العقل، لباب التاویل، معالم التنزیل، جمل عن الکرخی وغیرہا میں ہے و النظم من الارشاد والمراد بالاذن فی رفعھا الامر ببنائھا رفیعۃ لا کسائر البیوت وقیل ھو الامر برفع مقدارھا۔ بہر حال اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ اسی مسجدِ مذکور کو ہی بنا کیا جائے اور اس کی عظمت کو بپا کیا جائے خصوصًا ایسی حالت میں کہ اپنے اپنے گھر درست کر لئے اور خانۂ خدا یونہی ویران و برباد چھوڑ دیا اور اگر نئی مسجد علیحدہ بنائیں تو اس سے پہلی مسجد کا حق ادا نہیں ہو سکتا حالانکہ وہ مسجد قیامِ قیامت تک مسجد ہی ہے کما فی جمیع معتبرات المذھب المنیف منصوصًا بلکہ اس نئی مسجد کے بن جانے سے وہ محض ویران اور معطل پڑی رہے گی تو اندریں حالات نئی مسجد بنانا آیہ کریمہ و من اظلم ممن منع مساجد اللہ الآیۃ۔

(نوٹ) اصل فتاویٰ نوریہ میں بھی یہ جواب نامکمل ہے، کاتب پورا نقل نہیں کر سکا۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

نوٹ:۔ کچھ عرصہ قبل یہ مکمل فتویٰ پرانے کاغذات سے ملا جسے جلد ششم ص۲۰۷ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ (محمد محب اللہ نوری) ۳۰-۵-۹۱

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک گاؤں کو دریا نے گرا دیا اور لوگ متفرق ہو گئے۔ اس گاؤں کی گرتی ہوتی مسجد کا سامان خشت پختہ، گارڈر وغیرہ مالکانِ دہ نے باجازت بانیانِ مسجد اٹھا لیا کہ نئی مسجد کی تعمیر میں لگا لیں تو گیا وہ سامان نئی مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: میاں محمد امیر صاحب نمبردار ملیکے نو



جب گاؤں گر گیا اور مسجد بھی شہید ہو گئی اور دوبارہ آبادی گاؤں کی ظاہری صورت نہ رہی تو اجازتِ قاضی شرع یا حاکمِ اسلام سے اس مسجد کا سامان دوسری مسجد پر لگا سکتے ہیں پرانی ہو یا نئی بنائیں۔ درالمختار میں ہے وعن الثانی ینقل الی مسجد اٰخر باذن القاضی۔ شامی میں ہے والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلافرق بین مسجد او حوض کما افتی به ابوشجاع والامام الحلوانی وکفی بهما قدوة لاسیما فی زماننا فان المسجد او غیره من رباط او حوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد بنا ء علیه جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه النور المبین وعلیٰ اٰله وصحبه اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک مسجد ایک چاہ کے ساتھ مالکانِ چاہ نے برائے نفعِ عوام جیسا کہ لوگ کنوؤں پر تعمیر کر دیتے ہیں تعمیر کر دی ہے اور دریا نے بمع چاہ مسجد کو شہید کر دیا ہے جس کو پنجابی میں اندریں الفاظ تعبیر کرتے ہیں (دریا نے سمیت کھوہ دے مسیت نوں ڈھالیا ہے) اور اس جگہ پر اب دریا چل رہا ہے تو اس مسجد کا سامان دوسری گاؤں والی مسجد میں خرید یا بغیر خرید کے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں اور دیگر عمارات میں بھی استعمال کرنے کی اجازت ہے یا کہ نہیں؟ جواب بہ ثبوتِ کتبِ معتبرہ کے ارسال فرما کر ممنون ومشکور بننے کا موقع عنایت فرمادیں۔ بینوا توجروا۔





حضرتِ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃً واسعۃً سے مروی ہے کہ ایسے مواضعِ ضرورت میں سامان (شہتیر، بالے، اینٹیں وغیرہ) فروخت کر دیا جائے حاکمِ شرع کی اجازت سے اور قیمت کسی مسجد پر لگا دی جائے شامی ص۵۱۳ جلد۳ فیباع نقضہ باذن القاضی و یصرف ثمنہ الی بعض المساجد اور یہیں سے ظاہر ہے کہ وہ سامان بعینہٖ دوسری مسجد پر لگا دینا بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔ بالتصریح مشائخ وائمہ سلف نے بھی یہ جواز ذکر فرمایا ہے۔ شامی ص۵۱۴ جلد۳ میں ہے و بذلک تعلم فتوی بعض مشائخ عصرنا بل ومن قبلھم کالشیخ الامام امین الدین (الی ان قال) فمنھم من افتی بنقل بناء المسجد (الی ان قال) وکفی بھما قدوۃ لاسیما فی زماننا الخ اور جب فروخت کرنا جائز ہوا تو دیگر عمارات میں خرید کر لگانا بھی جائز ہوا مگر یہ خیال رہے کہ ایسی جگہ نہ لگائیں جو ناپاک یا حقیر ہو جیسے پائخانہ یا مویشی کے لئے مکان کہ آخر وہ سامان لائقِ ادب وتعظیم ہے بلکہ مسجد کا کوڑا بھی ناپاک جگہ نہ ڈالا جائے کما نص علیہ فی الدر

المختار قبيل باب المياه۔
واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم۔

حررہ المفتقر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۶ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں کے مقبرہ کی متعلق مسجد جو قدیم ایام میں تھی بوجہ غربتِ اہالیان وہ شہید ہوچکی ہے جس کے دوبارہ تعمیر کا سامان نہیں اور اسی مقبرہ میں خود روپیدا نئے درخت ہیں جو مقبرہ ہی میں پیدا ہوئے تو کیا متولی بہ اتفاقِ اہالیان دیہ وہ درخت کاٹ کر مسجد بنا سکتا ہے یا نہیں ؟

مستفتی : مولوی عبدالرحمٰن



ہاں جائز ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص۴۲۰ جلد۴ میں ہے فی مجموع النوازل اشجار فی مقبرۃ یجوز صرفہا الی المسجد ان لم یکن وقفا علی جھۃ اخریٰ فتاویٰ عالمگیر ص۵۲۳ جلد۲ میں ہے سئل نجم الدین فی مقبرۃ فیہا اشجار ھل یجوز صرفہا الی عمارۃ المسجد قال نعم ان لم تکن وقفا علی وجہ اخر۔
واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ

علیٰ حبیبہ و آلہٖ و اصحابہٖ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۵۹-۹-۴

۲۵ رجب المرجب ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

بخدمت اقدس حضرت العلام ناصر الاسلام فقیہ الاعظم مولانا الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب النعیمی دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ:-

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دینِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک قدیمی مسجد کو شہید کیا گیا اور اس سے حاصل شدہ قدیمی پرانا اور بوسیدہ سامان فروخت کر کے اس کی جگہ اعلیٰ پائیدار مضبوط سامان اسی مسجد کے لئے خرید سکتے ہیں؟ کیونکہ اگر پہلا سامان یونہی پڑا رہنے دیا جائے تو اس کے ضائع ہو جانے کا قوی احتمال ہے۔ امید ہے کہ ہماری مشکل کشائی فرمادیں گے۔ والسلام مع الاکرام۔

السائل: محمد منشا تابش قصوری امام مسجد فردوس ٹمبرز یزم مرید کے ضلع شیخوپورہ





ہاں پرانا اور قدیمی و بوسیدہ یا غیر بوسیدہ سامان صورتِ مذکورہ میں بلاشبہ فروخت کیا جا سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں البتہ جو شخص خریدے وہ اتنا لحاظ رکھے کہ غسل خانہ پائخانہ یا مویشی خانہ میں وہ سامان نہ لگائے کہ اس کے ادب کے خلاف ہے۔ سکنی مکان میں لگا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و محبوبنا الاعظم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم ابداً ابداً۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۷۰-۳-۵

۲۶ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ ہمارے چک ۳۱/ای۔بی میں مسجد کچی تھی جو کہ شہید کردی گئی ہے اور پختہ بنانے کا ارادہ ہے۔ آیا جو کہ مسجد کی کچی اینٹ جو کہ پچیس ہزار ۲۵۰۰۰ کے قریب ہوگی۔ کیا ہم نیلام کرکے برائے مسجد سیمنٹ وغیرہ مسجد پر ہی صرف کر سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ اور دیگر لکڑی وغیرہ، صحیح متواتر احادیث کے ثبوت سے، مفصل تحریر فرمائیں۔ فتویٰ آپ تحریر فرما کر سپرد ڈاک فرمادیں، مشکوک نہ ہو۔ اکثر علمائے گرد و نواح نے ناجائز قرار دیا ہے کہ مال فروخت کرکے قیمت صرف کرنا جائز ہے۔ قرآنِ مجید کی آیات اور احادیث متواترہ کا بین ثبوت ہو۔ جواب فوری مطلوب ہے۔

ازطرف اہالیانِ چک ۳۱/ای بی ڈاک خانہ چک ۱۹/ای بی فوجیانوالہ تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال نزد چک شاہ کرم۔





ایسی صورت میں جائز ہے کیونکہ پختہ بنانے کی صورت میں بعینہٖ وہ سامان تو مسجد پر صرف نہیں ہوسکتا اور یونہی رکھا جائے تو ضرور ضائع ہوجائے گا۔ حالانکہ مال کا ضائع کرنا ناجائز ہے۔ قرآن کی صریح آیات نے تو فضول خرچی اور سفہار کو مال دینے سے منع فرمایا چہ جائیکہ ضائع بنا دیا جائے اور صحیح حدیث شریف نے بھی اضاعۃ المال سے منع فرمایا۔ دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۹۵۸ جلد ۲، اور جبکہ فروخت شدہ اشیاء کی قیمت اسی مسجد پر صرف کی جائے تو یہ حکماً ان اشیاء کا ہی صرف کرنا ہے کیونکہ بدل، مبدل عنہ کا عوض ہوتا ہے لہٰذا ہمارے فقہائے کرام نے اجازت فرمائی ہدایہ، فتح القدیر صفحہ ۴۳ جلد ۶، شرح الوقایہ صفحہ ۴۱۳ جلد ۲، بحر الرائق صفحہ ۲۳۰ جلد ۵، زیلعی صفحہ ۳۲۸ جلد ۳، درالمختار اور شامی صفحہ ۵۲۹ جلد ۳ وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے و ان تعذر اعادۃ عینہ الی موضعہ

بیع وصرف ثمنه الی المرمة صرفا للبدل الی المبدل

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۷-۹-۷۱

۶ر شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ

(نوٹ) سوال ہمیشہ صاف صاف لکھا جائے۔ یہ سوال پورا صحیح نہیں لکھا گیا اور یہ بھی واضح نہیں کہ گرد و نواح کے اکثر علماء ناجائز قرار دیتے اور قیمت کا صرف کرنا جائز بتاتے ہیں یا کیا کہتے ہیں بہرحال جو ناجائز بتائے اس سے آیات واحادیث صحیحہ متواترہ وغیر متواترہ سے ثبوت کیوں نہیں طلب کرتے۔ ناجائز ہونا بھی دلیل کا محتاج ہے۔ والسلام۔ (امنہ غفرلہ)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین دوبارہ تعمیر کردہ مسجد کے پہلے سامان کے متعلق جو دو حالتوں پر مبنی ہے۔

اولاً وہ سامان جو کسی صورت میں بھی استعمال کے لائق نہیں فقط ایندھن ہی ایندھن ہے کیا اس کو فروخت کر سکتے ہیں اور اس کی قیمت مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا کہ یونہی ضائع ہونے دیں؟

ثانیاً ایسا سامان جو استعمال کے لائق تو ہے لیکن اس مسجد میں کسی جگہ بھی صرف نہیں ہو سکتا کیونکہ دوسری مرتبہ مسجد کی تعمیر نئے ڈیزائن پر کی گئی ہے۔ کیا اس کو بیچ سکتے ہیں اور اس کی قیمت دوبارہ مسجد میں ہی صرف کی جائے اور کیا اس صورت میں مشتری خریدا ہوا سامان جہاں جی چاہے لگا سکتا ہے یا کہ بعض شروط پر؟ اور یا کہ وہ سامان سرے سے بیچ ہی نہیں سکتے؟

برائے کرم اس مسئلہ کو بالتفصیل ولائلِ بیّنہ سے حل فرما کر ارسال فرمائیں اور ساتھ ہی اپنی مُہر بھی ثبت کریں تاکہ لوگ ہمیں جعلی فتوائے کا طعنہ نہ دیں۔

سائل: میر زمان مقیم موضع فتوٹ نزد بھگواڑی بازار آزاد کشمیر دو تحصیل کوہ مری ضلع راولپنڈی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً ان دونوں صورتوں میں وہ سامان فروخت کر کے قیمت مسجد پر صرف کرنا جائز ہے کیونکہ فروخت نہ کرنے کی صورت میں وہ سارا مال ضائع ہو جائے گا اور اللہ تعالٰے مال کا ضائع کرنا پسند نہیں کرتا۔ صحیح بخاری شریف ص۲۰۰ جلد ۱، اور مسلم شریف ص۷۶ جلد ۲ کی حدیث مرفوع متفق علیہ میں ہے ان اللہ کرہ لکم ثلاثا قیل وقال واضاعۃ المال وکثرۃ السوال لہذا قرآن کریم میں فرمایا کہ بے عقلوں کا مال ان کے سپرد نہ کیا جائے۔ ارشاد فرمایا ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما وارزقوھم الأیۃ سورۃ النساء آیت ۵۔ پھر اس کے متعلق آیۃ ۶ میں بھی ہدایت فرمائی۔ نیز فضول خرچی سے منع فرمایا اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی بتایا۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۶ میں ہے ولا تبذر تبذیرا اور ۲۷ میں ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین تو آفتاب و ماہتاب کی طرح واضح ہوا کہ اضاعتِ مال ناجائز ہے۔ اور مسجد کا ایسا سامان جو مسجد پر حال و مآل میں خرچ نہیں ہو سکتا چونکہ مال ہے اور اس کی اضاعت سے بچاؤ فروخت کرنے میں ہے لہذا فروخت کرنا جائز ہوا کہ ناجائز سے بچ سکیں بنا ءً علیہ ہمارے مشائخ کرام احناف نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔ ہدایہ، فتح القدیر ص۴۳۶ جلد ۵، وقایہ شرح الوقایہ ص۴۱۲ جلد ۲، بحر الرائق ص۲۳۰ جلد ۵ تبیین الحقائق ص۳۲۸ جلد ۳، در المختار شامی ص۵۲۹ جلد ۳ وغیرہا کتبِ مذہبِ مہذبِ حنفیہ میں بالفاظِ متقارب ہے واللنظم من الھدایۃ وان تعذر اعادۃ عینہ الی موضعہ بیع وصرف ثمنہ الی المرمۃ صرفا للبدل الی مصرف المبدل اور مشتری کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے اسے لگائے کیونکہ یہ اس کا اپنا مال بن گیا۔ البتہ مویشی خانہ یا بیت الخلاء پر نہ لگائے اس لئے کہ اس کو مسجد کے ساتھ نسبت خاصہ ہے حالانکہ در المختار و شامی ص۱۶۵ میں ہے کہ مسجد کا گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جو تعظیم میں مخل ہو فرمایا کحشیش المسجد وکناستہ لا یلقی فی



موضع یخل بالتعظیم۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۷۳-۸-۱۱

الاستفتاء

بخدمت جناب مولانا صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ :

گذارش ہے کہ آپ برائے کرم واپس ڈاک فتوے سے مطلع فرمائیں کہ ، کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ جو چیز مسجد کے لئے وقف ہو اور مسجد میں استعمال کی جاتی ہو۔ مثلاً پنکھا وغیرہ وہ اور کسی جگہ میں استعمال کرنی جائز ہے یا نہیں ؟ یا امام مسجد اپنے گھر میں کوئی چیز مسجد سے لیجا کر استعمال کر سکتا ہے۔ مہربانی کر کے واپس فتوے دے کر مشکور فرمائیں۔

نیازمند : فردوس لیڈرز کمپنی چیمبرلائن روڈ لاہور



آباد مسجد کے لئے وقف شدہ شے چراغ ، پنکھا وغیرہ جو مسجد میں استعمال کی جاتی ہو وہ اور کسی جگہ بھی استعمال کرنی جائز نہیں ۔قرآن مجید کا ارشاد مبین ہے ان المساجد للہ کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں ؟ تو بلا اجازت شرعیہ کوئی شخص بھی مسجد کی کسی چیز کو کسی جگہ استعمال نہیں کر سکتا۔ فقہائے کرام نے بطور تمثیل تصریح فرمادی ہے کہ کوئی شخص مسجد کا چراغ اپنے گھر نہیں لے جاسکتا۔ خلاصۃ الفتاوے ص ۲۲۹ جلد ۱ ،

فتاوٰے عالمگیر ص۵۸ جلد ۱ میں بالفاظِ متقاربہ ہے : والنظم منہا ولا یحمل الرجل سراج المسجد الی بیتہ بلکہ یہاں تک بھی تصریح فرمادی کہ متولی مسجد کو بھی یہ حق حاصل نہیں۔ فتاوٰی قاضیخان ص۷۱۳، خلاصۃ الفتاوٰی ص۴۲۳ جلد ۴، بحرالرائق ص۲۵۰ جلد ۵، فتاوٰے عالمگیر ص۳۴۹ جلد ۲ میں بالفاظِ متقاربہ ہے متولی المسجد لیس لہ ان یحمل سراج المسجد الی بیتہ۔ بلکہ یہاں تک تصریح فرمادی کہ چراغ مسجد جو مسجد میں نمازیوں کے لئے جلایا گیا اس کی روشنی میں کتبِ شرعیہ کا درس دینا جائز ہے مگر فرماتے ہیں کہ یہ صرف رات کی پہلی تہائی تک جائز ہے اور اس کے بعد رات میں چراغ مسجد پر مسجد میں بھی درس نہیں دیا جاسکتا۔ فتاوٰے قاضی خان ص۷۱۶، البحرالرائق ص۲۵۰ جلد ۵، فتاوٰے عالمگیر ص۳۴۸ جلد ۲، ص۹۴ جلد ۴ میں ہے والنظم من الہندیۃ ان اراد انسان ان یدرس الکتاب بسراج المسجد (الی ان قال) وفی مازاد علی ثلث اللیل لیس لہم تاخیر الصلوٰۃ فلا یکون لہم حق التدریس کذا فی الخانیۃ والظاہر انہ (لہ) بضمیر الواحد کمافی الکتب الاخر۔ اور دوسری اشیاء کا بھی یہی حکم ہے کہ چراغ کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ حکم نسبتِ مسجد کا ہے لہٰذا الاشباہ والنظائر ص۱۵۶ میں فرمایا لا تجوز اعارۃ ادواتہ لمسجد اٰخر، یعنی آلاتِ مسجد عاریۃً کسی دوسری مسجد کو دینے جائز نہیں اور جب دوسری مسجد کے لئے جائز نہیں تو متولی یا امام اور خادم مسجد کے گھروں کے لئے کیوں کر جائز ہو۔ ہاں اگر کوئی چیز زائد از ضرورت آجاتے اور محفوظ نہ رکھ سکتے ہوں یا استعمالِ مسجد کے قابل نہ رہے یا خدانخواستہ مسجد ہی بالکل ویران ہوجائے تو ایسی صورتوں میں بشرائطِ معلومہ شرعاً فروخت کرسکتے ہیں یا دوسری مسجد میں استعمال کرسکتے ہیں اور بعض صورتوں میں بعض ائمہ کرام کے نزدیک واقف خود بھی اپنے تصرف میں لاسکتا ہے مگر یہ اجازت ہرگز نہیں کہ جو چاہے اپنے طور پر استعمال کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ ۶۴-۷-۲

۳۰ صفر المظفر ۱۳۸۴ھ



الاستفتاء

ہم نے گاؤں کے چوک میں ایک پختہ عالیشان مسجد بنائی ہے۔ سابقہ مسجد گاؤں کے ایک کونے پر واقع ہے جو کہ کچی ہے اور خستہ حالت میں ہے۔ ہم اسے مسمار کرنا چاہتے ہیں۔ آپ تحریر کر دیں کہ اس مسجد کی مٹی کہاں پھینکیں۔ آیا اس جگہ آبادی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

ازطرف : سردار محمد صدیق ڈوگر چیئرمین شاہ یکہ ۶۶-۹-۸





جب مسجد مسجد بن جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے لہٰذا اسے مسمار کرنا اور سکنی بنانا شرعاً حرام ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا (پ۱ رکوع ۱۴) ترجمہ: "اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔" لہٰذا اس مسجد کو مسجد کی شکل ہی میں آباد رکھا جائے اور مسمار نہ کیا جائے اور نہ ہی سکنی بنایا جائے۔ ہاں عمارت زیادہ خستہ ہو تو مرمت کر دی جائے یا تجدید کر دی جائے مگر رکھا مسجد ہی جائے تاکہ قرآنِ کریم کے ارشاد کی خلاف ورزی نہ ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وآلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک گاؤں کے زمینداروں نے اپنے

گاؤں کی مسجد پختہ بنانی چاہی تو پہلی آبادکچی مسجد کو چھوڑ کر اس کے ساتھ نئی مسجد بنالی اور پہلی مسجد کو امام کا مکان بنادیا، اس میں مویشی وغیرہ بھی باندھ لیتے ہیں تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

سائلین : بہادل خان - محمد امیر خان نمبرداران - پہلوان ولد ترنجھ - محب علی گڈ گور سکنہ چک ۲۰/۱ ایل، ڈاک خانہ چک ۲۲/۱ ایل اوکاڑہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب



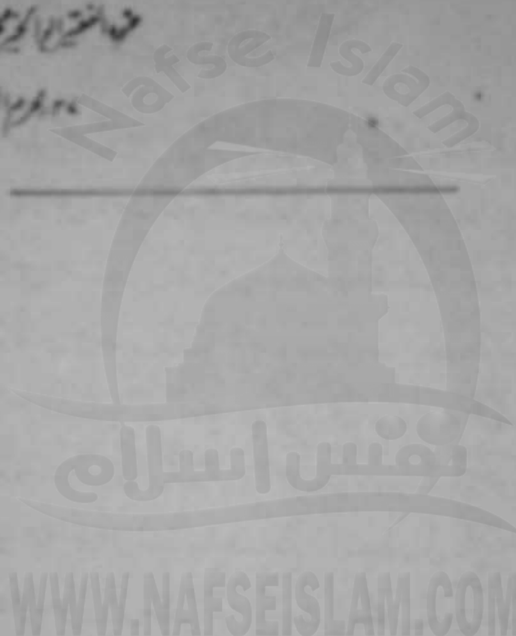
بلاشک وشبہ وریب یہ تبدیلی ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ اس میں سابقہ مسجد کی تخریب وتعطیل ہے (ویران کرنا اور اس میں ادائیگی نماز چھوڑ دینا) اور تعطیل وتخریب مساجد از روئے قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ ومذہب مہذب ائمہ دین ناجائز وحرام اور سخت ترین حرام ہے۔ پارہ اول میں ہے ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا ترجمہ: اور اس سے زیادہ ظالم کوئی شخص نہیں جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لیے جانے سے اور ان کے ویران کرنے میں کوشش کرے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ سے روکنا اور ویرانی میں کوشاں ہونا مسجدوں کے گرانے اور معطل کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ تفسیر جلالین، بیضاوی، ابوالسعود میں ہے بالھدم او التعطیل۔ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مرفوع میں ہے انما بنیت المساجد لما بنیت لہ مبسوط امام سرخسی وغیرہ میں ہے اتخاذ المسجد یلزم بالاتفاق۔ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر گاؤں یا شہر ویران ہوجائے اور وہاں کوئی نہ رہے تو پھر بھی مسجد مسجد ہی رہے گی یہی مفتیٰ بہ ہے۔ ہدایہ، فتح القدیر، فتاویٰ عالمگیر، فتاوےٰ خیریہ، درالمختار، شامی، بحرالرائق وغیرہا میں ہے والنظم من الدر ومتنہ ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ وبہ یفتی تو آباد گاؤں کی مسجد کو نماز سے معطل اور ویران کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں اور پھر مویشی وغیرہ کا باندھنا جو بول اور گوبر بھی وہاں کرتے ہیں جہاں باندھے

جاتے ہیں۔ اور جب امام کا مکان بنا تو حجامت وغیرہ بھی اس میں ہوگی۔ یہ سب از روئے قرآن کریم و احادیث پاک اور فقہ شریعت کے حکم سے ناجائز اور حرام در حرام ہیں۔ مسلمانوں پر لازم کہ اس بڑے ظلم سے باز آئیں ورنہ اس سزا کا انتظار کریں جو پارہ اول میں بیان ہوئی ہے لھم فی الدنیا خزی و لھم فی الاخرۃ عذاب عظیم" واسطے ان کے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔"

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

عبد المفتقر الی الکریم محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۷ محرم الحرام ۱۳۷۰ھ









مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنا منع ہے

اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا (مسلم)

مسجدیں اللہ کے ہاں زمین کے سب حصوں سے بہتر ہیں

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ ایک گاؤں کی مسجد خام شہید کرکے پختہ تیار کی گئی اور پہلی مسجد کے صحن کا ایسا حصہ جو مسجد میں داخل تھا اور اس میں نمازیں باجماعت پڑھی جاتی تھیں مسجد پختہ کی محاذات سے چونکہ ایک طرف ہے لہٰذا اس میں سے بعض کو مسجد سے خارج کر دینا اور دوسری طرف سے اتنا ہی داخل کر دینا تاکہ صحن متناسب ہو جائے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے جواز کا فتویٰ دیا ہے جس کی نقل حاضر کی جاتی ہے، وقتِ جواب وہ نقل پیشِ نظر رہے۔ بینوا ماجورین من رب العالمین۔



الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ وعلیٰ آلہ الاطہار وصحبہ الخدمۃ[1] امابعد: یہ جواب دو فصل پر مشتمل ہے۔ فصل اول نوری جواب سوال، فصل دوم نوری جواب استدلال۔

فصلِ اول: مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنا شرعاً سخت ناجائز ہے جس کے عدمِ جواز پر قرآنِ کریم کے نصوصِ جلیلہ واحادیثِ علیہ ونقولِ مذہبِ مہذب حنفیہ شواہدِ عدل ہیں۔ حضرتِ رب العالمین واحد قہار کا فیصلہ اس کے متعلق سنیئے ارشاد فرماتا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعٰی فی خرابہا اولٰئک ما کان لہم ان یدخلوہا الا

---

[1] خدمہ خادم ۱۲ منہ غفرلہ

خائفین لھم فی الدنیا خزی و لھم فی الآخرۃ عذاب عظیم۔ ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ان کو لائق نہ تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔"

یہ پُرظاہر کہ مسجد بجمیع اجزائہ مسجد ہے۔ مبسوط امام سرخسی صـ۳۴ جلد ۱۲ میں ہے ان المسجد موضع السجود و نحوہ فی مفاتیح الغیب للامام الرازی وغیرھا اور اس حصہ کے خارج کر دینے میں اس میں نماز پڑھنے سے روکنا ہے جو ذکر اللہ سے روکنا ہے اور اس کی ویرانی میں کوشش کرنی ہے کہ خارج کر دینے کی صورت میں مسجد ہی سے علیحدہ ہو جائے گا۔ تفسیر جلالین شریف صـ۱۵ میں ہے ومن اظلم ای لا احد اظلم ممن منع مسجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ بالصلوۃ و التسبیح وسعیٰ فی خرابھا بالھدم او التعطیل ترجمہ: اور کون زیادہ ظالم یعنی نہیں کوئی زیادہ ظالم اس سے جو روکے اللہ کی مسجدوں کو اس سے کہ ذکر کیا جائے ان میں نام اس کا ساتھ نماز اور تسبیح کے اور کوشش کرے ان کی ویرانی میں گرانے اور معطل کرنے کے ساتھ۔" بیضاوی شریف صـ۱۰۱ ج ۱ میں ہے ان یذکر فیھا اسمہ ثانی مفعولی منع وسعیٰ فی خرابھا بالھدم او التعطیل تفسیر ارشاد العقل صـ۳۵۳ جلد ۱ میں ہے بالھدم او التعطیل اور اس آیت کا شانِ نزول اگرچہ خاص ہے مگر حکم تمام مساجد کو عام ہے۔ تفسیر ارشاد العقل شریف صـ۳۵۲ ج ۱ میں ہے وھذا الحکم عام لکل من فعل ذلک فی ای مسجد کان (ترجمہ) اور یہ حکم عام ہے ہر اس شخص کے لئے جو کرے اس کو کسی مسجد کے ساتھ۔" تفسیر بیضاوی شریف کے صـ۱۰۱ پر ہے عام لکل من خرب مسجدا او سعی فی تعطیل مکان مرشح للصلوۃ (ترجمہ) عام ہے واسطے ہر اس شخص کے جو ویران کرے کسی مسجد کو اور کوشش کرے ایسے مکان کے معطل کرنے میں جو نماز کے لئے تیار کیا گیا ہو۔" امام علاؤ الدین صوفی خازن اپنی تفسیر لباب التاویل کے صـ۸۴ جلد ۱ میں ابن عربی علیہ الرحمۃ سے ناقل انہ کل مسجد قال وھو الصحیح لان اللفظ عام ورد بصیغۃ الجمع فتخصیصہ ببعض المساجد او ببعض الازمنۃ محال۔ یعنی بے شک یہ حکم ہر مسجد کا ہے فرمایا اور وہی صحیح ہے اس لئے کہ



بے شک لفظ عام ہے وارد ہوا ہے جمع کے صیغہ سے پس خاص کرنا اس کا بعض مساجد کے ساتھ یا بعض زمانوں کے ساتھ محال ہے ۔ صاوی علی الجلالین صنہ جلد ا پر ہے ھذا عام لکل من منع مساجد اللہ من ذکر اسم اللہ فیھا کان مسلما او کافرا (ترجمہ) یہ حکم عام ہے ہر اس شخص کے لئے جو روکے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو ذکر کرنے اللہ کے نام سے ان میں مسلمان ہو یا کافر" تفسیرات احمدیہ صنا پر ہے انھا تدل علی ان ھدم المساجد و تخریبھا ممنوع و کذا المنع عن الصلوٰۃ و العبادۃ و ان کان مملوکا للمانع وقد وعد اللہ تعالیٰ علیہ و شنع علیہ الفقھاء و تمسکوا بھذہ الآیۃ (ترجمہ) بے شک یہ آیت دلالت کرتی ہے اوپر اس بات کے کہ بے شک گرانا مسجدوں کا اور ویران کرنا ان کا منع کیا گیا ہے اور ایسے ہی روکنا نماز سے اور عبادت سے اگرچہ ہو مانع کے ملک میں اور ضرور عذاب کی خبر دی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اور طعن کیا ہے اس پر فقہا نے اور دلیل بنایا ہے انہوں نے اس آیت کو۔"

دیکھا مولیٰ تبارک و تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ وہ سب سے بڑا ظالم ہے اور اس کے لئے دنیا میں خواری اور آخرت میں بڑا عذاب ہے تو ثابت ہوا کہ ایسا کرنا سخت ناجائز ہے ۔ نیز قرآن کریم کا ارشاد ہے یا ایھا الذین امنوا لا تحلوا شعائر اللہ " اے ایمان والو! حلال نہ ٹھہراؤ اللہ کے نشانوں کو۔"
خازن صنہ جلد ۲ میں ہے شعائر اللہ ۔ شرائع اللہ و معالم دینہ (ترجمہ) "شعائر اللہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے دین کے نشان ہیں۔" اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ مسجد دین کے نشانوں میں سے ایک بہت بڑا نشان ہے ۔ چنانچہ لباب التاویل صنا جلد ا پر اس کو واضح طور پر فرمایا و نصہ کل ما کان معلما لقربان یتقرب بہ الی اللہ تعالیٰ من صلوٰۃ و دعاء و ذبیحۃ فھو شعیرۃ من شعائر اللہ ہر وہ چیز جو نشان ہو واسطے ایسے کام کے جو نزدیکی حاصل کیجائے ساتھ اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف نماز ہو یا دعا، یا ذبیحہ ہو تو وہ شعیرہ ہے شعائر اللہ سے۔" اور ایسے ہی معالم التنزیل صنا جلد ا میں ہے پس چونکہ مسجد نماز کا نشان ہے لہذا وہ شعائر اللہ میں داخل ہے اور شانِ نزول اگرچہ خاص ہو مگر معتبر عموم لفظ ہی ہوتا ہے چنانچہ نور الانوار صنہ ۱۶۳ میں ہے صیغۃ العام اذا وردت فی حق شخص خاص فی نص او قول الصحابۃ فان کانت کلاما مبتدأ فلا



خلاف فی انہا عامۃ لجمیع افرادھا ولا تختص بسبب خاص ورد فیہ

"عام کا صیغہ جب وارد ہو خاص شخص کے حق میں کسی نص یا قولِ صحابہ میں، پس اگر ہو شرع کلام میں، پس اس بات میں کوئی خلاف نہیں کہ بیشک وہ عام ہے اپنے تمام افراد کو اور خاص نہیں ہوتا ایسے خاص سبب سے جو اس میں وارد ہوا ہو" بحر الرائق ص۳۴۳ جلد ا ، در المختار و رد المحتار ص۵۰۹ جلد ا ، فتح القدیر ص۲۹۸ جلد ا میں ہے والنظم من الفتح العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب " اعتبار عام ہونے لفظ کا ہے نہ خاص ہونے سبب کا" تفسیر کبیر ص۳۶ جلد ۳ میں ہے اول الآیۃ اذا کان عاما و آخرھا اذا کان خاصا لم یکن خصوص آخر الآیۃ مانعا من عموم اولھا (ترجمہ) "اول آیت کا جب عام ہو اور آخر اس کا خاص ہو تو اس کے آخر کا خاص ہونا اول کے عام ہونے سے مانع نہیں بنتا" نیز قرآنِ کریم سورۂ حج میں ارشاد فرمایا ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب (ترجمہ) "اور جو تعظیم کرے اللہ کے نشانوں کی تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے" لباب التاویل ص۱۴ جلد ۵ میں ہے وقیل شعائر اللہ اعلام دینہ و تعظیمہا من تقوی القلوب ومثلہ فی معالم التنزیل ص۱۴ جلد ۵ ۔ نیز قرآنِ کریم سورہ نور کا نورانی ارشاد ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع (ترجمہ) "ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے" قولِ محقق یہ ہے کہ ان بیوت سے مراد جمیع مساجد ہیں۔ لباب التاویل ص۶۶ جلد ۵ میں ہے و المراد بالبیوت جمیع المساجد "اور بیوت سے مراد تمام مسجدیں ہیں اور ایسے ہی معالم میں ہے" تفسیر کبیر ص۳۸۷ جلد ۶ میں اسے ترجیح دی ہے حیث قال فالاولی حمل اللفظ علی جمیع المساجد یعنی بہتر یہی ہے کہ اس لفظ کو تمام مسجدوں پر حمل کیا جائے" تفسیر ارشاد العقل ص۲۰۶ جلد ۷ میں ہے و المراد بالبیوت المساجد کلھا " اور مراد بیوت سے تمام مسجدیں ہیں" اور رفع سے مراد یا رفعِ بنا ہے یا تعظیم ، ارشاد العقل کے اسی صفحہ پر ہے والمراد



؎ یعنی اس بلند کرنے سے ان کی عمارت کا بلند کرنا مراد ہے کہ دوسرے مکانوں سے مسجدیں اونچی ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مساجد کی تعظیم ہے ۱۲

بالاذن فی رفعها الامر ببنائها رفیعة لا کسائر البیوت وقیل هو الامر برفع مقدارها۔ لباب التاویل ص ۲۶ جلد ۵ میں ہے ان ترفع ای تبنی وقیل تعظیم ومثله فی المعالم (ترجمہ) ان ترفع سے مراد یہ ہے کہ بنا کی جائیں اور کہا گیا ہے کہ تعظیم کی جائیں اور ایسے ہی معالم میں ہے۔"

تفسیر کبیر میں یہ دونوں قول لکھ کر تیسرا قول یہ تحریر کیا کہ مراد مجموع ان دونوں چیزوں کا ہے حیث قال فی ص ۲۸۷ ج ۶ وثالثها المراد مجموع الامرین ونقله الشیخ الصاوی فی ص ۱۱۶ ج ۳ (ترجمہ) تیسرا قول یہ ہے کہ مراد مجموع ان دونوں چیزوں کا ہے اور نقل کیا اس کو شیخ صاوی نے بھی ص ۱۱۶ ج ۳ میں۔"

بہرحال ہمارا مدعا اس آیت سے بین طور پر واضح ہے کہ اگر امر بالبناء مراد ہے تو خارج کر دینے کی صورت میں بناء مفقود ہے لہذا ممنوع ہوا، اور اگر تعظیم مراد ہے تو خارج کر دینا تعظیم کے منافی ہے لہذا ناجائز ہوا اور اگر دونوں مراد ہیں تو دونوں طرح عدم جواز ثابت ہوا۔ نیز حضرت رب العالمین کا ارشاد ہے ان المساجد للہ "مسجدیں خاص ہیں واسطے اللہ تعالٰے کے" عنایہ شرح ہدایہ ص ۴۴۴ جلد ۵، فتح القدیر ص ۴۴۴ جلد ۵ میں ہے والنظم للمحقق الکمال والمسجد خالص للہ سبحانه لیس لاحد فیه حق قال اللہ تعالٰی وان المساجد للہ مع العلم بان کل شیئ له فکان فائدة هذه الاضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق کل من سواه ــــــ

(ترجمہ) اور مسجد خالص ہے واسطے اللہ تعالٰی سبحانہ کے نہیں ہے اس میں کسی کے لئے کوئی حق فرمایا اللہ تعالٰے نے اور بے شک مسجدیں خاص اللہ تعالٰے کے لئے ہیں باوجود یقین اس بات کے کہ بے شک ہر شے اسی کے لئے ہے پس فائدہ اس اضافت کا بڑا خاص ہونا اس کا ساتھ اس کے ہے اور وہ ساتھ منقطع ہونے

سه فی الجمل ص ۲۶۶ ج ۳ وفی الکرخی اذن اللہ ای امر ان ترفع ای تعظم او ترفع بالبناء تمد الخ " النور ظفر له



حق ہر اس شخص کے ہے جو سوا اس کے ہے اور رہم مثل اس کے بحر الرائق ص۱۵۱ جلد ۵ اور رد المحتار ص۵۱۲ جلد ۳ میں بھی ہے۔"

اور جب کسی کا کوئی حق نہیں تو جز مسجد کے خارج کرنے کا حق کیونکر ہو سکتا ہے؟

احادیثِ منیفہ

مسند امام الائمہ سراج الامۃ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مسانید الامام الاعظم ص۲۴۲ ج۱ میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا ینشد بعیرا فی المسجد فقال لا وجدت ان المسجد لما بنی لہ (ترجمہ) "بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا ایک آدمی کو جو دریافت کر رہا تھا گم شدہ اونٹ کو مسجد میں، پس فرمایا نہ پائے تو بیشک مسجدیں اسی چیز کے لئے ہیں جو بنا کی گئی ہیں واسطے اس کے۔"

سنن ابن ماجہ ص۵۶، صحیح مسلم ص۲۱۰ جلد ۱، سنن کبریٰ بیہقی ص۴۴۷ جلد ۲ میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً ہے۔ اور کتاب الآثار قاضی الشرق والغرب امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ ص۱۹۹ میں حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً مروی ہے والنظم من صحیح مسلم ان رجلا نشد فی المسجد فقال من دعی الی الجمل الاحمر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا وجدت انما بنیت المساجد لما بنیت (ترجمہ) بے شک ایک مرد نے دریافت کیا مسجد میں پس کہا کون پتہ دیتا ہے مجھے اونٹ سرخ کا، پس فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پائے تو جز ایں نیست کہ بنا کی گئی ہیں مسجدیں واسطے اس کے جو بنا کی گئی ہیں واسطے اس کے۔"

سنن کبریٰ بیہقی ص۴۴۷ جلد ۲، سنن ابن ماجہ ص۵۶، سنن ابو داؤد ص۶۸ جلد ۱، صحیح مسلم شریف ص۲۱۰ جلد ۱ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے والنظم من صحیح مسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن



لہٰذا۔ (ترجمہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سُنے کسی مرد کو دریافت کرتا اپنی گم شدہ چیز کو مسجد میں پس چاہیئے کہ کہے نہ واپس کرے اللہ تعالیٰ تجھ پر، اس لیئے کہ بے شک مسجدیں نہیں بنا رکی گئی ہیں واسطے اس کے"

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیثِ مذکورہ میں عدمِ جواز نشد الضالۃ فی المسجد کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ مسجدیں نشدِ ضالہ کے لیے بنا رنہیں کی گئیں تو اس استدلال سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ جس کام کے لئے مسجدیں بنا رنہیں کی گئیں اس کا کرنا مسجدوں میں ممنوع ہے چنانچہ مجمع البحار ص۳۵۶ جلد۳ میں ہے ویدخل فیہ کل ما لم یبن له المسجد (ترجمہ) "اور داخل ہے اس حکم میں ہر وہ چیز جو نہیں بنائی گئی مسجد اس کے لئے"۔ غنیۃ المستملی ص۵۶۷ میں ہے فالحاصل ان المساجد بنیت لاعمال الاٰخرۃ مما لیس فیہ توهم اهانتها وتلویثها مما ینبغی التنظیف منه ولم تبن لاعمال الدنیا ولو لم یکن فیه توهم تلویث واهانة علی ما اشار الیه قوله علیه الصلوٰۃ والسلام فان المساجد لم تبن لهٰذا اس کا حاصل یہ ہے کہ بیشک مسجدیں آخرت کے ایسے کاموں کے لئے بنائی گئی ہیں جن سے مسجدوں کی بے ادبی یا آلودگی کا اندیشہ نہ ہو، دنیا کے کاموں کے لئے نہیں بنائی گئیں اگرچہ ان سے آلودگی یا بے ادبی نہ ہو، جیسے اشارہ کرتا ہے طرف اس کی قول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فان المساجد لم تبن لهٰذا۔



اور یہ حقیقت ماہ نیم ماہ و مہر نیم روز کی طرح واضح کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنائی جاتیں کہ ان کے حصے کاٹ کر جدا کئے جائیں تو احادیثِ مذکورہ کی تعلیل میں داخل ہو کر منع ہوا کہ مسجد کا حصہ مسجد سے علیحدہ کیا جائے۔ سبحان اللہ جب مسجد میں صرف دریافت کرنا گمشدہ شئے کا اس لئے منع ہو کہ مسجد اس لئے نہیں بنی تو مسجد کا حصہ علیحدہ کرنا اور خارج کر دینا کیونکر جائز ہو سکے۔ کیا مسجد اس لئے بنائی گئی تھی کہ اس کے حصے الگ کئے جائیں گے اور خارج از مسجد کئے جائیں گے۔ سنن ابی داؤد ص۶۶ جلد۱ میں ہے عن ابی هریرۃ قال ابو بدر اراہ قد رفعه الی النبی صلی اللہ علیه وسلم

قال ان الحصاۃ لتناشد الذی یخرجہا من المسجد" ابوہریرہ سے سبب ابو بدر راوی کہتا ہے میرا غالب گمان ہے کہ حضرت نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک کنکری ضرور اللہ کی قسم دیتی ہے اسے جو نکالتا ہے اس کو مسجد سے" سنن کبریٰ بیہقی صفحہ ۴۴۱ جلد ۲ میں ہے عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ او عن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ان حصی المسجد لتناشد صاحبہا اذا خرج بہا من المسجد ولا یخفی ان للموقوف فی مثل ھذا حکم المرفوع "مروی ہے ابی صالح سے کہ مروی ہے ابوہریرہ سے یا کعب سے رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، فرمایا بیشک کنکریاں مسجد کی ضرور اللہ کی قسم دیتی ہیں اپنے نکالنے والے کو جب نکالے ان کو مسجد سے اور مخفی نہیں کہ بے شک موقوف کو اس کی مثل میں حکم مرفوع کا ہے" تو جب مسجد کی کنکری اپنے نکالنے والے کو اللہ کی قسم دیتی ہے کہ مجھے نہ نکال، تو مسجد کا طویل وعریض حصہ کیونکر گوارا کر سکتا ہے کہ اسے نکالا جائے تو اس کا نکالنا کتنی بڑی بد اخلاقی ہے۔



الاتحافات السنیہ فی الاحادیث القدسیہ کے صفحہ ۳۱ پر حدیث قدسی ہے یقول اللہ عز وجل یوم القیٰمۃ این جیرانی فیقول الملائکۃ ومن ینبغی لہ ان یکون جارک فیقول عمار مساجدی (ترجمہ) فرمائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہاں ہیں پڑوسی میرے پس فرشتے عرض کریں گے اور کون ہو سکتا ہے پڑوسی تیرا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری مسجدوں کے آباد کرنے والے" اخرجہ ابو نعیم عن ابی سعید۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۶۸ میں ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد الی اللہ اسواقہا (رواہ مسلم) نیز مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷ میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طویل حدیث میں حدیث قدسی کا ارشاد ہے شر البقاع اسواقہا وخیر البقاع مساجدھا۔ ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ کہ زمین کے سب حصوں سے بہتر مسجدیں ہیں اور سب سے بدتر بازار ہیں۔ اور ان کے علاوہ بکثرت احادیث موجود ہیں جن میں سے بہت سے آداب وفضائل مساجد کی طرف راہنمائی فرمائی گئی جن میں صراحۃً

تکریم و تعظیم مساجد کیطرف بلایا گیا ہے اور وہ احادیث تمام کتب احادیث صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی و سنن ابن ماجہ و جامع ترمذی و سنن کبریٰ بیہقی و مستدرک حاکم وغیرہا میں بکثرت موجود ہیں بوجہ خوفِ طوالت تحریر نہیں کی گئیں اور اس تکریم و تعظیم سے صراحۃً بحکم دلالۃ النص ثابت ہوتا ہے کہ اہانت و تخریب و تقطیع مساجد ممنوع ہے۔ یہ کیا ظلم ہے کہ تناسب قائم کرنے کے لئے ایک حصہ الگ کیا جائے۔ یہ یوں ہوا کہ کسی کے باپ یا ماں کا اتفاقیہ ایک کان جہاد وغیرہ میں کٹ گیا تو فرمانبردار بیٹا کہے چونکہ ایک کان کٹ گیا لہذا تناسب نہ رہا میں دوسرا بھی کاٹتا ہوں کہ تناسب قائم ہو جائے اور ماں باپ کی تعظیم کا حکم تو ہے مگر کان کی تعظیم کا حکم نہیں لہذا میں ضرور کاٹوں گا! کیا کوئی عاقل اس کا یہ بکواس پسند کر سکتا ہے اور اسے جائز کہہ سکتا ہے؟



مذہبِ مہذّب حنفیہ کا حکم

جب تک مسجد آباد رہے یا اس کی آبادی کا سامان رہے اور وہ موضع جس میں مسجد ہے آباد رہے جیسے صورتِ زیرِ بحث میں ہے تو ہمارے جمیع ائمہ کے نزدیک مسجد مسجد ہی رہتی ہے۔ مبسوط امام سرخسی ص۳۵ جلد ۱۲ میں ہے فقال (محمد علیہ الرحمۃ) اتخاذ المسجد یلزم بالاتفاق۔ اس کے متعلق آگے اور بہت سے دلائل آرہے ہیں بتوفیقہٖ تعالیٰ اور اگر وہ موضع ویران ہو جائے اور اس مسجد کی ضرورت نہ رہے یا مسجد ویران ہو جائے اور اس کی عمارت کا سامان نہ رہے اور لوگوں کو اس مسجد کی ضرورت نہ رہے کہ ایک اور مسجد بنا ہو گئی تو ان صورتوں میں اختلاف ہے۔ سیدنا امامِ اعظم و امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک ایسی صورتوں میں بھی وہ مسجد مسجد ہی رہے گی ہمیشہ قیامِ قیامت تک اور اسی پر فتویٰ ہے۔ درالمختار مطبوع مع ردالمحتار ص۵۱۳ جلد ۳ میں ہے ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام والثانى ابدا الى قيام الساعة وبه يفتى حاوى القدسى۔ شامی ص۵۱۳ میں ہے قوله عند الامام والثانى فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد اخر سواء كانوا يصلون

فیہ اولا وھو الفتوی حاوی القدسی واکثر المشائخ علیہ مجتبی وھو الاوجہ۔ اس کا حاصل یہ کہ حضرتِ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی مسجد میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے مسجد ہی رہتی ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کسی اور مسجد کیطرف وہ یا اس کا مال منتقل کرنا جائز ہے اور یہی فتویٰ ہے اور یہی از روئے دلیل زیادہ طاقتور ہے۔ اس کی تائید بحر الرائق صہ ۲۵۱ جلد ۵ میں بھی ہے کہ فرمایا قال ابو یوسف ھو مسجد ابدا الی قیام الساعۃ لا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ و نقل مالہ الی مسجد اخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا و ھو الفتوی کذا فی الحاوی القدسی وفی المجتبی واکثر المشائخ علی قول ابی یوسف ورجح فی فتح القدیر قول ابی یوسف بانہ الاوجہ۔ نیز بحر الرائق صہ ۲۵۲ جلد ۵ میں ہے الفتوی علی قول ابی یوسف فی المسجد "فتویٰ قولِ ابی یوسف علیہ الرحمۃ پر ہے مسجد کے بارہ میں"۔ فتاویٰ عالمگیری صہ ۳۴۸ جلد ۲ میں ہے قیل ھو مسجد ابدا وھو الاصح کذا فی خزانۃ المفتین (ترجمہ) کہا گیا ہے وہ مسجد ہے ہمیشہ اور یہی بہت صحیح ہے۔ ایسا ہی خزانۃ المفتین میں ہے"۔ نیز اسی صفحہ میں ہے و الفتوی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لا یعود الی ملک مالک ابدا کذا فی المضمرات" اور فتویٰ قولِ ابی یوسف علیہ الرحمۃ پر ہے کہ بیشک وہ نہیں لوٹتی ملک مالک کی طرف ہمیشہ ایسا ہی مضمرات میں ہے"۔ فتح القدیر صہ ۴۴۶ جلد ۵ میں ہے یبقی مسجدا علی حالہ عند ابی یوسف وھو قول ابی حنیفۃ رحمھما اللہ تعالیٰ ومالک والشافعی رحمھما اللہ تعالیٰ" باقی رہتی ہے وہ مسجد جیسی پہلے تھی امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا اور امامِ مالک اور امامِ شافعی علیہما الرحمۃ کا"۔ نیز اسی صفحہ میں ہے فالاوجہ انہ بعد تحقق سبب سقوط الملک فیہ لا یعود۔ یعنی دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی یہی ہے کہ بیشک وہ سقوطِ ملک کے سبب ثابت ہو جانے کے بعد واپس نہیں ہوتی"۔



نصوصِ مذکورہ سے بیّن طور پر واضح ہوا کہ تا بیدِ مسجد کا قول ہی راجح و قوی ہے بچند وجوہ : (۱) یہ قول امام الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے اور فتاویٰ سراجیہ[1] ص۱۵۷، فتاویٰ عالمگیر ص۱۴۳ جلد ۳، بحرالرائق ص۲۶۹ جلد ۶، درالمختار مع ردالمحتار ص۶۵ جلد ۱، ۴ میں ہے و النظم من الدر یفتی بقول الامام[2] علی الاطلاق یعنی فتویٰ حضرت امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے قول پر دیا جائے۔"

بحرالرائق ص۲۶۹ جلد ۶، شامی ص۶۷ جلد ۱ میں ہے یحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم نعلم من حیث قال" حلال ہے فتویٰ دینا قولِ امامِ اعظم علیہ الرحمۃ پر بلکہ واجب ہے اگرچہ ہم یہ نہ جانیں کہ کس دلیل سے آپ نے فرمایا" بحرالرائق ش۲۶۹ جلد ۶ میں ہے ان کان المفتی یقلد الامام فنص امامہ وان کان اجتہادیا کالدلیل القطعی " اگر مفتی امام کی تقلید کرتا ہو تو اس کے امام کا ارشاد اگرچہ اجتہادی ہو مثل دلیل قطعی کے ہے۔"

(۲) یہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا قول بھی ہے اور انہی کتبِ مذکورہ میں ہے والنظم من الدر متصلا بالاوّل ثم بقول الثانی " پھر قول ابو یوسف علیہ الرحمۃ پر" شامی میں ہے قولہ ثم بقول الثانی ای ثم اذا لم یوجد للامام روایۃ یوخذ بقول الثانی وھو ابو یوسف یعنی جبکہ نہ پائی جائے امام اعظم علیہ الرحمۃ کی کوئی روایت تو اختیار کیا جائے قول ثانی کا اور وہ ابو یوسف ہیں۔"

(۳) اس قول میں شیخین علیہما الرحمۃ کا اجتماع ہے لہٰذا زیادہ اولیٰ و احق بالاخذ ہوا۔

(۴) اس قول کو ان الفاظ سے ترجیح دی گئی ہے جو علاماتِ افتاء سے ہیں بہ[1] یفتی و ھو[2] الاصح وھو[3] الفتوی، اکثر[4] المشائخ علیہ، ھو[5] الاوجہ، الفتوی[6]، درالمختار مع ردالمحتار ص۶۶، ۶۷ جلد ۱، فتاویٰ خیریہ ص۲۳۱ جلد ۲ میں ہے والنظم من الدر اما

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ص۱۴۳ جلد ۳، شامی ص۶۵ جلد ۱، فتاویٰ قاضیخان ص۳ میں ہے والنظم للامام فخر الدین قال عبد اللہ بن المبارک یاخذ بقول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲ [2] فتاویٰ سراجیہ ص۱۵۷ میں یوں ہے علی قول ابی حنیفۃ ثم بقول صاحبیہ ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد الخ ۱۲ عـہ بلا فاصلۃ فیما سوی السراجیۃ فان فیہما مع فاصلۃ مرت و ذا لا یضر بالمقصد ۱۲ نور غفرلہ ص۱۵۷



العلامات للافتاء فقوله وعليه الفتوى و به يفتى و به ناخذ و
عليه الاعتماد وعليه عمل اليوم و عليه عمل الامة وهو الصحيح
او الاصح او الاظهر او الاشبه او الاوجه او المختار ونحوها مما
ذكر فى حاشية البزدوى الى آخره و قال شيخنا الرملى فى فتاواه و
بعض الالفاظ آكد من بعض فلفظ الفتوىٰ آكد من لفظ الصحيح والاشبه
وغيرها و لفظ و به يفتى آكد من الفتوىٰ عليه. شامی ص۶۸ جلد ا میں ہے قوله
آكد من الفتوى عليه قال ابن الهمام و الفرق بينهما ان الاول يفيد الحصر
و المعنى ان الفتوىٰ لا تكون الا بذلك و الثانى يفيد الاصحية. نیز
درالمختار ص۶۸ جلد ا میں ہے و اذا ذيلت بالصحيح او الماخوذ به او به يفتى
او عليه الفتوى لم يفت بمخالفه. شامی ص۶۸ جلد ا میں ہے لم يجز الافتاء
بمخالفها. نیز شامی ص۶۷ جلد ا میں ہے وكذا لو كان احدهما قول الاكثرين لما
قدمناه عن الحاوى. اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب دونوں قولوں کی تصحیح کی گئی ہو۔
شامی ص۶۷ جلد ا میں ہے والحاصل انه اذا كان لاحد القولين مرجح على
الاخر ثم صحح المشائخ كلا من القولين ينبغى ان يكون الماخوذ به
ما كان له مرجح لان ذلك المرجح لم يزل بعد التصحيح فيبقى فيه
زيادة قوة لم توجد فى الآخر. اور حاصل یہ ہے کہ بیشک جب ہو واسطے ایک دو قولوں
کے دوسرے پر کوئی مرجح پھر تصحیح کریں مشائخ ان دونوں قولوں کی تو لائق یہ ہے کہ اختیار کیا جائے وہ
قول جو ہو اس کے لئے کوئی مرجح، اس لئے کہ بیشک یہ مرجح باقی ہے تصحیح کے بعد تو باقی رہے گی اس
میں زیادتی قوت کی جو دوسرے میں نہیں پائی گئی" اور جب دوسرے قول کی تصحیح ہی نہ کی گئی ہو جیسے
کہ اس مسئلہ میں اور یہ الفاظِ ترجیح بھی موجود ہیں تو بطریقِ اولیٰ راجح ہوگا تو جب تابیدِ مسجد ہی راجح و مفتی بہ
ہوئی تو صورتِ زیرِ بحث میں خدانخواستہ اگر ویرانی بھی ہو جاتی تب بھی اس حصے کو چھوڑنا جائز نہیں تھا کہ
مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہی ہے چہ جائیکہ مسجد بفضلہٖ تعالیٰ آباد اور آبادی کا سامان موجود اور گاؤں آباد تو



اس صورت میں ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک مسجد مسجد ہی ہے تو اس کا ٹکڑا کیسے الگ کیا جا سکتا ہے اور اگر تناسب ہی قائم کرنا ہو تو اس کے لئے ایک اور جائز طریقہ بھی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ دوسری جانب سے اس حصہ کے برابر بڑھا دیں اس میں تناسب بھی قائم ہو جائے گا اور مسجد کی فراخی بھی ہو جائے گی اور مسجد کی فراخی نظرِ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام میں محبوب ہے جس کا مسجد بنا رکرنے والوں کو امر فرمایا۔ سننِ بیہقی صفحہ ۴۳۹ جلد ۲ میں حضرتِ ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بقوم قد اسسوا مسجدا لیبنوہ فقال اوسعوہ تملوہ. قال فاوسعوہ (ترجمہ) "بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے کہ انہوں نے بنیاد رکھی تھی مسجد کی تاکہ بنا رکریں اسے پس فرمایا فراخ کرو اسے پُر کرو گے اسے فرمایا راوی نے پس فراخ کیا انہوں نے مسجد کو۔"



فصل دوم نوری جوابِ استدلال

مولوی صاحب نے کہا کہ کل وقف شدہ کا بعض جدا کر لینا جائز ہے۔ اس دعویٰ پر دلیل نمبرا یہ ہے کہ حطیم بیت اللہ سے ہے مگر بیت اللہ سے جدا ہے۔ وجہ تسمیہ حطیم کی یہ ہے کہ لانہ حطم من بیت ای کسر سمی حجر الانہ حجر ای منع آگے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی حدیث کا بعض نقل کیا لان قومك قد قصرت بھم النفقۃ فاخرجوہ من البیت۔

میں کہتا ہوں یہ دلیل اصلاً دعوے کے مطابق نہیں کہ دعوے تو یہ تھا کہ وقف کا بعض جدا کر لینا جائز ہے۔ اس جدا کر لینے سے مراد اگر یہ ہے کہ صرف درمیان میں ایک حد قائم کی جائے اور دونوں جیسے پہلے تھے ویسے ہی وقف رہیں مثلاً ایک مسجد کی دو مسجدیں بن جائیں تو مولوی صاحب کے مدعا کے موافق نہیں کہ مدعا اس حصے کا مسجد ہونے سے نکال کر صحن میں داخل کر دینا ہے تو لامحالہ اس جدا کر لینے سے مراد یہی ٹھہرے گا کہ مسجد ہونے سے جدا کر لینا جائز ہے تو اب وہ دلیل مدعا سے بالکل ہی بیگانہ ہے کہ حطیم مسجد سے خارج نہیں ہوا کہ مسجد الحرام کعبہ شریف کے ارد گرد گھیرے ہوتے ہے اور حطیم مسجد الحرام میں ہی ہے۔ مولوی صاحب اتنا تو حاجیوں سے بھی دریافت کر سکتے تھے ہر ایک حاجی بتا دیتا کہ حطیم مسجد الحرام میں داخل ہے یا کعبہ شریف کا

نقشہ ہی دیکھ لیتے نقشہ ہی بتا دیتا کہ حطیم مسجد شریف میں داخل ہے۔ ذرا شامی ص۶۱۶ جلد ا کو دیکھئے کہ اس میں ہے المسجد المحیط بھا " وہ مسجد جو گھیرنے والی ہے اس کو " "بھا" کی ضمیر کعبہ شریف کی طرف راجع ہے چنانچہ اسی صفحہ میں ہے الکعبۃ وما حولھا من المسجد "کعبہ شریف اور وہ جو ارد گرد ہے اس کے مسجد سے "۔ بلکہ حطیم کا جتنا مقدار قریش نے کعبہ شریف کے مکان سے خارج کیا تھا شرعاً کعبہ شریف میں ہی داخل ہے اگرچہ صورۃً خارج ہے" اخرجوہ من البیت" جس سے مولوی صاحب نے استدلال کیا ہے اس اخراج سے اخراجِ صوری مراد ہے۔ اور حکماً داخلِ بیت ہے یعنی جتنا بقعہ پہلے بیت اللہ تھا اتنا ہی اب بھی ہے صرف مکان بناتے وقت قریش نے مکان سے خارج کر دیا تھا۔ اس مدعا پر اگر ضرورتِ دلیل ہے تو حبر الامۃ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فتوے طلب کرو کہ حجر یعنی حطیم بیت اللہ میں داخل ہے یا نہیں، ابھی فتوے صورتِ اثبات میں ملے گا۔ دیکھئے مستدرک حاکم ص۴۶۰ جلد ا، سننِ کبریٰ بیہقی ص۹۰ جلد ۵ میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال الحجر من البیت لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاف بالبیت من ورائہ قال اللہ تبارک وتعالیٰ ولیطوفوا بالبیت العتیق قال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد۔ مؤطا امام مالک علیہ الرحمۃ ص۳۱۳ جلد ا طبع جید برقی میں ہے باب یطوف من وراء الحجر فانہ من البیت نیز ص۳۱۳ میں ہے مالک انہ سمع ابن شھاب یقول انی سمعت بعض علمائنا یقول ما حجر الحجر وطاف الناس من ورائہ الا ارادۃ ان یستوعب الناس الطواف بالبیت۔ دیکھا سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عالم مدینہ امامِ مالک اور ان کے استاذ الاستاذ علیہم الرحمۃ کا فتویٰ یہی ہے کہ حطیم بیت اللہ سے ہے اور اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف حطیم کے باہر سے فرمایا جیسا حدیثِ مستدرک و بیہقی سے سن چکے حالانکہ حکم طوافِ بیت کا ہے اور یہی استدلال سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے اور جمیع امت کا یہی مذہب ہے چنانچہ مؤطا سے سن چکے۔ اور سننِ ابوداؤد شریف ص۲۵۸ جلد ا، سننِ کبریٰ بیہقی ص۸۹ جلد ۵ میں سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ولا طاف الناس من



عہ اور نہ سہی تو شرح الوقایہ تو آپ کے پیشِ نظر تھا حاشیہ پر ہے دیکھ لیتے، نقشہ مل جاتا ۱۲

داء الحجر الا لذلك ۔ اور کتبِ مذہب مہذب حنفیہ کی تصریحاتِ عالیہ بھی گونج رہی ہیں کہ طواف حطیم کے اوپر سے کیا جائے بلکہ خود میرے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً ارشاد فرمایا کہ حطیم بیت اللہ سے ہے چنانچہ صحیح بخاری شریف ص۲۱۵ جلد ۱ صحیح مسلم شریف ص۴۳۱ جلد ۱، مسند ابو داؤد طیالسی ص۱۹۸، سننِ کبریٰ بیہقی ص۸۹ جلد ۵ میں سیدتنا ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے والنظم من صحیح البخاری عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الجدار امن البیت هو قال نعم ۔ سننِ ابی داؤد ص۲۷۷ جلد ۱، مسند ابو داؤد طیالسی ص۲۱۹، جامع ترمذی ص۱۱۹ ج ۱، سننِ نسائی ص۳۵ جلد ۲، سننِ بیہقی ص۱۵۸ جلد ۵ والنظم من النسائی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کنت احب ان ادخل البیت فاصلی فیہ فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فادخلنی الحجر فقال اذا اردت دخول البیت فصلی ههنا فانما هو قطعۃ من البیت ۔ سنا میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ کہ حطیم بیت سے ہے، حطیم بیت اللہ کا قطعہ ہے اس میں نماز پڑھنی ایسی ہے جیسی بیت اللہ میں نماز پڑھنی ۔



اب روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ اخرجوہ من البیت سے مراد اخراجِ صوری ہے اور شرعاً داخل ہے تو معلوم ہوا کہ وقف مسجد کا حکم مسجد سے علیحدہ نہیں ہوا عجب کہ مولوی صاحب کی نظر سے ایسے صریح ارشاداتِ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم جو آفتاب سے بھی زیادہ چمک رہے ہیں، پوشیدہ رہے اور اخرجوہ من البیت نظر آگیا حالانکہ جن صفحات میں اخرجوہ من البیت تھا انہی میں یہ بھی تھا کہ من البیت ۔ شرح الوقایہ میں جو فرمایا حطم من البیت ای کسر اس سے مراد بھی کسرِ صوری ہے کہ اسی ص۳۳ میں حدیث شریف لائے جس میں ان الحطیم من البیت ہے اور شرح الوقایہ ص۴۰ جلد ۲ میں اقرار کیا کہ سیدنا خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وقف کعبہ لازم ہے حیث قال اما عندهما فالوقف لازم وعلیہ الفتوی والاصل فیہ وقف الخلیل صلوات اللہ علی الکعبۃ دیکھا تو وہ وقف کعبہ کو لازم مان رہے ہیں ۔ اور مبسوط سرخسی ص۳۰ جلد ۱۲ میں بھی یونہی ہے ۔ فتح القدیر ص۴۲۶

جلد ۵ میں جمہور علماء سے نقل فرمایا کہ زمین کعبہ شریف مسجدیت سے خارج نہیں ہے حیث قال واستدل ابو یوسف و جمہور العلماء علی عدم خروج موضعها عن المسجدیۃ۔ افسوس کہ مولوی صاحب کو صحابہ کرام اور علماء عظام و ائمہ کرام از محبوب اکرم صلی اللہ علیہم کے ارشادات تمام کے تمام نظر نہ آئے، نظر آیا تو ایک اخرجوہ من البیت نظر آیا اور پھر طرفہ یہ کہ اخرجوا کی ضمیر کو نہ دیکھا کہ کس جماعت کی طرف عائد ہے اور صیغہ ماضی بھی نہ دیکھا۔ اگر ضمیر او صیغہ پر غور کرتے تو اس سے ہرگز استدلال نہ کرتے مگر یہ اظہر من الشمس ہے۔ شاید دیدہ و دانستہ ہی اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے چشم پوشی کر گئے جو بد ترین خیانت ہے اور یہی احتمال ان کی چشم پوشی کا احادیث شریفہ کے متعلق بھی ہے۔

اچھا میں واضح کرتا ہوں کہ یہ ضمیر قریش کی طرف عائد ہے اور زمانہ ماضی سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں وہ کافر تھے تو حاصل یہ ٹھہرا کہ قریش نے زمانہ کفر میں خارج کیا۔ افسوس افعالِ کفار سے استدلال کیا جاتا ہے جس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ چونکہ کفار نے ایسا کیا لہذا ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ عذر بھی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تقریر فرمائی بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صریح رد فرمایا اور اصلی بنیاد پر بناء فرمانے اور حطیم کے داخل فرمانے سے عذر فرمایا کہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں میں شبہات پیدا ہونے کا خطرہ ہے ورنہ گرا کر بنیاد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بنا کر دیتا۔

یہ مضمون احادیث صحیح بخاری ص۲۱۵ جلد ا، صحیح مسلم ص۴۲۹ جلد ا، سنن کبریٰ بیہقی ص۸۹ جلد ۵، مستدرک حاکم ص۴۸۰ جلد ا، مسند ابو داؤد طیالسی ص۱۹۸، سنن نسائی ص۳۳، ۳۴ جلد ۲، مؤطا امام مالک علیہ الرحمۃ ص۳۱۳ سے مستفاد ہے۔ حدیث مسند ابی داؤد کے کلمات یہ ہیں عن عائشۃ قالت سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحجر تعنی الحجر امن البیت قال نعم قالت قلت فما منعهم ان یدخلوها البیت قال عجز قومك عن النفقة قالت قلت فلم جعلوا بابه مرتفعا حتی[۱]



---

[۱] فی الحاشیۃ ھٰکذا ولعلہ زائد او محرف حبدا ۱۲ منہ غفرلہ

قال فعل ذلك قومك لیدخلوا من شاءوا ویمنعوا من شاؤا
لولا قومک حدیث عھد بجاھلیۃ و انا اخاف ان تنکرہ قلوبھم
لادخلت ما ترکوا او الزقت بابہ بالارض۔ بلکہ شرح الوقایہ ص۳۳ جلد ا میں اس
حدیث کے آخر میں اتنا اور زائد روایت کیا ولئن عشت الی قابل لافعلن ذالک یعنی
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اور ضرور اگر میں دنیا میں آئندہ سال تک رہا تو ضرور کروں گا اسکو"
فرماتے ہیں فلم یعش یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرمانہ رہے اور آپ کا وصال شریف
ہوگیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہ وبارک وسلم فی الدنیا والآخرۃ۔

بلکہ اگر مولوی صاحب غور کرتے تو یہ دلیل ہرگز نہ لکھتے کہ یہ ان کی دلیل تو بن نہیں سکتی جیسے واضح ہو چکا
ہاں ہمارے مدعا کی دلیل ہے کہ کفار نے ایسا کیا اور سرکار نے اسے پسند نہ فرمایا تو مولوی صاحب نے
ہمارے مدعا کی دلیل ذکر کی نہ کہ اپنے مدعا کی، اس کا نام ہے ہیبتِ حق اور جلوۂ نورِ اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔



مولوی صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہا ہے کنزالدقائق ص۲۰۵ میں، وہ عبارت یہ ہے اذا
جعل شیئا من طریق مسجد صح کعکسہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جائز نقل کرنا بعض
مسجد کا اور اس کا جو متعلقاتِ مسجد سے ہو۔ پھر شامی ص۴۲۰ جلد۳ سے نقل کیا ثم نقل عن خواحل
زادہ عن العتابیۃ اذا کان الطریق ضیقا والمسجد واسعا لایحتاجون
الی بعضہ تجوز الزیادۃ فی طریق المسجد لان کلھا للعامۃ۔

میں کہتا ہوں عبارتِ شامی کا ایک وہ حصہ نقل کیا جو ان کے مدعا کا مؤید ہو اور آگے پیچھے کچھ بھی نہ دیکھا
"کعکسہ" متنِ درالمختار میں موجود ہے اور درالمختار میں اس کا معنیٰ بیان کیا اور شامی علیہ الرحمۃ نے اس پر تنقید
کی۔ مولوی صاحب نے کسی بات پر نظر نہ کی اور اپنی طرف سے ترجمہ کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ جائز ہے نقل کرنا بعض
مسجد کا۔ اگر اس پر نظر کرتے جو درالمختار میں اس کا مطلب بیان ہوا یا علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا تو سمجھ
لیتے کہ یہ نتیجہ "کعکسہ" کا نہیں بلکہ اس کا عکس ہے مگر مطلب تو مدعا ثابت کرنا ہے، سچ ہے حبک الشیئ
یعمی ویصم۔ سنیئے! درالمختار میں ہے کعکسہ ای کجواز عکسہ فھو ما اذا

عہ نقل فتاویٰ میں یونہی غلط ہے ہم لے اسے اسیطرح لکھ دیا کہ مولویت کے شواہد ہیں اور ایسے ہی اور نقل بھی ہیں ۱۲ نورغفرلہ



جعل فی المسجد ممرًّ لتعارف اہل الامصار فی الجوامع" اور "لکنہ" کا یہی معنی بحرالرائق شرح کنزالدقائق ص۲۵۵ جلد ۵ اور رمزالحقائق ص۲۰۵ میں بیان فرمایا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مسجد کا کوئی حصہ مسجد سے علیحدہ نہیں کیا جاتا بلکہ مسجد کے بیچ میں ہی سے گزرنے کی جگہ مقرر کریں جیسے فی المسجد ممرًّا کی "فی" ظرفیت کو ظاہر کر رہی ہے اور اس سے مراد یہ نہیں کہ سڑک میں داخل کیا جائے یا مسجد میں سڑک بنائی جائے چنانچہ درالمختار، بحرالرائق، رمزالحقائق میں پہلی عبارت کے متصل ہے و النظم من البحر و الرمز و جاز لکل احد ان یمر فیہ حتی الکافر الا الجنب و الحائض و النفساء لما عرف فی موضعہ و لیس لھم ان یدخلوا فیہ الدواب۔ دیکھا جنب و حائض و نفساء کا استثناء اور چارپایوں کے داخل کرنے سے روکنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ جگہ مسجد سے خارج نہیں ہو جاتی اور عام سڑک نہیں بن جاتی ورنہ جنب وغیرہ کا استثناء کیوں کیا جاتا کہ عام سڑک میں جنب وغیرہ گزر سکتے ہیں اور چہار پائے سڑکوں میں ہی چلائے جاتے ہیں بلکہ لما عرف فی موضعہ صراحۃً بتا رہا ہے کہ وہ باقاعدہ مسجد میں داخل ہے کہ "موضعہ" سے مراد وہ موضع ہے جہاں ذکر کیا گیا ہے کہ جنب و حائض و نفساء مسجد میں داخل نہ ہوں جیسے کہ تمام اسفارِ فقہ میں موجود ہے اور شامی علیہ الرحمۃ نے تو اس کے مسجد سے خارج نہ ہونے کی تصریح کر دی۔ شامی ص۵۳۱ جلد ۳ میں ہے و تسقط حرمۃ المرور فیہ للضرورۃ لکن لا تسقط عنہ جمیع احکام المسجد فلذا لم یحز المرور فیہ لجنب ونحوہ کما ھو یعنی مسجد میں سے گزرنا جو شرعاً ناجائز ہے ضرورت کی وجہ سے وہ معاف ہو جاتا ہے اور یہ نہیں کہ تمام احکام مسجد کے ساقط ہو جائیں۔

دیکھا اس جگہ کے لئے باقی تمام احکام مسجد ثابت مان رہے ہیں اور تمام احکام مسجد کے مسجد ہی کے لئے ثابت ہوتے ہیں تو ثابت ہوا کہ وہ جگہ مسجد میں داخل ہے اور خارج نہیں ہوتی اور یہ جواز المرور بھی ضرورت کے وقت ہی ہے مطلقاً نہیں۔ درالمختار مطبوع مع الشرح ص۶۱۳ جلد ۱، خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۲۹ جلد ۱، بحرالرائق ص۳۵ جلد ۲، فتاویٰ عالمگیر ص۵۷ جلد ۱ میں ہے و النظم من الھندیۃ رجل یمر فی المسجد و یتخذ طریقا ان کان بغیر عذر لا یجوز و



بعذر یجوز اور جب عذر کیوجہ سے گزرے تو تحیۃ المسجد ادا کرے ہاں اگر دن میں کئی مرتبہ گزرے تو ایک مرتبہ ہی تحیۃ المسجد کا پڑھنا کافی ہے۔ چنانچہ خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۲۹ جلد ۱، بحر الرائق ص۳۵ جلد ۲، فتاویٰ عالمگیری ص۵۷ جلد ۱، شامی ص۶۱۴ جلد ۱ میں ہے والنظم للشامی ویصلی کل یوم تحیۃ المسجد مرۃ۔ یعنی جبکہ کئی مرتبہ دن میں گزرے تو چاہیے تو یہ تھا کہ ہر مرتبہ تحیۃ المسجد جوادب دخول ہے، ادا کرتا مگر اس کو ایک ہی مرتبہ کافی ہے کہ ہر مرتبہ ادا کرنے میں حرج ہے۔ شامی میں ہے ای اذا تکرر دخولہ تکفیہ التحیۃ مرۃ۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے لما فیہ من الحرج۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ گزرنے کی جگہ مسجد سے خارج نہیں ہوتی ورنہ تحیۃ المسجد پڑھنے کی کیا ضرورت تھی کہ تحیۃ المسجد دخولِ مسجد ہی کے لئے ہے نہ سڑک میں سے گزرنے کے لئے۔ اور فتاویٰ عالمگیری ص۳۴۸ جلد ۲ سے بھی یہی بات واضح ہو رہی ہے کہ وہ جگہ عام سڑک نہیں بنتی بلکہ جنب و حائض و نفساء کے سوا صرف لوگوں کے لئے گزرنے کی جگہ ہوتی ہے نظم یہ ہے ان ارادوا ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذلک وانہ صحیح کذا فی المحیط اذا جعل فی المسجد ممرا فانہ یجوز لتعارف اھل الامصار فی الجوامع وجاز لکل واحد ان یمر فیہ حتی الکافر الا الجنب والحائض والنفساء ولیس لھم ان یدخلوا فیہ الدواب کذا فی التبیین۔



دیکھا طریق کے عدمِ جواز کا صحیح ہونا نقل کر کے ممر کا جواز نقل کیا تو معلوم ہوا کہ اس عبارت میں طریق سے مراد عام سڑک ہے اور ممر سے مراد صرف گزرنے کی جگہ ہے ورنہ خواہ مخواہ تعارض لازم آئے گا۔

اب علامہ شامی کی سنئے: در المختار میں "کعکسہ" کا مطلب جو انہوں نے بیان کیا ھو ہذا اذا جعل فی المسجد ممر لتعارف اھل الامصار فی الجوامع۔ اس پر علامہ شامی علیہ الرحمۃ ص۵۳۰ جلد ۳ فرماتے ہیں لا نعلم ذلک فی جوامعنا " ہم اس کو اپنی جامع مسجدوں میں نہیں جانتے "۔ حاصل اس کا یہ ٹھہرا کہ در المختار کی یہ دلیل مخدوش ہے لہٰذا مدعا جس کی بناء دلیل پر ہوتی ہے وہ بھی ایسا ہی ہوا، ہاں اپنی طرف سے "کعکسہ" کا حاصل معنی دو صورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ پہلا یہ کہ مسجد سے

مراد ایسی مسجد ہے جس کے دو دروازے ہوں اور لوگ اس مسجد میں سے گزریں۔ فرماتے ہیں نعم تعارف الناس المرور فی مسجد له بابان۔ پھر اس صورت کا مکروہ ہونا بحرالرائق سے نقل کیا، فرماتے ہیں وقد قال فی البحر وکذا یکره ان یتخذ المسجد طریقا وان یدخله بلا طهارة۔ حاصل اس کا یہ ہوا کہ "مکرہ" سے مراد صرف مسجد میں سے گزرنا ہے، یہ نہیں کہ مسجد گزرنے کی جگہ مقرر کی جاوے اور یہ گزرنا گو جائز ہے مگر بلا ضرورت مکروہ ہے اور مکروہ بھی تحریمہ جیسے درالمختار میں ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ سے "لایجوز" گذر چکا۔ اور اس کی مؤید ہے وہ حدیث جو سنن ابن ماجہ شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً ہے قال صلی اللہ علیه وسلم خصال لا تنبغی فی المسجد لا یتخذ طریقا الحدیث اور اگر ضرورت کی وجہ سے گزرنا ہو تو مکروہ نہیں جیسے گزر چکا، مگر تحیۃ المسجد پڑھے۔

دوسرے یہ کہ مسجد سے مراد نفسِ مسجد نہیں بلکہ صحنِ مسجد ہے اور طریق سے طریقِ عام مراد نہیں بلکہ وہ مسقف بیرکیں مراد ہیں جو جامع مسجدوں کے صحن میں بنائی جاتی ہیں کہ بارش وغیرہ کے وقت ان میں نماز کے لئے چلا جاتے یا جامع مسجد سے باہر جانے کے لئے نہ ہر ایک چلنے والے کے لئے عام سڑک کی طرح اور شاید یہی مراد ہے اور جس کو مسجد کیطرف چلنے کی ضرورت ہو تو صرف اس جگہ چلے تاکہ نمازیوں سے دور ہو اور تاکہ اس صورت میں محلِ نماز کی بھی بہت بڑی تعظیم ہو۔ علامہ کی عبارت یہ ہے نعم یوجد فی اطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشی فیها وقت المطر ونحوه لاجل الصلوة او للخروج من الجامع لا لمرور المارین مطلقا کالطریق العام ولعل هذا هو المراد فمن کان له حاجة الی المرور فی المسجد یمر فی ذلك الموضع فقط لیکون بعیدا عن الناس و لیکون اعظم حرمة لمحل الصلوٰة فتامل۔

علامہ علیہ الرحمۃ نے اس پہلے معنیٰ کو پسند نہ فرمایا اور مرجوح قرار دیا کہ بحرالرائق سے اس کے متعلق یکره نقل فرمایا اور اس معنیٰ اخیر کو ترجیح دی ہے کہ فرمایا لعل هذا هو المراد اور اس پر دو دلیلیں قائم کیں اول یہ کہ اس صورت میں گزرنے والا نمازیوں سے دور ہوگا اور باعثِ تشویش نہ بنے گا بخلاف پہلی



صورت کے کہ نمازی بھی مسجد ہی میں نماز پڑھتے ہیں اور گذرنے والا بھی مسجد ہی گذرتا ہے تو لامحالہ باعثِ تشویش ہوگا۔ اور دوسری دلیل یہ کہ اس صورت میں محلِ نماز یعنی مسجد کی بہت بڑی تعظیم ہے کہ اس میں گزرنے سے بچنا ہے اور "تامل" فرما کر ایک سوال وجواب کی طرف اشارہ فرمایا۔ سوال یہ ہے کہ "عکسہ" کا حاصل معنٰی ماقبل کے لحاظ سے یہ ہے جعل شئ من المسجد طریقا یعنی مسجد کا کچھ حصہ راستہ بنایا جائے اور اس صورت میں جس کو آپ ترجیح دے رہے ہیں مسجد کا حصہ راستہ نہیں بنتا بلکہ صحن مسجد کا حصہ راستہ بنتا ہے۔ اور جواب اس کا یہ ہے کہ عرف عام میں صحن مسجد پر بھی لفظِ مسجد کا اطلاق کیا جاتا ہے کہ فلاں مسجد میں کنواں ہے، فلاں مسجد میں نل ہے، فلاں مسجد میں حجرے ہیں، فلاں مسجد میں درخت ہے، وغیرہ محاورات میں صحنِ مسجد کو مسجد سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ یہ تمام چیزیں صحنِ مسجد میں ہی ہوا کرتی ہیں نہ نفسِ مسجد میں بلکہ بعض احکام میں صحن حکماً مسجد ہے غنیۃ المستملی ص۵۷، بحر الرائق ص۳۶۳ جلد ۱، فتاوٰی عالمگیری ص۳۴۹ جلد ۲ میں ہے والنظم من الھندیۃ والفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی اور یہی وجہ ہے کہ خادم مسجد جیسے مسجد میں دکان اور بسنے کا مکان نہیں بنا سکتا ایسے ہی صحن مسجد میں بھی نہیں بنا سکتا۔ فتاوٰی قاضیخان ص۳۱۷، بحر الرائق ص۲۴۹ جلد ۵، فتاوٰی عالمگیر ص۳۴۹ جلد ۲ والنظم من الھندیۃ قیم المسجد لایجوز لہ ان یبنی الحوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا او مسکنا تسقط حرمتہ وھذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی۔



علامہ علیہ الرحمۃ نے جو یہ معنی بیان فرمایا اس صورت میں متعارض عبارتیں موافق ہو جائیں گی اور حتی الامکان تعارض کی صورت میں توفیق ہی کی جاتی ہے لہذا یہ صورت بہتر ہوئی۔ عباراتِ متعارضہ کا توافق یوں ہوگا کہ جن عبارتوں میں یہ آتا ہے کہ مسجد کو طریق بنانا جائز نہیں اور بیشک یہ صحیح ہے اور وہ عبارتیں بکثرت موجود ہیں اور مولوی صاحب نے ان کو خود غرضی سے پس پشت ڈال دیا۔

مثلاً شامی میں ہے کہ تاتارخانیہ میں فتاوی ابی اللیث سے ہے وان اراد اھل المحلۃ ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذلک وانہ صحیح۔ سبحان اللہ! یہ علامہ ابواللیث کی تصحیح ہے جن کا علوِشان آفتاب سے بھی زیادہ عیاں ہے۔ اور ایسے ہی فتاوی عالمگیری ص۳۴۸ جلد۲ بقید تصحیح محیط سے ہے اور محیط کا علوِ مرتبہ بھی غیر مخفی۔ درالمختار میں ہے کما جاز جعل الامام الطریق مسجدا لاعکسہ لجواز الصلوٰۃ فی الطریق لا المرور فی المسجد۔ علامہ شامی اسکو صحیح کر کے ص۵۳۱ جلد۳ پر فرماتے ہیں یعنی ان فیہ ضرورۃ وھی انھم لو ارادوا الصلوٰۃ فی الطریق لم یجز فکان فی جعلہ ضرورۃ بخلاف جعل المسجد طریقا لان المسجد لایخرج عن المسجدیۃ ابدا فلم یجز لانہ یلزم المرور فی المسجد۔

ان عبارتوں میں عدمِ جواز کو ترجیح دی گئی اور دوسری عبارتیں ان کے مقابل ہیں جن میں جواز ہے جیسے "لعکسہ" وغیرہ، تو ان میں بظاہر تعارض ہے مگر اس دوسرے معنی کی صورت میں تعارض اٹھ گیا کہ جن عبارتوں میں عدمِ جواز ہے ان میں مسجد سے مراد حقیقۃً مسجد ہے اور جن میں جواز ہے ان میں مسجد سے مراد صحنِ مسجد ہے تو اب تعارض نہ رہا لہذا یہی معنی راجح ہے اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ کا والمتون علی الثانی فکان ھو المعتمد فرمانا ہمارے اصل مدعیٰ کے منافی نہیں کہ متون کی عبارت کا راجح معنی علامہ کی نظر میں یہ دوسرا معنی ہی ہے۔ اور مولوی صاحب کا شامی سے عنایہ کی عبارت نقل کر کے یہ کہنا کہ یہی عبارت درالمختار ص۱۲۵ جلد۲ اس لئے کہ راستہ میں نماز پڑھ لینی جائز ہے، محض غلط اور بے اصل حوالہ ہے۔ درالمختار میں نہ ہی یہ عبارت ہے اور نہ ہی اس کے ہم معنی، بلکہ جس عبارت کا یہ ترجمہ کیا اس تمام عبارت کا معنی یہ ہے کہ طریق کو امام مسجد بنا سکتا ہے اور مسجد کو طریق نہیں بنا سکتا۔ درالمختار مع المتن کی پوری عبارت یہ ہے جعل الامام الطریق مسجدا لاعکسہ لجواز الصلوٰۃ فی الطریق لا المرور فی المسجد۔ اور شامی علیہ الرحمۃ نے بھی اس عبارت کا ص۵۳۱ ج۳ پر یہی معنی بیان فرمایا چنانچہ ابھی گذر چکا۔ سبحان اللہ!



یہ ہے تائیدِ غیبی اور نصرتِ لاریبی کہ مولوی صاحب نے محض بے اصل حوالہ دے کر اپنا مطلب بنانا چاہا مگر وہی عبارت ہمارے مدعا کی دلیلِ صریح بن گئی۔

مولوی صاحب کی تیسری دلیل

یہ ہے کہ برجندی شرح وقایہ جلد سوم ص۱۷۱ میں ہے اذا استغنی المسجد فباعہ اھل المسجد بامر القاضی جاز وان باعوہ بغیر امرہ قال بعضھم یرجی ان یجوز والصحیح انہ لا یجوز الا فی موضع لم یکن ھناک قاض۔ کتبِ فقہیہ اس تصریح سے مالامال ہیں کہ وقف ومسجد کی بیع نہیں ہو سکتی۔ احادیثِ شریفہ بکثرت فرما رہی ہیں کہ وقف کی بیع نہیں ہو سکتی اور مسجد بھی وقف ہی ہے۔ ان تصریحاتِ جلیلہ کے مقابلہ میں یہ عبارت معتمد نہیں ہو سکتی کہ تمام تصریحات کو چھوڑ کر ایک عبارتِ شاذہ پر عمل کیا جاوے بحر الرائق ص۲۴۳ جلد۶ میں ایک عبارتِ قاضی خان علیہ الرحمۃ کے متعلق فرمایا ولا اعتبار بھا مع صریح النقل عن الائمۃ الثلاثۃ تو صرف ائمہ ثلاثہ کی صریح نقل کی مخالفت کو عبارت قاضی خان کو جو فقیہ النفس ہیں ساقط کر دینے والا قرار دیا اور یہ عبارت برجندی تو ائمہ ثلاثہ اور دوسرے تمام ائمہ کی صریح نصوص کے مخالف ہے تو کیوں کر پایۂ اعتبار سے ساقط نہ ہوگی اور مرتبہ اعتماد پر کیسے فائز ہوگی؟

سنئے! احکام الوقف ص۱۳ میں امام ہلال بن یحییٰ رائی جو شاگرد امام ابو یوسف وامامِ زفر ہیں، فرماتے ہیں فقد رأینا الرجل یجعل دارہ مسجدا للہ تعالیٰ لا یباع ولا یورث ولا یوھب۔ ہدایہ مع الفتح وفتح القدیر وعنایہ ص۴۳۲ جلد۵، در المختار ورد المحتار ص۵۰۷ جلد۳، کنز الدقائق مع بحر الرائق وبحر الرائق ص۲۰۵ جلد۵ میں ہے والنظم من الھدایۃ واذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ فتح القدیر اور بحر الرائق میں ہے ھو باجماع الفقہاء اور دلیل چہارم کے جواب میں عدم جوازِ بیع کے اور نصوص فقہیہ آرہے ہیں ان شاء المولیٰ تعالیٰ۔ اب احادیثِ مانعۃ البیع سنئے؛

صحیح بخاری ص۳۸۹ جلد۱، صحیح مسلم ص۴۱ جلد۲، سنن ابی داؤد ص۴۳ جلد۲، جامع ترمذی ص۱۷۷

جلد ۱، سنن نسائی صفحہ ۱۲۵ جلد ۲، سنن کبری بیہقی صفحہ ۱۵۹ جلد ۶ میں متعدد احادیث ہیں کہ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے خیبر میں زمین پائی تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہو کے یہ عرض کی، میں نے زمین پائی اور میں نے کوئی مال اس سے زیادہ نفیس نہیں پایا، پس کیا فرماتے ہیں حضور اس کے متعلق؟ فرمایا اگر چاہو تو بند کر دو اصل اس کو اور صدقہ کرو اس کو، پس صدقہ کیا حضرت عمر نے کہ بیشک شان یہ ہے نہ بیچا جائے اصل کو، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ وراثت بنایا جائے۔ واللفظ من صحیح البخاری قال صلی اللہ علیہ وسلم ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها فتصدق عمر انه لا یباع ولا یوهب ولا یورث۔ تحبیس اصل سے مراد وقف کر دینا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بیچنے سے بند کیا جائے۔ اسی سبب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح فرما دی کہ لا یباع ولا یوهب ولا یورث۔ سنن کی ایک روایت سے یہ صراحت مستفاد ہے کہ آپ نے فرمایا: حبس اصلها ان لا تباع ولا توهب ولا تورث بلکہ سنن کبری بیہقی صفحہ ۱۶۰ جلد ۶ کی ایک حدیث میں یہ ہے فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدق باصله لا یباع ولا یوهب ولا یورث ولکن ینفق ثمره۔ جب کہ حضور [illegible] کی طرف سے صراحت موجود ہے تو اگر اس عبارت ہندیہ کی بنا امام محمد علیہ الرحمۃ کے قول پر ہو [illegible] سے مستفاد ہو تو اس بنا کے مشکل ہونے کے علاوہ وہ قول مرجوح ہے [illegible] ثابت ہو چکی اور جب یہ مرجوح ہے تو یہ عبارت جو اس پر بنا ہے [illegible] اور اجماع کو پھاڑ نکلتا ہے۔ در مختار میں تحریر فرمایا اور رد المحتار میں تقریر ہے الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع۔ اور اگر مرجوح نہ بھی ہو تب بھی مولوی صاحب کو مفید نہیں اور اس مستفاد خراب سے مراد تو موضع کا ویران ہو جانا یا مسجد کا ویران ہو جانا ہے حالانکہ آبادی کا سامان نہ ہو جیسے کہ گذر چکا اور صورت زیر بحث میں یہ بات متحقق نہیں کیونکہ گاؤں آباد ہے اور وہ مسجد بھی آباد ہے اور آبادی کا سامان موجود ہے افسوس مسجد کا حصہ الگ کرنے کے لئے کتنے غلط رویئے اختیار کئے مگر غلط کاری کا حاصل لا حاصل ہے اور حق ہی حق ہے۔



مولوی صاحب کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ برجندی شرح وقایہ ص۱۷۱ جلد ۳ و شرط ان تبدل به ای صح عند ابی یوسف شرط ان یستبدل الواقف بذلک ارضا اخری اذا شاء اذفيہ تحويل الى ما يكون خيرا - میں کہتا ہوں اس دلیل کو آپ کے مدعا سے کوئی لگاؤ نہیں - مولوی صاحب یہ شرطِ استبدال جو امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک صحیح ہے یہ اس وقت صحیح ہے جب وقف کرتے وقت واقف شرط کرے اس لئے کہ اسی وقت اس کا اختیار ہے - اور جب وقف کردے تو اب اس کا ملک زائل ہو گیا لہٰذا بعد میں شرط کرنا باطل ہے - فتاویٰ قاضی خان ص۷۳۱، بحر الرائق ص۲۲۳ جلد ۵، خلاصۃ الفتاویٰ ص۴۱۳ جلد ۴ میں ہے و النظم للامام قاضیخان علیہ الرحمۃ و اجمعوا علی ان الواقف اذا شرط الاستبدال لنفسہ فی اصل الوقف یصح الشرط و الوقف و یملك الاستبدال اما بدون الشرط اشار فی السیر انه لا یملك الاستبدال - نیز فتاویٰ قاضی خان ص۷۳۱، بحر الرائق ص۲۰۶ جلد ۵، فتاویٰ عالمگیر ص۳۳۰ جلد ۲ میں ہے و النظم من الهندية ولو كان الوقف مرسلا لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له ان يبيعها و يستبدل بها وان كانت ارض الوقف سبخة لا ينتفع بها كذا في فتاوی قاضیخان - تو کیا آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس مسجد کے واقف نے وقف کرتے وقت یہ شرط کی تھی کہ مسجد کا استبدال کروں گا شرعی طریق سے اس کا ثابت کرنا بہت ہی مشکل ہے اگر ثابت ہو بھی جائے تب بھی آپ کو مفید نہیں کہ اس مسجد کا واقف تو فوت ہو چکا اور جب واقف اپنے لئے شرطِ استبدال کرے تو اس سے دوسرے کے لئے حق استبدال نہیں چنانچہ فتاویٰ عالمگیر وغیرہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں - یہ سب جانے دیجئے - یہ صحت شرطِ استبدال تو مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف میں ہے اور وقف مسجد میں اگر شرطِ استبدال کرے تو مسجد مسجد بن جاتی ہے اور وہ شرطِ استبدال باطل ہے - شامی ص۴۹۵ جلد ۳، فتاویٰ عالمگیری ص۳۴۸ جلد ۲ میں ہے و فی وقف الخصاف اذا جعل ارضہ مسجدا و بناہ و اشہد ان له ابطاله و بیعه فهو شرط باطل و یكون مسجدا - احکام الوقف امام ہلال شاگرد رشید امام ابو یوسف علیہ

الرحمۃ کے ص۹۹، ۱۰۰ میں ہے قلت ارأیت رجلا جعل دارہ مسجدا للہ علی ان لہ ان یبیع فیستبدل بہ قال المسجد جائز والشرط باطل ولا یکون لہ بیعہ۔ مبسوط امام سرخسی ص۴۲ جلد ۱۲، عنایہ شرح ہدایہ ص۴۳۹ جلد ۵، کفایہ شرح ہدایہ ص۴۴ جلد ۵ میں ہے والمنظم من المبسوط المسجد اذا شرط الاستبدال بہ او شرط ان یصلی فیہ قوم دون قوم فالشرط باطل واتخاذ المسجد صحیح۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ مسجد میں شرطِ استبدال صحیح نہیں تو اگر بالفرض شرطِ استبدال ہوتی اور واقف خود موجود ہوتا تب بھی استبدال نہیں کر سکتا۔ ذرا استدلال کرتے وقت دلیل اور غیر دلیل میں امتیاز کرنا چاہئے۔ عجب کہ لوگ مفتی ہی مفتی بن جاتے ہیں اور اپنے منہ محقق و مدقق کہلاتے ہیں مگر اب تک دلیل و غیر دلیل میں امتیاز نہیں۔

مولوی صاحب کی **پانچویں دلیل** قاضی خان ص۷۱۲ جلد ۴ میں متولی المسجد اذا جعل المنزل الموقوف علی المسجد مسجدا فصلی الناس فیہ سنین ثم ترک الصلوۃ فیہ واعید منزلا مستقلا جاز لان المتولی وان جعلہ مسجدا لا یصیر مسجدا۔



مولوی صاحب کی یہ دلیل بھی پہلی دلیلوں کی طرح مدعا سے محض بیگانہ ہے۔ شاید استدلال کرتے وقت مولوی صاحب کا ذہن کہاں پرواز کر جاتا ہے۔ یہ عبارت قاضی خان علیہ الرحمۃ لکھ کر خود ہی اس کا جواب دے دیا کفی اللہ المؤمنین القتال۔ مولوی صاحب خود ہی اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں، "کیوں کہ متولی کے بنانے سے موقوف علیہ مسجد نہیں بن جاتی بلکہ وہ موقوف علیہ ہوتی ہے،" مولوی صاحب متولی کے بنانے سے موقوف علیہ مسجد نہیں بنتی تو اس میں نماز چھوڑ دینا اور دوبارہ منزل مستقل بنا دینا نہ ہمیں مضر اور نہ آپ کو مفید، ہاں اگر وہ منزل مسجد بن جاتی اور پھر دوبارہ منزل بنانی جائز ہوتی تو آپ کو مفید ہو سکتی تھی کیونکہ آپ کا مدعا مسجد کے ٹکڑے کو الگ کرنے کا جواز ہے نہ غیر مسجد کو غیر مسجد بنانا اور یہ بھی بتلا دوں کہ متولی کے بنانے سے وہ منزل مسجد کیوں نہیں بنتی۔ شاید پھر ہی مولوی صاحب کے ذہن مبارک میں اس عبارت کا اصلی مفہوم آ جائے۔ مولوی صاحب مسجد وقف ہے اور وقف کے شرائط

ہیں سے ایک شرط ملکِ واقف ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ص۳۱۵ جلد ۲ میں شرائطِ وقف کے بیان میں ہے
ومنہا الملک وقت الوقف اور متولی جب کہ مالک نہیں تو وقف نہیں کر سکتا لہٰذا اس کے
مسجد بنانے اور مسجد نام رکھنے سے منزل موقوف جو اس کے ملک میں نہیں، مسجد نہیں بن سکتی۔
مولوی صاحب کی اگر پچھلی دو دلیلیں صحیح ہو جائیں تو مسجد کا صرف حصہ ہی نہیں بلکہ تمام مسجد کو
چھوڑ دینا اور بیچ دینا جائز ہو جائے گا کہ یہ تمام کے متعلق ہیں اور جب یہ دلیلیں ان کو پسند ہیں اور
اسی لئے ان کو دلیل بنایا، تو ثابت ہوا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام مسجد کو چھوڑ دینا، بیچ دینا اور
مسجد کو منزل و مستغل بنا لینا جائز ہے، اور اس سے بڑا اور کونسا ظلم ہے مگر ان دلیلوں کو مدعا سے
کوئی لگاؤ ہی نہیں، صحیح ہونا تو درکنار، وللہ الحمد! مسلمانو! للہ انصاف کی آنکھیں کھولو اور اپنے
دلوں کو تعظیم مساجد سے مالا مال کرو۔ کسی کے کہے اپنے رب کے گھروں سے منہ پھیر لینا کتنی سخت ناانصافی
ہے۔ واللہ الہادی وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد و
والہ واصحابہ وبارک وسلم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین و
آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عبدہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۰ رجب المرجب ۱۳۶۳ھ

الجواب ہو الموفق للصواب والمشتمل علی غایۃ التحقیق والتدقیق

الفقیر محمد چراغ دین مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

الاستفتاء

نمبر۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ اہلِ دِہ نے مسجد کی تعمیر کے لئے کچھ رقم
جمع کی ہے کیا اس رقم سے اس مسجد کے امام صاحب کا رہائشی مکان بنا سکتے ہیں؟
نوٹ: ۱۔ کچھ رقم برائے تعمیر مسجد دھڑت کی جمع کی گئی ہے۔ ۲۔ کچھ منتوں والوں نے برائے تعمیر مسجد کو دی ہے۔

۳۔ یہ احاطہ امام مسجد کا مسجد ایریا سے علیحدہ ہے مگر امام مسجد کا ذاتی نہیں بلکہ گاؤں والوں نے مشترکہ امام مسجد کو دیا ہے، نیز یہ احاطہ سرکاری ہے۔

نمبر ۲: ہمارے گاؤں کا پرانا طریقہ چلا آتا ہے کہ قربانی کی کھالیں امام مسجد کو بطورِ معاوضہ دی جاتی ہیں کیونکہ امام صاحب کی مستقل کوئی تنخواہ مقرر نہیں" کیا یہ کھالیں امام مسجد کو دینی جائز ہیں یا نہیں، بحوالہ بیان فرمائیں کرم ہوگا۔

نوٹ: (حاجی غلام محمد صاحب جو یہ سوال لائے ہیں، نے کہا ہے کہ مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے اور اب جمع شدہ رقم یا جو نئی جمع ہو ضروریات مسجد پانی وغیرہ کے انتظامات کے لئے ہے۔

ازطرف: اہالیانِ چک ۵۸/۵ ایل گنوں مورخہ ۳۰-۷-۷۰





ا۔ ہاں اسی مسجد کے امام صاحب کا رہائشی مکان بنا سکتے ہیں کیونکہ تکمیل تعمیر کے بعد ضروریات مسجد میں سے امام اول نمبر میں ہے کیونکہ مسجد کی صرف ظاہری تعمیر کا کوئی اعتبار نہیں جبتک کہ اس کی معنوی اور حقیقی تعمیر نہ ہو حتی کہ مسجد کے لئے روشنی پانی وغیرہ کے وسیع تر انتظام سے امام کی ضروریات مقدم ہیں۔ فتاویٰ عالمگیر صفحہ ۳۲۰ جلد ۲ میں ہے الذی یبدأ من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف ام لا ثم الی ماهو اقرب الی العمارة واعم للمصلحة كالامام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف اليهم بقدر كفايتهم ثم السراج والبسط كذلك الى اخر المصالح۔ فتاویٰ شامی صفحہ ۵۳۰ جلد ۳ میں ہے وهو عمارته المعنوية التى هى قيام شعائره (ثم كما فى الهندية) بحرالرائق صفحہ ۲۱۳ جلد ۵ میں بھی اسی طرح ہے۔ پھر صفحہ ۲۱۵ جلد ۵ میں ہے ان الشعائر التى تقدم فى الصرف مطلقا بعد العمارة الامام والخطيب (الى ان قال) و يلحق بثمن

الزیت والحصر ثمن ماء الوضوء او اجرۃ حملہ او کلفۃ نقلہ من البئر الی المیضئۃ۔

۲: قربانی کی کھالیں غنی اور غریب دونوں کو دے سکتے ہیں جبکہ دینا مزدوری کے طور پر نہ ہو اور اگر مزدوری یا تنخواہ کے طور پر ہو تو جائز نہیں، تو آپ لوگ غور کر لیں کہ امام مسجد کو کس نیت سے دیا کرتے ہیں۔ اگر معاوضہ بمعنی تنخواہ ہے تو جائز نہیں اور جس نے اس نیت سے دیا ہے اس کی قربانی میں نقص پڑ گیا جس کا دور کرنا ضروری ہے اگرچہ بہت پرانی ہو چکی ہو۔ اور اگر معاوضہ بایں معنیٰ ہو کہ ہمارے امام صاحب مسجد کی رونق اچھی کرتے ہیں اور ہمارے بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں اور نماز وغیرہ کا اچھا انتظام کرتے ہیں لہٰذا کسی اور شخص کی بہ نسبت امام کو عطیہ اور ہبہ کے طور پر دینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ ایسا دینے والا شخص اس امداد سے نیکی کرتا ہے تو یہ تعاون علی البر بن گیا جو یقیناً جائز ہے جس کا حکم قرآنِ کریم میں ہے وتعاونوا علی البر والتقویٰ پ۶ ع ۵۔ اور فرمایا ھل جزاء الاحسان الا الاحسان پ۲۷ ع۱۳۔ اور بالخصوص قربانی کے متعلق ہے فکلوا منھا و اطعموا القانع والمعتر پ۱۷ ع۱۲۔ اور جب کہ قربانی کے گوشت اور چام کا ایک ہی حکم ہے تو امام مسجد کو بھی دے سکتے ہیں کہ اس "القانع والمعتر" میں وہ بھی داخل ہے۔ فتاوےٰ عالمگیری ص۸۱ جلد۲ میں ہے ویھب منھا ما شاء للغنی والفقیر یعنی انسان اپنی قربانی میں سے جو چیز چاہے (چام ہو یا گوشت) فقیر اور غنی کو ہبہ کر سکتا ہے۔

یہ مسئلہ بڑا واضح ہے مگر افسوس کہ اس گئے گذرے زمانے میں لوگوں کی ذہنیت کچھ اس طرح کی ہو گئی ہے کہ دینی کام کرنے والے افراد کے متعلق بلاوجہ شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے ہیں، کیا دینی کام کرنا ایسا جرم ہے کہ جو عطیہ کسی عام مسلمان کو دیا جا سکتا ہے وہ دینی کام کرنے والے کے لئے ناجائز ہو جائے، اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ ۰۷۔۰۷۔۵

الاستفتاء

(نوٹ) فتویٰ ذیل دسمبر ۱۹۶۱ء ماہنامہ سالک راولپنڈی میں شائع ہوا۔

ملکِ پاکستان موضع کھوڑ میں اٹک آئل کمپنی اہلِ کتاب نصاریٰ تاجر دمستامن مقیم اور اہلِ کتاب کے ساتھ کسبِ تجارت میں چند مسلمان بھی شامل ہیں۔ کمپنی مذکورہ بالا نے ملازمین کے ساتھ عہد کیا ہوا ہے کہ وہ ان کی اجتماعی آسائشِ زندگی کے لئے ضروریات بہم پہنچانے کے ذمہ دار ہیں جیساکہ ہسپتال، بجلی، پانی، مسجدیں وغیرہ قبل ازیں یہاں ایک مسجد ۱۹۲۰ء سے تعمیر شدہ تھی۔ اس کی مرمت پانی، بجلی وغیرہ کی ضروریات کمپنی پوری کرتی رہی ہے اور اب بوجہ مسجد کہنہ مخستہ حال قابلِ تعمیرِ نو ہے۔ اب کچھ رقم عوام مسلمانوں نے چندہ کے ذریعہ فراہم کی ہے اور کچھ رقم کمپنی مذکورہ دے رہی ہے۔ کیا کمپنی کے اس عطیہ سے مسجد بنوانی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

منجانب: تعمیری کمیٹی جامع مسجد کھوڑ

الجواب

مسجد کے لئے چندہ یا مسجد کے لئے اگر زمین وقف کی جائے تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ دینے والے کی نیت قربت کی ہو اور ظاہر ہے کہ نصاریٰ وغیرہ بھی مسجد وغیرہ پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں تو ان کی امداد سے مسجد تعمیر کرانا جائز درست ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں خصوصاً جب کہ کمپنی والوں نے پہلے وعدہ بھی کر لیا ہو کہ ہم تمہاری ضروریات کے کفیل ہوں گے۔ شامی میں ہے وان یکون قربۃ فی ذاتہ فتعین ان ھذا شرط فی وقف المسلم فقط بخلاف الذمی لما فی البحر وغیرہ ان شرط وقف الذمی ان یکون قربۃ عندنا وعندھم کالوقف علی الفقراء وعلی مسجد القدس فقط واللہ اعلم

۱۔ دستخط سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان (مہر)



۲۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح شاہ محمد عارف اللہ قادری ۵۹/بی سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔ ۳۔ المجیب مصیب الحق ظاھر

فتاویٰ خواجگان جلد اول

فقیر قادر بخش عفی عنہ دربار عالیہ میرہ شریف - ۴ - المجیب مصیب و
جواب ہٰذا حق حررہ عبدہ المذنب ارشاد حسین نوری چورہ شریف - ۵ - الجواب صحیح دعاگو قاضی
نور محمد خطیب جامع مسجد کالا باغ بقلم خود - ۶ - الجواب صحیح فقیر مولوی عبدالرحمٰن بچرند تحصیل تلہ گنگ -
۷ - الجواب صحیح مولوی غلام سرور خطیب جامع کمر مشانی غازی کشمیر - ۸ - المجیب مصیب
جواب ہٰذا حق حررہ مولوی عبدالحنان عفی عنہ -

اس پر فقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ نے یہ خط لکھا :-

مخدومی سیدی حضرت مولانا مفتی سید مسعود علی شاہ صاحب قبلہ مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاجِ گرامی!

فقیر باخیریت، امید کہ مزاج سامی بھی بخیر ہوں گے۔ معروض کہ حضرت کا فتوےٰ ماہنامہ سالک راولپنڈی جلد ۹ شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۶۱ء کے ص ۴۳ پر شائع ہوا ہے جس پر دار الافتاء کی مہر اور کئی حضرات کی تصدیقیں بھی ہیں - اس میں حضرت کا ارشاد ہے "نصاریٰ وغیرہ بھی مسجد وغیرہ پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں تو ان کی امداد سے مسجد تعمیر کرانا جائز و درست ہے اسمیں کوئی مضائقہ نہیں" پھر بطور استدلال شامی ؒ سے ہے ان شرط وقف الذمی ان یکون قربۃ عندنا وعندھم کالوقف علی الفقراء او علی مسجد القدس" محض نیاز مندانہ حیثیت سے معروض کہ فقیر کی نظرِ قاصر میں یہ فتوےٰ نظرِ ثانی کا محتاج ہے قرآن کریم میں تعمیر مساجد کے متعلق واضح ہدایت ہے انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر واقام الصلوٰۃ الاٰیۃ اور یہ بھی واضح کہ مسجد قدس (جو ان کی خصوصی ملی مسجد بحیثیت قبلہ ہے) کے وقف پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہنا کہ دوسری مساجد پر خرچ کرنا یا وقف کرنا بھی ان کے نزدیک قربت اور نیک کام ہے، قیاس مع الفارق ہے۔ خود شامی علیہ الرحمۃ ہی تصریح فرماتے ہیں کہ دوسری مساجد پر خرچ کرنا صرف ہمارے نزدیک قربت ہے یعنی ان کے نزدیک قربت نہیں۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق ص ۱۸۹ جلد ۵ میں ہے الظاھر ان ھذا شرط فی وقف الذمی فقط لیخرج مالو کان قربۃ عندنا فقط کوقف علی الحج والمسجد وما کان

---

۱ ؎ سورۃ ۹ آیۃ ۱۸

قربۃ عندھم فقط کالوقف علی البیعۃ بخلاف الوقف علی مسجد القدس فانہ قربۃ عندنا وعندھم فیصح ولوکان ذلک شرطا لکل وقف لزم ان لا یصح وقف المسلم علی الحج والمساجد لان قربۃ عندنا فقط۔ نیز عقود الدریہ ص۱۱۹ جلد ا میں فرمایا ان وقف اھل الذمۃ لا یجوز الا اذا کان قربۃ عندنا وعندھم حتی لو جعل دارہ مسجدا للمسلمین لا یجوز وانما جاز وقفھم علی مسجد القدس لان ذلک قربۃ عندھم ہندیہ ص۳۱۵ جلد ۲ اور طحطاوی علی الدر ص۵۳ جلد ۲ میں بھی یہی مسئلہ جعل الدار مسجدا للمسلمین مفصل ہے، تو ثابت ہوا کہ نصاریٰ ہر ایک مسجد پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام نہیں سمجھتے تو ان کی اس امداد سے تعمیر مسجد بلا مضائقہ کیونکر درست ہوگی؟ (پھر اس نازک دور میں (جب کہ عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں اور تبلیغی سرگرمیاں نقطۂ ارتقاء پر پہنچ چکی ہیں) عوام اہل اسلام کو یہ کہنا کہ عیسائی ہماری مسجدوں پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں، عوام کے لئے کسی غلط فہمی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کمپنی والے نصاریٰ اپنے مسلم ملازمین سے کئے گئے۔ معاہدہ کی بنا پر ان کی ضروریات کے لئے روپیہ ان کے ملک میں کر دیں تو وہ مسلمان اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنا روپیہ جانتے ہوئے تعمیر مسجد پر خرچ کریں تو درست ہے جیسے کہ فقیر مالِ زکوٰۃ کے مالک بننے کے بعد تعمیر مسجد میں خرچ کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ امید کہ ضرور توجہ فرماتے ہوئے اصلاح فرمائیں گے یا پھر فقیر کے شبہات زائل فرمائیں گے وذا ایضا اصلاح فالمقصود ھو الاصلاح۔ والسلام ۱۳ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ ۲۱-۱۲-۲۰

حررہ الفقیر الی الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ



اس خط کے جواب میں حضرۃ مولانا علامہ سید مسعود علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مندرجہ ذیل گرامی نامہ صادر فرما کر یادِ سلف صالحین تازہ فرمادی۔

مخدومی ومحترمی حضرت مولانا الحاج مولانا نوراللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :-

گرامی نامہ موصول ہوکر عزت افزا ہوا۔ جناب والا نے جو اس نیاز مند کو غلطی پر مطلع فرمایا اس کا بے حد ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے صرف شامی کے حوالہ کو دیکھ کر یہ مسئلہ لکھ دیا اور مسجدِ اقصیٰ پر دیگر مساجد کو قیاس کرلیا۔ اب حضرت نے جو جزئیات تحریر فرمائے ان سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا لیکن سوال کے دیکھنے سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی والوں نے عام مسلمانوں کو روپیہ عطیہ کے طور پر دے دیا تو اب اگر مسلمان اس روپیہ کو مسجد کی تعمیر پر خرچ کریں گے تو وہ درست ہوگا جیسا کہ جناب نے بھی آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر تملیک کردیں اور مسلمان اپنے اختیار سے اپنا روپیہ جانتے ہوئے صرف کردیں تو درست ہے علاوہ ازیں یہ کہ اگر بالفرض کمپنی والے مسلمانوں کو تملیک ہی نہ کریں اور خود مسجد بنائیں تو شرعاً اس کا حکم کیا ہوگا؟ میرے نزدیک یہ ہے کہ نصاریٰ ہمارے مسائل کے مکلف نہیں ہیں لہٰذا اگر انہوں نے ایسا کردیا یعنی مسجد تعمیر کرادی تو اگرچہ وہ مسجد کے حکم میں نہ ہو لیکن نماز پڑھنا بہرحال اس میں جائز رہے گا۔ اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اب آخر میں مخلصانہ طور پر جناب سے یہ عرض ہے کہ آپ تحریر فرمائیں کہ اب اس کی اصلاح کس طور پر کیجائے؟ مجھے افسوس ہے کہ مولانا عارف اللہ شاہ صاحب و دیگر تصدیق کنندگان نے اس پر کوئی توجہ نہ کی اور مولانا نے بغیر میری اطلاع کے اس فتوے کو شائع بھی فرمادیا۔ میں نے ان کو بھی خط لکھا ہے امید کہ جناب سے مطلع فرمائیں گے آخر میں پھر جناب کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

نیاز مند :- سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم

۲ر جنوری ۱۹۶۲ء

اس گرامی نامہ کے جواب میں فقیر نے یہ تحریر کیا۔

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا المفتی سید مسعود علی شاہ صاحب قادری لازالت ظلالھم المتلالئہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، مزاجِ گرامی!

عنایت نامہ نے یادِ سلف کو تازہ کر دیا۔ اس حوصلہ افزائی نے مجھے مخلصانہ طور پر ممنون بنا دیا۔
فجزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، حقیقت یہ ہے کہ یہ نیاز مند کوئی مفتی یا محقق نہیں مگر بعض مصالح شرعیہ کی بنا پر کبھی کچھ عرض کرنا پڑتا ہے جو آپ ایسے حضرات کی بندہ نوازیوں سے قابلِ قبول بھی بن سکتا ہے۔
حسب الحکم استفسارات کے متعلق معروض کہ یہ صحیح فرمایا کہ نماز پڑھنا بہرحال اس میں جائز رہے گا جبکہ ارشادِ پاک جعلت لی الارض مسجدًا و طھورًا وارد ہے تو اس میں کسی اور رائے کی گنجائش ہی کیا؟ اور پھر یہ بھی صحیح ہے کہ نصاریٰ اپنے آپ کو ہمارے مسائل کے مکلف نہیں سمجھتے مگر ہم تو ضرور مکلف ہیں، ہمیں یہ اجازت کہاں کہ انہیں اپنی مساجد پر مسلط کر دیں اور وہ خود تعمیر کریں یا ان کی وکالت میں ہم تعمیر کریں۔ ارشاد ہوتا ہے ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علی انفسھم بالکفر۔ اور اگر کسی سبب سے وہ ایسا کر دیں یعنی مسجد تعمیر کر دیں تو دو صورتیں ہیں:



۱۔ یہ کہ وہ زمین کا ٹکڑا جس پر تعمیر ہوئی ہے پہلے سے شرعی طور پر مسجد بنایا گیا ہو جیسے کہ ظاہرِ سوال یہی ہے تو چونکہ اصالۃً مسجد ہے ہی وہی بقعہ جو تحت الثریٰ سے عنان السماء تک ہے قیامت تک کے لئے مسجد بن چکا ہے تو کسی بے جا تصرف سے اس کی مسجدیت پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟

۲۔ یہ کہ وہ بقعہ بھی نصاریٰ کے ملک میں ہو اور وہ اس پر مسجد نما مکان تعمیر کر دیں اور صراحۃً مسجد کا نام دیتے ہوئے اجازتِ نماز بھی دے دیں تو وہ مکان تب بھی شرعاً وقف اور مسجد نہیں بن سکتا مگر جب نصاریٰ وہ مکان اہلِ اسلام کے ملک بیعاً یا ہبۃً کر دیں یا مسلمان بطورِ غنیمت حاصل کر لیں اور مالک ہونے کے بعد اپنی طرف سے وقف کر دیں اور مسجد بنائیں تو شرعاً مسجد بن جائے گا و ذا ظاھر لا غبار علیہ اصلاً۔

مسئلہ زیرِ بحث میں کمپنی والوں کے روپیہ دینے کا جو ذکر ہے میرے خیال میں وہ توکیل و تملیک کے دونوں احتمالوں کا محتمل ہے مگر جب بحمد اللہ تعالیٰ وضاحت ہو گئی اور سب صورتیں تفصیلاً سامنے آ گئیں تو مسئلہ زیرِ بحث امس و شمس کی طرح واضح ہو گیا۔ والسلام مع الاکرام۔ ۶-۱-۶۲

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک ذی علم سُنّی اور دیندار انسان ہے۔ اکثر حصہ اپنی عمر کا تعلیم وتعلم اور خدمتِ اسلام پر صرف کیا ہے۔ زید کی مدت سے یہ تمنا تھی کہ اپنی تمام عمر سلسلہ تعلیم وتعلم اور خدمتِ اسلام میں آزادانہ طریق پر صرف ہو ولیکن یہ سلسلہ تعلیم وتعلم اور خدمتِ اسلام بغیر استقلال اور اطمینان اور آزادی کے قائم نہیں رہ سکتا بلکہ چل ہی نہیں سکتا۔ استقلال اور اطمینان کی فقط یہی صورت ہو سکتی ہے کہ میں اپنی زمین مملوکہ میں مسجد اور مدرسہ وغیرہ بناؤں تاکہ آزاد ہو کر بلّٰہ خدمتِ اسلام کرسکوں اور بعد میرے میری اولاد بھی اسی سلسلہ کو جاری رکھے اور خدمتِ اسلام میں مصروف رہے چنانچہ زید نے حکومتِ موجودہ ریاست بہاولپور صوبہ بننے سے پہلے کو اس مضمون کی درخواست دی کہ:۔

جناب عالی! گذارش ہے کہ سائل کو زمین فلاں نمبر فلاں برائے مسجد و مدرسہ وضروریاتِ مدرسہ قیمۃً عطا فرمائی جائے حکومت نے درخواست منظور کی اور زید سے قیمت لے کر زمین زید کو عطا کی اور پٹہ زمین کا دیا۔ رجسٹری اور انتقال بھی بنام زید کیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے جو اپنی گرہ سے قیمت دے کر زمین خریدی ہے۔ اس نیت سے کہ میں زمین میں مسجد و مدرسہ بناؤں گا اور ضروریات اس سے پورا کرتا رہوں گا تاکہ آزاد ہو کر خدمتِ اسلام کرسکوں اور حکومت نے بھی اس خیال پر کہ زید زمین کارِ خیر کے لئے لے رہا ہے، قیمت میں رعایت کی اور زمین زید کو دے دی۔ کیا یہ زمین مملوکہ زید متصور ہوگی یا مملوکہ مدرسہ اور مسجد انتقال بنام زید کرنے سے حکومت غلطی قرار دی جائے گی۔ بینوا الجواب بحوالۃ الکتاب توجروا فی یوم الحساب۔





بنا بر صحتِ سوال جوازِ بیع میں قطعاً گنجائشِ شک وشبہ وریب نہیں کہ احل اللہ البیع، اور

رعایت بھی جرم نہیں کہ شرعِ مطہر نے کوئی معیارِ قیمت معین ہی نہیں فرمایا کہ اس کی خلاف ورزی سے بطلان یا فساد ثابت ہو صرف تراضی کافی ہے الا ان تکون تجارۃ عن تراض اور وہ پائی گئی۔ حکومت کا زید کی درخواست پر باقاعدہ مطلع ہو کر اس کے نیک ارادہ کی بنا پر رعایت کرنا، تو یہ بھی مقاصدِ شرعِ مطہر کے ماتحت ہی ہے وتعاونوا علی البر والتقوی، و ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر۔ اور جب بیع و رعایت شرعاً جائز ہوئی تو حکمِ بیع یعنی ملکِ مشتری یقیناً لزوماً مرتب ہوگا کما لا یخفی علی من لہ ادنی مس باسفار المذھب المھذب فضلاً عن فاضل پس امس و شمس کی طرح واضح و لائح کہ شرعاً زید ہی مالک بنا تو انتقال و رجسٹری زید کے نام ہی ہوں گے اور حکومت مصیب ہے بلکہ اصابت کا اعلیٰ درجہ تو یہ تھا کہ ایسے سنی سرگرم خادمِ اسلام کے لئے بلا معاوضہ انتظام کیا جاتا۔ شرعِ مطہر نے تو نیک کام کرنے والوں کو زکوۃ (جس میں تملیک شرط ہے) کا مستحق قرار دیا کہ ارشاد ہوا و فی سبیل اللہ۔ اور اس مسئلہ میں مسجد و مدرسہ کے ملک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ حکومت نے معاوضہ لے کر بیع کی اور وقف بلا معاوضہ اور بلا تملیک مخلوق ہے اور زید نے اپنے لئے خرید کی تو اس کی طرف سے بھی یہ خرید وقف نہیں البتہ اسے اختیار ہے جب چاہے وقف کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ



الاستفتاء

چہ میگویند علمائے دین دریں مسئلہ کہ حکومت کی مملوکہ زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مسجد تعمیر کی گئی ہے جہاں عوام نماز ادا کرتے ہیں اسے تقریباً بیس برس کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اب حکومت اس کے متبادل اس کے بہت ہی قریب اس قدر جگہ مسجد کی تعمیر کے لئے دیتی ہے اور پہلی جگہ کو اپنے کسی تصرف میں لانا چاہتی ہے جہاں بلا اجازت مسجد تعمیر ہے۔ بایں حالت پہلی جگہ پر مسجد کو شرعی کیا حیثیت حاصل ہے؟ آیا وہ شرعاً مسجد ہے! کیا

حکومت یا کسی اور شخص کی مملوکہ زمین میں مالک کی اجازت حاصل کئے بغیر مسجد بنائی جائے مالک یا حکومت اس

جگہ سے مسجد کو ہٹا دینے کی شرعاً مجاز ہے! بینوا توجروا۔

نیاز مند: نیاز احمد قادری چشتی رضوی خادم مسجد نوری رضوی معرفت

جالندھری انجینئرنگ کمپنی نزد پرانی سبزی منڈی لائل پور ۶۹-۵-۱۷





وقف کے لئے وقف کرنے کے وقت مالک ہونا شرط ہے۔ فتاوےٰ عالمگیری ص۳۱۵ جلد ۲ میں شرائطِ وقف میں ہے ومنها الملك وقت الوقف لہٰذا کسی کی زمین میں مسجد کی شکل بنا کر مسجد کہنے سے شرعاً مسجد نہیں بن سکتی اور مالک اٹھا دینے کا یقیناً حق رکھتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و علی اٰلہ و اصحابہ و بارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ ۱۰/۵/۶۹

الاستفتاء

نقل آمدہ چٹھی از دفتر ڈائریکٹر وقف املاک، پنجاب لاہور

بخدمت: ۱۔ صوبائی خطیب جناب مولانا امین الحق صاحب بادشاہی مسجد لاہور معرفت ناظم مساجد لاہور

۲۔ زونل خطیب مولانا عبدالقادر صاحب زونل خطیب ملتان زون بمقام خانیوال

۳۔ مولانا نور اللہ صاحب مہتمم جامع فریدیہ بصیر پور، ساہیوال

(چٹھی نمبر ۷، اوقاف (۱۲۳) ا مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۷۰ء)

مضمون فتوی دربار جامع مسجد چوک جیل روڈ لاہور

مسجد بعنوانِ بالا سرکاری محکمہ نزول کے رقبہ تعدادی ۶ مرلہ واقعہ نمبر خسرہ ۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳ اور ۲۳۵۰ من موضع مزنگ واچھرہ تحصیل وضلع لاہور میں، تعمیر کی گئی ہے۔ اس مسجد کو تعمیر کرنے سے پہلے نا ہی گورنمنٹ کی منظوری حاصل کی گئی ہے اور نہ ہی زمین کی قیمت تا حال حکومت کو ادا ہوئی ہے جس کی بازاری قیمت مبلغ دو ہزار روپیہ فی مرلہ ہے لیکن اس کے مقابلہ میں انجمن جامع مسجد مذکور سو روپیہ فی مرلہ ادا کرنا چاہتی ہے۔

محکمہ بورڈ آف ریونیو اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ انجمن مذکور ناجائز قابض ہونے کی بنا پر کسی رعایت کی مستحق نہیں ہے اور اس قسم کی مساجد میں مطابق ہدایت نبوی نماز ادا کرنے سے باز رکھا گیا ہے۔ اندریں حالت محکمہ بورڈ آف ریونیو پنجاب لاہور نے استدعا کی ہے کہ اس معاملہ کو علماء صاحبان کے اجلاس میں پیش کر کے حسب ذیل امور پر ان کا فتوے حاصل کیا جائے:۔

۱۔ کیا ان مساجد میں نماز ادا کرنی جائز ہے جو کہ حکومت کی اجازت کے بغیر نزول (سرکاری) زمین پر اور بلا ادائیگی قیمت زمین تعمیر کی گئی ہیں؟

۲۔ کیا ناجائز قابضانِ رقبہ سرکاری زیر مساجد کسی رعایت کی مستحق ہیں اور کیا ان کو بازاری قیمت سے کم شرح پر اس رقبہ کو خریدنے کا حق حاصل ہے یا کہ نہیں؟

لہذا بذریعہ عریضہ ہذا آپ کی خدمت میں التماس کیجاتی ہے کہ آپ اس بارہ میں جہاں تک ممکن ہو جلد اپنی رائے کا اظہار کر کے جواب سے مشکور فرمایا جائے۔

لفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان ڈائریکٹر وقف املاک پنجاب



م۱ : اس میں شک نہیں کہ انجمن جامع مسجد کو باقاعدہ اجازت و تصفیہ کے بعد مسجد تعمیر کرنی چاہیے تھی مگر اس میں بھی شک نہیں کہ انجمن سرکار سے طاقتور نہیں کہ جبراً زمین چھین کر قبضہ کرلے اور یہ زمین مغصوبہ کہلائے



اور اس میں بھی شک نہیں کہ زمین کے ایسے تمام پاک قطعات عام ازیں کہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری، جو بھی فارغ پڑے ہوں ان پر نماز یقیناً جائز ہے، جماعت سے ہو یا تنہا، قرآنِ کریم میں علی الاطلاق ہے حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ سورۃ البقرہ آیت ۱۴۴ اور ۱۵۰ (ترجمہ: اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ (نماز ادا کرتے ہوئے) اسی کی طرف کرو۔" بکثرت احادیثِ صحیحہ میں جو متعدد صحابہ کرام سے بخاری و مسلم وغیرہ کتبِ معتبرہ میں مروی ہیں ان میں تصریح ہے کہ تمام زمین نماز ادا کرنے کے قابل ہے چنانچہ صحیح مسلم ص۱۹۹ جلد ۱ میں یہ کلمات مبارکہ ہیں جعلت لنا الارض کلہا مسجدا (ہمارے لئے زمین ساری کی ساری مسجد بنا دی گئی ہے یعنی نماز کے قابل بنا دی گئی ہے۔" اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اینٹیں یا سیمنٹ، لوہا، بجری یا تعمیر مسجد اس خداداد حق کو اٹھا نہیں سکتے تو ثابت ہوا کہ ایسی مساجد میں نماز ادا کرنی جائز ہے ممنوع نہیں۔

۲: ایسے قابض جو باغی نہیں بلکہ اپنی حکومت کے رحم و کرم پر امید کرتے ہوئے اپنے رب جل وعلا کی عبادت کے لئے ایک مکان بنا چکے ہیں وہ رعایت کے مستحق ضرور ہیں۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے تعاونوا علی البر سورہ مائدہ آیت ۲ (ترجمہ: نیکی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔" اور یہ بھی ارشاد ہے الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ سورۃ الحج آیت ۴۱ یعنی ہمارے برگزیدہ بندے وہ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر حکومت عطا کریں تو نماز قائم کریں تو معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت کی دلیل علامت اقامۃ الصلوٰۃ ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہماری عوامی حکومت اس کوشش[1] میں ہے کہ ہزارہا مالکانِ اراضی سے ہزارہا ایکڑ زائد اراضی لے کر مزارعین کو دے دیوے یعنی ایک ایک غیر مالک مزارع کو ہزاروں مرلے اراضی صرف اس کی ذاتی انفرادی ضرورت کے لئے مہیا کرے تو کیا حکومت کا یہ فرض نہیں کہ خود اپنی زائد زمین کے محدود مرلے ملی ضرورت کے لئے عوام اہلِ اسلام کو دے خصوصاً جبکہ حکومت نے مزارعین کی بیدخلی حکماً رک دی ہے اور سابقہ مقدمات پر کارروائی بند کر دی ہے تو کم از کم اپنی اراضی کے قابضین رقبہ زیر مساجد کو بھی اتنی رعایت سے محروم نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و علیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۴ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۹۱ ۱۰/۲/۷۲

---

[1] اور یہ بھی انفرادی حکومت کے لئے بھی مساعی جاری ہیں تو اجتماعی عبادت گاہ کے لئے بھی ضرورت ہے ۱۲ منہ غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک گاؤں متروکہ غیر مسلم میں مہاجرین آکر آباد ہوئے اور اپنی ضرورت کے مطابق شاملاتِ دیہہ میں ایک مسجد بنائی جس طرح عام طور پر مہاجرین نے غیر مسلم متروکہ دیہات وقصبات میں بنائی ہیں اور حکومت کی طرف سے بھی ضرورت مند مہاجرین کو حسب ضرورت مساجد بنانے سے ممانعت نہیں کی گئی۔ اب بعض عوام کہتے ہیں کہ وہ مسجد شرعی مسجد نہیں۔ اسکی مرمت وغیرہ پر جو روپیہ خرچ کیا جائے اس کا کوئی خاص ثواب نہیں، تو آیا ان کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: شیر محمد ولد دین محمد از گڑھ فتح شاہ ڈاکخانہ خاص تحصیل سمندری ضلع لائل پور



جو چیز کفار سے بدونِ جنگ حاصل ہو مثلاً ڈر کر، گھبراتے ہوئے بھاگ گئے تو وہ مصالح اہلِ اسلام کے لئے ہی ہے۔ میزان شعرانی ص۱۸۸ جلد ۲، رحمۃ الامۃ ص۱۸۸ جلد ۲ میں علی الترتیب ہے او ما ترکوہ فزعا وھربا۔ او ما ترکوہ فزعا وھربوا۔ انہیں میں مذہبِ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا بیان ہوا جمیعہ لمصالح المسلمین۔ بحر الرائق ص۱۱۸ جلد ۵ میں ہے و بناء المساجد والنفقۃ علیھا ذکرہ قاضیخان فی فتاوٰہ من کتاب الزکوٰۃ فقد افاد ان من المصالح بناء المساجد والنفقۃ علیھا الی آخرہ یعنی اہلِ اسلام کے امورِ رفاہیہ سے مسجدوں کا بناء کرنا اور ان پر خرچ کرنا ہے جن پر غیر مسلم کا ایسا مال استعمال کیا جاتا ہے بلکہ جنگ سے مفتوحہ علاقوں میں مسلمان مسجدیں بناتے چلے آئے ہیں اور یہ

ہماری مسجدیں جو قدیم سے چلی آتی ہیں پہلے پہلے یہ بھی مفتوحہ اور کفار کے متروکہ علاقوں میں ہی بنائی گئی ہیں۔ آج تک ان پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ قرآنِ کریم نے فرمایا انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر الاٰیۃ کہ مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن پر۔ تو روزِ نیمروز اور ماہِ نیم ماہ کی طرح روشن ہویدا ہوا کہ ان بعض عوام کا کہنا بالکل غلط ہے اور باطل ہے اور وہ مسجد شرعی مسجد ہے اس کا بنا کرنا اور اس پر خرچ کرنا اسی ثواب کا حامل ہے جو ایک شرعی مسجد پر مرتب ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ جمادی الاخرے ۱۳۷۳ھ بوقت عصر

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین شرع متین اندریں مسئلہ کہ ہمارے ہاں گورنمنٹ کی کالونی میں عوام نے اپنے چندے سے ایک مسجد تعمیر کرنی چاہی تو حکومت نے اس شرط پر اجازت دی کہ جب گورنمنٹ اپنی طرف سے مسجد بنوائے گی تو اسے گرانا ضروری ہوگا۔ اب حکومت نے اس جگہ ایک بہترین مسجد بنوائی ہے مگر سابقہ مسجد کا سامان نہیں خریدا اور نہ ہی لگایا ہے۔ اب ہمارے کئی ساتھی یہ کہتے ہیں کہ مسجد کا سامان مسجد کے سوا اور کہیں نہیں لگ سکتا اور اس سے کوئی اور مکان تعمیر کرنا بھی ٹھیک نہیں کیا یہ صحیح ہے؟ بحوالہ کتبِ صحیحہ جواب عنایت فرمائیں کیا ہم اسے فروخت کر کے رقم کو اسی مسجد کے دوسرے اخراجات پر لگا سکتے ہیں؟

نیازمندِ علمائے ربانی: مسرور احمد بقلم خود خطیب مدینہ مسجد وحدت کالونی ملتان



ال واقعی مسجد کا سامان مسجد کے سوا اور کہیں نہیں لگ سکتا اور اس سے کوئی اور مکان تعمیر کرنا بھی

ٹھیک نہیں جبکہ براہِ راست ایسا کیا جائے اور اگر معاوضہ دے کر باقاعدہ خرید کر لیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ مسجد پر لگایا نہ جا سکے جیسے کہ صورتِ سوال سے واضح ہے کہ جب بہترین مسجد بن گئی تو سادہ سابقہ عمارت کا سامان اس میں نہیں لگ سکتا اور وصول شدہ قیمت بھی ظاہر ہے کہ ابھی اس کی تعمیر یا مرمت پر خرچ نہیں ہو سکتی تو مسجد کے دوسرے اخراجات پر صرف ہو سکتی ہے جبکہ انتظارِ ضرورتِ مرمت میں رقم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔ ہدایہ، فتح القدیر ص۴۳۶ جلد ۵، وقایہ شرح الوقایہ ص۴۱۳ جلد ۲، درالمختار شامی ص۵۲۹ جلد ۳، بحر الرائق ص۲۳ جلد ۵، تبیین الحقائق ص۳۲۸ جلد ۳ وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے و

ان تعذر اعادة عينه الى موضعه بيع وصرف ثمنه الى المرمة صرفا للبدل الى المبدل، اقول واذا كان فى وضع الثمن للانتظار عند احد خوف الضياع فينبغى ان يجوز صرفها الى عمارتها المعنوية عند تعذر الصرف الى العمارة الظاهرة او مرمتها مع خوف الضياع فان العمارة المعنوية هى المقصودة من الظاهرة كما فى صرف الغلة ففى الشامية ص۵۳۰ جلد ۳ فان انتهت عمارته وفضل من الغلة شيئ يبدأ بما هو اقرب للعمارة وهو عمارته المعنوية التى هى قيام شعائره (الى ان قال) كالامام للمسجد وفى الدر فى بيان الشعائر هى امام وخطيب ومدرس ووقاد وفراش ومؤذن وناظر وثمن زيت وقناديل وحصر وماء وضوء وكلفة نقله للميضأة. وذلك اى جواز بيع النقض وصرف ثمنه الى العمارة المعنوية كالخطيب والامام والمؤذن وسائر شعائر المسجد فى هذه المسئلة واضح كالشمس والامس. البتہ خریدار کے لئے ضروری ہے



سه اى انتظار المرمة ۱۲ منه غفرله للعه لان العمارة الجديدة المحكمة لاتحتاج الى المرمة الا بعد زمن طويل يخاف فيه ضياع النقود لموت الامين او الحادثات الكثير فى هذا الزمان ووقوعها عادة مستمرة ۱۲ حرر منه غفرله

کہ اس سامان سے مویشی خانہ یا بیت الخلاء نہ بناتے کہ وہ نسبت الی المسجد سے قابلِ احترام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہ واصحابہ

وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ ۲۵-۲-۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام دینِ مبین و مفتیانِ کرام شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک مولوی صاحب عالم دین نے ایک مسجد کی بنا رڈالی اور اس کے ساتھ کچھ زمین متعلق کرائی کہ اس زمین پر حجرہ جات وغیرہ تعمیر کرکے تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کردوں گا چنانچہ وہ درس و تدریس میں مشغول رہے لیکن بوجہ کم مائیگی حجرہ جات وغیرہ تعمیر نہ کرسکے۔ بعد ازاں مولوی صاحب فوت ہوگئے اور تعلیم کا یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ایک قاری صاحب اس مسجد میں تشریف لائے۔ انہوں نے اس مسجد میں قرآنِ کریم حفظ کرانے کا ایک مدرسہ جاری کیا۔ طلباء کی زیادتی اور مدرسہ کی کامیابی دیکھ کر انہوں نے اس متعلقہ زمین پر دوکانات تعمیر کرانے کا سلسلہ اس غرض سے شروع کیا کہ ان دوکانات کی آمدنی مدرسین کی تنخواہ اور باہر سے آئے ہوئے طلباء کے اخراجات اور مسجد کی ضروریات مثلاً امام مسجد کی تنخواہ اور خادم مسجد کی تنخواہ یا صفیں خریدنا وغیرہ کی ادائیگی میں صرف کیجائے گی اور ان دوکانات کے اوپر درس گاہیں اور طلباء کی رہائش کے لئے کمرے بنائے جائیں گے اور انہوں نے پبلک اور عوام سے چندہ کی اپیل کی اور عوام نے چندے دیئے اور تعاون کیا حتیٰ کہ دوکانات اور دکانات پر درس گاہیں تعمیر ہوگئیں اور ان دکانات کی آمدنی حسبِ غرض قاری صاحب مسجد اور مدرسہ کی ضروریات پر مشترکہ طور پر خرچ ہونے لگی۔ بعض حضرات طلباء کے لئے شبہ عدمِ جواز کرتے ہیں،

کہ مسجد کا گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جو تعظیم میں خلل ڈالے و نصہ کحشیش المسجد و کناستہ لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم ۱۲ منہ غفرلہ — صہ درالمختار اور شامی صـ۱۶۵ جلد اوّل میں ہے

آیا یہ مشترکہ اخراجات جائز ہیں یا نہیں؟ اور ان دکانات کے اوپر والے کمروں میں طلباء کی تعلیم اور رہائش جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: غلام رسول غفرلہ از حویلی لکھا ضلع منٹگمری



یہ اخراجات اور طلباء حفظِ قرآنِ کریم کی رہائش و درس قطعاً جائز ہیں جن کے جواز میں اصلاً گنجائش شکوک و شبہات نہیں۔ اراضی متعلقہ مسجد میں طلباء کی رہائش کے لئے مکان بنانا بالتواتر ثابت ہے۔ اصحابِ صفہ کا صفہ مسجد نبویہ کی متعلقہ اراضی میں ہی تھا اور وہ تقریباً چار سو کی تعداد میں رہائش پذیر تھے پھر آج تک بلا نکیر منکر یہ سلسلہ بالتوارث جاری ہے کہ مسجد کے متعلقہ مکانات میں طلباء رہائش پذیر چلے آرہے ہیں اور جب ذات مکانات متعلقہ کا استعمال طلباء کے لئے جائز ہے تو ان مکانات کا کرایہ جو محض منافع ہے کیونکر حرام ہوسکتا ہے؟ اور اہالیان اسلام کے تعاون مذکورہ سے دکانات وغیرہ تعمیر ہونا اور اس کا خیر میں مستعمل ہونا تعاونوا علی البر والتقوی کی تصریح سے یقیناً جائز بلکہ اس ارشادِ ربانی کی تعمیل ہے۔ تعجب ہے کہ حضرتِ رب العلمین جل وعلا تو ایسے طلباء کرام پر خرچ کرنے کا صریح حکم فرمائے کہ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف الآیۃ اصحابِ صفہ کے حق میں نازل فرمائی حالانکہ العبرۃ لعموم اللفظ قاعدہ مسلمہ ہے، اور آج اس کے جواز میں ہی شبہے کئے جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ واصحاب صفتہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۶ رجب المرجب ۱۳۷۶ھ



الاستفتاء

جناب والاشان مولوی نوراللہ صاحب دام مجدہٗ

سلام و نیاز کے بعد التماس ہے کہ کچھ سامان پہلے زمانے سے ہی ایک گردوارے کا ڈھیر کی شکل میں پڑا ہوا ہے جس کی سرکار کیطرف سے کوئی ممانعت نہیں آئی۔ اب وہ سامان مسجد کی تعمیر میں استعمال ہو سکتا ہے یا نہیں، والسلام۔

بندہ: نوربخش سیکنڈ ماسٹر آباری تحصیل دیپال پور

۴۸-۸-۲۲





بلاشک و شبہ و ریب ایسا سامان تعمیر مسجد میں لگایا جا سکتا ہے۔ میزان شعرانی، رحمۃ الامہ، فتاویٰ قاضیخان، فتاوے عالمگیر، ردالمحتار وغیرہا اسفار مذہب مہذب میں ہے کہ کافر کا وہ مال جو بغیر قتال لیا گیا ہو اس کا مصرف مصالح اہل اسلام ہے۔ میزان و رحمۃ الامہ کے یہ الفاظ نص صریح ہیں او ما ترکوہ فزعا و ھربا اور رحمۃ الامہ میں ھربوا ہے۔ خانیہ، ردالمحتار، ہندیہ میں ہے والنظم من الھندیۃ والی بناء الرباطات والمساجد۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

(یکم شوال المکرم ۱۳۶۷ ہجری المقدس)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس صورتِ مسئولہ میں کہ ایک عالم فاضل صوفی کامل نے اپنی دو ٹکڑہ زمین میں سے بڑے ٹکڑے کو وقف لکھا اور مصارفِ وقف فقراء ومساکین وطلباء ومسافرین لکھے اور یہ بھی لکھا کہ اس اراضی موقوفہ کو فقیر نے اپنے گھر سے خریدا ہوا ہے کسی کی اس میں شرکت نہیں ہے اور آئندہ میرے ورثاء واقرباء سے کوئی دعویٰ دار نہ ہو اور اس کارِ خیر کا ثواب تاقیامت واقف کو پہنچتا ہوا باعثِ نجات بنے اور دوسرے ٹکڑے چھوٹے کو وقف نہیں لکھا بلکہ متعلق وقف لکھا۔ پھر اسی چھوٹے ٹکڑے کو فروخت کر کے رقم وصول شدہ کو اپنی عینِ حیات میں مصارفِ حصہ موقوفہ پر صرف کر دیا اور حصہ موقوفہ میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہ کیا بلکہ عینِ حیات متولی امین خیر خواہ مخلص کی تقرری میں کوشاں رہے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر ایک صاحب کو وصی بنا دیا کہ جس صاحب کو متولی لائق منتظم سمجھے مقرر وقف کر دے اور اسی حالت پر واقف کا انتقال ہو گیا۔ اب قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ شرعاً اراضی موقوفہ کے وقف لازم ہونے میں چھوٹے ٹکڑے کی بیع مذکورہ کرنے سے نقصان لازم آتا ہے یا نہیں؟ بینوا ماجورین بالدلائل والبراہین ۱۱؍ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ



بلاشبہ بڑے ٹکڑے کا وقف ہونا جائز وصحیح ولازم ہے۔ فتح القدیر ص۴۲۲ جلد ۵ میں ہے والحق ترجح قول عامۃ العلماء بلزومہ لان الاحادیث والآثار متظافرۃ علی ذلک قولاً کما صح من قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لایباع و لایورث الی اٰخرہ و تکرر ھٰذا فی احادیث کثیرۃ واستمر عمل الامۃ من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم علی ذلک الخ بحرالرائق ص۱۹۰

والاخذ بقول ابی یوسف احوط واسھل ولذا قال فی المحیط جلد۵ میں ہے ومشائخنا اخذوا بقول ابی یوسف ترغیبا للناس فی الوقف۔

شرح الوقایہ ص۲۹ جلد۲ میں ہے ویفتی بقول ابی یوسف۔ درالمختار میں ہے والاخذ بقول الثانی احوط واسھل۔ بحر وفی الدرر وصدر الشریعۃ وبہ یفتی واقرہ المصنف۔ بحرالرائق وردالمحتار ص۵۰۶ جلد۳ میں ہے فی الفتح ان قول ابی یوسف اوجہ عند المحققین۔ اور یہ پر ظاہر کہ لفظ "بہ یفتی" "الفتویٰ علیہ" سے بہت تاکید والا ہے۔ درالمختار میں ہے ولفظ بہ یفتی اکد من الفتویٰ علیہ۔ شامی ص۲۸ جلد۱ میں ہے قال ابن الھمام والفرق بینھما ان الاول یفید الحصر والمعنی ان الفتویٰ لاتکون الا بذلک اور اس میں شک نہیں کہ لزوم وقف ہی غرض واقف وفقراء وغیرہم موقوف علیہم کے حق میں ارفق واصلح ہے۔ اور شامی ص۵۱۸ جلد۳ میں ہے وینبغی ان یکون مطمح نظرہ (ای المفتی) الی ما ھو الارفق والاصلح پس اس کا خلاف مرجوح ہوا اور مرجوح کے ساتھ فتوےٰ دینا جہل اور مخالفتِ اجماع ہے۔ درالمختار میں ہے وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع۔

شامی ص۲۹ جلد۱ میں ہے (قولہ بالقول المرجوح) کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذا لم یصحح او یقو وجھہ۔ اور یہاں قول ابی یوسف علیہ الرحمۃ مساوی قولِ ثالث بلکہ قوی ہے کہ اس کے لئے لفظ "بہ یفتی" موجود ہے کما مر من الدر۔

اور چھوٹا ٹکڑا واقف نے وقف نہیں لکھا بلکہ متعلق وقف لکھا تھا۔ اور پر ظاہر کہ متعلقِ شئے مغایرِ شئے کو کہا کرتے ہیں تو اس کی بیع سے لزومِ وقف اراضی موقوفہ میں نقصان متصور نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ واقف عالم فاضل صوفی کامل نے اس ٹکڑے کے متعلق وقف ہونے کا معنیٰ خود عملاً بیان فرما دیا کہ اسے فروخت کر کے اصلاح اراضی موقوفہ پر خرچ کیا۔ اگر بفرضِ غلط متعلقِ وقف کا معنیٰ ملحق بالوقف ہوتا تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتا اور پھر حینِ حیات تک اس اراضی موقوفہ کے لئے متولی امین خیر خواہ کی تلاش اور تقریرِ وقف اور تقریرِ وصی صاف صاف بتا رہا ہے کہ واقف ہر کوشش سے آخر عمر تک کار بند رہا



اور پھر رشتہ داروا قربا، کو مایوس کرنا نہایت ہی ثبوت لزوم کا صراحۃً پتہ دیتا ہے لہٰذا اراضی موقوفہ مذکورہ کا وقف بلاشبہ لازم آتا ہے۔ هٰذا ما عندی من العلم واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی المحبوب الاکرم وآلہٖ وصحبہٖ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس صورتِ مسئلہ میں ایک شخص عالم فاضل صوفیٔ کامل لاولد تھے انہوں نے اپنی حینِ حیات میں اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کو وقف حسبۃً للہ برائے خدمت مسافران وطلبا، ویادِ خدا اشخاص کردیا لکھدیا اور باضابطہ اس تحریرِ وقف پر گواہاں کے دستخط بھی موجود ہیں۔

(۲) واقفِ موصوف نے کچھ مدت اپنے انتقال کے پہلے اپنے پیرزادہ کو مختارِ کل وصی روبرو مجلسِ عام اس امر کا مقرر فرمایا کہ جس صاحب کو آپ لائق دیانت دار سمجھیں، متولی وقف ہٰذا کا بنادیں، وہی متولی عند اللہ وعند الناس مقبول ہوگا مگر اس ایصاء کی تحریر واقف کیطرف سے نہیں ہے مگر زبانی سپردگی روبرو اکثر اشخاص ہے اور وقف نامہ بھی اپنے ہاتھ کا تحریر شدہ کسی مجلسِ عامہ میں اپنے پیرزادہ کو دیدیا تھا۔

(۳) پیرزادہ مختارِ کل وصی نے واقفِ موصوف کے بعد حسبِ فرمان واقف ایک شخص کو لائق ودیانتدار سمجھ کر متولی قابض متصرف ہٰذا کا بنادیا۔ اب قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ نمبر اول میں وقف جائیداد موافقِ شریعت جائز ہے یا نہیں؟ نمبر دو میں واقف موصوف کا اپنے پیرزادہ کو مختار کل وصی بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نمبر تین میں اس مختارِ کل کا کسی کو متولی قابض متصرفِ وقف ہٰذا بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس صورت میں مختار کل کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو متولی وقف ہٰذا کے بنانے کا حق شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

شوال ۱۳۶۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ بلاریب وقفِ مذکور جائز و صحیح بلکہ لازم ہے۔ فتح القدیر ص ۴۲۲ جلد ۵ و الحق ترجیح قول عامۃ العلماء بلزومہ لان الاحادیث والاٰثار متظافرۃ علی ذلک قولا کما صح من قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یباع ولا یورث الی آخرہ تکرر ھذا فی احادیث کثیرۃ واستمر عمل الامۃ من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم علی ذلک الخ بحر الرائق ص ۱۹۷ جلد ۵ والاخذ بقول ابی یوسف احوط واسھل ولذا قال فی المحیط ومشائخنا اخذوا بقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ۔ در المختار ص ۵۰۶ جلد ۳ میں ہے والاخذ بقول الثانی احوط واسھل بحر وفی الدرر وصدر الشریعۃ وبہ یفتی واقرہ المصنف۔ بحر الرائق ص ۱۹۷ جلد ۵، رد المحتار ص ۵۰۶ جلد ۳ میں ہے فی الفتح ان قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اوجہ عند المحققین۔ ور منقول جو وقف میں تابع عقار ہو تو جائز الوقف ہے۔ فتح القدیر ص ۴۳۰ جلد ۵ والحاصل ان وقف المنقول تبعا للعقار یجوز۔ شامی ص ۵۱۷ جلد ۳ میں ہے اما تبعا للعقار فھو جائز بلا خلاف عندھما کما مر۔

۲۔ مختارِ کل وصی بنانا شرعاً بلاشبہ مشروع و جائز ہے جس کے جواز پر صدہا کتبِ شرعیہ کی شہادتیں موجود ہیں۔ ہدایہ ص ۶۸۰ جلد ۴ طبع مصطفائی، عنایہ ص ۴۲۹ جلد ۹ مصر، تکملۃ البحر ص ۴۰۸ مصر، در المختار ص ۶۱۳ جلد ۵ کشوری وغیرہا اسفارِ فقہ میں ہے و النظم من الدر اوصی الی زید ای جعلہ وصیا وقبل عندہ صح اور ایصاء لفظ سے ہوتا ہے جو مشروط بالتحریر نہیں۔

۳۔ وجب پیرزادہ وصی و مختارِ عام ہے تو عدمِ تحریر سے نقصان پذیر نہیں ہو سکتا۔ شامی ص ۶۱۳ جلد ۵





میں ہے ویصح ھذا التفویض بکل لفظ یدل علیہ نیز اسی میں خانیہ وخلاصہ وغیرہما کتب معتبرہ ومعتمدہ سے ہے انت وصیی اوانت وصیی فی مال او سلمت الیک الاولاد بعد موتی و تعھد اولادی بعد موتی و قم بلوازمھم بعد موتی او ماجری مجری ھذہ الالفاظ یکون وصیا۔ اور صورتِ مذکورہ فی السوال میں لفظِ موصی باقاعدہ پائے گئے ہیں تو یقیناً وہ پیرزادہ وصی بن گیا تو لامحالہ اس کا تصرف جائز ونافذ ہوگا ورنہ وصی ومختارِ عام کس چیز کا نام ہے بلکہ بعد واقف اسی کا حق ہے۔ تنویرالابصار ودرالمختار ص۵۶۶ جلد۳، بحرالرائق ص۲۳۱ جلد۵ میں ہے و النظم من الدر ومتنہ وولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ) لقیامہ مقامہ وقررہ فی ردالمختار ص۵۶۶ جلد۳، تو اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو حقِ تولیت کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ وصی کے اختیارات قاضئ اسلام بلکہ قاضی القضاۃ سے بھی وسیع ہیں۔ بحرالرائق ص۲۳۲ جلد۵، شامی ص۵۶۷ جلد۳ میں ہے فان کان الواقف میتا فوصیہ اولی من القاضی الخ وقاضی القضاۃ داخل فی اطلاق القاضی خصوصًا علی تحقیق الشیخ الزین البحر ان المراد من القاضی ھو قاضی القضاۃ۔ اور ایسے ہی وصی واقف کے باپ سے بھی مقدم ہے۔ ہدایہ ص۶۸۳ جلد۴، شرح الوقایہ ص۳۸۶ جلد۴، تکملۃ البحر ص۴۶۹ جلد ، درالمختار ، شامی ص۴۲۵ جلد۵ میں ہے و النظم من الھدایۃ قال والوصی احق بمال الصغیر من الجد الی ان قال ولنا ان بالایصاء تنتقل ولایۃ الاب الیہ فکانت ولایتہ قائمۃ معنی فیقدم علیہ کالاب نفسہ۔



الحاصل وقفِ مذکور جائز ولازم ہے اور وصی بنانا شرعاً جائز اور تسلیمِ وصی سے جو یہاں موجود ہے لازم ہوجاتا ہے اور وصی کا تصرف حسبِ ایصاء لازم ہے جبتک وصی خود یا وصیِ وصی موجود رہے، کسی اور کو حقِ تولیت حاصل نہیں اگرچہ وہ قاضی القضاۃ یا واقف کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ ھذا ماعندی من العلم واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی المحبوب النور المعلی و آلہ و صحبہ مصداق الھدی

وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

بخدمت فیضدرجت فیض رساں سیدی وسندی دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ :-

آپ کی توجہ خصوصی سے خدا کے فضل وکرم سے یہاں پر خیریت ہے۔ امید ہے حضور والا بھی بخیریت ہوں گے۔ ڈاکٹر محمد حسن صاحب سے ان کی غیر حاضری کی وجہ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ بعد از ملاقات مفصل حالات درج کروں گا انشاء اللہ العزیز۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ امید ہے حضورِ والا باوجود اپنی کثیر مصروفیت کے واپسیٔ ڈاک جوابات سے خورسند فرمادیں گے۔

نمبر۱ : "اتحاد المکان واستقبال القبلۃ شرط فی الصلوٰۃ غیر النافلۃ" کے پیشِ نظر چلتی ریل گاڑی میں فرضی نماز کی ادائیگی کیسی ہے؟ بصورتِ نعم مندرجہ بالا عبارت کا مطلب کیا؟ بصورتِ لا کشتی وجہاز میں کیسا جواز؟ ریل گاڑی، بیل گاڑی، کشتی وجہاز ایک ہی حکم میں ہیں؟

نمبر۲ : تثویب بعد اذان کا ثبوت عباراتِ فقہائے کرام کے علاوہ احادیث سے نہیں ملتا ہے۔ بصورتِ نعم حضرتِ عبداللہ بن عمر، حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تثویب کرنے والوں کی مساجد میں نماز کیوں نہ ادا کی اور انہیں بدعتی کیوں فرمایا!

سائل سگِ در : ابوالنصر منظور احمد شاہ بقلم خود ساہیوال ۵۷-۱۲-۱۲

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

مسئلہ: چلتی ریل گاڑی، چلتی کشتی کے مشابہ ہے کہ دونوں کسی جانور کے کھینچنے سے نہیں بلکہ ہوا و بھاپ کے ذریعہ سے چلتی ہیں اور کشتی باوجودیکہ پانی کے اوپر چلتی ہے اور زمین یا کسی ایسی ٹھوس چیز پر نہیں چلتی جس پر بلا واسطہ سجدہ یا قیام ہو سکے مگر پھر بھی اس میں نماز فرض بھی جائز ہے۔ بحکمِ احادیثِ مرفوعہ و موقوفہ مستدرک و سنن بیہقی و دار قطنی وغیرہا اور یہی متون و شروح و حواشی و فتاوائے فقہیہ سے ثابت ہے بلکہ یہ امر بھی مصرح ہے کہ کنارہ نزدیک ہو اور اتر کر زمین پر پڑھ سکتا ہو تب بھی بیٹھ کر کشتی میں پڑھ سکتا ہے کما فی المبسوط ص۲ جلد۲ والخلاصۃ ص۱۹۲ جلد۱ والسراجیۃ ص۱۳ والھندیۃ ص۸۷ جلد۱ وغیرہا کشتی رواں میں جوازِ نماز کی تعلیل فقہائے کرام نے یہ فرمائی کہ کشتی کا چلنا اس کے سوار کیطرف منسوب نہیں تو منافی نماز نہیں بخلاف جانور کے کہ اس کا چلنا حکماً سوار کا چلنا ہے۔ بدائع صنائع ص۱۰۹ جلد۱ تبیین الحقائق ص۲۰۳ جلد۱، خلاصۃ الفتاوے ص۱۹۴ جلد۱ میں ہے والنظم لملک العلماء لان سیرھا غیر مضاف الیہ فلا یکون منافیا للصلوۃ بخلاف الدابۃ فان سیرھا مضاف الیہ نیز تلاوتِ بدائع ص۱۸۲ میں ہے بخلاف السفینۃ فانھا لم تجعل بمنزلۃ رجلی الراکب لخروجھا عن قبول تصرفہ فی السیر والوقوف ولھذا اضیف سیرھا الیھا دون راکبھا قال اللہ تعالیٰ حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم وقال اللہ تعالیٰ وھی تجری بھم فی موج کالجبال فلم یجعل تبدل مکانھا تبدل مکانہ۔ بناءً علیہ فقہائے کرام نے صاف صاف فرمایا کہ چلتی کشتی جوازِ نماز میں بمنزلۂ زمین ہے اور اپنے سوار کے حق میں گھر کی طرح ہے۔ بدائع ص۱۰۹ جلد۱ میں فرمایا لان السفینۃ بمنزلۃ الارض۔ تلاوت بدائع ص۱۸۲ میں ہے بل مکانہ ما استقر

مع ومن ایاتہ الجوار فی البحر کالاعلام ان یشأ یسکن الریح فیظللن رواکد علی ظھرہ ۱۲ منہ غفرلہ

ھو فیه من السفینة من حیث الحقیقة والحکم وذلك لم یتبدل (ای

بسیرھا۔ مبسوط ص۳ جلد ۲، بدائع ص۱۱ جلد ۱، بحرالرائق ص۱۱۷ جلد ۲، شامی ص۱۳ جلد ۱ میں بالفاظ

متقاربہ ہے السفینة فی حقه کالبیت ۔ مبسوط ص۳ جلد ۲ میں اور وضاحت سے فرمایا لان

راکب الدابة لیس له موضع قرار علی الارض و راکب السفینة له فیھا

موضع قرار علی الارض فالسفینة فی حقه کالبیت الاتری انه لایجریھا

بل ھی تجری به قال الله تعالیٰ وھی تجری بھم فی موج کالجبال الخ

نیز بلادت فتح القدیر ص۲۷۵ جلد ۱، فتاوے قاضیخان ص۷۶، مبسوط ص۱۴ جلد ۲، خلاصۃ الفتاوے ص۱۸۹ جلد ۱،

درالمنتقیٰ ص۱۵۹ جلد ۱، ہندیہ ص۷۹ جلد ۱ میں ہے والنظم للمحقق بسیر السفینة لایوجب

اختلاف المکان والمجلس۔

تو اس وشمس کیطرح واضح وہویدا ہوا کہ کشتی، کشتی سوار کے لئے بمنزلۂ زمین اور کمرے کی طرح ہے اس کا

چلنا مکان اور سوار کے تبدل کا موجب نہیں تو چلتی ریل، ریل سوار کے لئے بھی بمنزلۂ زمین اور کمرے کی طرح ہوگی بلکہ

ریل میں تو پانی جیسا کوئی حائل بھی نہیں جس پر براہِ راست قیام وسجدہ وغیرہ نہ ہو سکے بلکہ ایسی ٹھوس پٹڑی

پر چلتی ہے جو تسفل جبہہ کیوجہ متصور ہی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ فقہائے کرام نے بالتنصیص ایسی گاڑی پر جس کا کوئی

حصہ جانور پر نہ ہو، جوازِ نماز فرائض کی تصریح فرمادی۔ فتاوے فقیہ النفس امام قاضی خان ص۸۳، فتح القدیر

ص۴۰۳ جلد ۱، تبیین الحقائق ص۱۷۷ جلد ۱، بحرالرائق ص۶۵ جلد ۲، ہندیہ ص۴۳ جلد ۱، تنویرالابصار، شامی

ص۶۵۷ جلد ۱ میں بکلماتِ متقاربہ ہے والنظم للشامی عن التتارخانیة عن

المحیط لوصلی علی العجلة ان کان طرفھا علی الدابة وھی تسیر

تجوز فی حالة العذر لا فی غیرھا وان لم یکن طرفھا علی الدابة

جازت ۔ اور ماسوائے تنویر کے ان سب کی تحریر ہے کہ ایسی گاڑی پر نماز بمنزلۂ نماز بر سریر ہے والنظم

له ایضا وھو بمنزلة الصلوٰة علی السریر اس "بمنزلة الصلوٰة علی السریر" کا

تطابق وتوافق "بمنزلة الارض" اور "له موضع قرار علی الارض" اور "فی حقه

کالبیت" کے ساتھ عدمِ تبدلِ مکان ومجلس بوقت سیر کو اور زیادہ واضح ونمایاں بنا دیا ہے کما لایخفی

علیٰ من خدم کلمات القوم۔

بفضلہٖ وکرمہٖ تعالےٰ ماہِ نیم ماہ اور مہرِ نیم روز کی طرح واضح ہوا کہ ریل رواں میں فرض جائز ہیں اور شرطِ اتحاد المکان کے قطعاً منافی نہیں۔ رہا استقبالِ قبلہ تو وہ بوقتِ قدرت ضروری ہے، قبلہ رو شروع کرے اور اگر ریل سمتِ قبلہ سے بدل آئے تو قبلہ کی طرف پھر جائے کہ گاڑی وکشتی میں یوں پھرا جا سکتا ہے وان لم یقدر فلا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعہا۔ مبسوط ص۳ جلد ۲، ہندیہ ص۲۷ جلد ۱ وغیرہا میں ہے والنظم من المبسوط یلزمہ التوجہ الی القبلۃ عند افتتاح الصلٰوۃ وکذلک کلما دارت السفینۃ یتوجہ الیہا لانہا فی حقہ کالبیت۔



اور چلتی گاڑی میں جوازِ نماز کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر مسافر کو اترنے میں جان کا یا بیمار ہونے یا بیماری بڑھنے کا یا درندہ یا دشمن کا خطرہ ہو یا اتنا کمزور ہے کہ بغیر امداد کے اتر نہیں سکتا یا سوار نہیں ہو سکتا یا سخت بوڑھا یا مریض ہے یا سامان چوری ہونے کا یا گاڑی چلنے یا جگہ رکنے کا خطرہ ہو تو ایسی صورتوں میں ایسی چلتی گاڑی پر نماز جائز ہے جو جانور کے کندھے پر ہو یا خود نمازی ہی جانور پر ہو۔ فتاویٰ عالمگیر ص۱۴۲ جلد ۱، کبیری ص۲۶۹، ۲۷۰، بحر الرائق ص۶۴ تا ۶۵ جلد ۲، فتح القدیر ص۴۰۳ جلد ۱، خلاصۃ الفتاویٰ ص۱۹۳ جلد ۱، فتاوے قاضیخان ص۸۲ والنظم من الہندیۃ ومن الاعذار ان یخاف لو نزل عن الدابۃ علی نفسہ او علی ثیابہٖ او دابتہ لصا او سبعا او عدوا او کانت الدابۃ جموحا لو نزل عنہا لایمکنہ الرکوب الا بمعین الخ اور اس کی تعلیل خانیہ و فتح وکفایہ میں بکلماتِ متقاربہ یہ ہے فعند ہذہ الاعذار تجوز المکتوبۃ علی الدابۃ لقولہ تعالیٰ فان خفتم فرجالا او رکبانا۔ اور جب جانور یا اس کی اٹھائی ہوئی چلتی گاڑی پر جائز ہوئی تو ریل گاڑی پر بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی وذا احلی من ان یحلی۔ بلکہ مسافرِ ریل گاڑی کو چونکہ غالباً ان میں سے بعض عذر اور خطرے لاحق ہوا کرتے ہیں اور اسٹیشن پر رکنے کے وقت مسافروں کا اترنا چڑھنا باعثِ تشویش و تعویق ہوا کرتا ہے حالانکہ حکم بر غالب ومظنہ عموماً لگایا جاتا ہے اور اسی وجہ سے کنارے کے قریب چلتی کشتی پر باوجودیکہ اتر کر زمین پر پڑھ سکتا ہو

کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنی جائز ہے کما مر اول الجواب من الکتب العدیدۃ معتبرۃ

تو ریل پر بھی مطلقاً جائز ہوگی۔ اور جب سفر جائز ہے اور انسان پابند حوائج وضروریات ہے اور نماز پنجگانہ کی ادائگی بھی لازم

تو بحکم لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا وما فی معناہا من الآیات والاحادیث اور

وما جعل علیکم فی الدین من حرج وما فی معناہا اور یرید اللہ بکم

الیسر ولا یرید بکم العسر وغیرہا من الآیات والاحادیث الدین

یسر اور یسروا ولا تنفروا وغیرہا جائز ہوگا اور اسی بنا پر سفر میں قصر شروع ہوا نیز اصول

فقہیہ میں محقق ہو چکا کہ وقت نماز معیار نہیں بلکہ ظرف ہے اور اس کی وہی جزء سبب وجوب ہے جس کے ساتھ ادا

متصل ہو حسامی ص۳۰ تا ۳۱ وغیرہا میں ہے والنظم منہ فکان ظرفا لا معیارا (الی

ان قال) فوجب ان یجعل بعضہ سببا وھو الجزء الذی یتصل بہ

الاداء فان اتصل الاداء بالجزء الاول کان ھو السبب والا ینتقل السببیۃ

الی الجزء الذی یلیہ۔



تو جب چلتی گاڑی میں مسافر نماز شروع کرے تو اسی وقت سبب وجوب منعقد ہوگا حالانکہ اترنا باعث ہلاک

ہے تو یقیناً معذور رہا تو نماز جائز ہوگی اور انتظار اسٹیشن لازم نہیں کما یتبین من اختیار الشامی

حیث قال منہا ان المسافر اذا عجز عن النزول عن الدابۃ لعذر من

الاعذار المارۃ وکان علی رجاء زوال العذر قبل خروج الوقت کالمسافر

مع رکب الحج الشریف ھل لہ ان یصلی العشاء مثلا علی الدابۃ

او المحمل فی اول الوقت اذا خاف من النزول ام یؤخر الی

وقت نزول الحجاج فی نصف اللیل لاجل الصلوۃ والذی یظھر

لی الاول لان المصلی انما یکلف بالارکان والشروط عند ارادۃ

الصلوۃ والشروع فیہا ولیس لذلک وقت خاص ولذا جاز لہ

الصلوۃ بالتیمم اول الوقت وان کان یرجو وجود الماء قبل خروجہ۔

عـہ ولا مانع منہ بنص یساوی الامر بالصلوۃ ۱۲ منہ غفرلہ۔



وعللوه بانه قد اداها بحسب قدرته الموجودة عند انعقاد سببها وهو ما اتصل به الاداء۔

رہی سائل کی پیش کردہ عبارت "اتحاد المکان واستقبال القبلة شرط فی الصلوٰة غیر النافلة" تو سائل نے ہوشیاری سے کام لیا ہے یا اس کی محض لاعلمی ہے ورنہ اس کا باقی حصہ "عند الامکان لا یسقط الا بالعذر (شامی ص۶۵۲ جلد ۱) ہی سائل کے بعض اشکالات کا حل کر رہا ہے اور بحری جہاز تو سفینہ ہی ہے، رہا ہوائی تو اس میں بھی جائز ہی ہے کہ کشتی کیطرح "بمنزلۃ الارض" اور "کالبیت" ہے۔ زمین اور اس کے درمیان پانی کیطرح ایک ایسا عنصر ہے جو خود تو قیام وغیرہ کے قابل نہیں مگر جو اس پر اتر رہا ہے وہ قابل ہے ولا تنس ما مر من الاعذار المجوزة وغیرها فانها تجری ایضا اور ریل گاڑی وغیرہا کا فرق اسی جواب سے واضح ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

مورخہ ۱۷ جمادی الاخریٰ ۷۷ ۱۳ھ

۲: نیت حسنہ سے سستی وغفلت دور کرنے کے لئے بعد اذان جائز ومستحسن ہے کہ یہ شمولیت جماعت نماز کے لئے بلانا ہے تو دعوت الی اللہ تعالیٰ بنا جو نہایت ہی مستحسن ہے۔ حضرت رب العالمین جل وعلا کا حکم مبین ہے ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ الآیۃ اور امر بالمعروف ہے حالانکہ ارشاد ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف الآیۃ اور نیکی پر تعاون ہے وقد قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی۔ اور ان کے سوا بکثرت آیات متظافرہ ومتظاہرہ اور احادیث متواترہ ومتکاثرہ سے یہ معانی روز روشن کی طرح ثابت ہیں۔ لہذا فقہائے کرام نے مستحسن فرمایا۔ مبسوط ص۱۳۱ جلد ۱، ہدایہ، کفایہ ص۲۱۳ جلد ۱، فتاوٰے قاضی خان ص۳۷، بدائع ص۱۴۸ جلد ۱، تبیین الحقائق ص۹۲ جلد ۱ وغیرہا میں بالفاظ متقاربہ ہے استحسن المتأخرون التثویب فی الصلوات کلها لظهور التوانی فی الامور الدینیة۔ عنایہ ص۲۱۳ جلد ۱، شامی ص۳۶۳ جلد ۱ وغیرہا میں اس کے عرف ورواج پڑ جانے سے استدلال کیطرف حدیث مرفوع حکمی وما رآه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن ذکر کرتے ہوئے اشارہ



فرمایا۔ نیز مبسوط صـ۱۳۰ جلد۱، بدائع صـ۱۴۹ جلد۱، سراجیہ صـ۹، کفایہ صـ۲۱۴ جلد۱، خلاصۃ الفتاوی صـ۴۹ جلد۱، تبیین الحقائق صـ۹۲ جلد۱، بحرالرائق صـ۲۶۰ جلد۱، مجمع الانہر صـ۷۷ جلد۱، درالمنتقی صـ۷۷ جلد۱، ہندیہ صـ۲۹ جلد۱، بیان تثویب میں ہے ما انتعارفوہ حالانکہ ردالمحتار صـ۲۶۲ جلد۲ و صـ۲۶۳ اور رسائل شامی صـ۱۳۴ جلد۲ اور بحرالرائق صـ۱۳۶ جلد۶ میں کافی سے ہے والاحکام تبتنی علی العرف فیعتبر فی کل عصر عرف اھلہ۔ نیز شامی صـ۵۱۸ جلد۳ میں ہے وفی شرح البیری عن المبسوط ان الثابت بالعرف کالثابت بالنص اور ممانعتِ تثویب میں کوئی حدیث صحیح متصل مرفوع حقیقی یا حکمی ایسی نہیں ملتی جو مطلقاً ممانعت ثابت کرے بلکہ بالتخصیص بھی نہیں اور وہ حدیث مرفوع حضرتِ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بکلماتِ متقاربہ سنن ترمذی صـ۳۴ جلد۱، اور بیہقی صـ۴۲۴ جلد۱ میں ہے امر بلال ان یثوب فی صلوٰۃ الصبح ولا یثوب فی غیرھا تو اولاً یہ حدیث صحیح و متصل نہیں۔ بیہقی فرماتے ہیں وھذا ایضا مرسل فان عبد الرحمٰن بن ابی لیلی (الراوی عن بلال) لم یلق بلالا۔ اور ترمذی فرماتے ہیں وابو اسرائیل (الراوی عن الحکم) لم یسمع ھذا الحدیث من الحکم۔ نیز ابو اسرائیل کے متعلق فرماتے ہیں ولیس بذلک القوی عند اھل الحدیث۔ اور ثانیاً اس تثویب سے مراد عند الجمہور وہ تثویب ہے جو اذان کے درمیان ہو، ترمذی فرماتے ہیں والذی فسر ابن المبارک واحمد ان التثویب ان یقول المؤذن فی صلوٰۃ الفجر الصلوٰۃ خیر من النوم فھو قول صحیح اور سننِ بیہقی کی تیسری حدیثِ مسند کے آخر میں ہے فکان یقول (ای بلال) فی اذانہ حی علی الفلاح الصلوٰۃ خیر من النوم۔ نصب الرایہ صـ۲۷۹ جلد۱ میں ہے وقال الباقون (ای غیر اصحابنا) ھو قولہ فی الاذان الصلوٰۃ خیر من النوم تو بناءً علیہ اس حدیث کا تعلق تثویبِ مسئول عنہ کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں اور ہمارے فقہائے کرام کے نزدیک گو اس تثویب سے مراد تثویب بعد از اذان ہی ہے مگر یہ

سعنیز فرماتے ہیں لا یلزم کونہ من عھد الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم ۱۲ منہ غفرلہ



حکم معلول بہ علتِ خاصہ وجوداً او عدماً ہے اور وہ ہے غفلت و تکاسل تو چونکہ اس پاک زمانہ میں نمازی غفلت سے پاک تھے البتہ وقتِ فجر میں احتمال تھا تو اس میں امر آیا اور باقی نمازوں میں ممانعت مگر چونکہ رفتہ رفتہ لوگوں میں غفلت و سستی پیدا ہو کر بڑھتی گئی تو وہ علت سب نمازوں کے وقتوں میں پائی گئی تو اسی حدیث کا تقاضا ہوا کہ ازالہ غفلت کے لئے سب نمازوں میں تثویب ہو علمائے کرام نے جو امناءِ شرع متین ہیں، جائز و مستحسن کا فتوے دیا۔ بدائع ص۱۴۸ جلد ا میں ہے ان مشائخنا قالوا لا بأس بالتثویب المحدث فی سائر الصلوات لفرط الغفلۃ علی الناس فی زماننا و شدۃ رکونھم الی الدنیا و تھاونھم باموراالدین فصار سائر الصلوات فی زماننا مثل الفجر فی زمانھم فکان زیادۃ الاعلام من باب التعاون علی البر والتقوی فکان مستحسنا مبسوط ص۱۳۱ جلد ا میں ہے واما المتاخرون فاستحسنوا التثویب فی جمیع الصلوات لان الناس قد ازداد بھم الغفلۃ وقلما یقومون عند سماع الاذان فیستحسن التثویب للمبالغۃ فی الاعلام ومثل ھذا یختلف باختلاف احوال الناس اور ہدایہ وغیرہ سے لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ سن ہی چکے۔ اور یہیں سے واضح ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تثویبِ ظہر پر اور حضرتِ مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تثویبِ عشاء پر کیوں ناراض ہوئے چونکہ اس زمانہ میں لوگ غافل و متکاسل نہیں تھے اور تثویب غفلت پیدا ہونے کا سبب بنتی تھی تو اس سبب کی بناء پر ناراض ہوئے بحکم لاتعاونوا علی الاثم والعدوان اور جب وہ بات نہ رہی بلکہ غفلت پیدا ہو گئی تو اب تثویب چونکہ غفلت پیدا نہیں کرتی بلکہ پیدا شدہ غفلت کا ازالہ کرتی ہے تو تعاونوا علی البر والتقوی کے ماتحت مستحسن بن گئی اور یہی ہمارے فقہائے عظام فرما رہے ہیں کما سمعت۔ نیز رسائلِ شامی ص۱۲۷ جلد ۲ میں ہے المسائل التی اختلف حکمھا لاختلاف عادات اھل الزمان واحوالھم التی لابد للمجتھد من معرفتھا وھی



للعبہ فی الفجر ۱۲ منہ فی غیر الفجر ۱۲ منہ غفرلہ

کثیرۃ جدا لا یمکن استقصاؤھا

تنبیہ

سائل کے الفاظ "تثویب کرنے والوں کی مساجد میں نماز کیوں نہ ادا کی" اس کے تساہل و تغافل یا لاعلمی کا پتہ دیتے ہیں ورنہ تجاہلِ عارفانہ ہے کہ ان حضرات کے سامنے صرف ایک ایک تثویب کرنیوالا مؤذن تھا اور صرف ظہر یا عشاء کی تثویب تھی اور حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس کے اخراج من المسجد کا حکم دیا تھا نہ کہ خود باہر تشریف لے گئے اور نہ یہ کہ اس مسجد میں نماز ادا نہ کی۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق بھی صراحۃً اس مسجد میں نماز ادا کرنے کا ذکر نہیں۔ عنایہ ص ۳۱۴ جلد ا وغیرہا میں ہے روی ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ رای مؤذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد و روی مجاھد قال دخلت مع ابن عمر مسجدا یصلی فیھا الظھر فسمع مؤذنا یثوب فغضب و قال قم حتی نخرج من عند ھذا المبتدع فافھم۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و الہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

محررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۳ جمادی الاخری ۱۳۷۷ھ

الاستفتاء

نمبر ۱: اعتکاف میں حجامت بنوا سکتا ہے یا نہیں؟

نمبر ۲: نعتیں پڑھنی مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

نمبر ۳: حضرتِ حسان نے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جو شعر عرض کئے ہیں وہ کونسے ہیں؟ اور کتاب کونسی ہے؟

السائل : آپ کا فرزند پیارا عبد الخالق عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱ : حجامت بنوانا سنت ہے اور سنت مسجد میں ادا کر سکتا ہے جبکہ ممانعت نہ آئی ہو کہ اصل اباحت ہے۔ ہاں مسجد میں ناخن، بال نہ گریں ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبرھان۔

۲ : ہاں جائز بلکہ مستحب ومسنون ہیں۔ شعر اگر اچھے کلام اور فوائد پر مشتمل ہو تو یقیناً اچھا ہے۔ یہ مضمون اتنی حدیثوں سے ثابت ہے کہ جمع کی جائیں تو ضخیم کتاب بن جائے لہٰذا صرف ابوداؤد ص۳۲۸ جلد۲ کی ایک حدیث پر اکتفاء کیا جاتا ہے ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان من الشعر حکمۃ اور نعتیں یعنی وہ اشعار جن میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مبارکہ اور دشمنوں کی بدگوئی کا رد ہو، یقیناً حکمت میں داخل ہیں اور ان کا پڑھنا اور سننا تعظیم رب تعالیٰ اور تعظیم محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے تو وہ یقیناً جائز ہیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے ورفعنا لك ذکرك۔ ابوداؤد ص۳۲۸ جلد۲ میں ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرتِ حسان کے لئے مسجد میں منبر رکھا کرتے تھے جس پر کھڑے ہو کر حضرتِ حسان مخالفوں کا شعروں میں رد پڑھا کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام ان کی امداد کرتے رہتے تھے کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یضع لحسان منبرا فی المسجد فیقوم علیہ فیھجو الحدیث۔ بخاری ص۶۴ جلد۱ میں ہے باب الشعر فی المسجد اور اس میں حضرتِ حسان کی حدیث ذکر کی فتح الباری ص۴۳۵ جلد۱ میں ہے واذا کان حقا جاز فی المسجد کسائر الکلام الحق ولا یمنع منہ۔ عینی علی البخاری ص۲۰۲ جلد۲ میں ہے ان الشعر الحق لا یحرم فی المسجد غرضیکہ نعتوں کا مسجد میں پڑھنا صدہا آیات واحادیث سے ثابت ہے، یہ چند کلمات بطورِ نمونہ ذکر کئے۔

۳ : وہ بہت سے شعر ہیں اور بہت سی کتابوں میں مذکور ہیں۔ صرف ایک حوالہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے، صحیح مسلم



ص ۳۰۱ جلد ۲ میں حضرتِ حسان کے قصیدہ کے تیرہ اشعار ہیں جو حضور کے ارشاد کے ماتحت حضرتِ حسان نے سنائے جن میں سے یہ تین ہیں :-

هجوت محمدا فاجبت عنه — وعند الله فی ذاک الجزاء
هجوت محمدا برا تقیا — رسول الله شیمته الوفاء
فان ابی ووالدتی وعرضی — لعرض محمد منکم وقاء

اور حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور بھی شاعر صحابی تھے جو نعتیں پڑھا کرتے تھے۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ محبوب کے ثنا خوانوں سے بنائے ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۷ ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ

الاستفتاء

نوٹ : مولانا قاضی غلام محمود صاحب خطیب جامع مسجد عیدگاہ نیا محلہ جہلم کے خط میں یہ سوال آیا تھا۔

تاریخ ۲۰-۱۱-۶۵

اگر مسجد کے صحن میں قبر ہو اور خوب ڈھکی ہوئی ہو تو صف میں اگر بالکل محاذی اور سامنے رہے تو کیا حرج ہوگا ! بصورتِ حرج کے کیا صف میں وہ جگہ پیچھے میں کھلی چھوڑ دی جایا کرے !



"مسجد کے صحن میں قبر خوب ڈھکی ہوئی ہو" سے کیا مراد ہے۔ اگر غلاف یا غلاف جیسی کسی چیز سے ڈھکی ہوئی ہو جیسے مزاراتِ شریفہ پر غلاف ہوتے ہیں تو ظاہر یہی ہے کہ یہ کھلی قبر کے حکم میں ہے اور اگر قناتوں

یا دیواروں جیسی کسی چیز سے ڈھکی ہو تو قطعاً حرج نہیں کہ صرف سترہ ہی جب کافی ہے تو ایسا بڑا حائل کیوں کافی نہ ہوگا اور یونہی اگر نمازی کے آگے اتنی دور ہو کہ خاشع نمازی کی نظر نہ پڑے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں، شامی ص۶۱۲ جلد ا میں ہے لاتکرہ الصلوٰۃ فی جہۃ قبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لو صلی صلوٰۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ کما فی جنائز المفردات۔ اور یہی مستفاد ہے ہندیہ ص۵۶ جلد ا کی اس عبارت کا ان کانت القبور ما وراء المصلی لا یکرہ — واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ر شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ ۲۶-۱۱-۶۵

الاستفتاء



نمبر ا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک دیہات کی چھوٹی سی مسجد میں چند آدمی عشاء کی نماز ادا کر رہے تھے، دو آدمی اور آ گئے، جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے بیٹھ گئے کہ سابقہ نمازی نماز پڑھ لیں ہم بعد میں پڑھیں گے اور بیٹھتے ہی مسخریاں شروع کر دیں۔ ایک نمازی نے روکا بھی مگر وہ برابر اپنے فعل کو ادا کرتے رہے، بعد میں خود بھی نماز ادا کی مگر بعد از فراغت بھی مسخریاں جاری رہیں، آخر کار سونے کا ٹائم آ گیا اور سونے کی ترکیبیں ہونے لگیں۔ اسی اثناء میں مسمّی مانجھا نے مسمّی غلام رسول سے کہا (جو ایک طالب علم اور چھوٹا بچہ ہے) کہ تم آج رات میرے پاس سو جاؤ تو میں تمہیں ٹیکہ (یعنی آلہ تناسل) پر سوار کر کے حج کرا کر لاؤں مدینہ کی، مکہ معظمہ کی؟

نمبر۲۔ ایک شخص مسمّی گل محمد نے ایک عورت خرید کی ہے جس کے نکاح کا ثبوت نہیں ہے۔ ہر چند کوشش کی گئی ہے کہ اگر کوئی ثبوت مل جائے کہ کنواری ہے، بیوہ ہے، مطلقہ ہے یا منکوحہ ہے مگر کوئی پتہ نہیں چلا اسے کہا گیا ہے کہ اسے دفع کرو، اپنے گھر سے نکال دو، وہ ہاں جی، ہاں جی کرتا ہے مگر نکالتا نہیں۔ تقریباً

تین ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اگر نہ نکالے تو اس کے لئے کیا حکم ہے اور اگر نکال بھی دے تو جتنا عرصہ وہ استعمال کرتا رہا ہے اس کی بھی کوئی سزا ہے یا نہیں؟ مفصل ارشاد فرمادیں۔

السائل: الحاج عبدالمجید صاحب برادر خورد صوفی رشید احمد بھٹی اوور سیر درسین





۱: ان شخصوں نے بڑا ظلم کیا۔ مسجد میں تو مباح دنیاوی گفتگو ہی نیکیوں کو نقصان پہنچاتی ہے چہ جائیکہ ہنسی تخول اور بیہودہ باتیں کی جائیں۔ پھر اس شخص کے مسمیٰ غلام رسول کو شرارت آمیز لفظ کہنے اس کی شقاوت قلبیہ کی دلیل ہیں یہ لفظ صریح کفر ہیں، بری بات کو حج کے ساتھ تشبیہ دینی، یہ حج کے ساتھ اور مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے ساتھ استہزاء ہے اور بدفعلی جو سخت حرام ہے اس کو حلال ظاہر کرنا یہ سب کفر سے خالی نہیں۔ فتاویٰ عالمگیر ص۲۸۷ جلد۲ میں ہے الھازل و المستھزئ اذا تکلم بکفر استخفافا واستھزاء و مزاحا یکون کفرًا عند الکل وان کان اعتقادہ خلاف ذٰلک۔ نیز فتاویٰ عالمگیر ص۲۸۸ جلد۲ میں ہے الاستھزاء باحکام الشرع کفر کذا فی المحیط۔ اس شخص پر فرض ہے کہ فوراً دل سے توبہ کرے اور نئے سرے سے اسلام لائے اور دوبارہ نکاح کرے کہ اس کا پہلا نکاح فاسد ہو چکا اور اگر نہ مانے تو مسلمانوں پر لازم کہ اس سے بالکل الگ تھلگ ہو جائیں اور اسے یوں الگ کر دیں کہ جیسے دودھ سے مکھی نکال کر پھینکی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا۔ پھر اس کی سزا بہت ہی سخت ہے مگر اسلامی حاکم کا کام ہے۔ آپ لوگ پنچایت طور پر قانونِ وقت کے لحاظ سے جتنی سزا دے سکیں، دیں حتیٰ کہ مجبور ہو کر توبہ کرے۔

۲: وہ شخص بھی بڑا مجرم ہے بلا نکاح عورت کو اپنے پاس رکھنا بہت بڑا گناہ ہے اور پھر استعمال (یعنی زنا) کرنا اگرچہ ایک مرتبہ ہی ہو بہت برا جرم ہے اور اس کی سزا بھی بڑی سخت ہے جو حکام اسلام

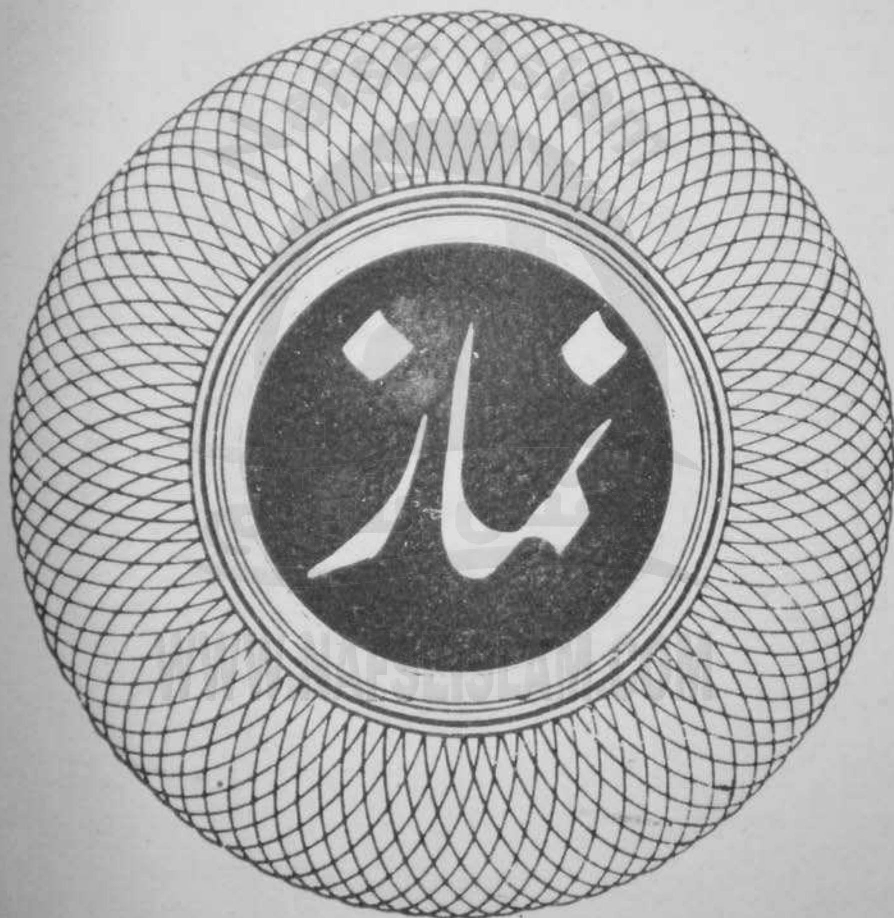
کا کام ہے آپ لوگ دائرۂ قانون کے اندر رہتے ہوئے اسے مجبور کریں کہ صدق دل سے توبہ کرے اور اس عورت کے متعلق صحیح ثبوت مہیا کرے اور اگر بچہ نکاح نہ ہو تو نکاح کرے ورنہ گھر سے نکال دے، اگر نہ نکالے تو بائیکاٹ کر دیں کہ مجبور ہو کر نکال دے یا کم از کم آپ لوگ تو اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ حدیث پاک صحیح مسلم وغیرہ میں ہے من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ (الحدیث) قرآن کریم میں ہے یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم (الآیۃ) واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

عبدہ المذنب ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۶ ذی الحجۃ المبارک ۱۳۸۲ھ $\frac{۹۳}{۲}$






نماز

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا

(النساء)

بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے اپنے مقرر وقت پر

بابُ الاوقات



ظہر اور عصر کے اوقات معلوم کرنے کے لئے ایک نادر تحقیق

کتاب الصلٰوۃ

باب الاوقات



تنویر فیئ الزوال بنور عدل فیئ الزوال

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد[1] لله الذی ارسل رسوله[2] شاهدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی الله باذنه وسراجا[3] منیرا وبه بلا واسطة او بها نور البصائر والابصار تنویرا وصلی الله تعالٰی علٰی من ابدعه محمدا[4] محمدا[5] محببا محببا رؤفا رحیما نصیرا ظهیرا ففازوا[6] وفاءوا[7] بفیئه الی فیئه الجنة فلا یرون فیها شمسا ولا زمهریرا

---

[1] اللام للاستغراق ۱۲ منه غفرله [2] الاضافة للعهد ۱۲ منه غفرله [3] ای شمسا منیرا کما فی قوله تعالٰی سراجا وهاجا فهو صلی الله تعالٰی علیه وسلم منور بنفسه الشریفة بتجلیاته الزاهرة وعند غیبوبته الظاهرة بوساطة اقماره ونجومه المقتبسین من انواره وعلومه من الانبیاء الماضین والعلماء والفقهاء من الصحابة والتابعین والاٰخرین اللاحقین الی یوم الدین ولنعم ما قال العلامة البوصیری برد الله ضریحه حیث قال ؎ فانه شمس فضل هم کواکبها ـ یظهرن انوارها للناس فی الظلم ولهذا المرام تمام فاستغن بالاصباح عن المصباح ۱۲ منه غفرله [4] علٰی زنة المفعول بالمعنی الوصفی ۱۲ منه غفرله [5] علٰی زنة الفاعل ۱۲ منه غفرله [6] ای المفهومون مما قبل فان وابه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالکمالات الدینیة والدنیویة ۱۲ منه غفرله [7] ای لیفیئن بعد الحشر فالماضی باعتبار تحقق وقوعه الحتمی ۱۲ منه غفرله ـ

وعلی ظلاله واحبابه آله واصحابه وفیئه الافخم الاکرم ابنه الغوث الاعظم وعظم وفخم وسلم تسلیما کثیرًا کثیرًا

وبعد فیقول العبد المتوسل بمولاه ابو الخیر محمّد ن المدعو بنور الله الحنفی القادری النعیمی نور الله ربه وقواه انه صُرِّح ونُصَّ علیٰ ان وقت الظهر ینتهی ببلوغ ظل کل شیٔ مثله عندهما ومثلیه عنده رضی الله تعالیٰ عنهم سوی فیئ الزوال فی عامة المتون الموضوعة لنقل المذهب وفُسِّر[1] فی کثیر من الشروح والفتاویٰ بظل[2] یکون[3] للشیٔ عند الاستواء شمالا او جنوبا ولکن الظل الاستوائی لایبقی علیٰ قدره بل ینتقص[4] فی زمان وینتفی فی آخر ویحدث آخر بعد انتفائه فی الجهة الاخریٰ فی آخر قبل صیرورة المثلین وذا محسوس مُعایَن لا یخفی علیٰ مُعایِن ولذا تری فی بعض الازمنة الشمس تاخذ الحیطان الشمالیة

---

[1] ای فیئ الزوال ۱۲ منه غفرله [2] فترکت حقیقة الفیئ والزوال بلا مانع عنها وعنی المجاز بدون علاقة معتدة بها وایضا لامعنی علی هذا لاضافة الفیئ الی الزوال ۱۲ منه غفرله [3] فیبلغ مثلیه اذا صار کله مثلیه زائدا علی القدر مثلا اذا کان الشیٔ سبعة اقدام والظل الاستوائی تسعة اقدام فیصیر مثلیه اذا صار ثلاثا وعشرین قدما هذا هو الظاهر من کلام اکثرهم ومنصوص علیه فی کتب بعضهم وقال بعضهم اذا صار بعد الظل الزوالی من رأس الاستوائی قدر مثلی الشیٔ یصیر مثلیه وهذا مع ارتکابه المجازین ومخالفته للاستثناء وصعوبة معرفته لان الاحتیاج غالبا یحدث آخر الوقت فمن این یعرف موضع رأس الاستوائی لا یستقیم ایضا بل یصیر المثلان علی هذا التفسیر فی اکثر ایام السنة قبل المثلین بقدر ویظهر القدر فی الصیف واوائل الخریف واواخر الربیع ظهورا بینا کما یتبین مما سیأتی قریبا ان شاء الله تعالیٰ ۱۲ منه غفرله [4] ای بدون انتفاء باعتبار المفهوم المخالف المعتبر فی الکتب والمخاطبات ۱۲ منه غفرله

من المساجد وامثالها فی بلادنا وذلک لان حرکة الشمس
فی اکثر البلاد حمائلیة فاذا طلعت ترتفع مائلة الی الجنوب
الی الاستواء وبعده الی الشمال فی البلاد الشمالیة وفی الجنوبیة
علی العکس کما لایخفی علی اولی النهی فبقدر هذا ینتقص الظل
بعد فیلزم علی هذا التفسیر ان یکون اوائل وقت العصر
داخلا فی وقت الظهر او اواخر الظهر فی العصر فعلم
ان هذا التفسیر غیر مستقیم والتفسیر الصحیح
المستقیم باعتبار منطوقه الحقیقی انه ظل کل شیئ
بعد الدلوک بمیلان الشمس عن مسامتة خط المشرق
والمغرب جنوبا او شمالا لانه لایلزم المحذور وهو
فیئ[1] حقیقة والمراد من الزوال اما زوال الشمس عن
مسامتة خط المشرق والمغرب جنوبا او شمالا واما
زوالها عن نصف النهار وایّاما کان فالزوال علی معناه
الحقیقی واضافة الفیئ الیه اضافة المسبب الی سببه
فان الزوال بالمعنی الاول سبب وجود هذا الفیئ
وبالمعنی الثانی سبب تسمیة الموجود بالفیئ والاضافة
عهدیة علی الثانی لانه یکون فی هذا الوقت فیئان مختلطان
باعتباره احدهما باعتباره وحده و آخرهما باعتباره



---

[1] فی مجمع البحار اصله الرجوع فاء یفیئ ومنه قیل للظل الذی بعد الزوال فیئ لانه رجع من جانب الغرب الی جانب الشرق وفی التفسیر الکبیر والفیئ فی اللغة هو رجوع الشیئ الی ما کان علیه من قبل ولهذا قیل لما تنسخه الشمس من الظل ثم یعود فیئ وفی رد المحتار (قوله فیئ) بوزن شیئ وهو الظل بعد الزوال سمی به لانه فاء ای رجع من جهة المغرب الی المشرق وما قبل الزوال انما یسمی ظلا وقد یسمّٰی به ما بعده ایضًا ولایسمی ما قبل الزوال فیئا اصلا. سراج ونهر وفی الصراح سایہ زوال کہ بعد از گشتنِ آفتاب باشد ۱۲ منہ غفرلہٗ



سم الاول و اللام للعهد على الاول والحقيقة هو الاصل
لايصار الى المجاز الا لمانع عنها و ههنا لامانع ولامانعان
بل موانع عن المجاز و مانع واحد يكفى فى ترك
الاصل فكيف لايجب ترك الخلف عند الموانع فثبت
بنص منطوق المتون الحقيقى ما قلنا وما فى المتون و
لو مفهوما مقدم على ما فى الشروح والفتاوى ولومنصوصا
والله الهادى و هو الموفق ولهذا لم يصغ الشيخ المحقق
المقدقق زين الملة والدين ابن نجيم رحمه الله تعالى
فى بحره الى ما قالوا بل صرح بخلافه حيث قال ناقلا
عن السراج الوهاج.

والفيئ فى اللغة اسم للظل بعد الزوال سمى فيئا
لانه فاء من جهة المغرب الى جهة المشرق اى رجع وبه
اندفع ما قيل ان الفيئ هو الظل الذى يكون للاشياء
وقت الزوال انتهى و هٰذا نص فى ما قلت كما ترى فيعتبر
الظل دون ما كان من الفيئ وقت قياس المثل و المثلين
كائنا ما كان و اين ما كان وان انعدم فيه فالكل فان
قلت اذا كان الفيئان مختلطين فلا يعلم قدره فكيف يسقط
عند القياس قلت لترسم الدائرة الهندية بان تسوى
الارض جدا فترسم عليه دائرة ء ب ج و ليقم مقياس
قدر ربع قطرها على عين مركزها وظاهر ان ظل
رأسه اول النهار يكون خارجا عن الدائرة فيدخل فضع
على المدخل علامة و كذا يخرج آخر النهار فضع
علامة على المخرج ايضا و صل منتصفى قوسى محيطها



الممركن بخط مستقيم وهٰذا خط نصف النهار مارٌ على الممركن بخط مستقيم وهٰذا خط نصف النهار ماراً على المركز بخط مستقيم ايضا قطرا يقاطعه بالزوايا القوائم وذا خط البتة وارسم ايضا قطرا يقاطعه بالزوايا القوائم وذا خط المشرق والمغرب وليرسم خط مستقيم مار على نقطة المشرق والمغرب وليرسم خط مستقيم مار على نقطة الشرق بحيث يكون بعده عن خط نصف النهار فى الجهتين متساويا ولنسمه بخط المثلين وايضا تخط مستقيما متقاطعا لنصف خط المشرق والمغرب منصفا له شرقيا ولنسمه بخط المثل ولترسم دائرة ح ح ه على مركز الاولى هٰكذا :

اَلدَّائِرَهُ الهِنْدِيَّة

الشكل الاول

فاذا بلغ ظل رأس المقياس على خط نصف النهار فهذا وقت الاستواء ولتعلم على نقطة البلوغ فاذا صار ظل الرأس شرقيا عن هذا الخط دخل وقت الظهر فاذا بلغ خط المثل فهذا وقت صيرورة ظل كل شيئ مثله لانه لاريب فى ان فيئ الزوال انما هو باعتبار بعد الشمس وميلانها عن مسامتة خط المشرق والمغرب والا لم يختلف فى عصر ما ولا مصر ما ولا اثر لميلانها عن المسامتة الاميلان الظل عن عين خط المشرق والمغرب الى الجانب المخالف لميلانها وعند عدم ميلانها يكون المثل ببلوغ الظل خط المثل لان بعده من هذا المبلغ الى المركز بربع قطر دائرة ء ب ج وهو قدر المقياس فلا بد ايضا عند الميلان ان يكون المثل ببلوغه خط المثل وقدر فيئ الزوال فى هذا الوقت مابين خط المثل ومحيط دائرة ء ح ه من الظل لان الزائد بميلان الشمس هو هذا المقدر لانه عند عدم الميلان يكون المثل ببلوغ الظل محيطها لان بعد المحيط من المركز بمثل المقياس وعند الميلان لايصير ببلوغ المحيط بسبب الميلان بل ببلوغه خط المثل فعلم ان الزائد بالميلان قدر ما بين المحيط والخط فاذا بلغ خط المثلين فهذا وقت صيرورة ظل كل شئ مثليه والدليل يتبين مما سبق ومابين خط المثلين ومحيط ء ب ج قدر فيئ الزوال فى هذا الوقت بنحو مامر وبالجملة فكلما اردت معرفة قدر الظل والفيئ فصل رأس



سه فى نظرنا القاصر راما عند الله وعند من عنده علم من عنده فقبله ١٢ نور نور

الظل بنصف خط المشرق و المغرب الشرقی بخط مستقیم
بحیث تحدث قائمة بتلاقیهما وارسم علی مرکز ء ب ج
دائرة یمر محیطها علی نقطة التلاقی فقدر الظل ما بین
المرکز و المحیط من الظل و قدر الفیئ ما بین المحیط و
هذا الخط و طریق آخر ایسر لمعرفة الفیئ و هو ان
یؤخذ شیئ عریض طویل خشبة او غیرها یکون سطحاه
الفوقانی و التحتانی مستویین متوازیین و یوضع علی خط
نصف النهار بحیث یکون احد طرفیه الی الجنوب و آخرهما
الی الشمال علی الارض المستویة بحیث تحدث من تلاقی سطحه
الشرقی مع سطح الارض زاویة قائمة فاذا احدث الظل فی
الجانب الشرقی دخل وقت الظهر فوقت الاعتبار بخط
مستقیم ء ب فان کان مثل عرضه الشرقی مرة فمثل و
ان مرتین فمثلان و لا حاجة الی اسقاط الفیئ لسقوطه بنفسه
وان شئت معرفة قدر الساقط فاسقط من خط طرف الظل
الشمالی او الجنوبی مثله فما بقی فهو قدر الفیئ هکذا :-

الشکل الثانی





وان كان طرفا الظل الجنوبي و الشمالي مستويين بخط ءب فهذ
زمان انعدام الفيئ و الظل قد يكون مستطيلا و قد يكون مربعا
وقد يكون معينا و في وقت ما شبيها بالمعين والدلائل مما لا يخفى
على الفطن و بعضها متبينة مما ذكرنا فلذا طوينا كشحا عن
ذكرها وايضا لا يخفى ما استبان من طرق المعرفة مما ذكرناه
وهذا آخر ما اردنا و لقد استراح القلم من تحرير المرام
يوم الاربع تسعة و عشرين من المحرم الحرام سنة ستين وثلثمائة
بعد الالف من هجرة من تم به الالف صلى الله تعالى عليه و
سلم و المامول من الكرام ما هو معمول الكرام ان لا يبادروا بالانكار
من دون الاستبصار فان وجد صوابا يطلعني مثابا وان خللا و
زللا فلا يمل عن الاخبار ايضا مللا و ان استنصر وكم في الدين
فعليكم النصر ان اريد الا الاصلاح ما استطعت و ما توفيقي الا بالله
عليه توكلت و اليه انيب والله يعلم المفسد من المصلح حسبي
الله ونعم الوكيل وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين و صلى
الله تعالى على سيد الاولين و الآخرين خاتم النبيين وآله وصحبه
وحزبه اجمعين۔



حرره الفقير ابو الخير محمد نور الله النعيمي غفرله

یہ رسالہ مشرقی پاکستان سے آمدہ استفتار کے جواب میں تحریر کیا گیا



نماز عید نصف النہار حقیقی تک ادا کی جاسکتی ہے

محترم المقام حضرت مولانا صاحب قبلہ مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ :-

براہِ کرم سوالات کے جوابات تحریر فرما کر رہینِ کرم فرمائیں یہاں یہ مسئلہ مندرجہ نہایت معرکۃ الآرا بنا ہوا ہے جس پر سخت لے دے ہو رہی ہے ۔ جوابی لفافہ مرسلِ خدمت ہے ، رجسٹرڈ روانہ فرمائیں جس کے لئے مزید پچاس پیسے کے ٹکٹ جوابی لفافہ پر چسپاں کر دئے گئے ، آنحضرت کو ڈاک خانہ سے ایک رسید رجسٹری ملے گی ۔ فقط والسلام

چشم براہ :

محمد عبد الکریم قادری نعیمی غفرلہ مدرسہ عزیزیہ جلالیہ اسلامیہ ڈاک خانہ ملفت گنج
ضلع فرید پور (مشرقی پاکستان)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین حسبِ ذیل مسائل میں کہ معتبر کتابوں سے

معلوم ہوتا ہے کہ :

نمبر۱ : نمازِ عیدین کا آخری وقت نصف النہار حقیقی تک ہے۔ اگر نصف النہار حقیقی نماز کے اندر داخل ہوجائے تو نماز فاسد ہوجائے گی، اس بارہ میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟ مکمل تحقیقی دلائل سے توضیح فرمائیں، ایک صاحب کا کہنا ہے کہ ضحوۂ کبریٰ یعنی نصف النہار شرعی نماز کے اندر داخل ہوتے ہی نماز فاسد ہوجائے گی، یہ قول کہاں تک صحیح ہے؟

نمبر۲ : ان معتبر کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک دوپہر کو یعنی صرف نصف النہار حقیقی کے وقت ہر قسم کی نمازیں ممنوع ہیں لیکن صاحب موصوف کا کہنا ہے کہ نصف النہار شرعی سے نصف النہار حقیقی تک ایک طویل وقت تک ہر قسم کی نمازیں ممنوع ہیں۔ اس مسئلہ میں معتبر و مکمل قطعی و ظنی دلائل سے وضاحت فرمائیں۔

نمبر۳ : زوال اور استواء کی کیا تعریف ہے؟ نیز صاحبِ موصوف نے جو استوار کو ایک طویل وقت یعنی نصف النہار شرعی سے نصف النہار حقیقی تک بتلاتے ہیں، قطعی اور ظنی معتبر و مکمل دلائل سے اس کی حل فرمائیں۔ بینوا ھذہ المسائل بالادلۃ الواضحۃ و توجروا عند اللہ بالاجور الکاملۃ و باللہ التوفیق والسلام۔

چند معتبر کتابوں کی صریح عبارتیں یہ ہیں :-



(۱) زوال کی تعریف :-

کفایہ شرح ہدایہ وفی المبسوط طریق معرفۃ الزوال ان ینصب عود مستوٍ فی ارض مستویۃ فمادام ظل العود فی النقصان علم ان الشمس فی الارتفاع لم یزل بعد وان استوی الظل علم انہ حال الزوال فاذا اخذ الظل فی الزیادۃ علم انہا الت فیخط علی رأس الزیادۃ فیکون رأس الخط الی العود فیئ الزوال۔

(۲) اوقاتِ مکروہہ :-

فی الہدایۃ : لاتجوز الصلوۃ عند طلوع الشمس

ولاعند قيامها فى الظهيرة ولاعند غروبها (ح) ولاعند قيامها
فى الظهيرة اى وقت وقوف الشمس فى نصف النهار - فى شرح الوقاية:
ولايجوز صلوة وسجدة تلاوة وصلوة جنازة عند طلوعها وقيامها
وغروبها الاعصر يومه - مجمع الانهر : منع عن الصلوة و
سجدة التلاوة وصلوة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب
الاعصر يومه - قد روى لايجوز الصلوة عند طلوع الشمس و
لاعند غروبها الاعصر يومه ولاعند قيامها فى الظهيرة -
منية المصلى : الاوقات التى تكره فيها الصلوة فخمسة ثلاثة منها
يكره فيها الفرض والتطوع وذلك عند طلوع الشمس وعند
غروبها الاعصر يومه ووقت الزوال - مراقى : الاوقات المكروهة
اولها عند طلوع الشمس الى ان ترتفع وعند استوائها الى ان
تزول وعند اصفرارها الى ان تغرب ويصح اداء ما وجب فيها
مع الكراهة كجنازة حضرت وسجدة اية تليت فيها كما
صح عصر اليوم عند الغروب -



(۳) انتہاءِ وقت نمازِ عیدین :-

فى الهداية : واذا حلت الصلوة بارتفاع
الشمس دخل وقتها الى الزوال واذا زالت الشمس خرج وقتها
لان النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى العيد والشمس على
قيد رمح او رمحين ولما شهدوا بالهلال بعد الزوال امر
بالخروج الى المصلى من الغد (ح) امر بالخروج من الغد ولو جاز الاداء
بعد الزوال لم يكن للتاخير معنى - فى شرح الوقاية : ووقتها من
ارتفاع ذكاء الى زوالها (ح) قوله الى زوالها المراد بالزوال الاستواء

فقد يطلق عليه الزوال للمجاورة و الغاية ههنا خارجة عن المغيا فان وقت استواء الشمس على نصف النهار ليس بوقت لها فما بعده اولى ان لا يكون وقتا۔ مجمع الانهر : وقت صلوٰة العيدين من ارتفاع الشمس قدر رمح و رمحين الى استواء الشمس والغاية غير داخلة فى المغيا فاذا استوى الشمس على نصف النهار خرج وقت صلوٰة العيد۔ قدوری : فاذا حلت الصلوٰة بارتفاع الشمس دخل و قتها الى الزوال فاذا زالت الشمس خرج وقتها (ح) قوله الى الزوال اى قبل نصف النهار لان النبى صلى الله عليه و سلم كان يصلى العيد و الشمس على قيد رمح او رمحين و قوله فاذا زالت الشمس خرج الخ لما روى انهم لما شهدوا بالهلال بعد الزوال امر بالخروج الى المصلى من الغد و لو جاز الاداء بعد الزوال لم يكن للتاخير معنى۔ كبيرى مجتبائى : وابتداء وقت صلوٰة العيد من ارتفاع الشمس قدر رمح او رمحين الى نو آنها۔ مالابدمنہ : تاپیش از زوال وقت نماز عیدین است (ح) ومراد از زوال عین نصف النہار است مجازاً کہ مبدأ زوال می باشد نہ انتقال آفتاب از خطِ نصف النہار جانبِ مغرب کہ آں ابتدائے وقتِ ظہر است۔

المستفتی :

محمد کمال الدین غفرلہ امام دار السلام جامع مسجد مقام ملفت گنج
ڈاکخانہ ملفت گنج ضلع فرید پور (مشرقی پاکستان)
مورخہ : یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ



سه لم اجد هذه العبارة فى الكبيرى ۱۲ ابو الخير النعيمى غفرله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل اللیل والنہار خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا وارسل نبیہ و نجیہ وصفیہ محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لنعبد ربنا فی جمیع الاوقات عصورًا و دھورًا وجعل لنا العیدین ووسّع وقتہما لیزیدنا بہجۃ و سرورا و تفضل بالدعوۃ العظمٰی من الذکر والصلوات والضحایا الی ما بعد الضحوۃ الکبرٰی فصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ الاعلٰی وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ مصابیح الھدٰی وبارک وسلم دائما ابدًا فی الاٰخرۃ والاولٰی۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

عیدین کی نماز کا آخری وقت واقعی نصف النہار حقیقی تک ہے۔ اگر نمازِ عید میں حقیقی نصف النہار ہوجاتے تو فاسد ہوجائے گی اور ضحوۂ کبرٰے کا دخول مفسد نہیں بلکہ ضحوۂ کبرٰے میں عیدین اور باقی ہر قسم کی نمازیں بلاشک وشبہ وریب یقینا جائز ہیں۔ یہ جواز قرآنِ کریم کی آیاتِ کثیرہ اور بکثرت احادیثِ شہیرہ اور نصوصِ فقہیہ وغیرہ سے روزِ روشن کیطرح ثابت ہے۔

الاٰیات الشریفۃ

۱ : وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ط وَ اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ (البقرہ)

۲ : یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ (سورۃ البقرۃ)



ان آیتوں میں نماز سے مدد لینے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی سخت مہم پیش آتی تو نماز میں مشغول ہو جاتے کما فی احادیث ابی داؤد وغیرہ وقد ذکرھا المفسرون فی التفاسیر یہ امر "استعینوا" مطلق ہے اور انسان ہر وقت محتاج ہے اور استعانت کا ضرورت مند ہے لہذا ہر ایسے وقت میں یہ استعانت جائز ہے جس میں نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ یا اس کے نائب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ممانعت نہ ہو اور یونہی "الصلوٰۃ" بھی مطلق ہے لہذا ہر نماز سے استعانت جائز ہے اور چونکہ ضحوہ کبریٰ سے نصف النہار حقیقی کے ماقبل تک کسی نماز سے کوئی آیت یا حدیث منع نہیں فرماتی تو لامحالہ جائز ہوگی اگرچہ نماز عید ہو۔

۳- إِنَّنِیٓ أَنَا اللّٰہُ لَآ إِلٰہَ إِلَّآ أَنَا فَاعۡبُدۡنِی وَأَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیٓ ۞ (سورۂ طٰہٰ)

اس میں حکم ہے کہ میری یاد کے وقت نماز قائم کرو۔ تفسیر درمنثور ص **۲۹۳** جلد ۴ طبع مصر میں ہے اخرج احمد وعبد بن حمید والبخاری ومسلم وابوداؤد وابن مردویہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رقد احدکم عن الصلوٰۃ اوغفل عنھا فلیصلھا اذا ذکرھا فان اللہ قال اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ۔ یعنی محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی تمہارا نماز سے سو جائے یا غافل ہو جائے تو جب اسے یاد کرے پڑھ لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ۔



اور اس مضمون کی اور حدیثیں بھی کتب احادیث و تفاسیر میں بکثرت ہیں۔ یہ امر بھی مطلق ہے اور نماز بھی مقید نہیں تو ہر ایسے وقت میں پڑھ سکتا ہے جس میں شرعاً کوئی ممانعت نہ ہو اور چونکہ نصف النہار حقیقی سے پہلے نماز عید سے منع نہیں فرمایا گیا تو یقیناً جائز ہوگی۔ اور اسی آیت کی دلالۃ النص سے یہ بھی یقیناً ثابت ہے کہ اگر کسی واقعی عذر کی وجہ سے نماز میں دیر ہو جائے تو وقت کے آخری حصہ میں بھی ادا کرنا جائز ہے و ذا ظاھر من ان یظھر۔

۴- أَرَءَیۡتَ الَّذِی یَنۡھٰی ۞ عَبۡدًا إِذَا صَلّٰیٓ ۞ (سورۃ العلق)

ان دو آیتوں میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کی مذمت ہے لہذا کسی وقت میں کسی شخص کو نماز پڑھنے

ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع نہ کیا ہو، اپنی طرف سے منع کرنا ناجائز ہے
وحیث لا منع عن صلوٰۃ العیدین فی الضحوۃ الکبری فتجوز ولا یجوز ان یمنع عنہا۔

الاحادیث المنیفة

۱۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تین ساعتیں ایسی ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان میں نماز پڑھنے سے یا اپنے مردوں کو ان میں دفن کرنے سے منع فرماتے تھے۔ جب[۱] سورج چمکتا ہوا طلوع ہوتا ہے حتی کہ بلند ہو جائے اور حین یقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس جب[۲] کھڑا ہو جاتا ہے دوپہر کا کھڑا ہونے والا حتی کہ سورج ڈھلے۔ اور جب[۳] جھکے سورج غروب کے لئے حتی کہ غروب ہو جائے۔ (صحیح مسلم ص۲۷۶ جلد۱ اصح المطابع، سنن ابی داؤد ص۴۵۳ اصح المطابع، نسائی ص۹۵، ص۲۸۳ جلد۱ مجتبائی، ترمذی ص۱۶۷ اصح المطابع، ابن ماجہ ص۴۸۷ جلد۱، شرح معانی الآثار طحاوی ص۹۰ جلد۱ رحیمیہ دہلی، ابوداؤد طیالسی ص۱۳۵ دائرۃ المعارف، بیہقی ص۴۵۴ جلد۲ دائرۃ المعارف، دارمی ص۲۷۴ جلد۱ طبع المدینة المنورة)

امام محی السنۃ نووی شرح میں فرماتے ہیں قوله حين يقوم قائم الظهيرة الظهيرة حال استواء الشمس ومعناه حين لا يبقى للقائم فى الظهيرة ظل فى المشرق ولا فى المغرب۔ لسان العرب ص۵۰۰ جلد۱۲ طبع بیروت، نہایہ ص۳۲ جلد۳ طبع مصر، الدر النثیر ص۳۲۰ جلد۳ طبع مصر میں ہے قام قائم الظهيرة اى قيام الشمس وقت الزوال من قولهم قامت به دابته اى وقفت والمعنى ان الشمس اذا بلغت وسط السماء ابطأت حركة الظل الى ان تزول فيحسب الناظر المتامل انها قد وقفت وهى سائرة لكن سيرا لا يظهر له اثر سريع كما يظهر قبل الزوال وبعده ويقال لذلك الوقوف المشاهد قام قائم الظهيرة۔ مرقاۃ ص۴۳ جلد۳ امدادیہ ملتان میں ہے قلت هذا هو المعتمد قال الطيبى الشمس اذا بلغت



وسط السماء ابطأت حركة الظل الی ان تزول فیتخیل للناظر
المتامل انها وقفت وهی سائرة قلت قال تعالیٰ وَتَرَى الْجِبَالَ
تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ واللہ تعالیٰ اعلم
بالصواب قال النووی معناہ حین لا یبقی للقائم فی الظهیرة ظل
فی المشرق والمغرب قال ابن حجر الظهیرة هی نصف النهار و
قائمها اما الظل وقیامه وقوفه من قامت به دابته وقفت
والمراد بوقوفه بطوء حرکته الناشیٔ عن بطیٔ حرکة الشمس
حینئذٍ باعتبار ما یظهر للناظر ببادی الرأی والا فهی سائرة
علی حالها واما القائم فیها لانه حینئذ لا یمیل له ظل الی
جهة المشرق ولا الی جهة المغرب انتهیٰ ما فی المرقات۔ زہر الربیٰ شرح
سنن نسائی للسیوطی علیہ الرحمۃ ص۹۵ جلد۱ میں ہے قائم الظهیرة قائم الظل الذی
لا یزید ولا ینقص فی رأی العین و ذلک یکون منتصف النهار حین استواء
الشمس وقال فی النهایة ای قیام الشمس وقت الزوال الخ شرح سندھی
علی النسائی ص۹۵ جلد۱ میں ہے ای یقف الذی یقف عادة عند الظهیرة حسب
ما یری ویظهر فان الظل عند الظهیرة لا یظهر له حرکة سریعة
حتی یظهر بمرأی العین انه واقف۔ نیز اسی شرح سندھی ص۲۸۳ جلد۱ میں ہے ای
یقف ویستقر الظل الذی یقف عادة عند الظهیرة حسب ما یبدو
فان الظل عند الظهیرة لا یظهر له حرکة سریعة حتی یظهر بمرأی
العین انه واقف وهو سائر حقیقة والمراد عند الاستواء۔ اور یونہی
شروح صحیح بخاری کرمانی ص۱۷۷ جلد۱۴، فتح الباری ص۴۸۷ جلد۶، عینی ص۵۶۳ جلد۷، قسطلانی ص۷۰ جلد۶،
سندھی علی البخاری ص۱۸۳ جلد۲ میں بھی ذرا اختصار سے ہے۔
ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ عین دوپہر کے وقت جب سورج وسط السماء میں پہنچتا ہے تو سائے



کی حرکت سورج ڈھلنے تک آہستہ ہو جاتی ہے تو غور کرنے والے کو بھی یہ گمان ہوتا ہے کہ سورج ضرور ٹھہر گیا ہے حالانکہ وہ چل رہا ہوتا ہے مگر اس چلنے کا ایسا ظہور نہیں ہوتا جیسے زوال سے پہلے اور پیچھے ظاہر ہوا کرتا ہے اور سورج کے اس ٹھہر جانے کو جو صرف ظاہری نظر سے معلوم ہوتا ہے قیام قائم الظهيرة کہا جاتا ہے اور اس وقت کھڑا ہونے والے کا سایہ مشرق کی طرف باقی نہیں رہتا اور نہ ہی مغرب کیطرف ہوتا ہے یعنی سورج وسطِ سماء میں سر کے اوپر برابر ہوتا ہے۔ مرقاۃ[1] میں فرمایا وذلك كله كناية عن وقت استواء الشمس فى وسط السماء طحطاوی علی المراقی ص۱۰۹ طبع مصر میں اس حدیث کے ماتحت فرمایا وهو وقت الاستواء فالمعنى عند استوائها حتى نزول تبيين الحقائق ص۸۰ طبع مصر میں ہے اذا وقف الى الظل ولم ينقص ولم يزد فهو قيام الظهيرة۔ اس کا حاصل بھی وہی ہے۔ اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ نصف النہار حقیقی یعنی جس وقت سورج سر پر ہو صرف اسی وقت نماز ناجائز ہے اور اس سے پہلے ناجائز نہیں۔

۲۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث طویل میں ہے کہ محبوبِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کی نماز پڑھو، پھر نماز سے رک جاؤ جتنے کہ سورج طلوع کرے اس حد تک کہ بلند ہو جائے۔ اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع کرتا ہے اور اس وقت کافر سورج کے لئے سجدہ کرتے ہیں ثم صل فان الصلوة مشهودة محضورة حتى يستقل الظل بالرمح ثم اقصر عن الصلوة فان حينئذ تسجر جهنم " پھر نماز پڑھو اس لئے کہ نماز مشہودہ محضورہ ہے یعنی فرشتے اس نماز میں حاضر ہوتے ہیں اس حد تک کہ سایہ نیزے کے ساتھ مستقل ہو جائے پھر نماز سے بند ہو جاؤ اس لئے کہ اس وقت جہنم بھڑکایا جاتا ہے پس جس وقت سایہ ڈھلے تو نماز پڑھو اس لئے کہ وہ نماز مشہودہ محضورہ ہے حتی کہ عصر پڑھو پھر نماز سے بند ہو جاؤ حتی کہ سورج ڈوب جائے اس لئے کہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ڈوبتا ہے اور اس وقت کافر اس کو سجدہ کرتے ہیں۔" (مسلم شریف ص۲۷۶ جلد۱، سنن بیہقی ص۴۵۵ جلد۲) علامہ

---

[1] ص۲۲۴

نووی فرماتے ہیں معنی یستقل الظل بالرمح ای یقوم مقابلہ فی جہة الشمال لیس مائلا الی المغرب ولا الی المشرق وھذہ حالة الاستواء و نقل عنہ القاری علیہ الرحمة فی المرقاة ص۳۲۳ مقررا۔

مجمع البحار کشوری ص۱۶۸ جلد ۳ میں ہے بمعنی یرتفع الظل معہ ولا یقع منہ علی الارض شیئ او الباء بمعنی فی ای یرتفع فی الرمح۔ اور تکملہ مجمع البحار ص۱۲۷ میں ہے یرتفع الظل معہ ولا یقع علی الارض منہ شیئ من استقلت السماء ارتفعت الخ اور یونہی مرقات ص۱۲۳ جلد ۳ میں بھی ہے۔ نیز مرقات میں ہے ای حتی یرتفع الظل مع الرمح او فی الرمح و لم یبق علی الارض منہ شیئ۔ نیز اسی میں ہے قال ابن الملك یعنی لم یبق ظل الرمح۔ نیز مجمع البحار ص۱۶۸ جلد ۳، نہایہ ص۳۰۸ جلد ۳، الدر النثیر ص۳۰۸ جلد ۳ میں بالفاظ متقاربہ ہے و النظم من النھایة ای حتی یبلغ ظل الرمح المغروس فی الارض ادنی غایة القلة و النقص لان ظل کل شیئ فی اول النھار یکون طویلا ثم لا یزال ینقص حتی یبلغ اقصرہ و ذلك عند انتصاف النھار۔ نیز نہایہ اور مجمع میں ہے و النظم منھا و ھذا الظل المتناھی فی القصر ھو الذی یسمی ظل الزوال ای الظل الذی تزول الشمس عن وسط السماء و ھو موجود قبل الزیادة نیز مرقات میں فرمایا و روی حتی یستقل الرمح بالظل ای یرفع الرمح ظلہ فالباء للتعدیة و علی الروایتین ھو مجاز عن عدم بقاء ظل الرمح علی الارض و ذلك یکون فی وقت الاستواء۔

ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حتی یستقل الظل بالرمح سے مراد یہ ہے کہ ایسا نیزہ جس کو زمین میں بالکل سیدھا گاڑ دیا جائے اور سورج کے بلند ہوتے ہوتے اس کا سایہ مغرب کیطرف سے کم ہوتا ہوتا بالکل مٹ جائے اور مغرب و مشرق دونوں سمتوں میں سایہ نہ ہو تو یہ وقت نماز منع ہونے کا ہے۔ البتہ اس وقت صرف شمال کی طرف ہی عموماً سایہ رہتا ہے جس کو ظل الزوال



یا بعی الزوال کہا جاتا ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور ان کے حوالی میں بعض دنوں میں نہیں پایا جاتا۔

حدیث پاک میں بالخصوص نیزے اور سائے کا ذکر اس لئے فرمایا کہ عرب کی عادت تھی کہ وقت کی پہچان کے لئے اپنے نیزوں کو زمین میں سیدھا گاڑ دیتے تھے پھر ان کا سایہ دیکھتے تھے۔ مرقاۃ ص۴۳ جلد ۳ میں ہے وتخصیص الرمح بالذکر لان العرب کانوا اذا ارادوا معرفۃ الوقت رکزوا رماحهم فی الارض ثم نظروا الی ظلها۔ اور نہایہ، در نثیر، مجمع البحار کی مذکورہ عبارت میں ظل الرمح المغروس فی الارض الخ میں بھی اسی عادتِ عرب کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ایسی عوامی واضح گھڑی ہے جس میں کسی کمی بیشی کا احتمال تک بھی نہیں، اس کی چال ہر وقت صحیح رہتی ہے اور بالکل عام فہم ہے۔ الحاصل اس حدیثِ پاک سے امس وشمس کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ صرف نصف النہار حقیقی کے وقت ہی نماز ناجائز ہے اور اس سے پہلے ضحوہ کبریٰ میں جو نماز پڑھی جائے وہ جائز ومقبول ہے۔ اس نماز کے لئے رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں نیز اسی حدیث میں سننِ ابوداؤد ص۱۸۱ جلد۱، سننِ بیہقی ص۴۵۵ جلد ۲ میں حتی یستقل الظل بالرمح کے عوض حتی یعدل الرمح ظله ہے۔ اس کا حاصل معنیٰ بھی وہی ہے۔ اور سننِ ابن ماجہ ص۳۹۶ میں اسی حدیث میں حتی یقوم العمود علی ظله ہے جو معنیٰ مذکور کی اور زیادہ وضاحت کرتا ہے۔ نیز اسی حدیث شریف میں ثم صل فان الصلوٰۃ مشهودۃ محضورۃ کی بجائے سنن ابوداؤد اور سننِ بیہقی کی دوسری روایت میں صل ماشئت فان الصلوٰۃ مشهودۃ مکتوبۃ ہے۔ ابن ماجہ میں ثم صل ما بدا لك ہے، ان کلماتِ مبارکہ ثم صل ماشئت اور ما بدا لك میں ضحوہ کبرے میں جوازِ نماز اور عمومِ نماز کی تصریح ہے۔

۳۔ حضرتِ صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر سوال کیا کہ رات اور دن کے وقتوں میں کیا کوئی ایسا وقت ہے جس میں نماز مکروہ ہو؟ تو حضور نے فرمایا ہاں جس وقت صبح کی نماز پڑھو تو سورج کے طلوع تک نماز نہ پڑھو اس لئے کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع کرتا ہے ثم صل فالصلوٰۃ محضورۃ متقبلۃ حتی تستوی الشمس علی راسك کالرمح فاذا کانت علی راسك کالرمح فدع الصلوٰۃ فان



تلک الساعۃ تسجر فیہا جہنم و تفتح فیہا ابوابہا حتی تزیغ الشمس عن حاجبک الایمن۔ یعنی بعد ازاں نماز پڑھو اس لئے کہ وہ نماز محضورہ متقبلہ ہے حتی کہ سورج تمہارے سر پر نیزے کی طرح برابر ہو جائے، پس جب تمہارے سر پر نیزے کی طرح ہو تو نماز چھوڑ دو، اس لئے کہ بیشک وہ ایسا وقت ہے جس میں جہنم بھڑکایا جاتا ہے اور اس کے دروازے کھولے جاتے ہیں حتی کہ سورج تمہارے دائیں ابرو سے ڈھل جائے۔ پس جس وقت ڈھل جائے تو اس وقت کی نماز محضورہ متقبلہ ہے حتی کہ عصر پڑھو، پھر نماز چھوڑ دو سورج ڈوبنے تک" (ابن ماجہ ص ۹۰، ۹۱)

یہی حدیث مستدرک حاکم ص ۱۶۵ ج ۱ دائرہ معارف اور سنن بیہقی ص ۴۵۵ ج ۲ طبع الدائرہ میں بالکل انہی کلمات مبارکہ کیساتھ ملتی جلتی ہے جس کے متعلق حاکم نے فرمایا صحیح الاسناد اور علامہ ذہبی نے فرمایا صحیح،

اور یونہی مسند امام احمد ص ۳۱۲ ج ۵ طبع بیروت اور مجمع الزوائد طبع بیروت ص ۲۲۴ ج ۲ میں ہے جس کے کلمات متعلقہ یہ ہیں فاذا اطلعت فصل فان الصلوٰۃ محضورۃ متقبلۃ حتی تعتدل علیٰ راسک مثل الرمح الخ اور اسکے متعلق مجمع میں فرمایا رواہ عبد اللہ فی زیادتہ فی المسند و رجالہ رجال الصحیح الخ نیز مجمع الزوائد ص ۲۲۷ جلد ۲ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے جس میں فاذا دنت للزوال فارنہا ہے قال فی المجمع رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ موثقون۔ اس حدیث پاک سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے کہ عین دوپہر کے وقت نماز ناجائز ہے اور اس سے پہلے جائز اور ایسی مقبول ہے کہ اس کے لئے فرشتے حاضر ہوا کرتے ہیں۔

۴۔ مسند امام احمد بن حنبل ص ۲۳۵ جلد ۴ حضرت مرہ بن کعب یا کعب بن مرہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ ان کے سوال پر حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز مقبول ہے صبح کی نماز ادا کرنے تک پھر نماز (نفل) نہیں حتی کہ سورج طلوع کرے اور ایک یا دو نیزے کے قدر ہو جائے ثم الصلوٰۃ مقبولۃ حتی یقوم الظل قیام الرمح ثم لاصلوٰۃ حتی تزول الشمس یعنی ایک دو نیزہ سورج بلند ہو نکلے بعد نماز مقبول ہے حتی کہ سایہ نیزہ کے کھڑا ہونے کی طرح کھڑا ہو جائے (سایہ مشرق و مغرب میں نہ ہو) پھر نماز نہیں حتی کہ سورج ڈھلے پھر نماز مقبول ہے حتی کہ عصر پڑھی جائے پھر سورج کے غروب ہونے تک نماز نہیں۔ پھر اسی مسند طبع مصر کے ص ۳۲۱ ج ۴ میں حضرت کعب بن مرہ سے بغیر کسی شک کے بعینہا یہی کلمات مبارکہ ثم الصلوٰۃ مقبولۃ الخ ہیں اور مجمع الزوائد ص ۲۲۵ ج ۲ میں اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد ہے رواہ احمد من طریقین



احدہما ھذہ والاخری عن سالم عن رجل عن کعب بن مُرّۃ البہزی من غیر شک وقال حتی یصلی الصبح بدل حتی یطلع الصبح وکذلک رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح الا ان الاسناد الثانی فیہ رجل لم یسم۔

حضرت عبداللہ الصنابحی سے ہے (جو صحابی ہیں یا جلیل القدر تابعی) کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک سورج طلوع کرتا ہے حالانکہ اس کے ساتھ قرنِ شیطان ہوتا ہے پس جب بلند ہو تو الگ ہوجاتا ہے پھر اذا استوت قارنہا "جس وقت استواء کرے (یعنی بالکل سر پر آجائے) تو اس کے نزدیک ہوجاتا ہے پس جس وقت ڈھل جائے تو الگ ہوجاتا ہے پھر جس وقت غروب کے قریب ہوجائے تو نزدیک ہوجاتا ہے پس جس وقت ڈوب جاتے تو الگ ہوجاتا ہے ونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوٰۃ فی تلک الساعات اور حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان وقتوں میں نماز سے منع فرمایا رواہ الامام مالک فی المؤطا (طبع رحیمیہ) ص۸۲ و الامام محمد فی المؤطا (طبع یوسفی) ص۹۷ والبیہقی فی السنن ص۴۵۴ جلد ۲ والامام الشافعی فی الام (طبع مصر) مسند امام احمد ص۳۴۸ جلد ۴ ابنِ ماجہ ص۳۹۷ جلد ۱ میں اسی حدیث میں اذا استوت قارنہا کی بجائے فاذا کانت فی وسط السماء قارنہا ہے جو استواء کا معنی اور زیادہ واضح کررہا ہے۔ ابن ماجہ کے محشی نے لکھا ہے فی الزوائد اسنادہ مرسل ورجالہ ثقات۔ نیز زرقانی شرح مؤطا طبع مصر ص۴۶ جلد ۲ میں ہے ان الحدیث صحیح بلاشک اذ رواتہ ثقات مشاہیر وعلی تقدیر انہ مرسل فقد اعتضد باحادیث عقبۃ وعمرو وقد صححہما مسلم کما رأیت وبحدیث ابی ھریرۃ۔ نیز اسی میں ہے قال یحیی بن معین عبداللہ الصنابحی روی عنہ المدنیون یشبہ ان لہ صحبۃ وقال ابن السکن یقال لہ صحبۃ مدنی اور یونہی تہذیب التہذیب ص۹۱، ۹۲ جلد ۶ دائرۃ المعارف میں ہے۔ اور جس طرح ان کے صحابی یا تابعی ہونے میں اختلاف ہے یونہی ان کے نام میں بھی اختلاف ہے کہ





عبد اللہ ہے یا عبد الرحمٰن کما فی التھذیب وغیرہ ، اور کنیت ابو عبد اللہ ہے ۔ ابن ماجہ میں ابو عبد اللہ ہے اور باقی حضرات کی روایت میں عبد اللہ ہے مگر یہ اختلاف قطعاً مضر نہیں کہ تقدیرِ صحابیت پر تو ظاہر ہے کہ کوئی حرج نہیں اور یونہی تابعی ہونے کی صورت میں بھی کیونکہ وہ جلیل القدر ہیں ۔ تقریب التھذیب میں ہے ثقۃ من کبار التابعین ۔ اور یہ تو مسلّم ہے کہ المرسل حجۃ عندنا اور اسماء و عنوانات کا اختلاف جبکہ معنون و مسمی ایک ہو قطعاً مضر نہیں ، اور زرقانی نے اس حدیث کی تصحیح بالتفصیل کی ہے کما مر وقد استدل بہ فقھائنا العظام کما فی المبسوط والبدائع والفتح والکبیری فعلیہ الاعتماد ۔

۶ ۔ حضرتِ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کنا ننھی عن الصلوۃ عند طلوع الشمس وعند غروبھا ونصف النھار رواہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار ص۹۰ جلد۱ رحیمیہ ، نیز مجمع الزوائد ص۲۲۸ جلد۲ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے واذا انتصف النھار فتحت لھا ابواب جھنم رواہ الطبرانی فی الکبیر و اسنادہ حسن ۔ اس نصف النھار سے بھی نصف النھار حقیقی ہی مراد ہے لان الاحادیث یفسر بعضھا بعضا ۔ بہرحال ان احادیثِ شریفہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ نصف النھار حقیقی کے وقت ہی نماز ممنوع ہے اور نصف النھار حقیقی سے پہلے جائز ہے اور باعثِ ثواب ہے اگرچہ ضحوۂ کبریٰ میں ہی ہو اور یہ حکم عام ہے تو نمازِ عید کو بھی شامل ہے ۔

النصوص الفقھیۃ

انھی احادیثِ مبارکہ کے حکم سے ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز نصف النھار حقیقی ہی میں[1] مکروہ تحریمی ہے : ہمارے فقہائے عظام نے اس وقت کو چار مختلف عنوانوں سے ذکر فرمایا ہے :

۱ ۔ عند قیام الشمس فی الظھیرۃ (جو حدیثِ حضرتِ عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے مستفاد ہے ۔)

---

[1] الحصر اضافی بالنسبۃ الی الضحوۃ الکبریٰ ۱۲ منہ غفرلہٗ

۲- عند استواء الشمس (جو حدیث صنابحی وغیرہ سے مستفاد ہے)

۳- عند الانتصاف (جو حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے مستفاد ہے)

۴- وقت الزوال (جو حضرت صفوان بن معطل کی روایت طبرانی اور حدیث عقبہ بن عامر (کہ مبسوط وغیرہ میں اس حدیث کے کلمات میں وعند زوالھا حتی تزول ہے) سے ماخوذ ہے)

مختصر القدوری ص۴۷ اصح المطابع، متن ہدایہ مجتبائی ص۶۸ میں ہے لا تجوز الصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولا عند قیامھا فی الظھیرۃ ولا عند غروبھا۔ ہدایہ میں فرمایا لحدیث عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ثلاث اوقات نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نصلی وان نقبر فیھا موتانا الخ وقررہ فی فتح القدیر ص۲۰۳ جلد ا طبع مصر بذکر حدیث عقبۃ والصنابحی وایضاً قررہ فی الکفایۃ والعنایۃ شرحی الھدایۃ ص۲۰۳ جلد ا طبع مصر والجوھرۃ النیرۃ ص۸۲ جلد ا۔ نیز فتاویٰ سراجیہ ص۹ میں ہے عند طلوع الشمس وقیام الظھیرۃ والغروب۔ وقایہ مع الشرح طبع غلام رسول لاہور ص۱۳۱ جلد ا، نقایہ مطبوع مع جامع الرموز کشوری ص۵۳ میں ہے عند طلوعھا وقیامھا و غروبھا۔ شرح وقایہ ص۱۳۲ جلد ا میں ہے واما سائر الصلوات فلا یجوز فی الاوقات الثلاثۃ لحدیث النھی۔ بدائع صنائع ص۲۹۵، ۲۹۶ جلد ا طبع مصر میں ہے والثانی عند استواء الشمس الی ان تزول۔ اور احادیث حضرت عقبہ اور صنابحی سے استدلال فرمایا کنز الدقائق اسلامیہ پریس لاہور ص۱۹، غرر درر ص۵۳ طبع دار السعادۃ، ملتقی الابحر ص۳۷ مطبوع عامرہ مصر، مع الشرحین میں ہے والنظم منہ عند الطلوع والاستواء والغروب۔ ملتقی الابحر ص۳۷ میں فرمایا ای وقت وقوف الشمس فی نصف النھار۔ درر میں فرمایا للنھی الوارد عنھا فی الحدیث الخ۔ عینی شرح کنز ص۱۹، تبیین الحقائق ص۸۵ جلد ا میں حدیث حضرت عقبہ بن عامر سے استدلال فرمایا۔ بحر الرائق ص۲۴۹ جلد ا طبع مصر میں فرمایا لما رواہ الجماعۃ الا البخاری من حدیث عقبۃ بن عامر الجھنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پھر فرمایا والنھی فی حدیث عقبۃ من الاول فکان الثابت بہ کراھۃ التحریم بعد ازاں حدیثِ صنابحی سے بھی استدلال فرمایا۔ نور الایضاح اور مراقی الفلاح ص۱۰۶ طبع مصر مع حاشیۃ الطحطاوی میں ہے (و) الثانی (عند استوائھا) فی بطن السماء (الی ان تزول) علامہ طحطاوی نے فرمایا وعلامتہ ان یمتنع الظل عن القصر ولا یاخذ فی الطول، پھر مراقی میں حضرت ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال فرمایا جس میں ہے وعند زوالھا طحطاوی نے اس کی شرح میں فرمایا ای قرب زوالھا وھو وقت الاستواء فالمعنی عند استوائھا حتی تزول۔ کبیری شرح منیہ ص۲۳۲ میں ہے عند طلوع الشمس واستوائھا وغروبھا۔ تنویر الابصار ص۴۶ مطبوع مع الدر طبع احمدی میں ہے مع شروق واستواء وغروب۔ طحطاوی علی الدر ص۱۸۰ جلد ۱ طبع مصر میں ہے: قولہ واستواء ای استواء الشمس فی کبد السماء۔ اور طحطاوی ص۱۷۳ جلد ۱ میں کبد السماء کی تفسیر یہ ہے ای وسط السماء بحسب ما یظھر لنا فتاویٰ قاضی خان ص۳۵ کشوری، خلاصۃ الفتاویٰ ص۶۸ مطبوعہ قصہ خوانی بازار پشاور میں ہے وعند الانتصاف الی ان تزول الشمس۔ نیز خلاصۃ الفتاویٰ ص۶۸، منیۃ المصلی ص۷۱ میں ہے والمنظم من الخلاصۃ الصلوٰۃ فی وقت طلوع الشمس والزوال والغروب یکرہ۔ فتاوےٰ عالمگیر ص۵۱ میں ہے الاوقات المکروھۃ من الزوال الی تغیر الشمس للغروب او طلوعھا۔ کبیری ص۲۳۵ میں حضرت عقبہ بن عامر اور صنابحی کی حدیثوں سے استدلال فرمایا ہے۔

ان نصوصِ فقہیہ سے ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح نمایاں ہو رہا ہے کہ ہر قسم کی نمازیں اوقاتِ ثلاثہ میں مکروہ تحریمی ہیں اور نصف النہار میں یہ کراہت صرف اس وقت ہے جب کہ سورج اور سایہ قائم معلوم ہوتے ہیں اور سورج وسطِ سما میں سر پر ہوتا ہے جبکہ مشرق یا مغرب میں سایہ بالکل نہیں ہوتا جیسے کہ احادیث شریفہ سے ثابت ہوتا ہے۔ احادیث اصول ہیں اور نصوصِ فقہیہ فروع اور کوئی فرع اپنے اصل کے خلاف نہیں ہوتی تو یوں بھی نصف النہار حقیقی ہی میں کراہت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی پُر ظاہر کہ روایاتِ فقہیہ



میں تخصیص بالذکر مذکور کے ماسوائے حکم کی نفی کرتی ہے۔ شرح الوقایہ مجتبائی ص۲۰ جلد ۲ میں ہے لا
خلاف فی ان التخصیص بالذکر فی الروایات یدل علی نفی الحکم
عما عداہ لہٰذا ضحوۂ کبرے میں جواز ثابت ہوا اور ضحوۂ کبرے میں کراہت کا حکم کسی کتاب میں ہرگز ہرگز
نہیں۔ اور قنیہ وقہستانی غیر معتبر ہیں اور کسی متاخر کا احتمالی رنگ میں کہنا جس کا مبنیٰ ہی غلط ہو، حکم نہیں
بن سکتا کما سیجیئ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ نصوص فقہیہ تو عام ہیں اور ہر قسم کی نماز کے متعلق ہیں۔ اب نماز عید کے متعلق بالخصوص نصوص
فقہیہ پیش کی جاتی ہیں اور چونکہ اس مسئلہ میں عید اور باقی نمازوں کا ایک ہی حکم ہے تو اس لحاظ سے
پہلی نصوص کی طرح ان سے بھی تمام نمازوں کا وہی حکم عام ثابت ہو رہا ہے جو سب نمازوں کو شامل
ہے یعنی وقتِ استواء میں کوئی نماز بھی جائز نہیں اور اس سے پہلے جائز ہیں۔

بدائع صنائع ص۲۷۶ جلد ۱، فتاویٰ قاضی خان ص۸۸، خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۱۴ جلد ۱، سراجیہ
ص۱۸ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم من البدائع وقت صلوٰۃ العید من حین
تبیض الشمس الی ان تزول۔ کنز الدقائق ص۵۰ طبع الٰہی بخش لاہور مع تقریر الشروح، ملتقی الابحر
مع تقریر الشرحین ص۱۷۳ جلد ۱، نور الایضاح مع تقریر الشرح والحاشیہ ص۳۲۰، وقایہ مع تقریر الشرح ص۲۰۳
جلد ۱، نقایہ مع تقریر القہستانی ص۱۳۰، قہستانی ص۱۲۰ میں ہے والنظم من الکنز وقتہا من
ارتفاع الشمس الی زوالہا۔ قدوری مع تقریر الجوہرۃ ص۱۱۲ جلد ۱، غرر مع تقریر الدرر ص۱۴۳ جلد ۱،
تنویر الابصار مع تقریر الدر والشامی ص۷۷۹، متن ہدایہ مع تقریر الہدایہ ص۱۵۳ جلد ۱، فتح القدیر ص۴۲ جلد ۲،
بحر الرائق ص۱۶۲ جلد ۲، شامی ص۳۴۴ وغیرہ میں ہے اذا حلت الصلوٰۃ بارتفاع الشمس
دخل وقتہا الی الزوال۔ مراقی الفلاح میں (الی) قبیل زوالہا ہے۔ قہستانی،
در المختار، طحطاوی علی الدر ص۳۵۴/۱، شامی ص۷۷۹ جلد ۱، ملتقی الابحر ص۱۷۳ جلد ۱ میں ہے ای الی ما قبل
زوال الشمس والغایۃ غیر داخلۃ فی المغیا بقرینۃ ما مر ان
الصلوٰۃ الواجبۃ لم تجز عند قیامہا۔ شامی ص۷۷۹ جلد ۱، طحطاوی ص۳۵۴
جلد ۱ میں ہے وہذا یرشد الی ان المراد بالزوال الاستواء واطلق

علیہ للمحاورۃ۔ قدوری، جوہرہ ص۱۱۲ جلد ۱، درالمنتقیٰ ص۱۷۳ جلد ۱، درالمختار شامی ص۶۰۹ جلد ۱، طحطاوی ص۳۵۴ جلد ۱، بحر الرائق ص۱۶۰ جلد ۲ میں ہے فاذا ان الت الشمس خرج وقتہا امام طحاوی شرح معانی الآثار ص۲۲۷ جلد ۱ میں فرماتے ہیں آخرہ زوال الشمس وکل قد اجمع علی انہا اذا لم تصل یومئذ حتی زالت الشمس لا تصلی بقیۃ یومہا۔ اور یونہی اور بھی صدہا جزئیاتِ فقہیہ اس کی صریح دلیل ہیں جن میں "زوال، زالت، تزول الشمس" کے الفاظ ہیں مثلاً شہادت زوال کے بعد آئی یا زوال سے پہلے ایسے وقت میں آئی کہ نمازی جمع نہ ہوسکیں یا ابر تھا اور سلام کے بعد ظاہر ہوا کہ نماز بعد زوال کے ہوئی، تو دوسرے دن پڑھے، یا امام نے بلا وضو نماز پڑھی اور زوال سے پہلے علم ہوا تو اعادہ کرے اور بعد کو ہو تو دوسرے دن پڑھے اور یونہی ذبح قربانی وغیرہ کے جزئیات جو متفرق طور پر قدوری، عالمگیر، جوہرہ نیرہ، صغیری، کبیری، غرر، نور الایضاح، درالمختار، طحطاوی، شامی، قہستانی، قاضی خان، ہدایہ، تبیین الحقائق وغیرہا کتبِ فقہیہ میں مذکور ہیں والنظم من الھندیۃ تؤخر صلوۃ عید الفطر بعد الزوال الی الغد اذا منعہم من اقامتہا عذر بان غم علیہم الھلال وشہد عند الامام بعد الزوال او قبلہ بحیث لا یمکن جمع الناس قبل الزوال او صلاھا فی یوم غیم فظہر انہا وقعت بعد الزوال نیز اسی میں ہے ومن ذبح بعد العلم لا یجوز ذبحہ حتی تزول الشمس اور اس زوال سے مراد استواء ہے جو حقیقی زوال کے قبل یا قبیل ہوتا ہے، مجاورت کے لئے مجازاً استواء کو زوال سے تعبیر کیا گیا اور اس استواء سے مراد نصف النہار حقیقی ہی ہے کہ استواء کا حقیقی معنی وہی ہے اور مجاز کا سلسلہ یوں نہیں چلتا کہ زوال سے مراد استواء اور استواء سے مراد ضحوۂ کبریٰ ہو کما سیتضح فی مسئلۃ نیۃ الصوم ان شاء اللہ تعالیٰ۔



چودھویں صدی سے پہلے کی کسی کتاب فقہ میں بالتخصیص یہ نہیں ملا کہ انتہائے وقتِ عید ضحوۂ کبریٰ ہے یا استواء و زوال ہے جو بمعنے ضحوۂ کبریٰ ہے۔ نیز ہمارے فقہائے کرام کی عادتِ مستمرہ ہے کہ ایسے مواضع میں بعض حضرات ضرور متنبہ فرما دیا کرتے ہیں چنانچہ روزۂ ماہِ رمضان اور نذرِ معین و نفل کے وقت نیت

کے متعلق قدوری وغیرہ کتبِ معتمدہ معتبرہ میں ہے کہ زوال تک جائز ہے چنانچہ قاضی خان ص۹۵، بدائع صنائع ص۸۵ جلد۲، قدوری ص۶۹، خلاصۃ الفتاوے ص۲۵۱ جلد۱ میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم من القدوری فان لم ینو حتی اصبح اجزأته النیة ما بینه و بین الزوال تو اس پر ہدایہ ص۱۹۱، ۱۹۲ جلد۱، فتح القدیر ص۲۳۷ جلد۲، غرر ص۱۲۷ جلد۱، وقایہ شرح الوقایہ ص۳۰۵ جلد۱، بحرالرائق ص۲۶۰ جلد۲، تبیین الحقائق ص۳۵۱ جلد۱، نورالایضاح، مراقی، طحطاوی ص۳۸۸، ۳۸۹، شامی ص۱۱۶ جلد۲، منحۃ الخالق، بحرالرائق ص۲۶۰ جلد۲ وغیرہا میں ہے والنظم من الشامی وعدل عن تعبیر القدوری والمجمع وغیرهما بالزوال لضعفه لان الزوال نصف النهار من طلوع الشمس ووقت الصوم من طلوع الفجر کما فی البحر عن المبسوط قال فی الهداية وفی الجامع الصغیر قبل نصف النهار وهو الاصح لانه لابد من وجود النية فی اکثر النهار ونصفه من وقت طلوع الفجر الی وقت الضحوة الکبری لاوقت الزوال فتشترط النية قبلها لتتحقق فی الاکثر اهـ وفی شرح الشیخ اسمٰعیل وممن صرح بانه الاصح فی العتابیة والوقاية وعزاه فی المحیط الی السرخسی وهو الصحیح کما فی الکافی والتبیین۔ اهـ

دیکھئے پہلے قول کا بلا حجاب رد کر رہے ہے اور دوسرے قول (کہ ضحوۂ کبرٰے تک نیت کا وقت ہے) کو اصح بلکہ صحیح فرما رہے ہیں مگر نماز عید یا دوسری نمازوں کے متعلق ایسی تصریح کسی ایک معتمد کتاب میں بھی نہیں اور بالخصوص عید کے متعلق تو بکثرت "الی الزوال" کا لفظ ہی ہے بلکہ قہستانی تک بھی "الی الزوال" ہی کہہ رہے ہیں کما مر اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ "الی الزوال" صحیح نہیں بلکہ "الی الضحوة الکبریٰ" صحیح یا اصح یا اولیٰ ہے بلکہ اشارۃً تک بھی نہیں کیا بلکہ لطف یہ ہے کہ کسی ایک نے بھی مسئلہ روزہ میں یوں تطبیق نہیں کی کہ زوال سے مراد ضحوۂ کبرٰے ہے اور یہ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ ضحوۂ کبرٰے اور زوال کے درمیان کافی انفصال ہے تو محاورت برائے نام بھی نہیں بلکہ تصریح فرماتے ہیں کہ قبل الزوال کا معنی ضحوۂ کبرٰے



نہیں بن سکتا۔ مبسوط ص۶۲ جلد ۳ میں ہے واذا نوی قبل الزوال لم یوجد هذا المعنیٰ لہٰذا زوال اور نصف النہار والی دو عبارتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے صاف صاف فرمارہے ہیں کہ نیتِ روزہ کے متعلق " الزوال " کہنا غیر اولیٰ، غیر اصح، ضعیف، غیر صحیح ہے تو مسئلہ نماز میں تطبیق کہ " الزوال " سے مراد ضحوۂ کبریٰ ہے، کیسے ہو سکتی ہے اور پھر کسی نے یہ لکھا بھی نہیں کہ زوال سے مراد ضحوۂ کبرےٰ یا حقیقی نصف النہار ہے۔

نیز مسئلۂ روزہ میں اس اختلاف کی بنا اس پر ہے کہ عمل کی بنا نیت پر ہے جو اول میں ہونی ضروری ہے اور اگر اول میں نہ ہو تو اکثر حصہ میں تو ضرور ہونی چاہئے اور نہار کے اکثر حصہ میں نیت تب ہی پائی جاتی ہے جبکہ ضحوۂ کبرےٰ سے پہلے ہو کیونکہ نہارِ صوم طلوعِ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور چونکہ یہ مبنی نماز میں جاری نہیں ہو سکتا چنانچہ ہدایہ میں بھی ہے بخلاف الصلوٰۃ والحج، تو بلاوجہ صیام پر نماز کا قیاس کرتے ہوئے ضحوۂ کبرےٰ کو انتہائے وقت قرار دینا مناسب نہیں۔ روزہ کا دن صبح صادق سے شروع ہوتا ہے تو اس کا نصف ضحوۂ کبرےٰ ہے مگر نماز کے یہ اوقاتِ ثلاثہ طلوعِ شمس سے شروع ہوتے ہیں تو ان کے دن کا نصف، نصف النہار حقیقی ہی ہے اور ضحوۃ الکبرےٰ نہیں۔

تنبیہ

مسئلہ روزہ میں ضحوۃ الکبرےٰ اس لفظِ نصف النہار سے مستفاد ہے جو امام محمد علیہ الرحمۃ کی جامع صغیر میں واقع ہے یعنی اس " النہار " سے مرادِ نہارِ شرعی لیا گیا ہے مگر انہی حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ کی جامع کبیر میں وہی لفظِ " الزوال " ہے جو اس پر دال ہے کہ اس " النہار " سے مراد نہارِ عرفی ہے تو اس سے پہلے قول کی تصحیح ہوتی ہے حتی یتفقا کلاما الامام علیه الرحمة فی المسئلة الواحدة ولا یختلفا۔ جامع کبیر ص۱۵ میں ہے ولو قال لله علی ان اصوم غداً فاصبح (من الغد) لا ینوی الصوم ثم نواه قبل الزوال اجزأه وان نواه تطوعاً فهو مما اوجبه اور اندریں صورت جوازِ نیت الی الزوال کا اصل مبنیٰ وہ آیت اور حدیثیں ہیں جو ہمارے فقہائے عظام نے ذکر فرمائی ہیں کما فی البدائع وغیرها

اور یہ مبنی نہیں کہ نہار کے اکثر حصہ میں نیت پائی جائے۔

بہرحال روزہ کے متعلق یہ دو قول ہیں۔ ایک طرف مشائخ کرام کی کثرت ہے تو دوسری طرف قائلین عظام کی عظمت وجلالت۔ پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ اگر بالفرض جامع صغیر وجامع کبیر کی عبارتیں متعارض ہوں تو ترجیح اسی کو ہے جو جامع کبیر میں ہے۔ بحر الرائق ص۱۵۷ جلد۲ میں ہے ان الجامع الصغیر صنفه بعد الاصل فما فیه هو المعول علیه۔ شامی علی الدر ص۶۵ جلد۱ میں ہے د ف باب العیدین من البحر والنهر ان الجامع الصغیر صنفه محمد بعد الاصل فما فیه هو المعول علیه ثم قال فی النهر سمی الاصل اصلا لانه صنف اولا ثم الجامع الصغیر ثم الکبیر ثم الزیادات کذا فی غایة البیان۔ اور ثلاثین شامی ص۱۹ جلد۱ میں ہے وقال فی البحر فی باب صلوٰة العید عن غایة البیان سمی الاصل اصلا لانه صنف اولا ثم الجامع الصغیر ثم الکبیر ثم الزیادات انتهی وقال ان الجامع الصغیر صنفه محمد بعد الاصل فما فیه هو المعول علیه انتهی **اقول** ولذا بعینهٖ اقول فما فی الجامع الکبیر هو المعول علیه۔ تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ روزہ میں بھی نہارِ عرفی کا اعتبار ہے چہ جائیکہ نماز میں معتبر نہ ہو۔

فائدہ

ضحوۂ کبرے میں کراہتِ نماز وہ بھی صرف احتمال کے رنگ میں عبد العلی برجندی نے شرح النقایہ میں ذکر کی ہے کما نقل عنه الشامی فی ص۳۴۴ جلد۱، اور حموی نے شرح اشباہ ص۵۶۴ میں اس کی نسبت قہستانی کیطرف کی ہے مگر اس میں یہ ملا نہیں۔ اور طحطاوی ص۱۸۰ جلد۱ میں حموی سے منقول ہے اور قہستانی نے ص۵۴ میں وثوق سے اس کی نسبت ائمہ خوارزم کیطرف کی ہے۔ اور علامہ شامی نے بھی قہستانی سے اس نسبت کو نقل کیا ہے۔ نیز شامی علیہ الرحمۃ نے اس کے متعلق قنیہ سے بھی نقل کیا ہے۔ علامہ شامی کی پوری عبارت یہ ہے:

وفی شرح النقایة للبرجندی قد وقع فی عبارات الفقهاء

ان الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار الى ان تزول الشمس ولا يخفى ان زوال الشمس انما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل وفى هذا القدر من الزمان لا يمكن اداء صلوٰة فيه فلعل المراد انه لا تجوز الصلوٰة بحيث يقع جزء منها فى هذا الزمان او المراد بالنهار هو النهار الشرعى وهو من اول طلوع الصبح الى غروب الشمس وعلى هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به اسمٰعيل ونوح وحموى وفى القنية واختلف فى وقت الكراهة عند الزوال فقيل من نصف النهار الى الزوال لرواية ابى سعيد عن النبى صلى الله عليه وسلم انه نهى عن الصلوٰة نصف النهار حتى تزول الشمس قال ركن الدين الصباغى وما احسن هذا لان النهى عن الصلوٰة فيه يعتمد تصورها فيه وعزا فى القهستانى القول بان المراد انتصاف النهار العرفى الى ائمة ماوراء النهر وبان المراد انتصاف النهار الشرعى وهو الضحوة الكبرىٰ الى الزوال الى ائمة خوارزم شامى ص ۳۳۴، ص ۳۳۵ جلد ا فالق السمع واستمع بقلب شهيد۔



اوّلاً برجندی نے صرف اس شبہ کی بناء پر کہ نصف النہار حقیقی کا وقت اتنا کم ہے کہ اس میں نماز ادا نہیں ہو سکتی اور "نہی" کا تقاضا ہے کہ ادا ممکن و مقدور ہو صرف ایک احتمال کے رنگ میں "لعل" کے ساتھ دوسرے مرتبہ میں یہ کہا او المراد بالنہار ھو النہار الشرعی تو اس سے تمام کتب متقدمین و متاخرین، متون و شروح و فتاوے کا صریح حکم کیسے بدل سکتا ہے۔ برجندی تو برجندی

ہیں حضرت ابن ہمام جیسے مجتہد[1] حضرات کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کی ایسی ابحاث جو منقول کے خلاف ہوں، معتبر نہیں۔ شامی ص۲۵۵ جلد ۱ میں ہے وقد قال العلامۃ القاسم لاعبرۃ بابحاث شیخنا یعنی ابن الھمام اذا خالفت المنقول نیز شامی ص۱۵۰ جلد ۱ میں ہے البحث فی المنقول غیر مقبول اور یہ بھی حکم ہے کہ "ما فی المتون" "مافی الشروح" پر مقدم ہوتا ہے اور مافی الشروح مقدم ہوتا ہے مافی الفتاوے پر، شامی ص۶۶ جلد ۱ میں ہے ما فی المتون مقدم علیٰ ما فی الشروح و ما فی الشروح مقدم علیٰ ما فی الفتاویٰ۔ تو ایک شارح برجندی کا محض احتمالی قول تمام متون و شروح و فتاوے پر کیسے مقدم ہو سکتا ہے؟ اور قنیہ و قہستانی تو متون و شروح و فتاوے کے مقابلہ میں کیا آ سکتی ہیں جبکہ وہ محض غیر معتبر اور ضعیف اور ساقط الاعتماد ہیں۔ زاہدی مصنف قنیہ معتزلی ہے اور قہستانی اس کا خوشہ چین ہے۔ کشف الظنون ص۱۳۵۷ جلد ۲ طبع تہران میں قنیہ کے متعلق ہے — مشھورۃ عند العلماء بضعف الروایۃ و ان صاحبھا معتزلی اور قہستانی کے متعلق ص۱۹۷۲ جلد ۲ میں ہے انما کان دلال الکتب فی زمانہ ولا کان یعرف بالفقہ ولا غیرہ بین اقرانہ و یؤیدہ انہ یجمع فی شرحہ ھٰذا بین الغث و السمین و الصحیح و الضعیف من غیر تحقیق و لاتصحیح و تدقیق فھو کحاطب اللیل جامع بین الرطب والیابس فی النیل۔

یہی علامہ شامی عقود الدریہ ص۳۵۶ جلد ۲ طبع مصر میں فرماتے ہیں نقل الزاھدی لایعارض نقل المعتبرات النعمانیۃ فانہ ذکر ابن وھبان انہ لایلتفت الیٰ ما نقلہ صاحب القنیۃ یعنی الزاھدی مخالفا للقواعد مالم یعضدہ نقل من غیرہ و مثلہ فی النھر ایضًا۔ نیز اسی میں ہے والقھستانی کجارف سیل وحاطب لیل خصوصًا واستنادہ الیٰ کتب الزاھدی المعتزلی

[1] شامی ص۳۵۵ جلد ۲ بحوالہ کتاب بلوغ رتبۃ الاجتہاد ۲ امد غفرلہ

رسائلِ ابن عابدین ص۱۳ جلد اطبع الآستانہ میں ہے ومن الکتب الغریبۃ منلا مسکین شرح الکنز والقہستانی لعدم الاطلاع علی حال مؤلفیہما او لنقل الاقوال الضعیفۃ کصاحب القنیۃ۔ اور اس سے پہلے ہے الکتب المتأخرۃ خصوصا غیر المحررۃ کشرح النقایۃ للقہستانی۔ بعد ازاں فرمایا لایجوز الافتاء من ھذہ الکتب الا اذا علم المنقول منہ والاطلاع علی ماخذھا اور یونہی شامی علی الدر ص۶۵ جلد امیں بھی ہے۔ طحطاوی علی الدر ص۴۶ جلد امیں ہے ان القنیۃ لیست من کتب المذھب المعتبرۃ فلا یعارض ما فی الفتح والنھایۃ والعنایۃ اور مسئلہ زیر بحث میں تو قنیہ وقہستانی کی نقل صرف فتح ونہایہ وعنایہ کے خلاف نہیں بلکہ جمیع متون وشروح وفتاویٰ متقدمین ومتاخرین کے سراسر منافی ہے تو کیونکہ معتبر ہو۔

ثانیًا:۔ برجندی کا احتمال اور قنیہ وقہستانی کے نقل صرف لفظِ نصف النہار سے ہی ماخوذ ہیں یعنی وہ "النہار" سے مراد نہارِ شرعی لیتے ہیں حالانکہ ائمہ ومشائخ مذہب کے کلماتِ مبارکہ میں صرف لفظِ نصف النہار ہی نہیں بلکہ الفاظِ "استواء الشمس" اور "قیام قائم الظہیرہ" اور "وقت الزوال" بھی بکثرت وارد ہیں کما مر، حالانکہ ان سے ضحوۂ کبریٰ مراد نہیں لیا جاسکتا کما مر، اور جب یہ سب کلمات ایک ہی چیز کے متعلق ہیں تو نصف النہار کا ایک ایسا معنیٰ جو ان دوسرے کلمات کے مخالف ہو، کسطرح مراد لیا جاسکتا ہے تو ثابت ہوا کہ وہ احتمال ونقول محض غلط ہیں اور قابلِ التفات نہیں۔

ثالثًا:۔ وہ صرف متون وشروح وفتاویٰ کے خلاف ہی نہیں بلکہ احادیثِ مبارکہ کے بھی خلاف ہیں کما مر، اور اکثر احادیث میں لفظِ نصف النہار نہیں بلکہ وہ کلماتِ مبارکہ ہیں جن میں ان کی تاویل چل ہی نہیں سکتی، زاہدی اور قہستانی جیسوں کی کیا حیثیت جبکہ امام الائمہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حضرات فرماتے ہیں اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ پھر صرف احادیث ہی نہیں بلکہ آیاتِ سابقہ کے بھی خلاف ہے۔

رابعًا: جس کو وہ نہارِ شرعی کہتے ہیں وہ روزہ کے لحاظ سے تو نہارِ شرعی ہے مگر ان اوقاتِ ثلاثہ متعلقۂ نماز کا نہارِ شرعی تو وہی ہے جس کو وہ نہارِ عرفی بتا رہے ہیں کیونکہ ان سب احادیث "نہی" میں کلماتِ



طلوع و غروب اور استواء یا قائم الظہیرہ وغیرہ کی تصریح ہے اور طلوع و غروب بالاتفاق طرفین ہیں تو اگر "النہار" سے نہارِ شرعی ہی مراد لینا ہے تو وہ نہارِ شرعی مراد لیں جو متعلقہ اوقاتِ ثلاثہ ہے نہ کہ نہارِ شرعی صیامی مراد لیں کہ یہاں نیتِ روزہ زیرِ بحث نہیں اور نہ ہی نہارِ صیامی کے ساتھ لفظِ نہارِ شرعی کی تخصیص کسی آیت یا حدیث سے ثابت ہے حتی کہ نہارِ صلاتی یا اوقاتی پر اس کا اطلاق ناجائز ہو بلکہ اکثر احادیث میں تو لفظِ "النہار" ہے ہی نہیں۔

خامسًا وہ شبہ جس پر برجندی کا احتمال اور قنیہ و قہستانی کے نقل مبنی ہیں وہ سرے سے محض بے جا اور بادر ہوا ہے کیونکہ "نہی" کی بہ نسبت امر امکان و قدرتِ ادا کا زیادہ تقاضا کرتا ہے۔ امر میں عمل مطلوب ہوتا ہے اور نہی میں کف یعنی رک جانا، اور عمل رک جانے کی بہ نسبت قدرت کا زیادہ تقاضا کرتا ہے حالانکہ امر کے متعلق اہلِ اصول نے تصریح فرمائی کہ صرف قدرتِ ممکنہ ہی کافی ہے اور اس کا بھی صرف توہم ہی شرط ہے چنانچہ نماز کا ایسا آخری وقت جس میں صرف "اللہ اکبر" ہی کہا جا سکے، اس میں لڑکا بالغ ہو جائے یا کافر اسلام لائے یا حائض و نفساء پاک ہو جائے یا دیوانہ ہوش پائے تو ان پر بالشروط المعتبرہ نماز لازم ہو جاتی ہے یعنی وہ اَقِیمُ الصَّلٰوۃَ کے مخاطب ہو جاتے ہیں کیونکہ ایسے کم وقت میں اگرچہ عادۃً نماز ادا نہیں ہو سکتی مگر اس کا امتداد متوہم ہے کیونکہ اللہ رب العالمین سورج کو ٹھہرا کر ایسے کم وقت کو طویل بنا سکتا ہے تو ادا ہو سکتی ہے۔

حسامی رحیمیہ ص۴۰/۴۱، منار اور نور الانوار طبع سراجدین لاہور ص۴۸/۴۹، شرح المنار لابن الملک طبع عامرہ ص۵۲/۵۳، شرح المنار لابن العینی طبع عامرہ ص۵۲، افاضۃ الانوار شرح المنار اور اس کے حاشیہ نسمات الاسحار للعلامہ ابن عابدین الشامی ص۳۶/۳۷ طبع مصر، تحریر اور اس کی شرح تیسیر التحریر ج۲ ص۱۴۴ طبع مصر، تنقیح، توضیح تلویح ص۱۹۸ جلد ا طبع مصر میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم للحسامی جعل القدرۃ الممکنۃ شرطا لوجوب الاداء (الیٰ ان قال) والشرط کونہ متوھم الوجود لا کونہ متحقق الوجود فان ذلک لا یسبق الاداء و لھذا قلنا اذا بلغ الصبی او اسلم الکافر فی اٰخر الوقت تلزمہ الصلٰوۃ لجواز ان یظھر فی الوقت امتداد بتوقف الشمس کما کان لسلیمان علیہ السلام الخ تو یونہی وقتِ استواء کم ہونے کے باوجود متوہم الامتداد ہے تو موردِ نہی



بن سکتا ہے لہذا وہ شبہ زائل ہو گیا۔

سادساً اس نہی سے مطلوب کف عن الصلوٰۃ ہے یعنی نماز کے ادا کرنے سے رک جانا اور یہ ایسا فعل ہے جو زمانِ طویل کا تقاضا ہی نہیں کرتا بلکہ اگر اس وقتِ استواء سے پہلے نماز شروع کرنے والا استواء ہوتے ہی نماز سے رک جائے یا استواء کے وقت نئے سرے سے نماز شروع کرنے سے پرہیز کرے تو دونوں طرح اس نہی کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔

الحاصل مکمل نماز ادا کرنے کے لئے جتنا وقت ضروری ہے، کف عن الاداء کے لئے اتنے وقت کی ضرورت نہیں وذا مما لا غبار علیہ اصلاً مگر وہ حضرات نہی عن الصلوٰۃ الکاملۃ بجمیع اجزائہا من اولہا الی اخرہا سمجھ بیٹھے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان حضرات نے "الصلوٰۃ" کو بمعنے مفعول تصور کر لیا اور بجمیع اجزائہا مراد لیا حالانکہ یہ مصدر بمعنے فعل ہے۔ اگر مصدری معنیٰ میں نہ لیں تو "الصلوٰۃ" فعل نہیں بنے گا تو نہی عن الافعال الشرعیۃ کا حکم یعنی مقدور العبد ہونا اس پر حاوی نہیں ہوگا تو وہ شبہ خود بخود زائل ہو جائے گا کہ اس کی بناء ہی اس پر ہے کہ نصف النہار حقیقی کا وقت اتنا تنگ ہے کہ اس میں فعلِ صلوٰۃ سما نہیں سکتا، اور جب "الصلوٰۃ" کو بمعنیٰ مصدر لیا جائے تو اداء جمیع الصلوٰۃ کی طرح اداء بعض الصلوٰۃ بھی اس کا مصداق بنے گا حالانکہ بعض کا اداء ضرور مقدور ہے تو وہ شبہ مٹ گیا اور یوں بھی یہ شبہ باطل ہے کہ اگر "نہی عن الصلوٰۃ بجمیع اجزائہا" مراد ہو تو بعض الصلوٰۃ کا پڑھنا جائز ہوگا کہ وہ منہی عنہ نہیں اور جب بعض اجزاء کا پڑھنا جائز ہوا تو ایسی نمازِ عید یا قضائے فرض و واجب جو اس وقت نہی سے پہلے شروع کی جائے اور نماز کے اندر وقتِ نہی آجائے، فاسد نہ ہو کہ یہ بعض ہے اور بعض سے نہی ہی نہیں اور یونہی نفل نماز جو پہلے سے شروع کی ہو وہ مکروہ نہ ہو اور ایسے ہی وہ نماز قضا یا واجب و نفل جو اس وقت نہی میں شروع کرے اور ظہر کے وقت میں ختم کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہ ہوتا کیونکہ نہی بعض سے ہے ہی نہیں حالانکہ یوں نہیں بلکہ پہلے کی شروع کردہ نماز بھی وقتِ نہی کے داخل ہونے سے فاسد یا مکروہ ہو جاتی ہے اور یونہی نماز کا وقت نہی میں شروع کرنا بھی ناجائز ہے اگرچہ وقت ختم ہونے کے بعد ہی پوری کرے، تو معلوم ہوا کہ بجمیع اجزائہا والی قید غلط ہے لہذا بوجندی کا پہلا احتمال ہی درست ہے کہ لعل المراد انہ لا تجوز الصلوٰۃ



بحیث یقع جزء منها فی هذا الزمان (شامی ص۳۴۲)، تو احتمالی رنگ ہیں لعل
کہنا درست نہیں اور علامہ طحطاوی نے تو اس شبہ کے جواب میں فرمایا ہے یمکن تصویرھا بان
یکون شرع قبل الاستواء ثم طرأ الاستواء فی اثنائھا قبل
القعود قدر التشھد فانه بذلك یفسد الفرض و یکون النفل
مکروھا یعنی اس وقت استوار یعنی نصف النہار حقیقی میں ادائے نماز کی صورت یوں بنائی جاسکتی ہے کہ
استوار سے پہلے نماز شروع کی جائے۔ پھر نماز کے اندر قعود قدر التشہد سے پہلے استوار طاری ہو جائے۔ اس
لئے کہ بے شک طاری ہونے سے فرض فاسد ہو جاتا ہے اور نفل مکروہ ہو جاتے ہیں۔ نیز مرقاۃ ص۴۳ جلد۳
میں ہے قال ابن حجر و وقت الاستواء المذکور وان کان وقتا ضیقا
لا یسع الا التحریمة فیحرم تعمد التحریم فیه یعنی وقت استوار
یعنے نصف النہار حقیقی اگرچہ وقت تنگ ہے اور پوری نماز کو سما نہیں سکتا مگر بے شک تکبیر تحریمہ کو سما سکتا
ہے تو نماز کا قصداً شروع کرنا اس میں حرام ہوگا۔ اور ان دونوں جوابوں سے ثابت ہوا کہ نماز بجمیع اجزائہا
کا امکان الادار فی الوقت ضروری نہیں بلکہ پہلے سے شروع کردہ پر استوار طاری ہو جائے یا وقت استوار
میں شروع کی جائے تب بھی موردِ نہی بن جاتی ہے۔

سابعاً وہ احادیثِ شریفہ جن سے نصف النہار میں نہی عن الصلوٰۃ ہے انہی احادیث سے ضحوۂ
کبرے میں نماز پڑھنے کا جواز روزِ روشن کیطرح واضح ہو رہا ہے کما مر۔ بلکہ احادیثِ شریفہ نمبرات دو،
تین، چار میں تو اس نماز کو مشہودہ محضورہ متقبلہ مقبولہ فرمایا گیا ہے یعنی وہ نماز ایسی جائز ہے کہ اس کے لئے
رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ مقبولِ بارگاہِ عزت ہے کما مر بالتفصیل، تو اگر
نصف النہار سے مراد ضحوۂ کبرے ہو تو لازم آتا ہے کہ ان حدیثوں میں سے ہر ایک حدیث کا ایک حصہ
دوسرے حصہ سے متعارض ہو یعنی پہلے حصے میں تو ضحوۂ کبرے میں نماز کا جائز و مقبول ہونا بیان ہو اور دوسرے
حصے میں اسی نماز کا ناجائز ہونا و ذا باطل قطعاً لا یجوز فی کلام عاقل فضلاً عن
کلام سید المرسلین صلی اللہ علیه وسلم۔

ثامناً اگر بالفرض ضحوۂ کبرے میں جوازِ نماز آیات و احادیث اور اقوالِ ائمہ و مشائخ مذہب سے



ثابت نہ بھی ہوتا تب بھی بلا دلیل کراہت ثابت نہ ہوتی کیونکہ اہل السنت والجماعت کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ "اشیاء میں اصل اباحت ہے" بلکہ ہمارے مشائخ عظام نے تصریح فرمائی کہ کراہت تحریمی ہو تنزیہی بلا دلیل خاص ثابت نہیں ہوسکتی۔ اختصاراً صرف شامی ہی کی عبارت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ شامی صلا۶ جلد ۱ میں ہے لایلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة اذلا بد لها من دليل خاص نیز یہ بھی ہے لایلزم منه ان یکون مکروھا الابنهی خاص لان الکراهة حکم شرعی فلابد له من دلیل اور ۵۹۷ جلد ۱ میں مکروہ تحریمی کے متعلق فرماتے ہیں، انه فی رتبة الواجب لایثبت الابما یثبت به الواجب یعنی بالنهی الظنی الثبوت او الدلالة۔

تاسعاً علی سبیل ارخاء العنان، نصف النہار حقیقی کے بعد گو بلا فصل زوالِ شمس ہوجاتا ہے اور حقیقۃً وہ وقت اتنا کم ہوتا ہے کہ اس میں نماز ادا نہیں ہوسکتی مگر چونکہ ہماری نظروں میں اس وقت سورج یا سایہ حرکت سے ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے حتی کہ غور و تامل سے دیکھنے والا بھی ٹھہرا ہوا ہی محسوس کرتا ہے تو فی الواقع نصف النہار حقیقی ہونے سے ذرا پہلے ہی نصف النہار کا ظن ہوجاتا ہے جو ذرا بعد تک بھی رہتا ہے اور فی الواقع زوال ہونے سے ذرا بعد ہی زوال کا علم ہوتا ہے[۱] چنانچہ بعض نے تو یہ قول بھی کر دیا کہ سورج حقیقۃً حرکت سے تھوڑی دیر کے لئے بند ہوجاتا ہے مگر یہ صحیح نہیں، سورج حرکت کرتا رہتا ہے اور کمالِ

---

[۱] قوت القلوب شریف صلا۵ جلد ۱ میں ہے کہ حضور مروی ہے کہ محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل امین علیہ السلام سے فرمایا کیا زوال ہوگیا ہے؟ تو جبریل نے عرض کی "لا نعم" یعنی نہیں ہوا ہاں ہوا، تو حضور نے فرمایا یہ کس طرح؟ تو عرض کی کہ میرے لا نعم عرض کرنے کی مدت میں سورج نے آسمان میں ڈیڑھ لاکھ میل کا فاصلہ طے کیا ہے ونصه وقد روی فی الخبر ان النبی صلی الله علیه وسلم سأل جبریل علیه السلام فقال هل زالت الشمس فقال لانعم فقال کیف هذا فقال بین قولی لك لانعم قطعت فی الفلك خمسین الف فرسخ۔ اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاویٰ رضویہ جلد ۲ میں ص۳۵۶ سے ص۳۶۱ تک وقت مابین ظہر و عصر کے متعلق یہ تفصیلی افادہ فرمایا ہے جو وقت زوال و قبل زوال کے مابین میں بھی باقاعدہ جاری و ساری ہے۔ فرماتے ہیں "وقت ظہر و مثل سمجھو خواہ ایک اس کی حقیقتِ واقعیہ کا ادراک طاقتِ بشری سے خارج ہے (الیٰ ان قال) ولہذا ملتقے وقتین سے کچھ پہلے اور کچھ بعد تک عامۂ خلق کے نزدیک وقت مشکوک ہے۔ اسی کو وقت بین الوقتین کہتے ہیں اس میں نظرِ ناظر کبھی حالتِ شک رہتی ہے، کبھی بقائے وقتِ اول، کبھی دخول وقتِ آخر گمان کرتی ہے"۔

عروج کے باعث حرکت کا ظہور نہیں ہوتا تو غور و تامل سے بھی قائم و واقف ہونے کا ظن ہوتا ہے۔ مرقاۃ ص۲۲ جلد ۳ میں ابن الملک کا قول نقل کیا سکون الشمس و اقفة عن السیر و تثبت فی کبد السماء لحظة ثم تسیر وقیل یظن انها واقفة قلت هذا هو المعتمد قال الطیبی الشمس اذا بلغت وسط السماء ابطأت حرکة الظل الی ان تزول فیتخیل للناظر المتأمل انها وقفت وهی سائرة الی اخر ما مر من المرقاۃ۔

حدیث ۱ کے تحت نووی، نہایہ، درنثیر، مجمع، لسان العرب وغیرہا سے بھی یہ تفصیلاً گزر چکا ہے اور حضور محبوبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس قیامِ شمس کا اعتبار فرمایا ہے کہ حین یقوم قائم الظہیرۃ فرمایا ہے۔ یعنی جتنے وقت تک قائم معلوم ہوتا ہے نماز ممنوع ہے۔ نہایہ وغیرہا میں اسی اعتبار کے لحاظ سے تشریح ہے، تو اس ظاہری و ظنی وقت نصف النہار میں اتنی وسعت ہے کہ دو رکعت نماز ادا ہو سکتی ہے تو برجندی، قہستانی، زاہدی کا وہ شبہ سرے سے ہی زائل ہو گیا و للہ تعالی الحمد و المنة۔

تنبیہ

رسائلِ ابنِ عابدین ص۱۳ میں یہی علامہ شامی فرماتے ہیں قلت و قد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتأخرین و یکون القول خطأ اخطأ به اول واضع له فیأتی من بعده و ینقله عنه وهکذا ینقل بعضهم عن بعض۔ پھر ص۱۵ میں فرمایا و لهذا الذی ذکرناه نظائر کثیرة اتفق فیها صاحب البحر و النهر و المنح و الدر المختار و غیرهم وهی سهو منشأها الخطأ فی النقل او سبق النظر۔ تو مسئلۂ زیرِ بحث کا صرف چھ کتابوں میں آ جانا اور وہ بھی بعض میں صرف احتمالی رنگ میں اور بعض میں رد کے ساتھ اور ان کی بعض بالکل غیر مشہور یا غیر معتبر ہی ہیں تو یہ کیونکر مقبول و معتمد ہو سکتا ہے؟ بہر حال وہ شبہ اور اس پر مبنی احتمال و اقوال سب باطل ہیں اور بلاشک و شبہ و ریب ضحوۂ کبریٰ میں اور اس کے بعد نصف النہار حقیقی تک

طویل وقت مندرج فی السوال میں ہر قسم کی نمازیں یقیناً جائز و روا اور باعثِ ثواب و جزا و عطا ہیں اور عیدین کا آخری وقت بھی یقیناً نصف النہار حقیقی تک ہے۔ اگر نمازِ عید میں نصف النہار حقیقی کا وقت ہو جائے تو فاسد ہو جائے گی مگر ضحوۂ کبرٰی کے داخل ہونے سے فاسد نہیں ہوتی بلکہ ضحوۂ کبرٰی ہونے کے بعد بھی نمازِ عید یقیناً جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں اس کا پڑھنا واجب و لازم ہو جاتا ہے۔ مثلاً شہادت دیر سے آئی کہ ضحوۂ کبرٰی سے پہلے نہیں پڑھی جا سکتی، یا امام نے نماز پڑھائی اور ضحوۂ کبرٰی ہونے پر ظاہر ہوا کہ وضو نہیں تھا یا جسم یا لباس پر درہم سے زائد نجاست لگی ہوئی تھی تو اعادہ لازم ہوا، تو ایسی صورتوں میں ضحوۂ کبرٰی کے داخل ہونے پر بھی نصف النہار حقیقی سے پہلے پڑھنا ضروری و واجب ہے لانہ وقت العید بتصریحات جمیع کتب المذهب حتی الشامية والقهستانی کما مر ولا یجوز تاخیر الصلوٰة عن وقتها بلا عذر اور اس جواب سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ استواء سے نصف النہار شرعی صیامی مراد نہیں بلکہ شرعی صلوٰتی یا اوقاتی ہے جس کو نصف النہار حقیقی و عرفی بھی کہا جاتا ہے یعنی جس وقت سورج سر پر ہو اور مشرق و مغرب میں سایہ معدوم ہو جسے مجازاً بوجہ مجاورت زوال بھی کہا جاتا ہے ومن اراد زيادة تفصيل المقال و تحقيق الحال فعليه برسالتنا فيئ الزوال و شرحه تيسير المقال۔



الحمد للہ! کہ تمام سوالات کے جواب بقدرِ ضرورت تفصیل سے تحریر ہوئے فما کان صوابا فمن اللہ تعالیٰ بمنہ و کرمہ وما کان خطأ فمنی ومن الشیطٰن فرحم اللہ تعالیٰ فاضلا متدینا دلنی علی الخطأ والنسیان وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم واسمی الجواب **بابداء البشریٰ بقبول الصلوٰة فی الضحوة الکبریٰ** جعله الله تعالیٰ البشریٰ فی الحیوة الدنیا والاخریٰ وما ذلك علی الله تعالیٰ بعزیز۔

والله تعالیٰ اعلم وصلی الله تعالیٰ علیٰ سیدنا ومحبوبنا محمد



وعلی آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ نمازِ فجر کے بعد قبل طلوعِ آفتاب قضا فرض نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ مسئلہ بادلیل تحریر فرمادیں۔ حوالہ کتاب بھی ہو۔

آپ کا ثنا گو: سگِ آستانہ خادم حقیر پرتقصیر خادم الفقرا عبدالحلیم غفرلہٗ از موضع بریت متصل حویلی لکھا منتظر الجواب۔

(۱۷ ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ)



بلاشبہ طلوعِ صبح سے طلوعِ آفتاب تک قبل از نمازِ فجر اور بعد از نمازِ فجر فرض نماز کی قضا ادا کر سکتا ہے۔ تمام کتب فقہ تصریحاتِ جلیلہ سے گونج رہی ہیں۔ ہدایہ ص۸۷ جلد۱، فتاویٰ عالمگیر ص۲۷ جلد۱، درالمختار شامی

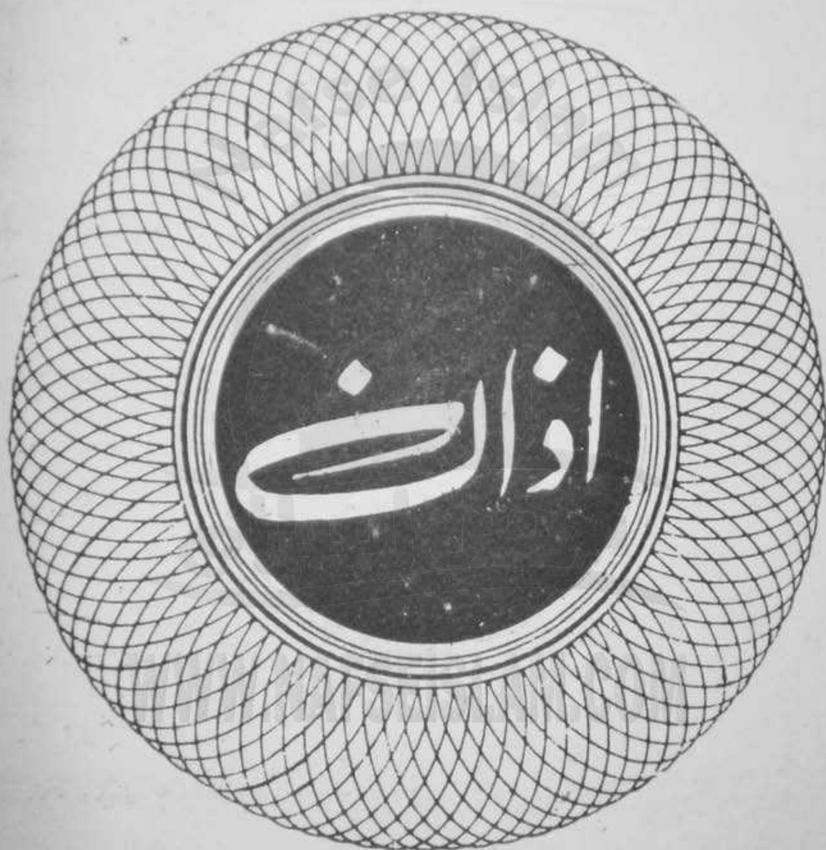
مثلہ جیسا کہ ذخیرہ میں ہے والنظم من الاولی ولا باس بان یصلی فی ھذین الوقتین الفوائت الخ والمولی المتعال اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم و الصلوۃ و السلام علی حبیبہ الاکرم الاسود وعلی الہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

عبدہ المذنب ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ








اذان

بَابُ الاذان

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ کیا ولد الزنا کا مذبوح اور اس کی اذان جائز ہے یا نہیں؟ باوجودیکہ صلوٰۃ وصوم کا پابند ہے اور مدرسہ بھی کچھ پڑھا ہوا ہے اور دوکانداری کرتا ہے ظاہراً تو احوال اچھے ہیں مگر ریش بریدہ ہے اور اس کی والدہ نے بعدہٗ توبہ کر لی ہے اور نکاح کر لیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں حق حق بیان کر دیں۔

السائل: علم الدین ولد حاجی غلام فرید قوم رنگریز منڈی اسٹیشن وساوے والا ضلع ساہیوال



حلتِ ذبیحہ کے لئے شرعاً ذابح کا مسلمان عاقل ہونا کافی ہے۔ فتاوٰے عالمگیر ص۲۸۳ جلد۴ میں ہے فمنها ان یکون عاقلا۔ نیز اسی میں ہے ومنها ان یکون مسلماً الخ تو ولد الزنا جبکہ مسلمان سمجھدار پابندِ صوم وصلوٰۃ ہے تو اس کی ذبیحہ بلا کراہت جائز ہے اور ایسے ہی اس کی اذان بھی جائز ہے اور ولد الزنا ہونے کیوجہ سے مکروہ بھی نہیں۔ فتاویٰ عالمگیر ص۳۸ جلد۱ میں ہے ویجوز اذان العبد والقروی واھل المفازۃ وولد الزنا (الی ان قالوا) من غیر کراھۃ البتہ اگر ریش بریدہ مشت بھر سے کم رکھنے والا ہے تو فاسق ہوا اور اس وجہ سے اس کی اذان مکروہ ہوگی۔ فتاوٰے عالمگیر میں ہے و

یکرہ اذان الفاسق۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ وصحبہ وسلم

حررہ: الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۰ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ کے اذان کے متعلق کہ مؤذن اذان مسجد سے باہر رہتا ہے یعنی مسجد کے پیچھے متصل ایک کھوہ ہے اور اس میں رہائش بھی ہے اور اس جگہ میں لاؤڈ سپیکر بھی فٹ کرکے رکھا ہوا ہے اور آبادی بھی نے اذان کے لئے کی ہے کیا وہاں اذان کہنی جائز ہے یا نہیں؟ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کیا فتویٰ ہے۔ مفصل جواب سے نوازیں۔ اہلِ سنت وجماعت جواب دیکر مشکور فرماویں

السائل: محمد حنیف نظامی مدینہ مسجد محراب پور تحصیل کنڈیارو ضلع نوابشاہ



شرعاً اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔ اذان کہی ہی مسجد سے باہر جاتی ہے۔ ہمارے مذہبِ حنفی میں بھی یہی لکھا ہے۔ غنیۃ المستملی ص ۳۰۰، فتح القدیر ص ۲۱۵ جلد ا، خلاصۃ الفتاویٰ ص ۴۹ جلد ا میں ہے والنظم منہا في الاصل و ينبغي ان يؤذن على المئذنة او خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد یعنی اصل میں ہے کہ حق یہ ہے کہ اذان منارہ پر کہی جائے یا مسجد سے باہر اور مسجد میں اذان نہ کہی جائے اور اصل امام محمد علیہ الرحمۃ تلمیذِ رشید حضرت امامِ اعظم علیہما الرحمۃ کی کتاب کا نام ہے جو مذہبِ حنفی کی نہایت مستند کتاب ہے۔ بہرحال اذان کہی ہی مسجد سے باہر جاتی ہے اور منارہ بھی نماز کی جگہ سے باہر ہی ہوتا ہے تو متصل کنواں



پر اذان کہنے میں کیا حرج؟ بلاشبہ جائز ہے اور محبوب پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانے میں بھی مسجد کے باہر ایک بہت اونچے مکان پر حضرتِ بلال اذان دیا کرتے تھے۔ سنن ابوداؤد ص۷۷ جلد ۱ میں ایک صحابیہ انصاریہ کی روایت ہے کان بیتی من اطول بیت کان حول المسجد فکان بلال یؤذن علیہ الفجر یعنی میرا گھر مسجد پاک کے آس پاس تمام گھروں سے اونچا تھا تو حضرتِ بلال اس پر فجر کی اذان کہا کرتے تھے اور منارہ کو (مئذنہ) بھی اسی لئے ہی کہتے ہیں کہ وہ اذان کے لئے اونچا بنایا جاتا ہے اور مسجد کے متصل مسجد سے باہر ہوتا ہے اور یونہی جمعہ کی دوسری اذان بھی مسجد سے باہر ہی کہی جاتی ہے امام کے سامنے مسجد کے دروازہ پر چنانچہ حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بھی مسجد کے باہر دروازہ پر ہوا کرتی تھی۔ ابوداؤد شریف ص۱۵۵ ج۱ میں حضرت سائب بن یزید سے ہے کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب آپ منبر پر جمعہ کے دن جلوہ گر ہوتے تھے تو مسجد کے دروازہ پر اذان کہی جاتی تھی اور یونہی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے بھی اور یہ سامنے والی اذان تو برقرار رہی اور اس سے پہلے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کے بازار کے ساتھ مکانِ زوراء پر اذان کا حکم دیا۔ ابوداؤد کے اسی صفحہ میں ہے فلما کان خلافۃ عثمان وکثر الناس امر عثمان یوم الجمعۃ بالاذان الثالث فاذن بہ علی الزوراء یعنی جب حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی اور لوگ پہلے سے بھی زیادہ ہو گئے تو آپ نے جمعہ کے دن پہلی اذان کا حکم دیا تو وہ اذان زوراء پر کہی گئی۔ بہر حال روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اذان جمعہ کی ہو یا دوسری، مسجد سے باہر ہی کہی جاتی ہے، منارہ پر ہو یا کسی دوسرے مکان پر، مقصود نمازیوں کو سنانا اور خبردار کرنا ہے اور وہ عموماً مسجد سے باہر ہی ہوتے ہیں تو جس مکان سے وہ اچھی طرح سن سکتے ہیں وہاں اذان ہونی چاہئے اور جو مسجد سے باہر ہاں جمعۃ المبارکہ کی دوسری اذان جو امام کے سامنے ہوتی ہے وہ سامنے ہی دروازہ پر سنت کے مطابق کہی جائے اور کھوہ پر نہ کہیں کہ سامنے نہ رہے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں مفتیان وعلمائے دین دریں مسئلہ کہ آیا کہ اذانِ ثانی جمعہ مسجد کے اندر پڑھنی جائز ہے کہ نہیں؟ حوالہ کتب سے تحریر فرما کر جواب سے مشرف فرمادیں بینوا توجروا۔

السائل: الفقیر محمد یار خطیب مسجد چک ۸۴ ۱۹ ایل حلقہ شیخ فاضل





مسجد کے اندر نہ پڑھی جائے فتاوٰے قاضی خان ص۳۷ جلد ۱، خلاصۃ الفتاوی ص۴۹ جلد ۱، فتاوٰی عالمگیری ص۲۹ جلد ۱ میں ہے لایؤذن فی المسجد (ترجمہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے)۔ اور ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر جمعہ کے دن جلوہ فرماتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان کہی جاتی۔ اور ایسے ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے بھی، تو ثابت ہوا کہ اذان ثانی جمعہ بھی مسجد کے باہر ہونی ضروری ہے۔ ہاں اگر اول سے مسجد میں اذان کے لئے مسجد بنانے سے پہلے ہی جگہ اذان کی معین بنالی جو دیوار مسجد میں الماری کیطرح ہو تو اس میں جائز ہے کیونکہ وہ جگہ حکماً مسجد سے باہر ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ / ۲۵-۷-۶۷

الاستفتاء

بخدمت گرامی قدر مکرمی معظمی حضرت مولانا محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم کے بعد عرض مندرجہ ذیل ہے برائے کرم اس مسئلہ کا جواب بحوالہ قوی جلد روانہ فرما کر مشکور فرمائیں ـــــ نماز جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہونی چاہئے یا باہر، فقہ و حدیث نبوی سے جواب منتقل ہو، جواب مسئلہ مندرجہ بالا کا تفصیل سے ہو، مسجد کے اندر ہونے سے مطلب ہے کہ مسجد کے مکان کے اندر اذان ہونی ضروری ہے یا کہ باہر احاطہ مسجد میں جیسے کہ اذان اول ہوتی ہے۔

السائل: مولوی در محمد بستی صادق آباد موضع کوٹ قاضی ڈاک خانہ کرم پور براستہ وہاڑی ضلع ملتان۔

۲۲-۱۲-۶۳



جمعہ کی اذانِ ثانی امام کے سامنے سنت ہے اور اذان اول دوسری نمازوں کی اذانوں کی طرح منارہ یا بلند مکان پر دیجاتی ہے جس کی تفصیل کتبِ فقہیہ میں ہے مگر امام کے سامنے کا یہ مطلب نہیں کہ مسجد کے مکان کے اندر یا باہر مکان کے سامنے نماز کی جگہ پر ہو بلکہ نماز کی مقرر کردہ جائے مسجد جو اصالۃً وہی مسجد ہے اس میں نہ دی جائے بلکہ اس جگہ سے باہر کہی جائے پھر خواہ مکان کے دروازہ میں ہو یا بیرونی مسجد کے دروازہ پر ہو یا مکان کی شرقی دیوار میں الماری نما جگہ میں ہو جو امام کے سامنے ہو حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں ہے من باب کان وحباہ المنبر۔ سنن ابوداؤد میں ہے کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فتاویٰ قاضیخان ص۷۸، خلاصۃ الفتاویٰ ص۴۹ جلد۱، فتاویٰ عالمگیر ص۲۹ جلد۱، بحرالرائق ص۲۵۵ جلد۱ میں ہے لا یؤذن فی المسجد۔ غنیہ شرح منیہ ص۳۶۲ میں ہے الاذان انما یکون فی المئذنۃ او خارج المسجد۔ فتح القدیر ص۲۹ جلد۲ میں ہے لکراھۃ الاذان فی المسجد۔ بہرحال اذان ثانی

بھی اذان خطبہ مسجد سے باہر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآل وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ ۲۶-۱۲-۶۳

الاستفتاء

نمبر ۱:- آیا کہ جب جمعۃ المبارک کی جو دوسری اذان کہی جاتی ہے تو اس اذان کا جواب دیا جائے یا کہ نہیں اور اس دوسری اذان کے بعد اور خطبہ سے پہلے اس اذان کی دعا مانگی جائے یا کہ نہیں؟

نمبر ۲: آیا کہ جب نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے تو جب امام سلام کہتا ہے اور دائیں طرف منہ پھیرتا ہے تو اس وقت دائیں ہاتھ کو چھوڑ دینا چاہیئے اور جب بائیں طرف سلام کہتا ہے تو بائیں ہاتھ چھوڑ دینا چاہیئے یا کہ دونوں طرف سلام کہہ کر ہاتھ چھوڑے جائیں؟

السائل: جناب محمد یار صاحب خطیب و امام مسجد چک ۲۹۷/ ج ب، ڈاکخانہ چک ۲۹۶/ ج ب تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور



سے

نمبر ۱: ہاں اس اذان کا جواب بھی جائز ہے اور بعد ازاں دعائے اذان بھی جائز ہے کہ اجابتِ

سے جوابی کارڈ پر "الجواب النور والصواب" لکھا ہے اور یونہی "اللہ تعالیٰ اعلم" کی جگہ "المولیٰ تعالیٰ اعلم" اور درود پاک "وصلی علی حبیبہ وسلم" لکھا ہے کہ ادب کا یہی تقاضا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

اذان و دعا کی حدیثیں مطلق ہیں اپنے اطلاق سے اذان ثانی کو بھی شامل ہیں اور بالخصوص اس اذان کے جواب کی حدیث صحیح بخاری ص۱۲۵ جلد امیں بڑے واضح طور پر موجود ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شروع خطبہ سے پہلے پہلے ایسا کلام جو دنیاوی نہ ہو۔ ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ طحطاوی علی المراقی ص۳۱۲ میں ہے انما یکرہ ما کان من جنس کلام الناس اما التسبیح وغیرہ فلا۔

۲: نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر تک ہاتھ باندھے جائیں بعد ازاں دونوں ہاتھ چھوڑ دے اور پھر دونوں سلام کہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۲۵ جلد امیں ہے فالصحیح انہ یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین ھٰکذا فی الذخیرۃ۔ (ترجمہ) صحیح یہ ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے والا دونوں ہاتھ کھول دے پھر دونوں سلام کہے، اس طرح ذخیرہ میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

مولانا صاحب آئندہ مسئلہ کے لئے کارڈ نہ بھیجا کریں بلکہ لفافہ ہونا چاہیے۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۰-۱۱-۶۱





جمعہ کی اذانِ ثانی میں انگوٹھے چومنے کا حکم

جمعہ کی اذان ثانی کے جواب دینے اور اس اذان میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر انگوٹھے چومنے کے جواز میں یہ رسالہ ۱۳۷۸ھ ر ۱۹۵۸ء میں سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔

اس رسالہ کا آغاز باقاعدہ خطبہ سے ہوتا ہے مگر اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔۔۔۔ برادر گرامی حضرت علامہ ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے رسالہ قرار دیا۔ چنانچہ انہوں نے فتاوی نوریہ جلد اول کی فہرست میں درج ذیل تعارفی کلمات تحریر فرمائے:

"جمعہ کی اذان ثانی کا جواب اور اس اذان میں نام پاک آنے پر انگوٹھے چومنے کے جواز میں نہایت مدلل اور مبرہن رافع اشکالات رسالہ"

(فتاوی نوریہ حصہ اول پہلا ایڈیشن ۵۳۶)

اب اس رسالے کو "تقبیل الابہامین عند ثانی الاذانین" یعنی "جمعہ کی اذان ثانی میں انگوٹھے چومنے کا حکم" کا عنوان دیا جا رہا ہے۔

محمد محب اللہ نوری

۵ر اگست ۱۹۹۱ء

الاستفتاء

نمبر۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ جمعۃ المبارکہ کی اذانِ ثانی کے بعد دعا مانگنا جائز ہے؟

نمبر۲: اذانِ ثانی کا جواب جائز ہے؟ نامِ پاک آنے پر انگوٹھے چومنے جائز ہیں؟ اگر یہ امور جائز ہیں تو بعض کتابوں میں جو حدیثِ پاک اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ و لا سلام کے تحت عدمِ جواز لکھا گیا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

نمبر۳: مشکوٰۃ شریف باب حرمِ مکہ حرسہا اللہ تعالیٰ ص۲۳۷ اصح المطابع پر ہے عن جابر قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الضبع قال هو صيد و يجعل فيه كبشا اذا اصابه المحرم رواه ابو داؤد و ابن ماجة و الدارمی کی وضاحت فرمادیں، عین نوازش و شفقت ہوگی۔

مستفتی:- منظور احمد غفرلہٗ مدرس دار العلوم عالیہ عربیہ مدینہ مسجد ساہیوال

۱۳-۵-۷۸ ہجری المقدس

(جواب ص۲۸۱ پر ملاحظہ کریں)

لہ یہ استفتاء تین سوالوں پر مشتمل ہے پہلے دو سوالوں کا حضرت مصنف علام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیلی جواب دیا ہے جب کہ تیسرے سوال کا جواب فتاویٰ نوریہ کے قلمی نسخے میں بھی درج نہیں ہے---
اس دوسرے سوال میں مذکور حدیث پاک میں "بجو" کے شکار کا ذکر ہے۔ سائل کے استفسار کا مقصد غالباً یہ ہے کہ اگر بجو شکار ہے تو پھر کیا اسے کھانا حلال ہے؟

(باقی اگلے صفحے پر)

جواباً معروض کہ صید یعنی شکار سے مراد، ایسے وحشی جانور ہیں جو خلقتاً انسانوں سے غیرمانوس ہوں چنانچہ نیل گائے اور ہرن وغیرہ شکار ہیں اور گائے، بکری وغیرہ شکار نہیں۔ بحالت احرام خشکی (جنگل) کا شکار منع ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ حرم علیکم صید البر مادمتم حرما (المائدہ 96) یعنی حرام ہے تمہارے لئے خشکی کا شکار جب تک تم احرام میں رہو۔ وحشی جانور کا شکار کر بیٹھے تو جزاء لازم ہے۔ البتہ کوا، چیل، چوہا، کاٹنے والا کتا، بچھو اور سانپ کو حضور علیہ السلام نے مستثنیٰ قرار دیا لہٰذا محرم یا غیر محرم کے لئے حرم یا غیر حرم میں بطور عادت ابتداءً حملہ کرنے والے ان موذی جانوروں کے قتل کی اجازت ہے۔ اسی طرح وہ جانور یا درندے جو اکثر و بیشتر عادتاً حملہ کرنے میں پہل نہیں کرتے (جیسے بجو، لومڑی وغیرہ) حملہ آور ہوں تو ان کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔ حدیث مذکور میں حضرت جابر کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ کیا بجو ان موذی جانوروں میں سے ہے جن کا قتل معاف ہے۔ یا یہ شکار ہے جس پر کفارہ و جزا لازم آتی ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بجو شکار ہے محرم جب اس کا شکار کرے تو اس کے عوض چھترا دے دے۔

شکار کا لفظ احناف کے نزدیک تمام وحشی جانوروں کو شامل ہے خواہ ان کا گوشت حلال ہو یا حرام۔ لہٰذا اس حدیث پاک میں بجو کو شکار کہنے سے اس کی حلت ثابت نہیں ہوتی۔

مشکوۃ شریف کی محولہ بالا حدیث سے اگلی حدیث میں ہے، حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجو کے بارے میں دریافت کیا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ "اویاکل الضبع احد" کیا کوئی بجو بھی کھاتا ہے؟ (یعنی کوئی مسلمان اسے کھانا پسند نہیں کرتا۔)

نیز حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہر کیل دار جانور کو ناجائز قرار دیا ہے اور بجو بھی کیل دار جانور ہے لہٰذا اسے کھانا منع ہے۔

(محمد محب اللہ نوری ا ہ)

11 اگست 1991ء



الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

الحمد للہ الذی بذکرہ تطمئن قلوب الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا و علیٰ جنوبھم و قال بکرمہ یا ایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا فان الذکر ماحی عیوبھم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ من رفع ذکرہ و جعلہ ذکرا من ذکرہ وجعل اکثار الصلوٰۃ علیہ غرفا من بحرہ وعلیٰ الہ و اصحابہ المتأدبین بادابہ ۔



امورِ مذکورہ سوال بلاشک و شبہ و گنجائشِ ریب شرعًا جائز بلکہ مستحسن و مطلوب ہیں۔ اطلاقات و عموماتِ آیاتِ متکاثرہ و احادیثِ متظافرہ و اجماع ائمہ و جمیع امت سے جواز و حسنِ دعا روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح و ہویدا ہے کما بیناہ فی فتاوانا ۔ اور اطلاق و عموم سے استدلال سلف و خلف سے شائع و ذائع ہے اس کا انکار ہوش و خرد کا انکار ہے کما بینہ مجدد المأۃ الحاضرۃ علیہ الرحمۃ فی اقامۃ القیامۃ ص۲۶ تا ۲۸ و بذل الجوائز ص۴ وغیرھا من تصانیفہ المنیفۃ و فتاویہ الشریفۃ تو لامحالہ یہ دعا بھی جائز و مستحسن ہی ہوگی۔ پھر اس دعا کی ابتداء بالخصوص درودِ پاک سے ہے اور درودِ پاک کا استحسان فرمانِ فرقانِ مبین اور فرامینِ احادیثِ شریفہ و اجماع سے بروجہِ اتم ثابت عہ بلکہ یہ دعائے مخصوص احادیثِ مرفوعہ مسندہ کتبِ

عہ اور اسی بناء پر فقہائے کرام نے بھی اس کا ذکر عام فرمایا۔ شامی ص۳۰۸ جلد۱ میں ہے قولہ ویدعو (الخ) ای بعد ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما رواہ مسلم وغیرہ اذا سمعتم المؤذن الخ اور بالخصوص یوم جمعہ اکثار کا امر ہے فاکثروا علی من الصلوٰۃ فیہ (ای یوم الجمعۃ) فان صلوتکم معروضۃ علی ۔ موفوعا ابن کثیر ص۵۱۰ جلد۳ ۱۲ منہ غفرلہ

معتمدہ صحاح ستہ وغیرہا سے ثابت، مثلاً اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بہا عشرا ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانہا منزلۃ فی الجنۃ لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجوا ان اکون انا ھو فمن سأل لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ رواہ مسلم ص۱۶۶ جلد ۱ عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ اس امر صلوا اور سلوا کا عموم بوجہ ظرفیت اذا سمعتم اور حیثیت لام المؤذن مستمع اذان ثانی پر بھی حاوی، تو لامحالہ یہ درود و دعا یقیناً مستحسن و مطلوب بنے بلکہ بالخصوص خود محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس اذانِ جمعہ کے بعد دعا، حدیثِ صحیح[1] سے ثابت کما صرح بہ فی الفتاوی الرضویۃ ص۴۶۳ جلد ۲[2] حالانکہ اصل عدمِ خصوص ہے لقولہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ الآیۃ تو جب تک کسی دلیلِ خاص سے اس کو خاصہ سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہ کیا جائے اس وقت تک ہمارے لئے بھی جائز و حسن و مسنون ہی رہے گی چہ جائیکہ عمومِ "صلوا" اور "سلوا" خصوصیت کے نافی ہیں۔ نیز یہ درود و دعا و جوابِ اذان سب ذکر اللہ ہیں اور ذکر اللہ کا استحسان صدہا آیاتِ مبارکہ اور ہزارہا احادیثِ متبارکہ سے امس و شمس سے بھی زیادہ نمایاں ہے اور صرف جواز و استحسان ہی نہیں بلکہ بلا حد و عد بکثرت کرتے رہنے کے بکثرت احکام کتاب و سنت سے نہایت ہی عیاں و تاباں ہیں مثلاً قال اللہ تعالیٰ یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا اور حدیثِ عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یزال لسانک رطبا بذکر اللہ تعالیٰ ابن کثیر ص۴۹۵ جلد ۳ بحوالہ ائمہ احمد و ترمذی و ابن ماجہ۔ نیز اسی میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اذکروا اللہ ذکرا کثیرا کی تفسیر میں ہے ان اللہ تعالیٰ لم یفرض علی عبادہ فریضۃ الا جعل لہا احدا معلوما ثم عذر اھلہا فی حال العذر غیر الذکر فان اللہ تعالیٰ لم یجعل

---

[1] رواہ البخاری ص۱۲۵ جلد ۱ ۱۲ منہ غفرلہ

[2] وسیجیئ تخریجہ ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲ منہ غفرلہ



لہ حدا ینتہی الیہ ولم یعذر احدا فی ترکہ الا مغلوبا علی ترکہ فقال اذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم باللیل والنہار فی البر والبحر وفی السفر والحضر والغنی والفقر والسقم والصحۃ والسر والعلانیۃ وعلیٰ کل حال۔ اور جب بلا حد وعد تمام حالات میں ذکر اللہ مستحسن ومطلوب ہوا تو لا محالہ یہ اذکار درود ودعا وجوابِ اذان بھی جائز ہوئے الا ان یمنع مانع خاص۔ اقامۃ القیامہ ص۲۶ میں ہے، مطلق ذکر الٰہی کی خوبی قرآن وحدیث سے ثابت، تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہوگی۔ ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یاد الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت الخ بلکہ جوابِ اذان دعا و درود کی طرح بالخصوص بھی بکثرت احادیثِ مرفوعہ صحاح ستہ وغیرہا سے صراحۃً ثابت جس کی مثال مسلم سے گزر چکی۔ وہ احادیث اتنی عام ہیں کہ ان کا ظاہری تقاضا ان اذانوں کے جوابوں کو بھی ثابت کرتا ہے جو کسی نماز کے لئے نہیں جیسے اذانِ نومولود، شامی ص۳۶۹ جلد ۱ میں ہے بقی ھل یجیب اذان غیر الصلوٰۃ کالاذان للمولود لم ارہ لائمتنا والظاہر نعم ولذا یلتفت فی حیعلتہ کما مر وھو ظاہر الحدیث نیز اسی ص۳۶۹ میں یوں بھی بیانِ عموم ہے ویظھر لی اجابۃ الکل بالقول لتعدد السبب وھو السماع۔ اور انہی احادیث کے حکمِ عام کی بنا پر ہمارے بعض فقہائے کرام اور ائمہ عظام نے جوابِ اذان میں اجابتِ قولیہ کا وجوب اختیار فرمایا۔ بدائع صنائع ص۱۵۵ جلد ۱، بحر الرائق ص۲۹۵ جلد ۱، شلبی علی الزیلعی ص۹۱ جلد ۱، در المختار ص۳۷، ہندیہ ص۲۹ جلد ۱ وغیرہا میں ہے والنظم من الدر والظاہر وجوبھا باللسان لظاہر الامر فی حدیث اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول الخ اور عینی علی البخاری ص۶۳۵ جلد ۲ میں ہے احتج بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم "فقولوا" اصحابنا ان اجابۃ المؤذن واجبۃ علی السامعین لدلالۃ الامر علی الوجوب اور بعض حضرات نے مستحب فرمایا کہ یہ امر استحبابی ہے۔ شامی ص۳۷۱ جلد ۱ میں امام طحاوی سے ہے ان الامر للاستحباب

والندب (الی ان قال) وبه تايد ماصرح به جماعة من اصحابنا من عدم وجوب الاجابة باللسان وانها مستحبة (الی ان قال) والذی ينبغی تحريره فی هذا المحل ان الاجابة باللسان مستحبة۔

بہرحال استحباب سے کم کسی کا قول نہیں تو ثابت ہوا کہ اذانِ ثانی کا جواب کم ازکم مستحب ضرور ہے بلکہ حدیث مرفوع صحیح بخاری سے صراحۃً ثابت کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر اس اذان کا جواب دیا۔ صحیح بخاری ص۱۲۵ جلد۱ میں ہے کہ حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے، مؤذن نے اذان شروع کی پس کہا اللہ اکبر اللہ اکبر تو حضرتِ معاویہ نے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ تو حضرتِ معاویہ نے فرمایا وَاَنَا، پھر کہا واشھد ان محمد رسول اللہ تو حضرتِ معاویہ نے فرمایا وَاَنَا، پھر جب اذان پوری ہوئی تو حضرتِ معاویہ نے فرمایا ایھا الناس انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا المجلس حین اذن المؤذن یقول ما سمعتم منی مقالتی یعنی اے لوگو! بیشک میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مجلس پر جبکہ مؤذن نے اذان دی فرماتے ہوئے وہ جو تم نے میرا کہنا مجھ سے سنا ہے اور پہلے گذر چکا کہ اصل عدم الخصوص ہے جو یہاں حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب دینے سے بھی صراحۃً ثابت ہو رہا ہے لہٰذا عینی علیہ الرحمۃ اس حدیث کے فوائد میں فرماتے ہیں وفیہ اجابة الخطیب للمؤذن وھو علی المنبر اور خطیب کے لئے جائز ہوا تو دوسرے حاضرین کے لئے بھی ضرور جائز ہوگا لعدم الفارق والمانع۔^ اور یونہی تقبیل الابہامین بھی جائز و مستحسن کہ یہ عرفاً محبوبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم آیاتِ متواترہ واحادیثِ متظاہرہ سے یقیناً

---

^ کما سیجیٔ عن الطحطاوی الاستدلال بھذا الحدیث علی جواز کلام الغیر الدنیوی عموماً ۱۲ منہ (ص۲۱۳ ج۴)



ثابت، تو تقبیل الابہامین بھی ضرور ثابت ہوئی وذا مما لا یخفی وقد بینہ بما لا مزید علیہ المجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی منیر العین ونہج السلامۃ وغیرہما۔ رہی وہ حدیث پاک اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام تو اس سے تقبیل الابہامین اور درود و دعا اور جواب اذان واذکار کا حرام ہونا ثابت نہیں ہو سکتا کہ اس کا عموم و اطلاق بایں معنی کہ ہر نماز اور ہر کلام حرام ہو ہرگز ہرگز مراد نہیں۔ کیا اذان اور خطبہ کلام نہیں؟ اور نمازِ جمعہ نماز نہیں؟ کیا صاحبِ ترتیب پر نمازِ فائتہ کی قضا لازم نہیں؟ کیا خروجِ امام کے ساتھ تمام جہان میں نماز و کلام سے بندش ہو جاتی ہے یا کم از کم صرف روئے زمین پر؟ نہیں نہیں بلکہ کسی ایک اقلیم میں بلکہ ایک علاقہ یا ایک شہر یا کم از کم ایک محلہ میں ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر وقتِ خروج سے قیامت تک کے لئے ثابت ہے یا کسی ایک صدی کے لئے یا کم از کم سال، یا یہ بھی نہیں تو ایک مہینہ یا ہفتہ یا کم از کم اسی دن کے آخر تک ثابت رہتی ہے۔ ہرگز نہیں، تو ثابت ہوا کہ اس نماز و کلام ممنوع سے مراد خاص نماز اور خاص ہی کلام ہے۔ نماز میں تو کوئی نزاع نہیں لہٰذا بیانِ کلام پر اکتفا ہے فاستمع بقلب شہید اصح یہ ہے کہ اس کلام للعہ سے مراد عہ حاضرینِ مسجد کی دنیاوی کلام ہے۔ عنایہ شرح ہدایہ ص۳۷ جلد۲، کفایہ ص۳۸ جلد۲، بحر الرائق ص۱۵۵ جلد۲، شامی ص۶۰۰ جلد۱، طحطاوی علی المراقی ص۳۱۲، ۳۱۳ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم للشامی (قولہ ولا کلام) ای من جنس کلام الناس اما التسبیح ونحوہ فلا یکرہ وھو الاصح طحطاوی علیہ الرحمۃ نے یہ اور فرمایا ومن ثمہ قال فی البرہان وخروجہ قاطع للکلام ای کلام الناس اھ فعلم بہذا انہ لا خلاف بینہم فی جواز



عہ بحر الرائق ص۱۵۵ جلد۲ وغیرہ میں مصرح کہ یہ ممانعت امام کو بھی شامل ہے اطلق فی المتن فشمل الامام ۱۲ منہ وقد صرح باللزوم قاضیخان علیہ الرحمۃ وغیرہم ۱۲ للعہ یعنی وہ کلام جو صرف عند الامام الاعظم ممنوع ہے قبل الخطبہ ۱۲ منہ شامی علیہ الرحمۃ ثلاثین ص۲۳۵ جلد۱ میں فرماتے ہیں قال الامام الحافظ العلامۃ محمد بن طولون الحنفی فی بعض رسائلہ ان اطلاقات الفقہاء فی الغالب مقیدۃ بقیود یعرفہا صاحب الفہم المستقیم الممارس للفن وانما یسکتون اعتمادا علی صحۃ فہم الطالب اور یونہی ص۳۳۶ جلد۱ میں حضرت علامہ ابن نجیم سے نقل فرماتے ہیں ۱۲ منہ غفرلہٗ

غیر الدنیوی علی الاصح ویحمل الکلام الوارد فی الاثر علی الدنیوی ویشھد له ما اخرجه البخاری ان معاویة اجاب المؤذن الی اخر ما ذکر الطحطاوی تو صاف صاف ثابت ہوا کہ اذکار وغیرہ سے یہ حدیث مانع نہیں۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ حدیث مذکورِ سوال قابل استدلال بھی ہے۔ فتح القدیر ص۳۷ جلد ۲، طحطاوی علی المراقی ص۳۱۱، شامی ص۶۷ جلد ۱، مرقاۃ ص۲۶۹ جلد ۳ میں ہے ان رفعه غریب والمعروف کونه من کلام الزھری یعنی اس کا مرفوع ہونا ضرور غریب ہے اور وہ کچھ جو پہچانا گیا ہے یہ ہے کہ یہ زہری تابعی کا کلام ہے۔ نصب الرایہ ص۲۰۱ جلد ۲ میں ہے قلت غریب مرفوعا قال البیھقی رفعه وھم فاحش انما ھو من کلام الزھری یعنی میں کہتا ہوں کہ مرفوع ہونے کی حیثیت سے غریب ہے۔ امام بیہقی نے فرمایا اس کا رفع وہم ظاہر ہے تو زہری ہی کا کلام ہے۔ غنیۃ المستملی ص۲۴۰ میں ہے وانما لم نستدل بما استدل به فی الھدایة وغیرھا وھو اذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا کلام لان رفعه غریب والمعروف کونه من کلام الزھری یعنی ہم نے ہدایہ وغیرہا کے مستدل بہ اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام سے صرف اسلئے استدلال نہیں کیا کہ اس کا رفع غریب اور معروف یہی ہے کہ زہری کا اپنا کلام ہے۔ ان حضرات کا اس حدیث کے متعلق "رفعہ غریب اور المعروف الخ" فرمانا صاف صاف بتا رہا ہے کہ یہ غریب بمعنٰی شاذ ہے اور شذوذ اقسامِ طعن فی الحدیث سے ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ مشکوٰۃ ص۶ میں ہے والغریب قد یقع بمعنی الشاذ ای شذوذا ھو من اقسام الطعن فی الحدیث۔ پھر لطفِ مزید یہ کہ امام زہری تابعی نے بھی بعینہٖ یہ کلمات نہیں فرمائے۔ فتح القدیر، نصب الرایہ، غنیہ، مرقاۃ میں متصلاً ہی فرمایا "رواہ مالك فی الموطا قال خروجه یقطع الصلوٰة وکلامه یقطع الکلام یعنی امام مالک نے مؤطا میں اس کو روایت فرمایا کہ زہری نے فرمایا کہ امام کا نکلنا نماز بند کردیتا ہے اور امام کا بولنا کلام بند کردیتا ہے۔ نصب الرایہ میں یہ اور فرمایا "وعن مالك رواہ محمد بن الحسن فی موطاہ کہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے اس کو



امام مالک علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے مؤطا میں روایت فرمایا۔ امام زہری کا یہ کلام یونہی مؤطا امام مالک ص۳۶ طبع دارالاشاعت، مؤطا امام محمد ص۱۰۷ طبع یوسفی میں ہے۔ پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ زہری تابعی یوں فرماتے کیوں ہیں؟ تو مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد اور سننِ بیہقی ص۱۹۳ جلد ۳ طبع حیدرآباد، سے صراحۃً مستفاد کہ امام زہری کا یہ ارشاد اپنے استاذ حضرتِ ثعلبہ بن مالک کے بیان مسند سے مستفاد ہے والنظم من مؤطا مالک۔ مالك عن ابن شهاب عن ثعلبة بن ابی مالك القرظی انه اخبره انهم كانوا فی زمن عمر بن الخطاب يصلون يوم الجمعة حتى يخرج عمر بن الخطاب فاذا خرج عمر وجلس على المنبر اذن المؤذنون قال ثعلبة جلسنا نتحدث فاذا سكت المؤذنون وقام عمر يخطب انصتنا فلم يتكلم منا احد قال ابن شهاب فخروج الامام يقطع الصلوٰة وكلامه يقطع الكلام۔ بلکہ امام ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار ص۲۱۷ جلد۱ میں اور امام بیہقی سننِ بیہقی ص۱۹۳ جلد ۳ میں اپنی اپنی سندوں سے ابن شہاب زہری سے راوی کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرتِ ثعلبہ بن ابی مالک نے یہ خبر دی والنظم عن الطحاوی عن ابن شهاب قال اخبرنی ثعلبة بن ابی مالك القرظی ان جلوس الامام على المنبر يقطع الصلوٰة وكلامه يقطع الكلام وقال انهم كانوا يتحدثون حين يجلس عمر ابن الخطاب على المنبر حتى يسكت المؤذن فاذا قام عمر على المنبر لم يتكلم احد حتى يقضی خطبتيه كلتيهما ثم اذا نزل عمر عن المنبر وقضى خطبتيه تكلموا۔

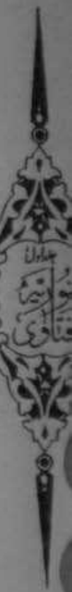
علامہ عینی عمدۃ القاری ص۳۱۶ جلد۳ طبع عامرہ میں اس کے متعلق فرماتے ہیں اخرجه الطحاوی ایضا باسناد صحيح۔ یہ حضرتِ ثعلبہ صحابیؓ ہیں یا تابعی جو زمانِ فیض توامانِ حضرتِ فاروقِ اعظم

عہ تقریب التہذیب ص۴۳ میں ہے مختلف فی صحبته وقال العجلی تابعی ثقة ۱۲

رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خبر دیتے ہیں کہ ان کے منبر پر جلوہ فرما ہونے کے وقت جمعہ کے دن اختتامِ اذان تک انہم کانوا یتحدثون یعنی بے شک وہ حاضرین گفتگو کرتے رہتے تھے اور یہ بھی خبر دیتے ہیں کہ امام کا منبر پر بیٹھنا نماز بند کر دیتا ہے اور امام کا بولنا (خطبہ دینا) کلام بند کر دیتا ہے و لا شك فی وفور الصحابۃ فی زمنہ المقدس و انہم لا یسکتون علٰی باطل رضی اللہ تعالٰی عنہم فسقط ما قیل ھذا استدلال[عہ] بالسکوت۔ تو روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ اس حدیث سے حرمتِ کلام قبل الخطبہ پر استدلال نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے کلمات موثوق بہا جوازِ کلام کی صریح دلیل ہیں اور جب جوازِ کلام ثابت ہوا تو اس کلام سے مراد ہمارے نزدیک کلام متعلق بآخرت ہے تاکہ اس کے متعارض نہ ہو جو حضراتِ مولٰی علی اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے کہ وہ امام کے نکلنے کے بعد نماز اور کلام پسند نہ فرماتے تھے لتتفق کلماتہم و لا تتعارض پھر نظر فقہی نے حکمِ فقہی اذا خرج الامام فلا صلٰوۃ ولا کلام کا مبنٰی یہ پایا کہ خروجِ امام خطبہ کے لئے ہوتا ہے اور استماعِ خطبہ فرض اور اذانِ ثانی مقدمۂ مسنونہ ہے تو اگر حاضرِ مسجد نماز شروع کر دے یا دنیاوی[عہ] کلام تو ہو سکتا ہے کہ امام خطبہ شروع کر دے اور استماع فوت ہو جائے۔ مبسوط ص۳۰ جلد۲ میں ہے فیجعل بعد الخروج کالشارع فیہا من وجہ۔ شامی ص۷۶۹ جلد۱ میں ہے ینتظرون خروج الخطیب متہیئون لسماعہ۔ پھر جب خطبہ شروع نہ کیا اور اذان شروع ہو گئی تو وجہِ وجیہ شرعی نے بتا دیا کہ اختتامِ اذان تک خطبہ ملتوی ہے تو اب وہ انتظار بھی اتنی دیر تک نہ رہی تو کلامِ اخروی بطریقِ اولٰے جائز ہوئی لارتفاع علۃ المنع۔ اور یونہی جب امام نے دعائے اذان شروع کی تو حاضرین کو بھی فرصتِ دعا مل گئی، یہ تو صرف وقت قبل الخطبہ ہے۔ ہم بفضلہٖ و کرمہٖ تعالٰے اس کی نظیر عینِ خطبہ میں ثابت کرتے ہیں۔ صحاح ستہ وغیرہا کی احادیثِ صریحہ کثیرہ بامر الرکعتین للجائی وقت

عہ کما فی البدائع ۱۲

عہ یہ ایسا کلام ہے جو طول پکڑ سکتا ہے اور بوجہ غفلت سماع فوت ہو سکتا ہے اور اخروی کلام باعثِ غفلت نہیں اور امام کے کھڑے ہوتے ہی بند ہو سکتا ہے بخلاف نماز کہ وہ بلا تشہد خاص تک پہنچے اختتام پذیر نہیں ہو سکتی فاتضح الفرق واستبان الحق ۱۲ منہ غفرلہ



الخطبہ مروی ہیں۔ حضرت امام شافعی ان کی بنا پر مجوزِ نماز ہیں مگر ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک دورانِ خطبہ میں بوجہ فرضیت استماع و انصات نہیں پڑھ سکتا تو ان احادیثِ کثیرہ کا ایک جواب مستقل یہ دیا کہ ہوسکتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آنے والے کے لئے اس کے نماز سے فارغ ہونے تک خطبہ بند فرمادیا ہو۔ مبسوط ص۲۹ جلد ۲، تبیین الحقائق ص۸۸ جلد ۱، کبیری ص۲۳۹، فتح القدیر ص۳۷ جلد ۲، نصب الرایہ ص۲۰۳ جلد ۲، عمدۃ القاری ص۳۱۳ جلد ۳، مرقاۃ ص۲۵۳، ص۲۶۹ جلد ۳ میں ہے والنظم من الفتح لجواز کونہ قطع الخطبۃ حتی فرغ وھو کذلک عـہ رواہ الدارقطنی فی سننہ من حدیث عبید بن محمد العبدی الخ تو روزِ روشن کی طرح معلوم ہوا کہ جب ایک وقت مقرر تک خطیب خطبہ دائرہ بند کردے تو اس دوران میں نماز جائز ہے تو کلام بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی لعدم الفارق مع عدم لزوم امتداده کالصلوٰۃ۔

اور ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کی نظر میں اولیٰ یہ کہ ان حدیثوں کو وقتِ قبل الخطبہ پر محمول کیا جائے مرقاۃ ص۲۵۳ جلد۳ میں فرماتے ہیں فالاولی ان یقال معنی قولہ یخطب ای یرید ان یخطب ولیس قولہ امسک عن الخطبۃ نصا فی قطع الخطبۃ لانا نقول المراد امسک عن شروعھا۔

بہرحال مقصود واضح ہے۔ نیز دورانِ خطبہ میں جب خطیب کا رکنا متیقن ہوجائے تو صراحۃً جوازِ کلام کلام عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دورانِ خطبہ میں مجمع صحابہ کرام میں عرض کیا اور کسی نے قطعاً انکار نہ کیا فکان ذا اجماعا منھم بمثل ذلک الحال رواہ الائمۃ مالک فی الموطا ص۳۵ ومحمد فی الموطا ص۵۶ والبخاری

عـہ زیلعی نے فرمایا بل ھو الظاہر ۱۲ عـہ عمدۃ القاری ص۳۱۳ جلد۳ میں ہے الجواب الثانی ان ذلک کان قبل شروعہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخطبۃ وقد بوب النسائی فی سننہ الکبری علی حدیث سلیک قال باب الصلوٰۃ قبل الخطبۃ ثم اخرج عن ابی الزبیر عن جابر قال جاء سلیک الغطفانی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد علی المنبر الحدیث ۱۲ منہ غفرلہ

ص۱۲۰ و مسلم ص۲۸۰ و الترمذی ص۶۵ مطبع علیمی وغیرہم عن ابن عمر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین و النظم من الامام محمد ان رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عثمان بن عفان) دخل المسجد یوم الجمعۃ وعمر بن الخطاب یخطب الناس فقال ایۃ ساعۃ ھذہ فقال الرجل انقلبت من السوق فسمعت النداء فمازدت علی ان توضأت ثم اقبلت قال عمرو الوضوء الحدیث، اور اس کی نظیر نماز میں اذا امن الامام فامنوا رواہ البخاری ص۱۰۸ ج۱ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ استماعِ قرأت نماز فرض ہے مگر تامینِ امام کے وقت امرِ تامین ہے، تو ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کیطرح واضح ہوا کہ جوابِ اذان جائز ہے، اور جب امام دعائے اذان کرے تو مقتدی بھی کر سکتے ہیں۔ نیز یہ حکمِ فقہی کراہتِ کلام بعد خروج الامام اس لئے ہے کہ وہ وقتِ انتظارِ خطبہ ہے، مبسوط سے سن چکے فیجعل بعد الخروج کالشارع فیہا من وجہ تو یہ نظیرِ منتظرِ نماز ہے جو شرعاً حکمِ نماز میں ہے لا یزال احدکم فی صلوٰۃ ماکانت الصلوٰۃ تحبسہ رواہ البخاری ص۹۰ عن ابی ہریرۃ مرفوعًا حالانکہ منتظرِ نماز پر کلامِ اخروی مکروہ نہیں حالانکہ وہ حکمًا نماز میں ہے تو منتظرِ خطبہ پر کیوں مکروہ ہوئی؟ تو لامحالہ تحقیق یہی ہے کہ جن آثار سے کراہتِ کلام ثابت ہو رہی ہے۔ اس کلام سے مراد کلامِ دنیوی ہے اور جن دلائلِ کثیرہ سے جواز ثابت ہو رہا ہے تو وہ کلامِ اخروی کا ہے۔ پھر نصوصِ مجوزہ کی کثرت و صراحت کا بھی یہی تقاضا ہے اور اصل انعدامِ تعارض اور توفیق و تطبیق ہی ہے۔ غنیۃ المستملی ص۲۴۰ میں ہے اذھی (المعارضۃ) خلاف الاصل فلا یحکم بہا الا عند عدم امکان التوفیق پھر صدہا آیاتِ متظافرہ واحادیثِ متظاہرہ اور اقوالِ متکاثرہ عامہ وخاصہ جو قیود حد و عد سے بالاتر ہیں وہ بھی مجوزِ اذکار و ادعیہ واجابتِ قولیہ اذان ہیں کمامر، تو کیا چند آثارِ موقوفہ و محتملہ سے نصوصِ متواترہ منسوخ ہو سکتی ہیں



عہ کما صرح بہ ابو ہریرۃ رواہ مسلم ۱۲ عہ تقیید المطلق نسخ الاطلاق عندنا کما صرح بہ فی الاصول ۱۲

ہیہات ہیہات ، ہرگز نہیں ہرگز نہیں ۔ احادیثِ اجابت و ادعیۂ اذان جو صحاح وحراح ہیں کیا وہ سب صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہیں کہ وہی مخاطب ہیں لہذا ہمیں اجازت نہ ہو ، یا صرف ملکِ عرب کی اذانوں کے لیے یا اذانہائے مؤذنین محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ، یا ان میں سے کسی ایک کی اذانوں ، یا ان اذانوں سے کسی ایک اذان کے ساتھ مختص ہوں ۔ یا کسی خاص زمانے یا قوم کے مؤذنین کے متعلق ہو ، کیا خالد یا ولید کی اذانیں قابلِ اجابتِ دعا ہیں یا نہیں ؟ الیٰ غیر ذٰلک من الصور العامۃ والخاصۃ المتجاوزۃ الآف الوف آلاف الالوف ۔ بالاتفاق ایسے بے سروپا پادرہوا خیالاتِ خام اور اوہامِ ناتمام قطعاً قابلِ سماع نہیں کہ وہ احادیث یقیناً عام و شامل ہیں اور صورتِ مسئولہ بھی اسی عموم کے تحت داخل اور یہ اسے شامل ،

اذان علی القبر جو کسی نماز کے لیے نہیں اور اس کے متعلق شامی ص۳۵۸ جلد۱ میں ردہ ابن حجر اور ص۸۳۰ جلد۱ میں لا یسن ہے ۔ اس کا جواز فضائلِ ذکر و دعا ، و درود کی آیات و احادیث اور احادیثِ متعلقہ اذان سے اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے " ایذان الاجر فی اذان القبر " میں ثابت فرمایا ہے جو جائز و مسلم ہے مگر سخت ترین حیرت یوں دامن گیر کہ وہی دلائل آیات و احادیث اور احادیثِ اذان اس اذانِ واقعی (جو خصوصی نماز کی اذان ہے) کے جواب و دعا ثابت کرنے سے قاصر کہے جاتے ہیں فانا للہ وانا الیہ راجعون ۔ فقیر نے آج تک امامِ اہلِ سنت اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی کتاب میں باوجود کثرتِ مطالعہ یہ قطعاً نہیں پایا کہ امورِ مذکورہ سوال ناجائز ہیں اور آیات و احادیث ان کے اثبات سے قاصر ہیں بلکہ ایسا کوئی اشارۃً تک نہیں ملا البتہ بعض حضرات نے در المختار کے حوالہ سے فرمایا کہ اس اذان کا جواب مقتدیوں کے لئے ناجائز ہے تو .... عبارتِ در المختار کی تنقیح و

عــہ بہارِ شریعت حصہ سوم ص۳۳ میں بحکم فقہی مسجد میں اذان کہنا مکروہ ہے ، کے عموم سے استدلال فرماتے ہوئے کہا : یہ حکم ہر اذان کے لئے ہے فقہ کی کسی کتاب میں کوئی اذان اس سے مستثنےٰ نہیں ۔ اذانِ ثانی جمعہ بھی اسی میں داخل ہے حالانکہ احادیثِ اجابت و دعائے اذان عام میں کوئی اذان ان سے مستثنیٰ نہیں ، اذانِ ثانی جمعہ اسی میں داخل ہے ۔ کیا عمومِ احادیث ، عمومِ کلامِ مشائخ جتنی طاقت بھی نہیں رکھتا ؟ اور ساتھ ہی کتبِ فقہیہ کا عموم بھی بلا استثناء ہی ہے آیا صرف نہر الفائق کی رائے سب کو اڑا دے گی ! ہرگز نہیں ! منہ غفرلہ

جواب ہی اس کا جواب ہے۔ در المختار صـ۳۷۱ جلد ۱ مطبوع مع الشامی میں ہے قال وینبغی ان لا یجیب بلسانہ اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب۔ شامی میں ہے (قولہ قال ای فی النہر۔

تو اس عبارتِ درمختار کا حاصل یہ ہوا کہ صاحبِ نہر نے نہر میں فرمایا چاہیے کہ جواب نہ دے زبان سے بالاتفاق اس اذان میں جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے تو اولاً اسی "چاہیے" سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ یہ منقول فی المذہب نہیں بلکہ صاحبِ نہر کی رائے ہے جو مذہب نہیں بن سکتی و ذا ظاھر جدا علی من رای کلمات القوم بلکہ خود صاحبِ نہر نے تصریح فرمائی کہ میں کہتا ہوں کما سیجی عن المنحۃ پھر یہ رائے بھی اسی قدر ہے کہ جواب نہ دینا چاہیے اور یہ نہیں فرمایا کہ ناجائز ہے تو اس سے ناجائز سمجھنا جائز نہیں۔ غالباً اسی بنا پر درمختار میں جب ان لوگوں کا بیان کیا جن پر جوابِ اذان نہیں تو اس کی طرف اشارہ تک بھی نہ کیا۔ درمختار صـ۳۶۸ میں یجیب من سمع الاذان کی شرح میں ہے لا حائضا و نفساء و سامع خطبۃ و فی صلوۃ جنازۃ وجماع و مستراح الخ حیض و نفاس والی عورت اور خطبہ سننے والے اور نمازِ جنازہ پڑھنے والے اور جو جماع میں مشغول یا قضائے حاجت میں ہو ان پر واجب نہیں، تو معلوم ہوا کہ صاحبِ درمختار کو یہ مختار نہیں کہ منتظرِ خطبہ پر بھی جواب نہیں چہ جائیکہ ناجائز بتائیں۔

ثانیاً۔ اس رائے کا مبنیٰ دوسری رائے ضعیف پر ہے کہ عند الامام الاعظم قبل الخطبہ کلامِ اخروی بھی مکروہ ہے وقد بینا فساد المبنی و المبنی علی الفاسد فاسد۔ طحطاوی علی الدر صـ۱۸۹ ج۱ میں ہے ولکن سیأتی ان الاصح جواز الاذکار عندہ قبل شروعہ فی الخطبۃ فلا مانع من الاجابۃ۔

ثالثاً یہ نقلِ درمختار صحیح بھی نہیں بلکہ کاتب نے "لاتجب" کو بگاڑ کر "لایجیب" لکھ دیا ہے۔ منحۃ الخالق صـ۲۵۹ جلد ۱ میں ہے قال فی النہر اقول ینبغی ان لاتجب باللسان

عہ وقد اختلط الامر علی صاحب الدر و الا فالمنقول عن النہر کما فی المنحۃ والطحطاوی علی المراقی "لاتجب" فاتضح الحق واستبان وقد کتبت ھذا علی ھامش الشامی ۱۲ منہ غفرلہ



اتفاقاً علی قول الامام فی الاذان بین یدی الخطیب و ان تجب بالقدم الخ اور یونہی طحطاوی علی المراقی ص۱۳۰ میں بھی نہر سے "لا تجب" ہے جس کا معنی یہ بنا کہ صاحبِ نہر الفائق نے نہر الفائق میں فرمایا کہ میں کہتا ہوں چاہیے کہ زبان کے ساتھ بالاتفاق اجابتِ اذان واجب نہ ہو الخ اور جب منقول عنہ میں نفیِ وجوبِ اجابت ہے اور نفیِ جوازِ اجابت نہیں تو اس سے ناجائز سمجھنا کسی طرح جائز نہیں، وجوب خاص اور جواز عام ہے اور ارتفاعِ خاص مستلزمِ ارتفاعِ عام نہیں۔

رابعاً بلکہ الٹا جواز سمجھ آرہا ہے بحسب المفہوم المخالف المعتبر فی الروایات کما فی الدر و الشامی ص۱۰۳ جلد۱ وغیرھما اور یہاں تو سیاق و سباقِ کلامِ نہر کا تقاضا ہی یہی ہے کہ وہ وجوبِ اجابتِ قولیہ اور عدمِ وجوب[عـــه] کے متعلق اختلافِ حلوانی اور غیرِ حلوانی پر فرماتے ہیں مالا یخفی علی من رای و اما ما ینفعھم من "علی قول الامام" فھو الکراھۃ وھی لا تنافی الجواز فافھم تو عبارتِ در سے عدمِ جواز پر استدلال غلط در غلط بنا۔

خامساً اگر واقع میں "لا تجب" نہ ہوتا اور "لا یجیب" ہی ہوتا اور اول میں "لا ینبغی" بھی نہ ہوتا تب بھی اس کا معنی نفیِ وجوب بن سکتا ہے، بقرینۃِ السیاق، شامی علیہ الرحمۃ یہیں در المختار کے اس "لا یجیب" کے متعلق جو اجابتِ اقامت کے حق میں ہے، یہی معنی ممکن بتاتے ہیں و یمکن حملہ علی نفی الوجوب بدلیل قول الخلاصۃ لیس علیہ جواب الاقامۃ۔

سادساً یہ صرف در المختار اور نہر الفائق کا بیان ہے اور صرف ان دونوں پر فتویٰ سرے سے جائز ہی نہیں تو یوں بھی وہ "ناجائز" جائز[عـــه] نہیں رہتا، علامہ شامی علیہ الرحمۃ رد المحتار[عـــه] ص۶۵ جلد۱، اور ثلاثین ص۱۳ ج۱

عـــه معہ الاستحباب عند الحلوانی ۱۲

عـــه اس قسم کے تعلقات بے ادبی نہیں بنتے لہذا امام اہل السنت والجماعت علیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاویٰ رضویہ شریف میں اکابر فقہائے کرام اور مشائخ عظام کے اسمائے مبارکہ ذکر کر کے تعلقات کیے ہیں صرف جلد اول میں ہی ایک ہزار دو سو سینتالیس تک ہیں مثلاً فتاویٰ رضویہ ص۸۲۷ جلد ایک ہے فظھر ان ما وقع فی مسئلۃ الجنب المذکورۃ فی الخانیۃ الشریفۃ من قولہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

میں فرماتے ہیں و النظم من الاول لا یجوز الافتاء من الکتب المختصرۃ کالنھر و شرح الکنز للعینی و الدر المختار شرح تنویر الابصار نیز رسائل کے اسی صفحہ میں فرماتے ہیں لا ثقۃ بما یفتی بہ اکثر اھل زماننا بمجرد مراجعۃ کتاب من الکتب المتأخرۃ خصوصاً غیر المحررۃ کشرح النقایۃ للقھستانی و الدر المختار و الاشباہ و النظائر و نحوھا فانھا لشدۃ الاختصار و الایجاز کادت تلحق بالالغاز مع ما اشتملت علیہ من السقط فی النقل فی مواضع کثیرۃ و ترجیح ما ھو خلاف الراجح بل ترجیح ما ھو مذھب الغیر مما لم یقل بہ احد من اھل المذھب نیز اسی صفحہ میں ہے وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتاخرین و یکون القول اخطأ بہ اول واضع لہ فیأتی من بعدہ و ینقلہ عنہ و ھکذا ینقل بعض عن بعض پھر اسی کی کئی نظیریں بتا کر فرماتے ہیں ولھذا الذی ذکرناہ نظائر کثیرۃ اتفق فیھا صاحب البحر و النھر و المنح و الدر المختار وغیرھم وھی سھو منشأھا الخطأ فی النقل او سبق النظر نبھت الخ تو معلوم ہوا کہ صرف در المختار اور نہر پر اعتماد کرتے ہوئے اگر ان میں عدمِ جوازِ اجابتِ مذکورہ صراحۃً بھی ہوتا تب بھی اس پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا تھا چہ جائیکہ اس عبارتِ مستدل بہا سے حسب القواعد جواز مفہوم ہو رہا ہے۔



بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ

احدث او لم یحدث سبق قلم من الامام الاجل فقیہ النفس رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ و رحمنا بہ فی الدنیا و الأخرۃ امین ولا غرو فلکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولا عصمۃ الا لکلام الالوھیۃ ثم النبوۃ ۱۲ سہ اتامۃ القیامۃ کے مثل میں رد المحتار اور رسائل شامی وغیرہا کے متعلق فرمایا کہ تمام حنفی دنیا میں ان پر اعتماد ہو رہا ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ



فائدہ

"خروج اذا خرج الامام" سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق بعض حضرات نے "صعود المنبر" فرمایا ہے۔ تبیین الحقائق ص۲۲۳ جلد۱، عینی علی الکنز ص۴۹، غنیۃ المستملی ص۵۱۹ میں ہے والنظم من العینی ومعنی خرج اذا صعد علی المنبر اور بعض نے یہ تفصیل فرمائی کہ اگر امام حجرہ میں ہو تو اس سے نکلنا ورنہ منبر پر چڑھنا۔ در المنتقی ص۱۷۱ جلد۱، در المختار ص۷۶۷ جلد۱، طحطاوی علی المراقی ص۳۱۱، بحر الرائق ص۱۵۵ جلد۲ میں ہے والنظم من البحر ان الامام ان کان فی خلوۃ فالقاطع انفصاله عنها وظهوره للناس والا فقیامه للصعود۔ اور در حقیقت ان دو تفسیروں میں کوئی اختلاف نہیں کہ جن حضرات نے صرف صعود علی المنبر کہا وہ اپنے اقالیم کے لحاظ سے فرماتے ہیں جہاں امام کے لئے خلوت گاہ نہیں اور جن حضرات نے تفصیل فرمائی تو ان کی نظر میں وہ علاقے بھی ہیں جہاں امام کے لئے خلوت گاہ ہوتی ہے۔ بحر الرائق میں ہے وفی شرح المجمع عبارۃ الخروج وارادۃ علی عادۃ العرب من انهم یتخذون للامام مکانا خالیا تعظیما لشانه فیخرج منه حین اراد الصعود هکذا شاهدناه فی دیارهم والقاطع فی دیارنا یکون قیام الامام للصعود۔

اور وہ جو سراج الوہاج سے ہے فان لم یکن فی المسجد مقصورۃ یخرج منها لم یترک القراءۃ والذکر الا اذا قام الامام الی الخطبۃ۔ اس "قام الامام الی الخطبۃ" سے مراد یہ ہے کہ وہ قیام کرے جو بعد از معمولاتِ وقتیہ منتهی الی الخطبہ ہوتا ہے اور اس معنی کا قرینہ "الی" انتہائیہ ہے اور دوسرا قرینہ اس کے بعد متن میں فاذا صعد الامام المنبر جلس "فاء" کے ساتھ آنا اور اس بنا پر یہ معنی بھی اس تفصیلی معنی کے مطابق ہو جائے گا

البتہ فقیر کی نظرِ قاصر میں تفصیلی معنے خروج میں ایک اور شق بھی ہونی چاہیے۔ اور تفصیل یوں ہو کہ اگر امام ایسی خلوت گاہ میں ہو جو داخلِ مسجد ہے اس کا دروازہ مسجد میں کھلتا ہے تو اس سے نکلے اور اگر

ایسی خلوت گاہ میں نہ ہو اور مسجد سے باہر ہو تو مسجد میں داخل ہو اور اگر قبل از وقتِ اذانِ ثانی ہی مسجد میں بیٹھا ہے تو منبر پر چڑھے اس کی وجہ ظاہر کہ اولین امام امام الائمہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو حجرہ مبارک سے باہر تشریف لاتے تو اتصالِ بابِ معلّٰی کے باعث حجرہ سے باہر تشریف لاتا ہی مسجد میں داخل ہوتا تھا، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۵۲ جلد ۲ میں ہے فاذا خرج الامام اراد نفسہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فالمراد الخروج الحقیقی من الحجرۃ الشریفۃ۔ اور جو امام باہر سے آتا ہے تو اس کا مسجد میں داخل ہونا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس داخل ہونے کی صورت میں ہے جو حجرۂ مبارکہ سے خارج ہوتا تھا، لہٰذا ایسا داخل ہونا اسمِ خروج کا مصداق بن سکتا ہے اور اگر پہلے سے ہی مسجد میں ہو تو چونکہ ایسا دخول نہیں ہوتا، اور وقت سے پہلے بندش حرج ہے اور حرج شرعاً مدفوع تو اس کا منبر پر چڑھنا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تشریف آوری کے معنے میں ہوگا کہ چڑھنے سے ہی تعیین الوقت ہوتا ہے۔ اسی مرقاۃ میں ہے: او المعنی اذا ظہر الامام بدخولہ الی المسجد او بطلوعہ علی المنبر۔



رہا علامہ شامی علیہ الرحمۃ کا ص۷۶۹ جلد ۱ میں فرمانا واجابۃ الاذان حینئذٍ مکروھۃ تو وہ بھی قابلِ استدلال نہیں کہ یہ تو صاحبِ در کی متابعت میں ان کے کلام فالترقیۃ المتعارفۃ الخ کی توجیہ کے ضمن میں فرما رہے ہیں جس کا مبنی والخلاف فی کلام یتعلق بالآخرۃ اما غیرہ فیکرہ اجماعاً ہے حالانکہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ خود اس کے خلاف صرف ایک ہی صفحہ پہلے تصریح فرما چکے ہیں (اما قولہ ولا کلام) ای من جنس کلام الناس اما التسبیح ونحوہ فلا یکرہ وھو الاصح۔ عنایہ شرح ہدایہ ص۳۷ جلد ۲ میں ہے یرید بہ ما سوی التسبیح ونحوہ علی الاصح وقال بعضھم کل کلام کفایہ شرح ہدایہ ص۳۸ جلد ۲ میں مبسوط شیخ الاسلام سے بحر الرائق ص۱۵۵ جلد ۲ میں نہایہ اور عنایہ سے طحطاوی علی المراقی ص۳۱۱ تا ص۳۱۲ میں بحر سے ہے والنظم لہ اختلف المشائخ علی قول

عہ وکذا قال الطحطاوی ایضاً فی حاشیۃ الدر ص۳۴۷ جلد ۱ مکروہاً مقروناً ۱۲

الامام (ای ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما فی الکفایۃ والبحر) فی الکلام قبل الخطبۃ فقیل انما یکرہ ما کان من جنس کلام الناس اما التسبیح[عہ] ونحوہ فلا وقیل ذٰلک مکروہ والاول اصح۔ علامہ طحطاوی اس کے متصل فرماتے ہیں (من ثم قال فی البرھان وخروجہ قاطع للکلام ای کلام الناس عند الامام اھ) اور اس پر متفرع فرماتے ہیں فعلم بھذا انہ لاخلاف بینھم فی جواز غیر الدنیوی علی الاصح ویحمل الکلام الوارد فی الاثر[علی] الدنیوی ویشھد لہ ما اخرجہ البخاری ان المعاویۃ اجاب المؤذن بین یدیہ الحدیث۔ علامہ عینی اس کی شرح ص۲۹۳ جلد ۳ میں فرماتے ہیں وفیہ[عہ] اجابۃ الخطیب للمؤذن وھو علی المنبر تو معلوم ہوا کہ صاحبِ دُر کا والخلاف فی کلام یتعلق بالاخرۃ اور یونہی اما غیرہ فیکرہ اجماعاً فرمانا شامی وغیرہ مذکورین کی نظر میں محض غیر محقق ہے اور اس "اجماعاً" سے اجماعِ ائمہ کرام تو کیا اجماعِ جمیع مشائخِ مذہب بھی مراد نہیں ورنہ "اختلافِ مشائخ علی قول ابی حنیفہ" کا کیا معنٰی؟ البتہ اس "اجماعاً" سے مراد صرف بعض علماء کا اجماع ہوسکتا ہے جو ہمارے اوپر کسی صورت میں بھی حجت نہیں۔ اس کی نظیر درالمختار اور شامی کے ص۳۰۷ میں گذر چکی (ویجیب الاقامۃ) ندبا اجماعا۔ شامی نے فرمایا (قولہ اجماعًا) قید لقولہ ندبا ای ان القائلین باجابتھا اجمعوا علی الندب ولم یقل احد منھم بالوجوب کما قیل فی الاذان فلا ینافی قولہ وقیل لا فافھم وہاں "قیل لا" قرینہ ہے تو یہاں "یکرہ اجماعا" سے کچھ آگے صاحبِ دُر کا اذنوا

عہ وکذا فی البنایۃ للعینی علی الھدایۃ ص۱۰۱۱/۱ ۱۲ منہ غفرلہ

عہ فی الطحطاوی علی الدر ص۱۸۸/۱ و ص۱۸۹ أن الاصح جواز الاذکار عندہ (ای الامام الاعظم علیہ الرحمۃ) قبل شروعہ فی الخطبۃ فلا مانع من الاجابۃ (ای اجابۃ الاذان الثانی بین یدی الامام) قالہ ردا لنقل الدرعن النھر ۱۲

واحدا بعد واحد فرمانا قرینہ ہے کہ سنتِ اذان تو پہلی سے ادا ہو گئی باقی زائد ہیں اور جائز بھی ہیں کما سیجیئ بفضلہ تعالٰی تفصیل ما۔

نیز علامہ شامی باب الاذان ص۳۶۹ میں فرماتے ہیں کہ اجابتِ اذان کا سبب سماعِ اذان ہی ہے تو میری نظر میں پہلی اور دوسری سب اذانوں کی اجابتِ قولیہ کا ہونا ظاہر ہے و یظھر لی اجابۃ الکل (ای الاذان الاول و الثانی) بالقول لتعدد السبب وھو السماع بلکہ وہ تو اسی سببِ اجابت (سماع الاذان) کی بنا پر ظاہر احادیثِ اجابت کا تقاضا اس حد تک عام بتاتے ہیں کہ اذان غیر نماز کو بھی شامل ہے اور اس کا جواب بھی دینا چاہیئے (چہ جائیکہ نمازِ خصوصی کی اذان کا جواب نہ دیا جائے) فرماتے ہیں ھل یجیب اذان غیر الصلوٰۃ کالاذان للمولود لم ارہ لائمتنا والظاھر نعم ولذا یلتفت فی حیعلتیہ کما مر وھو ظاھر الحدیث۔ پھر احتمال پر اضمحلال الاذان یقال ان "ال" فیہ للعھد ہیں قطعاً مضر نہیں کہ اذانِ نماز کے سوا کوئی معہود نہیں تو نہایت ہی نمایاں ہوا کہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ کے نزدیک کلامِ اخروی اور جوابِ اذان مکروہ و ممنوع نہیں تو یہ جملہ (اجابۃ الاذان حینئذ مکروھۃ محض متابعت و مماشاتِ دُر میں ہے وکم لہ من نظیر فی کلام الشراح والمحشین۔ پھر علامہ کا یہ جملہ اس اذانِ ثانی کے متعلق ہے جو تلقینِ مرقی پر مترتب ہوتی ہے کہ ان کی رائے قوی یہ ہے کہ وہ تلقین (جو اذان سے پست آواز کے ساتھ ہوتی ہے) ہی اصل اذان بن جائیگی اور وہ اذان جسے مؤذن باقاعدہ اذان سمجھتے ہوئے لہجۂ اذان میں ادا کرتا ہے جوابِ اذان بن جائیگا فرماتے ہیں والظاھر ان مثل ذلک یقال ایضًا فی تلقین المرقی الاذان للمؤذن والظاھر ان الکراھۃ علی المؤذن دون المرقی لان سنۃ الاذان الذی بین یدی الخطیب تحصل باذان المرقی فیکون المؤذن مجیبا لاذان المرقی واجابۃ الاذان حینئذ مکروھۃ الخ

اور جب یہ باقاعدہ اذانِ ظاہر اس تلفظ کلماتِ اذان کا جواب ہونے کی وجہ سے مکروہ



ہے جو مرقی محض غرض تعقیب سے ادا کرتا ہے تو اذانِ جماعت ہیں جو خطیب کے سامنے اذانوں کے ہی ہیچہ ہیں بہ نیتِ اذان ہوتی ہے۔ دوسری اور تیسری بطریقِ اولیٰ ممنوع ہونی چاہیے حالانکہ شامی علیہ الرحمۃ کے نزدیک مکروہ قطعاً نہیں بلکہ جائز ہیں اور حدیثِ موقوف متلقی بالقبول سے موثوق ہیں اور سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ السامی سے اس کی تائید نقل فرماتے ہیں۔ اسی رد المحتار ص۲۶۳ میں ہے "قال الرملی فی حاشیۃ البحر ولم ار نصا صریحا فی جماعۃ الاذان (الی ان قال) ففیہ دلیل علی انہ غیر مکروہ لان المتوارث لا یکون مکروھا وکذلک نقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعۃ حسنۃ اذ ما راٰہ المؤمنون حسنا فھو حسن آہ ملخصا اقول وقد ذکر سیدی عبد الغنی المسئلۃ کذلک اخذاً من کلام النھایۃ المذکور" پھر تصنیفِ رد المحتار کے بعد العقود الدریہ کے ص۸ میں یہی دہراتے ہوئے فرماتے ہیں اما الاذان الاول فقد صرح فی النھایۃ بان المتوارث فیہ اجتماع المؤذنین (الی ان قال)، وکذلک الذی بین یدی الخطیب المتوارث کونہ بجماعۃ فھو مثلہ غیر مکروہ بدعۃ حسنۃ اذ ما راٰہ المسلمون الخ اور ان اذانوں اور مؤذنوں کے تعدد کا تذکرہ قدوری ص۳۳ ، ہدایہ ، کفایہ ص۳۸ جلد ۲ ، غنیۃ المستملی ص۵۲ میں نمایاں طور پر ہے والنظم من الھدایۃ واذن المؤذنون بین یدی المنبر بذلک جری التوارث لطف یہ کہ در المختار میں فرماتے ہیں (ویؤذن) ثانیا (بین یدیہ) ای الخطیب افاد بوحدۃ الفعل ان المؤذن اذا کان اکثر من واحد اذنوا واحدا بعد واحد ولا یجتمعون کما فی الحلابی والتمرتاشی ذکرہ القھستانی۔

تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ بوقتِ اذانِ ثانی کلامِ اخروی مکروہ نہیں بالخصوص کلماتِ اذان کا تلفظ جائز ہے اور جوابِ اذان میں بھی یہی ہوتا ہے۔ ہاں جماعتِ مؤذنین کا معاً یا متعاقباً



بلند آواز سے ادا کرنا چونکہ زمانِ سعادت توأمانِ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں روایاتِ مشہورہ سے ثابت نہیں بلکہ بخاری[1] وغیرہ سے صراحۃً توحدِ موذن ثابت لہٰذا اس کا جواز توارث اور حدیث ما راٰہ المسلمون سے ثابت کر رہے ہیں فاتضح الحق واستبان

ماضی قریب کے متبحر عالم اور ذکی فاضل عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ صـ۲۴۴ جلد ا میں فرماتے ہیں واما الکلام فانما یکرہ منہ قبل شروع الخطبۃ الدنیوی لا الدینی کالاذکار والتسبیح وبعد الشروع فیما یکرہ مطلقا ھٰذا ھو الاصح کما فی النہایۃ وغیرھا فلا تکرہ اجابۃ الاذان الذی یؤذن بین یدی الخطیب وقد ثبت ذٰلک من فعل معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی صحیح البخاری ولا دعاء الوسیلۃ الماثور بعد ذالک الاذان ھٰذا عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تنبیہ

یہ وہی عمدۃ الرعایہ ہے جس سے فتاویٰ رضویہ صـ۴۹ جلد ۲ میں اسی اذانِ ثانی بین یدی الخطیب کے دروازۂ مسجد پر ہونے کے متعلق خود اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدلال فرمایا ہے ونصہ۔ "یہاں تک کہ اب زمانۂ حال کے ایک عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ صـ۲۴۵ جلد ا میں لکھتے ہیں الخ نیز کاسر السفیہ الواہم کے صـ۱۵۷ میں ان کے متعلق فرمایا" ذکی، طباع، عالم" پھر تعجب کہ اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام سے تقبیل الابہامین جیسی حرکتِ قلیلہ تعظیمیہ کی ممانعت کیسے متصور ہوتی ہے حالانکہ ہمارے فقہائے کرام نے ہمارے ائمہ ثلاثہ کی تصریح نقل فرمائی کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہلے آنے والا چل کر لوگوں سے گزر کر محراب کے قریب آسکتا ہے۔ فتاوٰے خانیہ صـ۸۵، درالمختار مع تقریر الشامی صـ۷۷۲ جلد ا، بحرالرائق صـ۱۵۷ جلد ۲، عالمگیری صـ۲۶ جلد ا، غنیۃ المستملی صـ۵۲۳ میں ہے والنظم ھٰھنا والخانیۃ

---

[1] بخاری صـ۱۲۴ میں ہے باب المؤذن الواحد یوم الجمعۃ اور اس باب میں حضرت سائب بن یزید کی روایتِ مسندہ میں ہے ولم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن غیر واحد ۱۲ غفرلہٗ



والهندية ذکر الفقیہ ابو جعفر عن اصحابنا لا باس بالتخطی

مالم یاخذ الامام فی الخطبة و یکرہ اذا اخذ لان للمسلم

ان یتقدم و یدنو من المحراب اذا لم یکن الامام فی الخطبة

لیتسع المکان علی من یجیئ بعدہ و ینال فضل القرب من

الامام (الی ان قال) اما من جاء و الامام یخطب فعلیہ ان

یستقر فی المسجد لان مشیہ و تقدمہ عمل فی حال الخطبة

نیز ہمارے حضرات نے تصریح فرمائی کہ قوم کے لئے مستحب ہے کہ امام کی طرف منہ کرے بوقتِ خطبہ

غنیۃ المستملی ص۵۲۰ اور دوسری کتبِ معتمدہ میں ہے و النظم من الغنیة و فی المبسوط

یستحب للقوم ان یستقبلوا الامام عند الخطبة وعن ابی حنیفة

انہ کان اذا فرغ المؤذن من اذانہ ادار وجہہ الی الامام و

عن عدی بن ثابت کان علیہ السلام اذا خطب استقبلہ اصحابہ

بوجوہہم ذکرہ ابن بطال فی شرح البخاری لکن الرسم

الأن انہم یستقبلون القبلة للحرج فی تسویة الصفوف

لکثرة الزحام کذا فی شرح الھدایة للسروجی۔

جب اتنی حرکاتِ کثیرہ جائز ہیں تو اس قلیل میں کیا حرج ؟ حالانکہ یہ تعظیمِ محبوبِ معظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے جو مطلقاً مطلوبِ شرعی ہے جب کہ نہیِ خصوصی نہ آئے لہٰذا جائز و مستحسن ہے۔ واللہ تعالٰی

اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالٰی علی

محبوبنا الاکرم ما اذن واجیب اذان و دعی لہ بالوسیلة فی الجنان

ع شامی ص۶۲۶ جلد ۳ میں ہے المشہور اطلاق اصحابنا علی ائمتنا الثلاثة ابی حنیفة وصاحبیہ کما ذکرہ فی شرح الوھبانیة ۱۲ منہ غفرلہ

بالجنان وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم فی کل حین وآن۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مورخہ شب ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ ۸ بجے

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایسا نمازی جو اقامتِ نماز کے دوران مسجد میں آیا جبکہ امام بھی آچکا ہو تو کیا اس کا بیٹھ جانا ضروری ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہو کیونکہ اس وقت قیام مستحب ہے جو قعود پر موقوف ہے حالانکہ مستحب کا موقوف علیہ بھی مستحب ہوتا ہے۔ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

المستفتی : محمد اجمل نوری عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

حضور پرنور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب کوئی تمہارا مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے۔ اور یوں بھی آیا کہ دو رکعتوں کے پڑھنے تک نہ بیٹھے (متفق علیہ) اس حکم کی بنا پر ہمارے ائمہ کرام اور جمہور کے نزدیک نماز تحیۃ المسجد مستحب مؤکد ہے بلکہ ہمارے مشائخ کرام نے یہ تصریح بھی فرمائی کہ سنت ہے[1] جو کسی بھی سنت یا فرض نماز سے بھی ادا ہو جاتی ہے جس سے پہلے بیٹھنا تاکیدی مستحب بلکہ سنت کا خلاف اور غیر اولیٰ ہے لہٰذا ایسا داخل ہونے والا جس کے متعلق سوال ہے

[1] تبیین الحقائق للزیلعی ص ۱۶۳ ج ۱، عینی علی الھدایہ ص ۴۳۸ ج ۱، طحطاوی علی الدر ص ۲۸۶ ج ۱، شرح الاشباہ والنظائر للحموی ص ۵۵۸ نیز فتاویٰ خیریہ ص ۱۰ اس کے ص ۵۵۹ اور رافعی علی الشامیہ ص ۹۰ میں ہے والنظم للزیلعی تحیۃ المسجد سنۃ۔ تنویر الابصار تحریرًا اور در المختار اور شامی تشریحًا ص ۶۳۵ ج ۱ نیز طحطاوی علی الدر تقریرًا ص ۲۸۹ ج ۱ میں ہے والنظم للغزی یسن تحیۃ المسجد نور تنصیصًا اور درر تعلیلًا ص ۱۱۶ ج ۱ نور الایضاح تصریحًا اور مراقی اور طحطاوی تعلیلًا ص ۲۳۶ میں ہے سن تحیۃ المسجد۔ بحر الرائق اور شامی میں ہے وقد حکی الاجماع علی سنیتھا۔ شرح الاشباہ میں ہے وھو سنۃ اجماعًا شامی میں ہے (قولہ یسن تحیۃ) کتب الشارح فی ہامش الخزائن (اسم شرحہ الکبیر علی التنویر) ان ھذا رد علی صاحب الخلاصۃ حیث ذکر انھا مستحبۃ اور شرح الاشباہ میں ہے وانما اطلق المصنف علیھا الاستحباب لاشتمال السنۃ علی الاستحباب ۱۲ منہ غفرلہ

ادا نماز سے قبل نہ بیٹھے اور چونکہ امام حاضر ہے لہذا حدیث لا تقوموا حتی ترونی کا تقاضا بھی نہیں کہ قیام نہ کرے۔ رہا سائل کا استدلال کہ ہمارے نزدیک حی علی الفلاح پر قیام مستحب ہے جو قعود پر موقوف ہے لہذا قعود بھی مستحب ہوا، تو یہ محض باطل ہے کیونکہ یہ قیام مستحب تو مقدمہ ہے اسی قیام کا جو بحکم قوموا للہ قانتین نماز فرض میں فرض ہے حالانکہ منفرد یا امام و مقتدی پر فرض نماز سے قبل قعود قطعاً فرض نہیں بلکہ منفرد کے لئے تو کسی نے مستحب تک بھی نہیں کہا تو معلوم ہوا کہ قیام قعود پر موقوف نہیں ورنہ قعود بھی قیام کی طرح فرض ہوتا ولم یقل بہ احد۔ اور یہیں سے واضح ہوا کہ مضمرات شرح قدوری میں مولانا صوفی یوسف بن عمر کادوری کا ایسے داخل مسجد کے لئے قعود کا حکم دینا اور قیام مکروہ بتانا بے دلیل ہے اور صحیح نہیں اسمیں حضور پر نور روحی فداہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مذکور کی صریح خلاف ورزی ہے جو ہمارے کسی بھی امام کا قول ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا لہذا مقبول نہیں اور ہندیہ اور دُرّ وغیرہ کا مضمرات سے نقل کرنا بھی صحیح نہیں بنا سکتا کہ غیر صحیح نقل کر دینے سے صحیح نہیں بن جاتا۔

تعجب ہے کہ امام کی موجودگی کی صورت میں تکبیر سے پہلے حاضرین کے لئے قیام عند الفلاح ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک مستحب تو ہے مگر مستحب کا خلاف دلیل خاص کے بغیر مکروہ نہیں بن سکتا کما صرح بہ الشامی وغیرہ تو وقت پر آنیوالے کے لئے کیوں مکروہ ہوا؟ اس مبارک اور صحیح حدیث کو بکثرت ائمۂ دین نے اپنی اپنی مبارک تصانیف میں با سانید معتبرہ متصلہ روایت فرمایا ہے چنانچہ مؤطا امام مالک صـ ۱۴۶ (طبع اصح)، مؤطا امام محمد صـ ۱۱۹ (یوسفی) مسند امام احمد صـ ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۳ ج ۵ صحیح بخاری صـ ۶۳ باسنادین صحیح مسلم صـ ۲۴۸ ج ۱ سنن ابی داؤد صـ ۶۷ (مجیدی) باسنادین ترمذی صـ ۴۳ ج ۱ (اصح) ابن ماجہ صـ ۷۲ (اصح) شرح السنۃ صـ ۳۶۵ ج ۲ وغیرہا میں بکلمات متقاربہ ہے والنظم من البخاری وغیرہ عن ابی قتادۃ السلمی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس مصنف عبد الرزاق صـ ۴۲۸ ج ۱، بخاری صـ ۱۵۶ ج ۱، مسلم صـ ۲۴۸ ج ۱ میں بایں کلمات متقاربہ بھی ہے اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین۔ اور ابن ماجہ صـ ۷۲ میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع میں بھی یہی

لہ شامی علیہ الرحمۃ کے مجموعۃ الرسائل الثلثین صـ ۱۳ ج ۱ سے صـ ۱۵ تک ہے قلت وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتاخرین و یکون القول خطأ اخطأ بہ اول واضعہ فیأتی من بعدہ و ینقلہ عنہ وھکذا ینقلہ بعضہم عن بعض کما وقع ذالک الی ان قال، ولھذا الذی ذکرناہ نظائر کثیرۃ اتفق فیہا صاحب البحر والنھر والمنح والدر المختار وغیرھم وھی سہو منشأھا الخطأ فی النقل او سبق النظر الخ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی کسی کتاب کا مصنف کوئی غلط بات سہواً درج کر دیتا ہے اور بعد میں آنیوالے یونہی نقل کرتے جاتے ہیں حتی کہ بیس کے قریب کتابوں میں نقل ہو جاتی ہے حالانکہ وہ بھول ہوتی ہے اور اس کی بکثرت نظیریں ہیں جن میں بحر و نہر اور منح و در مختار وغیرہ کے مؤلفین نے نقل میں اتفاق کیا حالانکہ وہ بھول اور سہو ہیں ۱۲ منہ غفرلہ





کلمات مبارکہ ہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علی حبیبہ الذی لانبی بعدہ

عبدہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۳ صفر المظفر ۱۳۸۲ھ
۹۔۳۔۶۲

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں اذان یا اور جگہ حضور پُر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی اور اسم سامی لیا جائے اور سامع اپنے دونوں انگوٹھے چومے تو کیا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو نصِ حدیث شریف سے دلیل دے کر تحریر فرما دیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی :۔ سلطان احمد اختر عزیز پوری چک نمبر ۴۵/۴ ایل





اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے اور قرآن کریم واحادیث حبیب و محبوب عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے واضح طور پر ثابت ہے کہ اصل اشیاء اباحت ہے یعنی جب تک شرع مطہر سے کسی شی کی حرمت و کراہت ثابت نہ ہو تو اسے حرام و مکروہ نہیں کہہ سکتے، قرآن کریم کا ارشاد ہے عفی اللہ عنھا۔ اس کی تفسیر میں تفسیر خازن ص۸۳ جلد ۲ مصری میں ہے عن سلمان قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن اشیاء فقال الحلال ما احل اللہ فی کتابہ و الحرام ما حرمہ اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما قد عفی عنہ فلا تتکلفوا۔ اور یونہی تفسیر کبیر ص۴۵۹ جلد ۳، معالم التنزیل ص۸۳ جلد ۲ مصری



سنن ابن ماجہ ص۲۴۹، سنن الترمذی ص۲۱۹ جلد ا وغیرہا میں ہے۔ اور ہدایہ مطبوع مع الشروح عنایہ شرح ہدایہ
فتح القدیر ص۲۸۳ جلد ۳، منحۃ الخالق ص۱۷ جلد ا، شامی ص۹۸ جلد ا میں ہے کہ اصل اشیاء اباحت ہے۔ شامی
کے یہ لفظ ہیں وصرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحۃ
عند الجمہور من الحنفیۃ والشافعیۃ اھ وتبعہ تلمیذہ العلامۃ
قاسم وجری علیہ فی الہدایۃ من الحداد وفی الخانیۃ من
اوائل الحضر والاباحۃ۔

تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ انگوٹھوں کا چومنا اصل میں کم از کم مباح ضرور ہے کہ شرعِ مطہر نے اس کی ممانعت نہیں آئی اور جب نیت تعظیم محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چومے جاتے ہیں تو مستحب و عبادت بن جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات، صحیح بخاری شریف کی پہلی حدیث یہی ہے اور ایسے ہی مسندِ امام حضرت سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سب سے پہلی حدیث یہی ہے کہ الا انما الاعمال بالنیات۔ حضرت امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف ص۱۳۸ جلد ۲، حضرت شیخ الامام الکمال ابن الہمام فتح القدیر ص۱۰ جلد ۳، علامہ شیخ محمد طاہر مجمع البحار ص۴۸ جلد ا، علامہ ابراہیم حلبی غنیہ ص۱۵، علامہ شامی علیہ الرحمۃ ردالمحتار ص۲۸۵ جلد ۵، امام محی الدین ابوزکریا نووی شافعی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں والنظم لذی الشرف المباحات تصیر طاعات بالنیات الصالحات

اب بحمدہ تعالیٰ کھل گیا کہ تقبیل الابہامین بتعظیم اسم المحبوب صلی اللہ علیہ وسلم شرعِ اطہر میں جائز و مستحب ہے۔ نیز قرآنِ کریم سے صحیح طور پر ثابت اور حدیث شریف اور ائمہ قدیم و حدیث سے بھی کثیر التاکید محبوب طالب و مطلوب کی تعظیم و اجلال شرعاً نہایت ہی ضروری و لابدی ہے قرآنِ کریم کا ارشاد ہے لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ۔ معالم ص۱۵۹ جلد ۶ میں ہے (وتعزروہ) ای تعینوہ وتنصروہ (وتوقروہ) تعظموہ وتفخموہ ھذہ الکنایات راجعۃ الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونحوہ فی الخازن وایضاً فیہ والتعزیر نصرہ مع التعظیم شفا شریف ص۳۰ جلد ۲ میں ہے قال ابن



عباس تعزروه تجلوه و قال المبرد تبالغوا فى تعظيمه. مجمع البحار ص۲۳۹ جلد۲ میں ہے تعظیمه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم افضل القرب

اور اصول کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ المطلق يجرى على اطلاقه تو جو قول و فعل تعظیم پر دال ہوگا وہ کم از کم جائز و مستحسن ضرور ہوگا لہذا فتح القدیر ص۹۴ جلد۳، فتاوےٰ عالمگیری ص۱۳۵ جلد۱ میں ہے كل ما كان ادخل فى الادب و الاجلال كان حسنا پس تقبیل الابہامین جو دال بر تعظیم ہے ضرور جائز و مستحسن ہوئی۔

نیز حدیث میں وارد ہے کہ ما راٰه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن[1] اور تقبیل الابہامین کو اہلِ اسلام حسن جانتے ہیں اور نفی ورود حدیث مرفوع صحیح خاص جزئیہ میں نفیِ وجود صحیح نہیں اور ایسے ہی نفیِ صحیح سے نفیِ حسن و ضعیف نہیں ہوسکتی اور وہ بھی فضائلِ اعمال میں مقبول اور یونہی نفیِ مرفوع سے نفیِ موقوف نہیں ہوسکتی اور موقوف بھی حجت ہے۔ خاتمہ مجمع البحار ص۵۰۶ قولنا لم يصح لايلزم منه اثبات العدم الخ تفسیر کبیر ص۲۴۶ جلد۱ میں ہے عدم الوجدان لايدل على عدم الوجود۔ غنیہ وغیرہا میں ہے مذهب الصحابى حجة يجب تقليده۔ فتح القدیر ص۹۵ جلد۲ میں ہے والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع بلکہ حدیث صحیح کی نفی صاف صاف بتاتی ہے کہ حدیث حسن یا ضعیف مرفوع یا موقوف صحیح ثابت ہے کہ مفہوم مخالف روایات میں ضرور بالضرور معتبر ہے۔ درالمختار میں ہے المفهوم معتبر فى الروايات اتفاقا ومنه اقوال الصحابة، شامی ص۱۰۳ جلد۱ میں ہے انه فى الروايات و نحوها معتبر باقسامه حتى مفهوم اللقب۔ پس جراحی کا "لم يصح فى المرفوع" کہنا ثبوت بطریق مذکورہ کا صاف طور پر پتہ دیتا ہے لہذا شامی علیہ الرحمۃ نے تقبیل الابہامین کو مستحب بھی لکھا اور قولِ جراحی بھی نقل کیا۔ ص۳۷۰ جلد۱ میں ہے يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة صلى الله عليك يارسول الله وعند الثانية منها قرة عينى بك يارسول الله



---

[1] مسند احمد ص۳۷۹ ج۱، مجمع الزوائد ص۱۷۷، ۱۷۸ ج۱

ثم یقول اللّٰهم متعنی بالسمع و البصر بعد وضع الابهامین

علی العینین فان علیہ السلام یکون قائدا لہ الی الجنۃ کذا

فی کنز العباد او قہستانی و نحوہ فی فتاوی الصوفیۃ و فی کتاب

الفردوس من قبل ظفری ابہامیہ الحدیث۔

منیر العین ص۱۰ میں موضوعات ملا علی قاری علیہ الرحمۃ سے منقول ہے قلت و اذا ثبت رفعہ

الی الصدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فیکفی العمل بہ لقولہ علیہ الصلوٰۃ

والسلام علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین۔ معارج النبوۃ ص۴

رکن اول میں ہے "گویند در وقتِ اذان در حین استماع اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ صلی

اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم بوسیدن و انگشت بردیدہ نہادن نیز سنتِ آدم علیہ السلام است و

احادیث در فضلِ آں آوردہ اند" اور وہابیہ کے نزدیک بھی سنت ہی ہونا چاہئے کہ ان کا اپنا حکیم بہشتی زیور کے

ص۳ پر لکھتا ہے" سنت وہ فعل ہے جس کو نبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم الخ نے کیا ہو اور

گنگوہی براہین کے ص۲۸ پر کہتا ہے "جو شئے باوجود شرعی قرونِ ثلاثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے مگر عجب کہ اسکا انکار

کرتے ہیں اور فرمانِ باری تعالےٰ جل جلالہ و لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا

حلال و ھٰذا حرام لتفتروا علی اللّٰہ الکذب سے نہیں ڈرتے۔ مگر ان کا مذہب

ہی یہی چاہتا ہے کہ تعظیم محبوب صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روکا جائے۔ چنانچہ براہین ص۵۱ میں روئے

زمین کا علم شیطانِ لعین کے لئے تو رشید احمد نے مان لیا اور سرکارِ دو عالم دانائے ماکان ومایکون سے نفی کیا

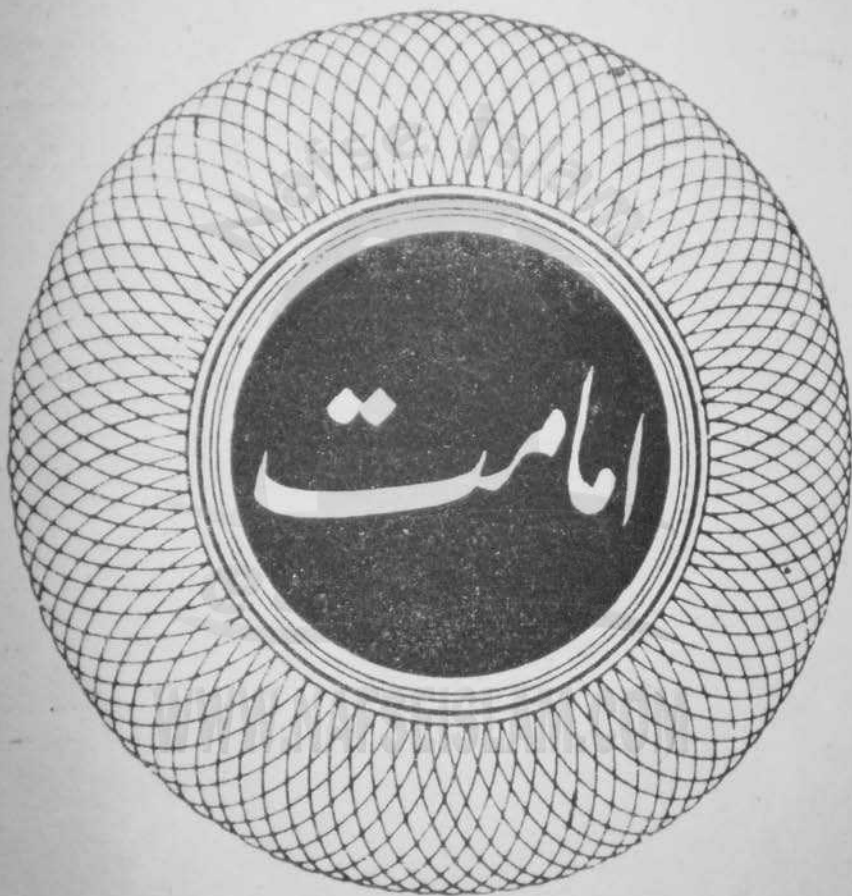
بلکہ اسی صفحہ میں دیوار کے پیچھے کے علم سے بھی انکار کیا اور وہ بھی حدیثِ موضوع سے۔ بہر حال یہ ثابت ہوا کہ

تقبیل الابہامین عند ذکر الاسم الشریف ضرور بالضرور جائز و مستحب ہے الا ان یمنع مانع کالخطبۃ

والقراءۃ فیمتنع ھناک خصوصا لا مطلقا۔ واللّٰہ و رسولہ

اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ


امامت

بابُ الامامۃ

الاستفتاء

بسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ حامدا ومصلیا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ دیوبندیوں، مرزائیوں، اہلحدیثوں، شیعوں کے جلسوں میں جانا کیسا ہے؟ اور امرِ معروف میں مل جل کر کام کرنا کیسا ہے؟ اور اعلیحضرت بریلی شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا مسلک تھا؟ یاد رہے کہ ان سے مِل کر کام کرنے سے عوام یہی سمجھیں گے کہ سب پکے مسلمان ہیں اور ان کے اختلاف جزوی فروعی ہیں۔ سب کے پیچھے نمازیں جائز ہیں، صرف حلوے مانڈے کا اختلاف ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی : محمد عبدالغفور ہزاروی غفرلہٗ خطیب وزیرآباد



اجلاس اہالی ابتداع وارتداد میں بحالتِ اختیار دیدہ و دانستہ شریک[۱] ہونا ناروا و حرامِ محض ہے

---

[۱] انما قلت ھذا لان الذہاب قد یجوز لغرض المناظرۃ والرد وازالۃ الاشر ۱۲ منہ غفرلہ





آیۂ کریمہ فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین وغیرہا آیات متکاثرہ احادیثِ متواترہ کا بھی تاکیدی تقاضا ہے جس پر ائمہ سلف وخلف کا اطباقِ قولی وعملی ہے جسے امام اہل السنت والجماعت مجددِ مائۃِ حاضرہ عظیم البرکۃ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تصانیفِ جلیلۂ جمیلہ میں ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز سے بھی زیادہ واضح وہویدا فرمادیا حتیٰ کہ وصایا شریف میں بھی اس کا پرزور اعادہ فرمایا۔

اور سوال کی شقِ ثانی "امرِ معروف میں مل جل کر کام کرنا کیسا ہے؟" نہایت ہی مجمل ہے حتیٰ کہ معروف کی تفصیل بھی غیر معروف ہی رہی کہ شرعی مراد ہے یا عرفی یا لغوی؟ اجمالی جواب یہ ہے کہ صُورِ کثیرہ میں بحکمِ دلائلِ مشار الیہا اختلاط حرام ہے اور بکثرت ایسی صورتیں بھی ہیں کہ تنفرِ قلبی کے ساتھ اختلاط ؏ صوری کی متحمل ہو سکتی ہیں مثلاً دورِ حاضر میں سفر وادائِ افعالِ حج میں اکثر اختلاط ہو جاتا ہے۔ ملکی فوج میں بھی شمولیت ممنوع نہیں، جہادِ کشمیر وغیرہ بھی جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ ما جعل علیکم فی الدین من حرج الا ان تتقوا منہم تقٰۃ ابو السعود ص۲۳ جلد۲ نیشاپوری ص۱۷۸ جلد۳ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم لہ رخص لہم فی موالاتہم اذا خافوہم والمراد بتلک الموالاۃ مخالقۃ ومعاشرۃ ظاہرۃ والقلب مطمئن بالعداوۃ والبغضاء وانتظار زوال المانع من قشر العصا واظہار الطویۃ کقول عیسیٰ علیہ السلام کن وسطا وامش جانبا۔ اور ایسے ہی روح البیان ص۲۰ جلد۲ میں ہے الا فیہا شق العصا بدل قشر العصا۔ اور قول کلمۃ اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کی تشریح میں فرمایا ای کن فیما بینہم صورۃ وتجنب عنہم سیرۃ۔ احکام القرآن ص۱۰ جلد۲ میں امام ابوبکر جصاص حنفی فرماتے ہیں وھذا ھو ظاہر ما یقتضیہ اللفظ وعلیہ الجمہور من اہل العلم



؏ المحجۃ المؤتمنہ ص۱۰ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے مگر صورۃ ضروریہ خصوصاً باکراہ قال تعالیٰ الا ان تتقوا منہم تقٰۃ وقال تعالیٰ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ۱۲ منہ غفرلہ

نیز اسی میں فرمایا فهذه الاٰی و الاٰثار دالة علی انه ینبغی ان یعامل الکفار بالغلظة و الجفوة دون الملاطفة و الملاینة مالم تکن حال یخاف فیها علی تلف نفسه او تلف بعض اعضاءه او ضرر اکبیرا یلحقه فی نفسه فانه اذا خاف ذلک جاز له اظهار الملاطفة والموالاة الخ روح البیان ص۳۱ جلد ۲ میں ہے واذا کان الرجل مبتلی بصحبة الفجار فی سفره للحج او للغزاء لایترک الطاعة بصحبتهم ولکن یکره بقلبه۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه و اٰله وصحبه و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ جمادی الاخری ۷۶ھ بروز بدھ بوقت عصر

الاستفتاء

(مقدمہ کے حالات یعنی بیان) ہمارے چک میں پہلے ایک امام رکھا ہوا تھا۔ اس امام میں کئی ایک خامیاں تھیں، مثلاً جھوٹ بھی بول لیتا تھا، خفیہ سود بھی لے لیتا تھا، جھوٹی شہادت بھی دے دیتا تھا اور ایک دفعہ معاذ اللہ! یہ بھی کہہ دیا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک دفعہ ۸ر آنے کی خاطر جھوٹ بولا تھا۔ یعنی ایسی ایسی خامیاں تھیں چنانچہ گاؤں والوں نے اس امام کو نکال دیا کہ اس کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی اور اس کی جگہ ایک سید امام جو اپنے علم کے مطابق عالم بھی تھا اور حنفی بھی تھا، لے آئے اور چک والوں نے اسے قبول کر لیا اور نماز اس کے پیچھے پڑھنی شروع کر دی۔ اس کے بعد دو تین گھر اس امام کے بھی خلاف ہو گئے کہ اس کو بھی نکال دو، ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہی پہلے والا امام آجائے۔ ان ہی شخصوں نے اس کو جواب دیا تھا کہ یہ امام ٹھیک نہیں ہے اس کو نکال دو۔ پھر ان آدمیوں میں سے ایک کا نام کریم بخش ہے اس نے حسد شروع کر دیا کہ یہ حاجی صاحب لائے ہیں

اس کو بالکل نہیں رہنے دینا، امام پر یہ بات لگادی کہ اس نے مردار گائے یا بھینس کا چمڑا اتارا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے چمڑا ضرور اتارا تھا اور رنگ کر بیچ دیا تھا، اور ایک دو جھوٹے الزام لگائے اور لوگوں کو مجبور کیا کہ اس امام کو نکال دو جو کہ سید تھا، اور لائیں گے، حاجی صاحب ان کو خیر بول دیا کہ ہماری طرف سے جواب ہے باقی لوگوں سے پوچھ لو، سید امام صاحب تے آدان پارٹی کو پوچھا، ان نے کہا کہ ابھی نماز پڑھایا کرو، چونکہ ان لوگوں نے ۱۰-۱۲ دن نہیں بتایا اور جو پارٹی ضد کرتی تھی کہ سید صاحب کے پیچھے بھی نہیں ہوتی ان نے وہی پہلا امام لاکر مسجد میں کھڑا کر دیا اور دو جماعت ہونے لگی۔ چار یا پانچ دن دو جماعت ہوتی رہی، آخر ایک دن مغرب کی نماز پڑھنے کے واسطے گئے اور میں بھی ساتھ ہی تھا تو ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور شاہ صاحب کو بولا کہ نماز کراؤ، تو بات پر کریم بخش نے کہا کہ ہم جماعت نہیں ہونے دیں گے چنانچہ اس نے مصلے کو اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیا جس پر کہ امام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھانی تھی اور یہی کہتا رہا کہ ہمارا پہلا جماعت نہیں کرائے گا اور تمہارے امام کو بھی جماعت نہیں کرانے دیں گے تو ہم پھر مسجد کے صحن سے باہر مصلی لے گئے اور کہا کہ ہم یہاں جماعت کرالیں گے تو اسی کریم بخش نے وہاں سے بھی مصلے اٹھا کر اندر پھینک دیا اور مغرب کی نماز نہیں ہونے دی اور سب لوگوں نے الگ الگ نماز پڑھی اور اس کو روک بھی لیتے، اس نے مسجد کے باہر چند آدمی جو کہ بے نماز تھے لڑائی کے واسطے کھڑے کیے ہوئے تھے۔



یہ مقدمہ کے پورے حالات ہیں اس مقدمہ کا صحیح فیصلہ لکھ کر بھیج دیں اور کریم بخش پر کوئی جرم لگتا ہو تو وہ بھیج دیں اور حدیث کا حوالہ دیں اور لکھیں کہ اس کو کیا تعزیر لگنی چاہیے، اس کا جلدی سے جلدی جواب دیں اور فتوے پورا صحیح لکھ کر بھیج دیں اور یہ جو کاغذ ہے ساتھ بھیج دیں تاکہ فیصلہ کرنے کے وقت سب کو سنا دیں کہ جھوٹی بات کوئی نہیں ہے، مصلے اٹھا کر پھینکنے والے کریم بخش کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا اس کا نام یاد نہیں ہے، اس میں کوئی غلطی نہیں ہے، یہ مصلے امام کا دو دفعہ اٹھا کر پھینکا گیا۔ یہ قصہ میرے سامنے ہوا ہے۔

سائل: صوفی بشیر احمد نوری کانٹے والا ریلوے اسٹیشن ٹوبہ ٹیک سنگھ



اگر یہ سوال اور حالات امام سابق صحیح اور واقعی یہی ہیں تو وہ امام بدلگام اہل اسلام کا امام قطعاً نہیں بن سکتا



جھوٹ بولنا، جھوٹی شہادت دینا، سود لینا، یہ ایسے جرم ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک کسی ایک مرتبہ کسی سے ظہور پذیر ہو تو اسے بلاتوبہ امام بنانا مکروہ تحریمہ ہے چہ جائیکہ وہ ان تین بڑے جرموں کا عادی مجرم ٹھہرتا جیسے سائل کے الفاظ "بول لیتا تھا"، "لے لیتا تھا"، "دے دیتا تھا" سے ظاہر ہے مگر وہ تو حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف (خاکش بدہن) جھوٹ بولنے کی نسبت کر کے اور وہ بھی اس خبثِ باطن کے ساتھ کہ آٹھ آنہ کی خاطر کھا بے ایمان ہوگیا اور دائرۂ اسلام سے بالاجماع خارج ہوگیا اور مرتد ہو گیا، اس کا کفر یہود و نصاریٰ اور ہندو و سکھوں سے بھی زیادہ بدتر ہے کہ کلمہ گو ہو کر مرتد ہوا، اللہ رب العالمین نے فرمایا والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم پ۱۰ ع۱۴ "وہ جو رسول اللہ کو ایذاء دیتے ہیں، ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔" نیز فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعد لھم عذابا مھینا پ۲۲ ع۴ "بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اللہ عزوجل ایذاء سے پاک ہے، اسے کون ایذاء دے سکتا ہے؟ مگر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو اپنی ایذاء فرمایا اور ان کے سوا اور بہت سی آیات سے اور احادیث سے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے ادب و گستاخ کا خائب و خاسر و مردود ہونا اظہر من الشمس ہے در المختار شامی کے صفحہ ۲۹۰ جلد ۳ میں فتاویٰ بزازیہ و دُرر و شفا سے اور فتاویٰ خیریہ صفحہ ۱۰۳ جلد ۱ وغیرہا میں ہے والنظم من الشامی علیہ الرحمۃ اجمع المسلمون ان شاتمہ صلی اللہ علیہ وسلم کافر ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر "تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو شخص حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں یا معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔" شامی صفحہ ۲۹۳ جلد ۳ میں ہے ان مجرد نسبۃ الکذب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم کفر "صرف جھوٹ کی نسبت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کفر ہے۔" بلکہ کفر کہتے ہی اسے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف جھوٹ کی نسبت کسی ایسی چیز میں کرے جس کا لانا



ضروریاتِ دین سے ہے۔ درالمختار شامی صـ۳۹۲ جلد ۳ وغیرھا میں ہے الکفر لغۃ الستر وشرعا تکذیبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شیء مما جاء بہ من الدین ضرورۃ ، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صادق ہونا قطعاً یقیناً ضروریاتِ دین سے ہے بلکہ سب ضروریات کا صدق اسی پر مبتنی ہے لہٰذا وہ بوجہ کفر و ارتداد امامت کے قابل نہیں رہا۔

باقی حسد شرعاً بڑا سخت حرام ہے پھر اس حسد کی وجہ سے اس پہلے امام کو امامت کی دعوت دینا اور سخت حرام ہے اور بڑا سخت ظلم ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے لاتجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم " تو نہ پائے گا انہیں جو ایمان لائے اللہ اور قیامت پر کہ ان کے دل میں ایسوں کی محبت آنے پائے جنہوں نے خدا و رسول سے مخالفت کی، چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں "

اس آیتِ کریمہ میں صاف فرمادیا کہ جو اللہ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا، جس کا صریح مفاد یہ ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا ، پھر اس حکم کا قطعاً عام ہونا صاف صاف ارشاد فرمادیا کہ باپ ، بیٹے ، بھائی عزیز سب کو گنایا ، یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے گمان میں معظم یا کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو، ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے ، اس کی وقعت نہیں مان سکتے ورنہ مسلمان نہ ہوگے۔ حاجی صاحب اور گاؤں والوں نے ٹھیک کہا کہ اس کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی اور وہ سید صاحب جو حنفی اور علم دار ہیں اور تمام چک والوں نے انہیں قبول بھی کرلیا اور امام بنالیا تو ان کی مخالفت ہرگز ہرگز جائز نہیں جب کہ ان سے کوئی شرعی عیب سرزد نہ ہوا ہو، جھوٹے الزام لگانے اور بہت بری چیز ہے جیسے سورۂ احزاب سے ثابت ہے۔

باقی رہا مردار گائے یا بھینس کا چام اتار کر رنگنے کے بعد بیچنا، تو یہ کوئی عیب نہیں بلکہ شرعاً جائز ہے اور بہت مضبوط حدیثوں سے ثابت ہے۔ صحیح بخاری صـ۲۰۲ جلد ۱ ، صـ۸۳۰ جلد ۲ ، صحیح مسلم صـ۱۵۸ جلد ۱ ، سنن نسائی صـ۱۹۰ جلد ۲ ، سنن ابوداؤد صـ۲۱۳ جلد ۲ ، سنن ابن ماجہ صـ۲۶۶ میں بالفاظِ متقاربہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزاد کردہ کنیز کی مرا بکری



کے متعلق حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھلا انتفعتم بجلدھا " تم نے اس کے چام کے ساتھ کیوں نہیں نفع اٹھایا " قالوا انھا میتۃ " صحابہ کرام نے عرض کیا بے شک یہ مردار ہے " قال انما حرم اکلھا " حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مردار کا صرف کھانا ہی حرام کیا گیا ہے " اور اس کے سوا بہت حدیثوں سے ثابت کہ مردار کا چام رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اور اس سے ہر طرح کا نفع اٹھایا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، تو سید صاحب اس الزام سے بھی پاک ہیں۔

باقی رہا کریم بخش کا جماعت سے روکنا اور مصلّٰی باہر پھینک دینا، یہ بہت بڑا ظلم ہے اور مسجد کو غیر آباد کرنا ہے جس کی سزا دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ پ ۱ ع ۱۴ میں ہے و من اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا اولٰئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم ٥ " اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ان کو نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے "۔ باقی رہی تعزیر تو وہ بہت ہی زیادہ سخت ہے اور حاکمِ اسلام ہی لگا سکتا ہے۔ البتہ اہالیانِ اسلام پر لازم کہ اس کو مجبور کریں کہ ان عادتوں سے باز آجائے اور نیک بن جائے، آپس میں برادری کے لوگ بائی کاٹ وغیرہ سے ڈرا دھمکا کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

متوہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مورخہ ۶ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

علمائے دین و شرعِ متین ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے اور اسے صحیح العقیدہ حنفی تصور کرنے کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کے چند عقائد و اعمال ذیل میں درج ہیں :۔

۱۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے متعلق گستاخی کے الفاظ استعمال کرتا ہے مثلاً یہ کہتا ہے کہ وہ معاذ اللہ کوڑھے ہو کر مرے تھے ۔ اس کے باوجود لوگوں کے سامنے صحیح حنفی ہونے کا دعوے کرتا ہے ۔

۲۔ اپنے آپ کو بے ایمان کہتا ہے، خطبہ کے دوران کئی بار اس نے کہا " میرے جیسے کئی بے ایمان ملاں ہیں ۔

۳۔ مسجد سے خاصی آمدنی کے باوجود روٹیاں مانگتا ہے ۔

۴۔ چھوٹی موٹی چیزوں کی چوری کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے ۔

۵۔ خود کو سید کہلانے کے باوجود قربانی کی کھالیں گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں کے ذریعے دباؤ ڈال کر حاصل کرتا ہے ۔

۶۔ لوگوں کو ایسے تعویذ دینے سے بھی گریز نہیں کرتا جو دوسروں کی موت کا باعث بن سکتے ہیں ۔

ان افعالِ ذمیمہ کے باعث مجھے اس سے سخت نفرت ہے کیوں کہ روکنے پر بھی وہ نہیں رکتا۔ اس لئے میں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دیا ہے ۔ براہِ نوازش یہ بھی تحریر فرمائیں کہ میرا یہ فعل حق بجانب ہے یا نہیں ؛ بینوا توجروا ۔

السائل :

محمد الدین ایف ۔ اے (مولوی فاضل) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ پرائمری سکول بھیڑ سوھڑیاں ۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر یہ سوال صحیح اور واقعی ہے کہ وہ شخص اپنے آپ کو بے ایمان کہتا ہے تو وہ امام قطعاً نہیں بن سکتا، اسے مسجد کا آباد کرنا، اس میں بیٹھنا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ منصب امامت کے لائق ہو، بے ایمان کافر ہوتا ہے اور کافر کے متعلق رب العالمین فرماتا ہے ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علیٰ انفسھم بالکفر (ترجمہ) مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دیکر" (پ۱۰ ع ۹ سورۃ التوبہ) امام اہلِ سنت والجماعت مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اس کے ایسے کلمات استعمال کرنا اس کے خبثِ باطنی کی دلیل ہے اور چوری جیسے ذلیل کام گداگری اور فتنہ آمیز تعویذات یہ سب اسی خبثِ باطنی کا نتیجہ ہیں، ایسے شخص کے پیچھے نماز قطعاً جائز نہیں اور نفرت نہایت لازم ہے آپ نے اپنا فرض ادا فرمایا آپ حق بجانب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴؍ شوال المکرم ۱۳۸۷ھ ۱۵-۱-۶۸

الاستفتاء

علامۂ زماں فقیہِ دوراں شیخ الحدیث و مہتمم صاحب جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیر پور دامت برکاتہم

سلامِ مسنون : حسبِ ذیل استفتار میں از روئے شرع کیا ارشاد ہے؟

نمبر۱: جو شخص حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر صدیق و عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالکل افضل سمجھے وہ سنّی ہو سکتا ہے؟ کیا اس کی اقتدار میں نماز جائز ہے؟

نمبر۲ : جو شخص حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو واجب الاحترام نہ مانے بلکہ آپ کی شان میں گستاخی کرے اور فاسق تک کہے کیا وہ سنی ہے اور کیا اس کے پیچھے سنی کی نماز جائز ہے؟ بینوا توجروا

مخلص : محمد سرور[1] قادری مہتمم دار العلوم غوثیہ رضویہ رجسٹرڈ

خطیب نور المساجد چیچہ وطنی ۶۹-۹-۱۶ء



عالی جناب حضرت قادری صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ : اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بعد الانبیاء والرسل افضل البشر ہیں اور یونہی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابی اور واجب الاحترام ہیں لہٰذا ایسے شخص کے پیچھے سنی کی نماز مکروہ تحریمہ اور واجب الاعادہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۳ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ ۶۹-۱۰-۶

الاستفتاء

بخدمت اقدس حضرت مولانا مولوی صاحب دام فیوضکم العالیہ

---

[1] یہ مستفتی حضرت مفتی غلام سرور قادری (حال مہتمم جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن لاہور) ہیں کیونکہ اس عرصے میں موصوف مسجد نور المساجد چیچہ وطنی کے خطیب رہے ہیں۔

(محمد محب اللہ نوری)

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ : ایک آدمی ایک گاؤں کا پیش امام ہے اور اس کی دو بیویاں ہیں۔ ایک بیوی کے لئے نفقہ وسکنٰی دیتا ہے اور دوسری بیوی کے لئے نفقہ وسکنٰی نہیں دیتا اور نہ وہ طلاق دیتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں! آیا وہ آدمی کس حال میں متصور ہوگا، کافر یا مسلمان یا فاسق وغیرہ! اب وہ حج کا ارادہ کرتا ہے اسی بیوی کو جس کے لئے نفقہ وسکنٰی ہے اپنے ساتھ لے جاتا ہے، آیا اس کی حج ہوگی یا نہیں! ثواب وغیرہ کے متعلق بھی لکھیں (نصِ قرآن وحدیث کی رو سے جواب)۔

المستفتی : پیر شہادت علی شاہ جبو کے گورونہ ڈاک خانہ جیجھ پور
تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال



سائل نے نہایت اجمال سے کام لیا ہے۔ ایسے مسائل میں پوری تفصیل سے سوال کرنا چاہیے۔ اللہ رب العالمین کا حکم ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو" اور یہ بھی قرآنِ کریم کا ارشاد ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ یعنی مرد افسر ہیں عورتوں پر" اور حدیثِ پاک میں تو حقوقِ زوجین کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تو جو بھی خاوند ہو یا بیوی دوسرے کے حق بلا وجہ دبا نہ کرے تو وہی مجرم ہے؎ تو اگر وہ شخص اپنی فرمانبردار اور وفادار بیوی کو نفقہ وسکنٰی سے محروم رکھتا ہے تو گنہگار ہے اور اگر بیوی اس کے گھر آباد نہیں ہوتی اور بے فرمان ہے تو بیوی گنہگار ہے اور طلاق دینا بھی ہمیشہ مرد پر جھگڑا یا فساد میں لازم نہیں ورنہ خلع کی صورت میں مرد گنہگار ہوتا حالانکہ قرآنِ کریم گنہگار نہیں بتاتا بلکہ فرماتا ہے فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ یعنی اگر تمہیں خطرہ ہو کہ میاں بیوی اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہ رکھیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اس میں

؎ قرآن کریم اولٰئک ھم الظّٰلمون فرماتا ہے ۱۲

جو بلا وجہ عورت چھینتی ہے۔

اور ایسے مسائل میں کسی کو کافر نہیں کہا جاتا بلکہ جو زیادتی اور ظلم کرے وہ فاسق کہلاتا ہے اور فاسق کو امام مسجد نہ بنایا جائے۔ مگر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ زیادتی خاوند کی ہے یا بیوی کی۔ یہ تو آج کل کے جاہلوں کا عام رواج بن گیا ہے کہ مولویوں پر بہانے بنا بنا کر اعتراض شروع کر دیتے ہیں حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے

یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا یعنی اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو، بیشک بعض گمان گناہ ہے اور عیب نہ ڈھونڈھو اور ایک دوسرے کا گلہ نہ کرو۔ اور یونہی حج کا ارادہ کرنا یا فرمانبردار بیوی کو ساتھ لے جانا جرم نہیں۔ اور بے فرمان بیوی کو ساتھ نہ لے جانا بھی گناہ نہیں۔ ایسی صورت میں حج جائز ہے اور کار ثواب ہے۔ ہاں اگر خاوند ظالم ہو تو ثواب میں فرق آئیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

فقیر ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہ

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۳-۱-۹)



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس میں کہ ایک شخص نے اپنی دو لڑکیوں کے عوض چھ سو روپیہ لے کر نکاح کر دیا حالانکہ اس کو اس کے باپ نے منع کیا اور وہ نہ مانا آیا۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

سائل:

مولوی سلطان محمود از موضع ٹھاکرہ متصل حویلی لکھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مسئلہ یہی فی الواقع ہے تو شخص مذکور کی امامت مکروہ تحریمیہ ہے۔ مقتدیوں پر واجب کہ طاقت ہوتے ہوئے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، اس کو امامت سے علیحدہ کر دیں کہ شخص مذکور سخت فاسق ہے، اس نے جو روپیہ لڑکیوں کے عوض لیا ہے وہ رشوت ہے چنانچہ بحر الرائق، فتاویٰ عالمگیری میں اس کی تصریح ہے، باپ کا حکم ماننا خصوصًا جب حکم شرع پر پابندی کا حکم کرے نہایت ضروری اور فرض اہم ہے اور اس شخص نے نہ مانا تو سخت فاسق ہوا اور فاسق کی امامت کا یہ حکم اسفارِ طہارت فقہ میں مشرح و مصرح ہے ہاں صحیح طور پر توبہ کرے تو اس کی امامت میں اس وجہ سے کوئی کراہت نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

(۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی منکوحہ کو سسرال کے ناجائز تنگ کرنے کے باعث اپنے گھر ٹھہرا لیا ہے، تو کیا اندریں صورت زید امامتِ نماز کر سکتا ہے یا نہیں! بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مسئولہ واقعی درست اور صحیح ہے تو زید بلاشبہ امامت کر سکتا ہے کہ ناجائز تنگ کرنا ظلم ہے اور

مظلوم کی امداد مستحسن ہے تو اس امر مستحسن کیوجہ سے امامت سے کیونکر روکا جا سکتا ہے؟ قرآن کریم کا فرمان جلیل ہے
و بالوالدین احسانا و ذی القربیٰ یعنی ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور قرابت والوں کے
ساتھ "۔ حالانکہ لڑکی بھی قرابت والی ہے اس کے ساتھ بھی احسان ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا
ومولانا محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ

الاستفتاء

اس مسئلہ کے متعلق علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں کہ ایک گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے جس کے دو پیش امام زید اور بکر ہیں جو کہ باری باری امامت کرتے ہیں، زید نے بکر کے خلاف زنا کرنے کا الزام لگایا جو کہ گاؤں کی پنچایت کے روبرو پیش ہوا لیکن وہ الزام شہادتوں سے پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکا۔ اب سوال یہ ہے کہ ان ہر دو کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور ہر دو یا کسی ایک کے خلاف کوئی شرعی تعزیر عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو کیا ہر دو کے متعلق علیحدہ علیحدہ مفصل طور پر تحریر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

السائل قطب الدین بھٹی ساکنہ بسنت پورہ

نیز یہ کہ اگر زید بکر سے معافی مانگ لے اور بکر معافی دے دے تو اس معاملہ کی تلافی ہو جائیگی۔

نوٹ: زید عینی شاہد نہیں تھا بلکہ گواہان کے اکسانے پر اس نے یہ الزام لگایا۔



زید نے ظلم کیا اور جھوٹ کہا، قرآن کریم میں ہے فاذ لم یأتوا بالشھداء فاولٰئک عند اللہ

هم الکاذبون (ترجمہ) پس جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔" قرآن کریم نے اس کی سزا اسّی کوڑے مقرر فرمائی فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدًا (ترجمہ) تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔" واولئك هم الفاسقون" اور وہی فاسق ہیں۔" جھوٹے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ واجب الاعادہ ہے، اگر سچے دل سے توبہ کرے اور بکر سے بھی معافی لے لے تو نماز بلا کراہت صحیح ہو جائے گی الا الذين تابوا من بعد ذلك واصلحوا فان الله غفور رحيم۔ مگر وہ جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور سنور جائیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور بکر بچارے کا کیا قصور؟ قرآن کریم تو صرف ناحق تہمت لگانے والے کو فاسق اور کاذب فرماتا ہے هم الفاسقون اور هم الكاذبون فرمایا۔ تو بکر کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے اگر کوئی اور مانع نہ ہو تو، والله تعالى اعلم وعلمه اتم واحكم وصلى الله تعالى على حبيبه وآله وصحبه وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۷ ذی القعدہ ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے متعلق کہ زید اپنے پیشوا کا حلیہ لکھتے ہوئے یوں رقمطراز ہے کہ

یوسفِ ثانی ست در حسن و جمال ہمچو موسےٰ ہست در جاہ و جلال

اور ایک دوسری غزل میں یوں رقمطراز ہے کہ

آج کیوں زاہد و واعظ نکل آئے ہیں مسجدیں چھوڑ کر خادمِ تیرے میخانے میں

دونوں شعروں کے متعلق حکمِ شرعی صادر فرمائیں، نیز زید کے امام و خطیب ہونے کی صورت میں زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

(از رضوی دواخانہ پنوکی ۶۵-۹-۱۰)

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

سوال وضاحت طلب ہے، زید کا پیشوا کیسا ہے؟ اگر سنی صحیح العقیدہ عالم باعمل اور حقیقی عالم و عارف ہے تو بحکم اِنَّ العلماء ورثۃ الانبیاء[1] علیہ ظاہری و باطنی کے لحاظ سے زید کا اپنی نیازمندی کے طور پر کہا ہے تو کیوں جائز نہیں؟ اور اس کی اقتداء میں نمازیں کیوں ناروا ہیں؟ اور اگر بے علم و بے عمل طالب دنیائے دنیہ متبع ہوائے نفسانی اور پس روِ شیطانی ہے اور بدعقیدہ ہے تو یہ شعر ناجائز و سخت ترین جرم ہیں، اور ایسے کی امامت درست نہیں اور خطابت ناروا، خود حالات و واقعات کے مطابق سمجھ سکتے ہیں اور ہمیں خود بھی عمل کی ازحد ضرورت ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللّٰہ النعیمی غفرلہ

(۲۵-۹-۷۰)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید نے باولے کتے کا جگر نکلوایا تاکہ باولے کتے کے کاٹے ہوئے کو علاجاً کھلادے، پھر کھلایا نہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید بایں وجہ ازروئے شریعت محمدی گنہگار ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: احقر فیض احمد چشتی چک ۲۶۹/ ایچ آر ڈاکخانہ ٹبہ عالمگیر تحصیل فورٹ عباس ضلع بہاولنگر (۶-۵-۶۷)

---

[1] ترمذی ص ۹۳ ج ۲ ابوداؤد ص ۱۵۸ ج ۲

ع اور دنیوی زاہدوں اور وظیفوں کا ایسے اولیاء کرام کے پاس حاضر ہونا بھی برا نہیں ۱۲ منہ غفرلہ



زید نے اگر کسی نیک، دیندار طبیب یا ڈاکٹر کے کہنے سے بطورِ علاج وہ جگر کھلانا چاہا تھا جو مسلم معالج ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اس کا اس کے ماسوا کوئی اور علاج نہیں اور موت کا صحیح اور واقعی خطرہ ہے تو اس کی اجازت ہو سکتی ہے مگر جہاں تک واقعات کا تعلق ہے ایسا عادۃً ناممکن ہے تو اس بنا پر اس نے غلط اور ناجائز و حرام کا ارادہ کیا مگر بچ گیا۔ اب دیکھا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس نے یہ ارادہ بدلا ہے تو اس کے لئے نیکی لکھی گئی کما فی الحدیث المتفق علیہ اور اگر کسی اور وجہ سے نہیں کھلایا تو اس ارادۂ بد سے توبہ سے گناہ معاف ہو سکتا ہے تو امامت کے لائق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴-۵-۶۷



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ہمارے گاؤں کا پہلا ا[illegible]دت ہوگیا ہے اور اس کا لڑکا جو کہ انگریزی تعلیم یافتہ اور ورسیر بھی رہ چکا ہے، نمازیں بھی قضا کرتا ہے اور داڑھی بھی منڈواتا ہے، اور زنا کی بھی بدعادت ہے، کیا وہ امامت کا مستحق ہے؟ بینوا توجروا

مستفتی :

سردن دیپال پور ضلع منٹگمری

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

داڑھی منڈوانا، زناکاری، نمازوں کا قضا کرنا، یہ بہت بڑے عیب ہیں ورنہ انگریزی تعلیم اور ادور یر ہونا کوئی عیب نہیں۔ اگر مندرجاتِ سوال صحیح اور واقعی ہیں تو شخص مذکور اپنے عاداتِ شنیعہ اور حرکاتِ قبیحہ کے سبب مجرم و بدکار و فاسق ہے، امامتِ نماز کے منصبِ رفیع کا سزاوار نہیں اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے اس کا امام بنانا ناروا و گناہ ہے، امام بنانا تعظیم ہے اور وہ شرعاً تعظیم کا مستحق نہیں بلکہ واجب الاہانۃ ہے تبیین الحقائق ص۱۳۴ جلد۱، مراقی الفلاح ص۱۸۱، شامی ص۵۲۳ جلد۱ میں ہے والنظم للزیلعی لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً۔ غنیۃ المستملی ص۴۷۹، طحطاوی علی المراقی ص۱۸۱، شامی ص۵۲۳ جلد۱ میں ہے والنظم للطحطاوی ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ، غنیہ میں اضافہ فرمایا وفیہ اشارۃ الیٰ انھم لو قدموا فاسقا یاثمون، ایسے بدکار کو مسلمان برا جانتے ہیں اور حدیثِ پاک میں ہے کہ اس شخص کی نماز بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں جو قوم کا امام ہے حالانکہ وہ اسے برا جانتے ہوں ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقول ثلثۃ لا یقبل اللّٰہ منھم صلوٰۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون (الحدیث) رواہ ابوداؤد ص۸۸ جلد۱ عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما وسکت علیہ وکذا ابن ماجۃ ص۶۹، سنن ترمذی ص۵۷ جلد۱ میں حضرتِ ابوامامہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے نہیں گزرتی (یعنی قبول نہیں ہوتی) ان تینوں سے ایک یہ بیان فرمایا امام قوم وھم لہ کارھون لہٰذا وہ امامت کے قابل نہیں واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک عورت جو اپنے خاوند کے ساتھ لڑکر اپنے میکے آگئی اور تین ماہ پورے ہونے پر خاوند نے طلاق دی تو ایک امام مسجد نے اپنی لاعلمی سے یہ سمجھا کہ چونکہ عورت عرصہ تین ماہ سے اپنے خاوند سے الگ ہے لہذا اس طلاق کی عدت گزر گئی، تو اس نے طلاق کے دن ہی نیا نکاح پڑھا دیا تو اس امام مسجد کا اپنا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں! اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں! اور امام مسجد اپنی غلطی کا مقر ہے اور تائب ہونا چاہتا ہے۔ بینوا توجروا (نوٹ: عورت مدخول بہا ہے۔)

السائل: غلام حسین نوری البصیرپوری خطیب چک ۵۵ گنڈں ضلع منٹگمری





عدت وقتِ طلاق سے شروع ہوتی ہے۔ اس امام مسجد نے بڑی سخت غلطی کی، اس پر لازم تھا کہ علمائے کرام سے دریافت کرتا، مگر اس فعلِ حرام کے سبب وہ کافر نہیں ہوا اور نہ ہی اس کا نکاح فاسد ہوا کہ وہ غلط فہمی کا شکار رہا ہے، اگر دیدہ دانستہ حلال جانتے ہوئے کرتا تو کفر اور فسادِ نکاح کا حکم وارد ہوتا قرآنِ کریم میں ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا اور احادیثِ شریفہ میں ہے رفع عن امتی الخطأ و النسیان، اور جب وہ توبہ کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے اور توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں، قرآن کریم میں ہے الا من تاب و اٰمن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات، حدیثِ پاک میں ہے ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب اللہ علیہ۔ بہر حال امام مسجد توبہ کر سکتا ہے بلکہ توبہ کرنا فرض ہے بحکم توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا اور جب تائب ہو جائے تو امام بھی بن سکتا ہے ہاں وہ

عدت میں کیا گیا نکاح شرعاً نکاح نہیں، عورت و مرد پر لازم ہے کہ بالکل الگ تھلگ رہیں اور پورے پورے پرہیز سے رہیں اور عدت پوری ہو جائے تو حسبِ دستورِ شریعت نکاح صحیح کر سکتے ہیں و اللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ (۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ)

الاستفتاء



بخدمت جناب حضرت قبلہ فقیہِ اعظم علامہ ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج شریف!

مندرجہ ذیل مسئلہ زیرِ بحث ہے لہٰذا التماس ہے کہ بواپسی، قرآن و حدیث سے مسئلہ ذیل کا صحیح جواب عنایت فرمائیں :۔

مولوی ولی محمد ولد حاجی فتح دین ارائیں سکنہ چک ۴/۱.۱ ایل تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری جو اہل حدیث فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں پیش امام فرقہ مذکورہ چک ہذا ہیں جنہوں نے اپنے مکان متروکہ ضلع فیروزپور کا کلیم فارم پہلے دس ہزار کا اور بعد ازاں ترمیم کرا کے سترہ ہزار روپے سے زائد رقم کا منظور کرا لیا ہے چونکہ ہم اس کی برادری اور اس کے سابقہ و موجودہ گاؤں کے رہنے والے ہیں ، ہم ان کے مکانات وغیرہ و دیگر حالات سے بخوبی واقف ہیں ، ان کے مکانات متروکہ اڑھائی تین ہزار روپے سے زیادہ مالیت کے کسی طرح بھی نہیں تھے۔ چونکہ پیش امام مذکور نے گورنمنٹ کو دھوکا دیکر اور جھوٹ بول کر ناجائز طور پر اپنا کلیم فارم منظور کرا لیا ہے، تو کیا ایسے دھوکا باز اور جھوٹے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا من رب العلمین۔

المستفتیان : باشندگان چک نمبر ۴/۱.۱ ایل ضلع منٹگمری

نشان انگوٹھا عبدالغنی ولد فرید قوم ارائیں + نشان انگوٹھا عمردین ولد بلاقی قوم ارائیں +

نشان انگوٹھا رشید ولد عبدالرحمٰن قوم ارائیں +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب



اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو پیش امام مذکور بہت بڑا بدکار ہے جس نے دیدہ دانستہ کئی مرتبہ جھوٹ اور دھوکا کا ارتکاب کیا اور اب بھی اسی بدکاری پر اڑا ہوا ہے۔ سترہ ہزار سے زائد روپے کی محبت میں گرفتار ہے اور توبہ نہیں کرتا۔ اُس کے اِن جرموں کی شناعت وقباحت بکثرت آیاتِ قرآنِ کریم اور صدہا حدیثوں سے روزِ روشن کیطرح ثابت ہے۔ جھوٹے اور دھوکا باز کو تو کافر قومیں بھی معیوب جانتی ہیں تو قومِ مسلم کیونکر برا نہ جانے، لہذا ہر مسلمان قوم ایسے بدکار کو ضرور برا جانتی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا جو ایسی قوم کا امام بنے جو اُسے بُرا جانتی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقول ثلثۃ لا یقبل اللہ منہم صلوٰۃ من تقدم قوما وہم لہ کارہون الحدیث رواہ ابو داؤد ص۸۸ جلد۱ عن ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما وسکت علیہ وکذا ابن ماجۃ ص۶۹۔ یہ بھی حدیث میں آیا کہ ایسے شخص کی نماز اس کے سر سے بالشت بھر بھی بلند نہیں ہوتی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ثلثۃ لا ترفع صلوتہم فوق رؤسہم شبرا رجل ام قوما وہم لہ کارہون الحدیث رواہ ابن ماجہ ص۶۹ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ نیز حدیث میں ایسے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لعنت آئی ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رجلا ام قوما وہم لہ کارہون الحدیث رواہ الترمذی ص۵۷ جلد۱ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی نماز اس کے کانوں سے بھی نہیں گزرتی (قبول نہیں ہوتی) قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثلثۃ لا تجاوز صلوتہم اٰذانہم العبد الآبق حتی یرجع و

امرأة باتت و زوجها علیها ساخط و امام قوم وھم لہ کارھون رواہ الترمذی ص۵ جلد ۱ عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نیز حدیث میں مرفوعاً ہے کہ نیکوں کو امام بناؤ اس لئے کہ امام تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان وفد (واسطے) ہوتے ہیں اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم و بین اللہ عز وجل رواہ الدارقطنی ص۱۹۷ جلد ۱ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و کذا البیہقی ص۹۰ ج۳۔ نیز حدیث میں ہے کہ جب تمہیں یہ پسند ہو کہ تمہاری نماز قبول کی جائے تو تمہارے نیک تمہارے امام بنیں کہ وہ تمہارے وفد ہیں تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان اذا سرکم ان تقبل صلوٰتکم فلیؤمکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم رواہ الدارقطنی ص۱۹۷ جلد ۱ عن مرثد بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا و کذا الحاکم فی المستدرک ص۲۲۲ جلد ۳۔ یہ بھی حدیث میں ہے کہ اگر تمہیں اپنی نمازوں کا صاف اور ستھرا بنانا خوش کرے تو اپنے نیکوں کو آگے کرو (امام بناؤ) ان سرکم ان تزکوا صلوٰتکم فقدموا خیارکم (الخطیب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کنز العمال ص۱۳۵ جلد ۴۔ نیز صحیح بہاری ص۲۶۴ جلد ۲ کی حدیث ہے عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یؤمن فاجر مومنا الا ان یقھرہ بسلطانہ یخاف سیفہ اوسوطہ رواہ ابن ماجۃ یعنی کوئی بدکار کسی مومن کا امام ہرگز ہرگز نہیں بن سکتا مگر یہ کہ بدکار مومن پر اپنی حکومت سے غالب آجائے مومن اس کی تلوار یا کوڑے سے ڈرے۔"

ان احادیث کی روشنی میں بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ایسا فاجر فاسق ہرگز ہرگز امامت کے لائق نہیں، اہالیان اسلام اپنے اختیار سے اُسے بالکل امام نہ بنائیں، اگر امام ہوتے ہوئے ایسے پاپڑ بیلے تو طاقت والوں پر لازم کہ اسے امامت سے ہٹا دیں۔ قرآنِ کریم تو بُروں کے پاس بیٹھنے سے بھی منع فرماتا ہے، چہ جائیکہ ان کو امام رکھا جائے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ



الظّٰلِمِیْنَ (سورۃ الانعام)

اور بھی بہت سی آیات واحادیث سے روزِ روشن کی طرح ثابت کہ بُروں کا ساتھ بُرا ہے اور نیکوں کا ساتھ اچھا ہے ہاں کسی ظالم بادشاہ وغیرہ سے جان کا خطرہ ہو تو اجازت ہے مگر وہ حکم ہر جگہ جاری نہیں، ایسے خطرے کے وقت تو اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ اجازتِ خاصہ بھی آئی ہے مگر جب ایسا سخت خطرہ نہ ہو تو قطعاً اجازت نہیں۔ قرآنِ کریم سے ثابت ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (سورۃ بنی اسرائیل) تو لازم کہ کسی بدکار کو امام نہ رکھا جائے کہ اس کے ظاہری معنی کی زد سے بچاؤ ہو سکے۔ نیز ایسا بدکار شرعاً تعزیر وتذلیل کا مستحق ہے اور امام رکھنا توقیر وتعظیم ہے تو طاقت ہوتے ہوتے اسے امامت سے الگ کرنا ضروری ہے، پھر الگ کرنے میں یہ مصلحت بھی ہے کہ شاید وہ پشیمان ہو کر تائب ہو جائے۔ بہرحال ایسے بدکار کو منصبِ امامت سے الگ کرنا بشرطِ طاقت ضروری ہے واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

۳ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اندریں کہ فاسق کا خود بخود اپنی طاقت سے امامِ نماز بن جانا یا طاقت والوں کا اسے امام بنانا جب کہ اس سے احق بالامامت موجود ہو کیسا ہے؟ پھر اس صورت میں جو نمازی بوجہِ مجبوری اس جماعت میں شامل ہوں کہ اگر شامل نہ ہوں تو فتنہ وفساد کا صحیح خطرہ ہو یا خطرہ تو نہ ہو مگر کسی اور مسجد میں امام متقی کی اقتداء حاصل نہ کر سکتا ہو یا کوئی اور احق بالامامت ہو ہی نہ تو ان کی نماز کا کیا حکم ہے اور اگر دوسری مسجد میں امام متقی کی اقتداء حاصل کر سکتا ہو تو کیا کرے، بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

فاسق کا احق بالامامت کی موجودگی میں طاقت یا اثر و رسوخ سے امام بن جانا یا اصحابِ اقتدار کا امام بنا دینا شرعاً سخت ناجائز اور ظلمِ مبین ہے جبکہ کسی حقدار کا حق غصب کرنا شرعاً ناجائز اور ظلم ہے تو امامتِ نماز کا شرعی حق جو احق بالامامت کے لئے حاصل ہے بلکہ تمام نمازیوں کی اقتداء بالاحق کے حقوق خانۂ خدائے سبوح وقدوس میں غصب کرنے کیونکر ظلم و ناروا نہ ہوں گے، کیا اللہ رب العالمین جل وعلا نے یہ حکمِ محکم نہیں فرمایا ان اللّٰہ یأمرکم ان تؤدوا الامٰنٰتِ الی اھلھا ۔ کیا احادیثِ ابن ماجہ و ابو داؤد و ترمذی ہیں صراحۃً یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ ایسے شخص کی نماز قبول ہی نہیں ہوتی جو ایسی قوم کا امام بن جائے جو اسے ناپسند کرتی ہو، کیا یہ ارشاد نہیں فرمایا اجعلوا ائمتکم خیارکم، اسی موضوع پر اور بھی کافی حدیثیں ہیں وقدمر البعض فی ھذہ الفتاوٰی۔



فقہائے کرام نے بھی مکروہ تحریمہ فرمایا ہے بحر الرائق صـ۳۴۸ جلد۱، درالمختار، طحطاوی علی الدر صـ۲۴۳ جلد۱، شامی صـ۵۲۲ جلد۱ میں ہے والنظم من الدر مع التنویر (لو ام قوما وھم لہ کارھون ان الکراھۃ لفساد فیہ او لانھم احق بالامامۃ منہ کرہ) ذلک تحریما۔ نیز قدوری صـ۲۳، ہدایہ صـ۱۰۱ جلد۱، غنیہ کبیری صـ۳۵۱، مبسوط صـ۴۰ جلد۱ میں ہے والنظم من القدوری یکرہ تقدیم العبد والاعرابی و الفاسق۔ کبیری صـ۴۷۹ طحطاوی علی الدر صـ۲۴۳ جلد۱، شامی صـ۵۲۳ جلد۱ میں ہے والنظم للحلبی علیہ الرحمۃ کراھۃ تقدیمہ (ای الفاسق) کراھۃ تحریم۔ تو ایسے امام اور مقتدیوں پر لازم کہ ایسی مکروہ تحریمہ نمازوں کا اعادہ کریں یعنی دوبارہ بلاکراہت ادا کرتے ہوئے سبکدوش نہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اصل فرض ادا ہو جاتا ہے للدلائل الاٰتیۃ مگر اعادہ لازم ہے للکراھۃ التحریمیۃ بناءً علی الدلائل الماضیۃ۔ باقی وہ نمازی جو سوال کی پچھلی شقوں میں مذکور ہیں ان سب کی

نمازیں جائز ہیں اور واجب الاعادہ نہیں، البتہ ان میں سے بعض کی نمازیں مکروہ تنزیہی ہیں جن کا اعادہ مستحب ہے کما ستبین، قرآنِ کریم میں ہے "وارکعوا مع الراکعین" نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کیا کرو" یہ امر مطلق ہے اور یہاں کوئی مقتضائے کراہتِ تحریم نہیں تو نمازیں بلاشبہ جائز ہیں، احادیثِ شریفہ میں صراحۃً اس اطلاق کی تائیدیں اور تصریحاتِ جواز موجود ہیں۔ سنن ابوداؤد ص۸۸، سننِ بیہقی ص۱۲۱ جلد۳ حضرت ابوہریرہ سے اور سننِ دارقطنی ص۱۸۴ تا ص۱۸۵ جلد۱ میں حضرتِ ابوہریرہ، حضرت ابوالدرداء، حضرتِ ابن عمر، حضرتِ علی حضرت واثلہ بن اسقع اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باسانیدِ متکاثرہ اور کلماتِ متقاربہ متعاضدہ مروی ہیں ہے صلوا خلف کل بر و فاجر۔ ان اسانید سے طریقِ مکحول عن ابی ھریرۃ کے سب راوی ثقہ ہیں البتہ یہ مرسل ہے جو ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول اور حجت ہے۔ فتح القدیر ص۳۰۵ جلد۱، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۸۶ جلد۳، کبیری ص۴۷۹ میں فرمایا والنظم منہ انہ مرسل وھو حجۃ[عہ] عندنا وعند مالک وجمھور الفقھاء اور باقی اسانید ضعیف ہیں مگر کثرتِ طرق سے درجۂ حسن وقبول پر فائز ہیں۔ فتح القدیر ص۳۰۵ جلد۱، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۸۶ جلد۳ میں ہے وقد روی ھذا المعنی من عدۃ طرق للدارقطنی وابی نعیم والعقیلی کلھا مضعفۃ من قبل بعض الرواۃ وبذٰلک یرتقی الیٰ درجۃ الحسن عند المحققین وھو الصواب۔ شرح سفر السعادۃ ص۵۳۵ میں ہے "وبالجملہ وے از حیثیتِ حدیث ظنی واز حیثیت اجماع قطعی" پھر یہ اطلاقاتِ آیت واحادیث صحابہ کرام اور تابعین کرام کے دستور العمل سے اور واضح ہو رہا ہے۔ مبسوط ص۴۰ جلد۱، بدائع صنائع ص۱۵۶ جلد۱، کفایہ علی الھدایہ ص۳۰۵ جلد۱، زیلعی اور شلبی ص۱۳۵ جلد۱ وغیرہا میں ہے والنظم للسرخسی علیہ الرحمۃ لان الصحابۃ والتابعین کانوا لا یمتنعون من الاقتداء بالحجاج فی صلوٰۃ الجمعۃ وغیرھا مع انہ کان افسق اھل زمانہ۔ سنن بیہقی ص۱۲۲ جلد۳ میں حضرتِ عبداللہ بن عمر کے اقتداء بالحجاج وغیرہ باقاعدہ اسنادوں سے بیان کرنے کے

عہ فتح وحرکات میں ہے وھو مقبول عندنا ۱۲ منہ غفرلہ



بعد عبد الکریم بکّار سے باسناد روایت کیا ادرکت عشرۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم یصلی خلف ائمۃ الجور۔ نیز اسی میں امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باسناد روایت کیا ان الحسن والحسین کانا یصلیان خلف مروان قال فقال ما کانا یصلیان اذا رجعا الی منازلھما؟ فقال لا واللہ ما کانا یزیدان علی صلوٰۃ الائمۃ۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر شریف ص۲۶۱ میں فرماتے ہیں وکان ابن مسعود وغیرہ یصلون خلف الولید بن عقبۃ وکان یشرب الخمر۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۸۶ جلد۳، حدیث والصلوٰۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجرا وان عمل الکبائر، کے تحت بعد ذکر کلام ابن ہمام متعلقہ توثیق و تحسین حدیث فرمایا وقال ابن حجر ویوافقہ خبر الدارقطنی اقتدوا بکل بر وفاجر وھو وان کان مرسلا لکنہ اعتضد بفعل السلف فانھم کانوا یصلون وراء ائمۃ الجور وروی الشیخان ان ابن عمر کان یصلی خلف الحجاج وکذا کان انس یصلی خلفہ ایضا واحتمال الخوف یمنعہ ان ابن عمر کان لا یخافہ لان عبد الملک کان ممتثلا لما یامرہ بہ ابن عمر فیہ وفی غیرہ ومن ثم کان یجعل امر الحج لہ ویامر الحجاج باتباعہ فیہ۔

بخاری ص۹۶ جلد۱ میں بالاسناد ہے کہ عبید اللہ بن عدی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حالانکہ آپ محصور تھے تو عرض کیا ہمیں امام فتنہ (یعنی باغیوں کا سرغنہ کنانہ بن بشر) نماز پڑھاتا ہے اور ہم حرج سمجھتے ہیں، تو آپ نے جواب دیا الصلوٰۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساؤا فاجتنب اساءتھم۔ عینی ص۷۶۴ جلد۲ اس کی شرح میں فرماتے ہیں وفیہ ان الصلوٰۃ خلف من تکرہ الصلوٰۃ خلفہ اولی من تعطیل الجماعۃ، اور ص۲۶۵



میں ہے؛ لو صلی خلف فاسق او مبتدع یکون محرز الثواب

الجماعۃ۔ ذکر فرمایا۔ شاہ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیثِ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے تحت اشعۃ اللمعات

صـ۲۰ جلد ۱ میں فرماتے ہیں "ودریں دلیل است در گذاردنِ نماز خلف ہر برو فاجر چنانکہ مذہب اہلِ سنت و جماعت است"۔ مرقاۃ صـ۱۴۳ جلد ۲ میں ہے وفیہ دلیل علی جواز الصلوٰۃ

خلف الفرقۃ الباغیۃ وکل فاجر حالانکہ اس وقت سائل وغیرہ کو

باغیوں سے کوئی کسی قسم کا خطرہ نہیں کہ وہ تو صرف سیدنا ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درپے ایذاء تھے۔

انہی احادیث و دستورِ صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے باعث ہمارے ائمۂ دین اور فقہاء و

متکلمین حضرات بھی یہی فرماتے ہیں۔

فقہ اکبر شریف میں حضرتِ سراج الامہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشادِ پاک ہے والصلوٰۃ

خلف کل بر و فاجر من المؤمنین جائزۃ۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اس کی شرح

صـ۹۲ میں اس کی دلیل وہی حدیث اور عملِ صحابہ قرار دیتے ہیں۔ نیز اسی صفحہ میں منتقٰی سے نقل کرتے ہیں سُئل

ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی عن مذہب اھل السنۃ والجماعۃ

فقال ان تفضل الشیخین ای ابابکر و عمر رضی اللہ تعالٰی

عنہما و تحب الختنین ای عثمان و علیا رضی اللہ تعالٰی

عنہما وان تری المسح علی الخفین و تصلی خلف کل

بر و فاجر اور یونہی شرح ابوالمنتہی صـ۲۰ میں ہے۔ فتاوٰی قاضی خان صـ۴۳ میں ہے و

من شرائط اھل السنۃ و الجماعۃ ان یری الصلوٰۃ خلف

کل بر و فاجر عقائد و شرح عقائد صـ۱۱۵ میں ہے وتجوز الصلوٰۃ خلف

کل بر و فاجر الخ تکمیل الایمان صـ۸۷ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں" و

یجوز الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر جماعت در نماز از دست نباید داد و مقید

بامامِ متقی و متورع نباید بود و بجہتِ آں فضیلتِ جماعت کہ بے شبہ از سننِ مؤکدۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ و

آلہٖ وسلم است ترک نباید کرد و آں قدر کہ آنحضرت را تاکید در التزامِ جماعت و اجتماع و ائتلاف بود در جائے



دیگر نبود نعم اگر مردے صالح و متقی برائے امامت پیدا شود بہتر والا ہر کہ باشد نماز بجماعت گذارد ور چند کہ فاسق بود بشرطیکہ فسق و فجور وے منجر بکفر نگردد و علم باحکام و ارکانِ نماز و قدر مایجوز بہ الصلوٰۃ از قرآن یاد داشتہ باشد "۔ نیز شرح سفر السعادۃ ص۵۳۵ میں فرمایا " وعلمائے اہل سنت و جماعت برآں اجماع کردہ و درکتبِ عقائد آں را ذکر کردہ وآں را از علامات سنت و جماعت داشتہ اند "۔

اسی حدیث کے ذکر میں حضرت ابو الشکور سالمی رضی اللہ عنہ "تمہید شریف" ص۱۷۲ میں چالیس جلیل القدر تابعین (جو کہ ایک ایک یا دو دو اہلِ بدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت کر چکے ہیں) سے ایک حدیثِ مرفوع اس مدعیٰ کی نقل کرتے ہیں جس میں ہے واشہدوا الصلوات الخمس و الجمعۃ بالجماعۃ مع کل امام۔ مجموعۂ ظاہر الروایۃ متنِ مبسوطِ سرخسی ص۴۰ جلد ۱ میں ہے ویجوز امامۃ الاعمیٰ و الاعرابی والعبد و ولد الزنا والفاسق وغیرھم احب الی۔ حضرتِ محررِ مذہب امام محمد علیہ الرحمۃ کا یہ "وغیرھم احب الی" فرمانا روزِ روشن سے بھی واضح دلیل ہے کہ ایسی صورت میں کراہتِ تحریمیہ قطعاً نہیں کہ "احب" کا مقابل جائز و محبوب ہوتا ہے اور مکروہ تحریمی ناجائز ہوتا ہے البتہ مکروہ تنزیہی بن سکتا ہے کہ وہ بھی جائز ہوتا ہے اور محبوب بن سکتا ہے لہٰذا بحر الرائق ص۳۴۹ جلد ۱ میں مجتبیٰ و معراج الدرایہ سے، پھر شامی ص۵۲۳ جلد ۱ میں فرمایا والنظم من البحر وھذہ الکراھۃ تنزیھیۃ لقولہ فی الاصل امامۃ غیرھم احب الی۔ در المنتقی ص۱۰۸ جلد ۱ طحطاوی علی الدر ص۲۴۳ جلد ۱ میں ہے والنظم لہ (قولہ تنزیھیا) ای فی الکل لقول محمد فی الاصل امامۃ غیرھم احب الی۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص۱۴۵ جلد ۱ میں بھی "وغیرھم احب الی" فرمایا۔ بدائع صنائع ص۱۵۶ جلد ۱ میں ہے وغیرھم اولی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مکروہ تنزیہی ہی ہو سکتا ہے جو احب اور اولیٰ کا مقابل ہوتا ہے اور یہ صورتِ امامت جس کا ذکر ہو رہا ہے صورتِ تقدیم نہیں بلکہ صورتِ تقدم ہے کیونکہ تقدم کا معنے آگے ہونا ہے اور امامت کا معنیٰ امام بننا، یعنی وہ لوگ فاسق وغیرہ خود بخود آگے ہو جائیں اور امام بن جائیں اور یہ مراد نہیں کہ امام بنائے جائیں۔ بحر الرائق ص۳۴۹ جلد ۱، شامی ص۵۲۳ جلد ۱ میں ہے والنظم من البحر فالحاصل انہ یکرہ لھؤلاء التقدم



ویکرہ الاقتداء بہم کراھۃ تنزیہیۃ قدوری ص۴۳، ہدایہ ص۱۰۱ جلد۱،
فتح القدیر، الکفایہ، عنایہ شروح ہدایہ ص۳۰۵ جلد۱، زیلعی ص۱۳۴ جلد۱ میں ہے والنظم من الہدایۃ
ویکرہ تقدیم العبد (الی ان قال) وان تقدموا جاز لقولہ علیہ
السلام صلوا خلف کل بر و فاجر۔

بہرحال تقدیم و تقدم کا فرق واضح ہے اور یہ بھی واضح کہ "صلوٰۃ خلفہم" مامور بہ ہے اور مامور بہ حسن
ہوتا ہے ---------- تو لامحالہ ان کی نمازیں
مکروہ تحریمی نہیں ہوں گی۔ بلکہ فقہائے عظام نے تو یہ بھی تصریح فرمائی کہ فاسق کی اقتدا میں ثواب جماعت
حاصل ہو جاتا ہے، گو اتنا نہیں جتنا کہ متقی کی اقتدا سے، فتاویٰ قاضی خان ص۴۳، فتح القدیر ص۳۰۴،
کبیری ص۵۱۳، بحر الرائق ص۳۴۹ جلد۱، درمختار، شامی ص۵۲۵، شلبی علی الزیلعی ص۱۳۵ جلد۱، مراقی عن
مجمع الروایات ص۱۸۱، ہندیہ ص۴۳ جلد۱، خلاصۃ الفتاوی ص۱۵۰ میں ہے والنظم منہا ولو صلی
خلف مبتدع او فاسق فہو محرز ثواب الجماعۃ لکن لاینال
مثل ماینال خلف تقی۔ اس سے صاف صاف معلوم ہوا کہ انفراد سے اقتدا بہتر ہے
شامی ص۵۲۵ جلد۱ میں ہے افاد ان الصلوٰۃ خلفہما اولیٰ من الانفراد۔ بحر الرائق
ص۳۴۹ جلد۱ میں ہے فان امکن الصلوٰۃ خلف غیرہم فہو افضل وان
لا فالاقتداء اولیٰ من الانفراد۔ ہاں اگر دوسری مسجد میں امام متقی کی اقتدا حاصل
کر سکتا ہو تو بہتر کہ دوسری مسجد میں چلا جائے "تبیین الحقائق ص۱۳۵ جلد۱، بحر الرائق ص۳۴۹، مجمع الانہر ص۱۰۸،
شامی ص۵۲۳ وغیرہا میں ہے والنظم من البحر ان الفاسق اذا تعذر منعہ
یصلی الجمعۃ خلفہ وفی غیرہا ینتقل الی مسجد آخر۔
اور یہ "ینتقل الی مسجد آخر" ایجاب نہیں بلکہ اباحت و استحباب کے لئے ہے،
اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہ گو اپنی مسجد محلہ کا حق ہے کہ اس میں نماز ادا کی جائے مگر اس عذر
کی بنا پر جا سکتا ہے چنانچہ فتاویٰ قاضی خان ص۴۳، خلاصہ ص۱۵۰، فتح القدیر ص۳۰۴ جلد۱، ہندیہ
ص۴۵ تک اسی جزئیہ تفصیلیہ سے واضح ہو رہا ہے۔ امام قاضی خان نے فرمایا الفاسق اذا کان

یوم و عجز القوم عن منعه تکلم الناس فیہ قال بعضهم فی صلوٰۃ الجمعۃ یقتدی بہ ولا یترک الجمعۃ بامامتہ لان فی الجمعۃ لا یوجد غیرہ ومن شرائط السنۃ و الجماعۃ ان یری الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر واما فی غیر الجمعۃ من المکتوبات فھو بسبیل من ان یتحول الیٰ مسجد اٰخر ولا یأثم بذٰلک لان قصدہ الصلوٰۃ خلف تقی۔ خلاصہ کے یہ لفظ ہیں والفاسق اذا کان یوم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہ قال بعضهم یقتدی بہ فی الجمعۃ ولا یترک الجمعۃ بامامتہ وفی غیر الجمعۃ بسبیل من ان یتحول الیٰ مسجد اٰخر ولا یأثم بذٰلک۔ اور فتح القدیر میں خلاصہ سے ہے، ہندیہ میں فرمایا والفاسق اذا کان یوم یوم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہ قال بعضهم یقتدی بہ فی الجمعۃ ولا یترک الجمعۃ بامامتہ وفی غیر الجمعۃ یجوز ان یتحول الیٰ مسجد اٰخر ولا یأثم بہ ھٰکذا فی الظھیریۃ۔ توبیہ "بسبیل من ان یتحول" اور (لا یأثم بذٰلک) اور "یجوز" واضح کر رہے ہیں کہ وہ امر"انتقال الی مسجد آخر" وجوبی قطعی نہیں لہٰذا خانیہ، خلاصہ، فتح القدیر وغیرہا میں جزئیہ مذکورہ کے بعد متصلاً فرمادیا و النظم من الفتح ولو صلی خلف فاسق او مبتدع احرز ثواب الجماعۃ، ہاں کراہت تنزیہیہ ضرور ہوگی جو موجب اعادہ نہیں، پھر جمعہ اور غیر جمعہ کی تفریق اس بنا پر ہے کہ پہلے زمانہ جمعہ میں تعدد نہیں ہوتا تھا یعنی شہر میں ایک ہی مسجد میں قائم کیا جاتا تھا لہٰذا کسی اور مسجد میں مل نہیں سکتا تھا اور دوسری فرض نمازیں شہر کی اور مسجدوں میں بھی ہوتی ہیں لہٰذا مشائخ کرام نے تصریح فرمادی کہ اگر جمعہ بھی متعدد ہو تو دوسری مسجد میں اقتدائے متقی میں ادا کرے اور فاسق کے پیچھے مکروہ ہوگا۔ فتح القدیر، بحرالرائق، شامی وغیرہا میں ہے وعلی ھٰذا فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتها



فی المصر علی قول محمد وھو المفتی بہ لانہ بسبیل من

التحول حینئذٍ۔ اور تفریق کی اس بنا سے روز روشن کی طرح واضح کہ اگر دوسری فرض نمازیں بھی

کسی اور متقی کی اقتدا میں ادا نہ کر سکتا ہو کہ اس آبادی میں مسجد ہو ہی ایک، یا اور مسجد ہو مگر امام متقی نہ ہو تو وہ فرض

نمازیں بھی جمعہ کیطرح اس امام کی اقتدا میں ادا کرے کہ یہاں بھی جمعہ کی طرح وھو بسبیل من

التحول الی مسجد اٰخر نہیں پایا گیا حالانکہ اسی پر مدار ہے اور یہ تو کسی نے نہیں فرمایا کہ اکیلا

پڑھے یا اپنے گھر میں جماعت قائم کر لے، اور حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس میں

نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کی تاکید ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے بلکہ انہی تصریحات خانیہ وغیرہا کے

مفہوم مخالف کے لحاظ سے جو کتب فقہیہ میں معتبر ہے (کما فی الشامیۃ وغیرھا)

یہ ظاہر ہے کہ اگر اس صورت میں اس کی اقتدا میں نماز پڑھے تو گنہگار ہوگا اور جائز نہیں ہوگا اور شامی

اور بحرالرائق سے بالفاظ متقاربہ گزر ہی چکا کہ فان امکن الصلوٰۃ خلف غیرھم فھو

افضل والا فالاقتداء اولی من الانفراد، نیز بحرالرائق ص ۳۴۹، درالمختار، شامی ص ۵۲۵

میں ہے والنظم من البحر وینبغی ان یکون محل کراھۃ الاقتداء

بھم عند وجود غیرھم والا فلا کراھۃ کما لایخفی، شامی

نے "غیرھم" کی تفسیر میں فرمایا ای من ھو احق بالامامۃ منھم۔

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہوا کہ جزئیہ مذکورہ میں یصلی اور یقتدی اور لایترک

الجمعۃ بامامتہ کے امر و نہی وجوبی ہیں اگر خلاف ورزی کرے گا تو گنہگار ہوگا، چنانچہ

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اسے ابتداع قرار دیا، شرح فقہ اکبر ص ۶۶ میں فرمایا فمن ترک

الجمعۃ والجماعۃ خلف الامام الفاجر فھو مبتدع

عند اکثر العلماء والصحیح انہ یصلیھا ولا یعیدھا۔

ملہ یصلی اور یقتدی "مضارع کے صیغے بمعنے امر ہیں اور لایترک مضارع منفی بمعنے نہی ہے کما لا یخفی

علی الفقیہ ساہو ۱۲ منہ غفرلہ



تنبیہ

لایلزم من کراهة التقدیم تحریما ان یکون الصلوٰة خلفہ علی الاطلاق مکروهة تحریما لانہ لیس بواجب الاهانة مطلقا کالکافر حتی لا یعظم بنوع تعظیم من السلام و الغسل و الجنازة و الدفن فی المقابر وامثالہ کیف لاو هو مؤمن مسلم والاسلام یعلو ولا یعلی فلا یلزم من کراهة تعظیمہ بالتقدیم ان یکون صلوٰة غیر المقدمین خلفہ تعظیما مکروها و ذاظاهر من الدلائل المتقدمة ظهورا تامّا و قد قال الطحطاوی فی حاشیة الدر ص۲۴۳ جلدا " وظاهر ما فی البحر حیث خص التحریمة بالامام للحدیث السابق ان الکراهة فی حقهم تنزیهیة " و ایضا عدم الاهتمام بالامور الدینیة لیس بلازم کل فاسق و کذا احتمال عدم الاهتمام لایستلزم کراهة الصلوٰة خلفہ تحریما فان امثال هذہ الظنون وان اعتبرت فی التقدیم فلا یعتبر مطلقا فان الاصل فی المسلم عدمہ فتذکر المسائل التی لم یعتبر المشائخ الظاهر البین فیها انظر مسئلة الحیوان الحی الواقع فی البیر فی الخانیة والفتح و البحر وغیرها من اسفار المذهب المهذب کما فی الشامیة ص۱۹۶ جلدا ، قال فی البحر وقیدنا بالعلم لانهم قالوا فی البقر و نحوه یخرج حیا لا یجب نزح شیئ وان کان الظاهر اشتمال بولها علی افخاذها لکن یحتمل طهارتها بان سقطت عقب دخولها ماءا کثیرا مع ان الاصل الطهارة اھ ومثلہ فی الفتح و ایضا فیها و فی



الخانية لو وقعت الشاة وخرجت حية ينزح عشرون دلوا لتسكين القلب لا للتطهير حتى لو لم ينزح و توضأ جاز وكذا الحمار والبغل لو خرج حيا ولم يصب فمه الماء وكذا ما يوكل لحمه من الابل والبقر والغنم والطيور والدجاجة المحبوسة اهـ ومثل فى مختارات النوازل۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

حامی شریعت و ماحی شرک و بدعت و مفتیانِ عظام دینِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جناب مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب دام اقبالہ۔

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ ومغفرتہ :- بعد آداب و نیاز کے عرض ہے کہ فرمائیے کہ ایک پانچ وقت نماز پر پابندی کرنے والا یعنی پانچوں نمازیں باقاعدہ اور وقت پر ادا کرنے والا اگر ہر روز دو یا ایک نماز قضاء کرنیوالے کے پیچھے نماز باجماعت پڑھے تو آیا نماز کا ثواب ملے گا یا نہیں ؟ جو پیش امام ہر روز دو نمازیں قضاء کرے یا صبح کی نماز پچھلی اور ظہر عصر کی چھوڑ دے ، آیا اس امام کے پیچھے صاحبِ ترتیب کی اقتداء صحیح ہے یا نہیں ؟ حضرت اس کا حوالہ دینا ، دیگر تراویح کی نیت میں عشاء کا وقت کہنا ضروری ہے یا نہیں ! یعنی تراویح کی نیت تحریر فرمادیں ، ہمارا بہت جھگڑا رہتا ہے ، آپ فیصلہ کردیں کہ نمازِ تراویح میں نیت کس طرح مستحب ہے ؟ اور حضرت صاحب دونوں مسئلے تحریر فرما کر مجھ جیسے جاہل کا مغالطہ نکال دیں ، میں آپ حضور کا بڑا مشکور ہونگا چونکہ ہمارے پیش امام کہتے ہیں کہ تراویح وقت نمازِ عشاء کہنے کے بغیر تراویح ہوتی ہی نہیں ، حوالہ دینا واجبا عرض ہے کہ جواب تحریر فرمادیں۔

السائل : خاکسار محمد اسلم عاجز ساکن شاہو بلوچ ۱۱-۱-۹۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ ومغفرتہ :-

جو شخص قصداً بلا عذر ایک نمازِ فرض کسی ایک دن نہ پڑھے تو وہ فاسق ہے چہ جائیکہ ہر روز ایک یا دو نمازیں قضار کرے ایسے شخص کے سخت فاجر و فاسق ہونے میں کوئی شک نہیں اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ فاسق کی اقتدار مکروہ ہے اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی کا حکم یہ ہے کہ اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے لہٰذا ایسے شخص کی اقتدار سے پرہیز کی جائے۔ شامی ص۵۲۳ جلد ۱ میں ہے واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ لانہ لایھتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً (الیٰ ان قال) مشی فی شرح المنیۃ علیٰ کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم۔ نیز ص۴۲۵ میں درالمختار سے ہے کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ تحریم تجب اعادتھا۔

تراویح کی نیت میں عشار کا وقت کہنا بالکل ضروری نہیں، تراویح ہے ہی وہ نماز جو عشا کے وقت میں پڑھی جاتی ہے اور زبان سے نیت ہر نماز میں صرف مستحب ہے اور دل کی نیت ضروری ہے نفل اور سنت اور تراویح میں مطلق نماز کی نیت کافی ہے البتہ احتیاط یہ ہے کہ تراویح میں تراویح کی نیت کرے یا سنتِ وقت کی یا قیام اللیل کی (یعنی اس رات کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی) فتاویٰ عالمگیر ص۱۴۲ جلد ۱ میں ہے ویکفیہ مطلق النیۃ للنفل و السنۃ والتراویح ھو الصحیح کذا فی التبیین وھو ظاھر الجواب واختیار عامۃ المشائخ کذا فی التجنیس والاحتیاط فی التراویح ان ینوی التراویح او سنۃ الوقت او قیام اللیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ

لہ کاہ یہ والمولیٰ تعالیٰ اعلم وصلی تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم لکھا ہے کہ ادب کا یہی تقاضا ہے ۱۲ منہ غفرلہ



علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

نوٹ :۔ مسائل دریافت کرنے کے لئے کارڈ نہیں بھیجنا چاہئے بلکہ لفافہ میں بھیجنا چاہئے۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حافظِ قرآن ہے، اس کے اوپر اہل وعیال کا بہت بوجھ ہے، گھر کے دس افراد کھانے والے ہیں اور کوئی کمانے والا نہیں ہے، وہ شخص نابینا بھی نہیں ہے لیکن صرف نظر تھوڑی کمزور ہے، دور کی چیز نہیں دیکھ سکتا نزدیک سے دیکھ سکتا ہے، مجبوری کی وجہ سے ریل گاڑی میں سوال کرتا ہے، نظر کی کمزوری کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتا گذشتہ سال ماہِ رمضان شریف میں مسجد قادری میں اس نے قرآنِ پاک ختم کیا ہر سال کہیں نہ کہیں رمضان شریف میں قرآنِ پاک سناتا ہے۔ گذشتہ سال جب اس نے یہاں مسجد قادری میں تراویح پڑھائیں تو کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا اب بھی پیش امام کے غیر حاضر ہونے کیوجہ سے نمازی حضرات اس حافظِ قرآن کو نماز پڑھانے کے لئے آگے کھڑا کرتے ہیں اور اس حافظِ قرآن کو دو چار مرتبہ کہتے ہیں تب نماز پڑھاتے ہیں وہ خود یہ کہتے ہیں کہ کوئی اور صاحب نماز پڑھائیں تو بہتر ہوگا لیکن کوئی صاحب تیار نہیں ہوتے۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی کیونکہ یہ حافظِ قرآن گاڑیوں پر سوال کرتا ہے، مانگنے کو وہ خود بھی پسند نہیں کرتا، مجبوری کیوجہ سے سوال کرتا ہے لہٰذا براہِ کرم اس نزاع میں احکامِ شرع سے واضح طور پر مع دلائل وحکمِ شرعی سے مطلع فرمائیں بینوا توجروا۔

السائل :۔

محمد عنایت اللہ منتظم مسجد قادری اسٹیشن روڈ حیدرآباد سندھ



نماز ہو جاتی ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ، حدیث شریف میں ہے صلوا خلف کل بر و فاجر۔ ہاں یہ بھی واضح ہے کہ اس حافظ صاحب کا غیر ہی بہتر ہے کیونکہ منصبِ امامت نہایت اعلیٰ وارفع ہے اور گداگری اگرچہ اصل میں ضرورت پر مبنی ہو مگر حدِ ضرورت پر اکتفاء عادۃً بڑا مشکل ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ / ۹/۱۰/۶۸



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ داڑھی منڈانے والا امام مسجد بنانا جائز ہے ؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے ؟

السائل : بشیر احمد ٹیچر سکول چک ۴۳/ایس۔پی کھرپہ ۱۹-۳-۵۹



منصبِ امامت بہت ہی بڑا دینی منصب ہے ۔ داڑھی منڈانے والا فاسق اور گنہگار اس بلند منصب

کے لائق نہیں لہذا اسے امام نہ بنایا جائے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے لہذا اس کا لوٹانا واجب ہے کما هو مبین من کتب المذهب المهذب - والله تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم و احکم وصلی الله تعالیٰ علیٰ حبیبه وآله واصحابه وبارك وسلم -

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بجواب حادثہ مندرجہ ذیل کے کہ بوقت عدم موجودگی امام الحی ودیگر قابل امامت علیٰ سبیل السنۃ کسی ایسے آدمی کی اقتدار کرلی جاوے جس کی داڑھی قبضہ سے کم ہو، ضرورت وقتیہ کے مدِ نظر بمطابق صلّوا خلف کل بر و فاجر الخ اقتداء کرلیویں تو کیا اس صورت میں بھی بسبب مسئلہ مشہورہ ادائیگی بصورتِ کراہت موجبِ اعادہ ہے یا کہ نہ ؟

نوٹ : نماز جمعہ تھی - بینوا بالحوالة توجروا بالکمالة -

الجواب الموفق للصدق والصواب

بشرطِ صحت وصدق مسئلہ مسئولہ بوجہ ضرورت شخص مذکور کے پیچھے نماز صحیح ودرست بلکہ اولیٰ ہے ، فان قلت فما الافضلية ان يصلى خلف هؤلاء او الانفراد قیل اما فی حق الفاسق فالصلوٰة خلفه اولیٰ (بحرالرائق) پس جبکہ نماز درست ہوئی اور کراہت پائی نہیں گئی تو پھر اعادہ کیسے ؟

محب النبی صدر مدرس جامعہ غوثیہ نظامیہ وزیرآباد

(اس سوال وجواب پر مندرجہ ذیل جواب لکھا گیا -)



اگر واقعی ضرورت وقتیہ شرعیہ کی بنا پر اقتداء کیا گیا ہے تو بلا گنجائش شک وشبہ وریب جائز ورواؤ بجا ہے

اللہ رب العالمین جل وعلا کا ارشادِ مبین ہے وارکعوا مع الراکعین والاطلاق حجۃ بمنزلۃ النص حتی لا یتخصص بخبر الواحد والقیاس کما نصوا علیہ قاطبۃ پھر اس اطلاق کی تائید حدیثِ صلوا خلف کل بر وفاجر سے ہو رہی ہے، جس کا معنی صحیح وثابت، متعدد صحابہ کرام سے مرفوعاً، سنن ابوداؤد اور بیہقی و دارقطنی وغیرہا میں باسانید کثیرہ مروی اور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک مجمع علیہ ہے اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کے دستور العمل سے موثوق بہ ہے کما لا یخفی علی من خدم کلمات الائمۃ الکرام اصلاً حتیٰ کہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر شریف ص۶۶ میں حضرت امام الائمہ سراج الامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد والصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر من المؤمنین جائزۃ کے تحت فرماتے ہیں فمن ترک الجمعۃ والجماعۃ خلف الامام الفاجر فھو مبتدع عند اکثر العلماء والصحیح انہ یصلیھا ولا یعیدھا پھر تعجب ہے کہ جب کوئی اور قابلِ امامت علیٰ سبیل السنۃ موجود ہی نہیں تو کراہت واعادہ کا شبہ ہی کیوں جاتا ہے؟

بحر الرائق ص۳۴۹ جلد۱، در المختار، شامی ص۵۲۵ جلد۱ میں ہے والنظم من البحر وینبغی ان یکون محل کراھۃ الاقتداء بھم عند وجود غیرھم والا فلا کراھۃ کما لا یخفی، شامی نے "غیرھم" کی تفسیر میں فرمایا ای من ھو احق بالامامۃ منھم، نیز بحر وشامی میں بالفاظِ متقاربہ ہے فان امکن الصلوٰۃ خلف غیرھم فھو افضل والا فالاقتداء اولیٰ من الانفراد۔ پھر تعجب بالائے تعجب یہ کہ یہ صورت ہے ہی نمازِ جمعہ کی، حالانکہ اس کی ادا موقوف بر جماعت ہے اور چونکہ فرض کا موقوف علیہ فرض ہوتا ہے لہٰذا یہ جماعت بھی فرض ہوگی اور اقتدا ضروری ہوگا یہاں تک کہ مشائخ کرام نے مطلقاً تصریح فرمادی کہ اگر فاسق زبردستی امامت کراتا ہے اور منع نہیں کرسکتے تو اس کی اقتدا میں جمعہ ادا کیا جائے جبکہ کسی اور احق بالامامت کی اقتدا حاصل نہ ہوسکتی ہو، فتاویٰ قاضی خان ص۴۳، خلاصۃ الفتاویٰ ص۱۵۰ جلد۱، فتح القدیر ص۳۰۴ جلد۱، غنیۃ المستملی ص۴۷۹، ہندیہ ص۴۵ جلد۱، مجمع الانہر ص۱۰۸ جلد۱، شامی ص۵۲۳ جلد۱،



تبیین الحقائق ص۱۳۵ جلد ۱، بحر الرائق ص۳۴۹ جلد ۱ میں ہے والنظم من ان الفاسق اذا تعذر منعہ یصلی الجمعۃ خلفہ۔

تو ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح واضح ہوا کہ صورتِ سوال میں اقتدار روا، بلکہ ضروری تھا اور کوئی ایسی کراہت جو موجبِ اعادہ بنے قطعاً نہ تھی لہٰذا یہ اقتدار موجبِ اعادہ نہیں، ہاں اس میں شک نہیں کہ بلا ضرورت شرعیہ فاسق کی تقدیم مکروہ تحریمی ہے کما صرحوا بہ والتفصیل فی الفتاوی النوریۃ

(نوٹ) ظاہر سوال یہ کہ اس امام وقتی کی داڑھی قبضہ سے کم کرتا نے رہنے کے سبب ہے اور وہ تائب بھی نہ ہوا ورنہ اگر داڑھی پوری ہوئی ہی نہ ہو یا تائب ہو گیا تو کیا حرج ؟ بلکہ اگر سرے سے خلقۃً ہو ہی نہ تب بھی امامت بلا کراہت جائز جب کہ کوئی اور مانع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۱ھ (۳-۱۲-۶۱)

الاستفتاء

مندرجہ ذیل مسائل بھی تحریر فرما دیں تو مہربانی ہوگی :

نمبر۱ : امام مذکور داڑھی خشخاشی رکھتا ہے تو جب کبھی وہ جماعت کراتا ہو، بعد میں اگر مجھے شامل ہونا جائز ہے یا نہیں حالانکہ میں نے اسے سمجھا دیا ہے مگر وہ نہیں مانتا بلکہ کہتا ہے شرعی ہے بھی یہی ؟

نمبر۲ : مسوڑے سے خون نکالنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں ؟

نمبر۳ : اویس قرنی کے والدِ ماجد کا کیا نام ہے ؟

نمبر۴ : گندم و دیگر غلہ کو عشر یا نصف عشر کھانے کی گندم رکھنے کے بعد کو ہے یا تمام کے حساب سے ؟

السائل : ابو طیب غلام رسول فاروقی از چک ۱۰/ ایس پی

ملاحظہ: امام ابو طیب پر پہلا سوال [illegible] مذکور ہے بلکہ اس کا فتویٰ جو اس سوال کے خط میں مذکور رہے۔ وہ فتویٰ ۱۳۸۱ھ کا ہے اور یہ فتویٰ [illegible] کا یعنی سات سال پہلے کا ہے۔ [illegible] غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

۱: آپ پرہیز کریں اور محتاط بھی رہیں یعنی کوئی ایسی صورت نکالیں کہ وہ سمجھ جائیں اور فساد بھی نہ ہو۔

۲: ہاں شرعاً داڑھی کا مشت بھر رکھنا واجب ہے۔ صحیح مسلم ص۱۲۹ جلد۱، سنن ترمذی ص۱۰۰ جلد۲، نسائی ص۲۷۴ جلد۲، ابن ماجہ ص۲۵ میں "عشر من الفطرۃ" کی حدیث میں ہے واعفاء اللحیۃ، صحیح بخاری ص۸۷۵ جلد۲، مسلم ص۱۲۹ جلد۱، ترمذی ص۱۰۰ جلد۲، نسائی ص۲۷۴ جلد۲، میں بروایات متعددہ ابن عمر سے مرفوعاً وارد ہے وفروا اللحی، اعفوا اللحی، اوفوا اللحی بلکہ مسلم میں ابوہریرہ سے مرفوعاً ارخوا اللحی بھی آیا ہے۔ اور مسلم و ترمذی نے ابن عمر سے یہ بھی روایت کیا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب و اعفاء اللحی اور امر "وجوب" کے لئے ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانا نہایت ضروری ہے اور کٹانا بالکل جائز ہی نہ ہوتا مگر دوسری احادیث سے معلوم ہوا کہ مشت بھر سے زائد کٹانا جائز ہے تو مشت بھر رکھنا ضروری ہوا، شامی ص۳۵۹ جلد۵ میں ہے وھو ان یقبض الرجل علی اللحیۃ فما زاد منھا علی قبضۃ قطعہ کذا ذکرہ محمد فی کتاب الآثار عن الامام قال و بہ ناخذ۔ فتح القدیر ص۲۷۰ جلد۲، بحر الرائق، در المختار شامی میں ہے والنظم من الدر و اما الاخذ منھا وھی دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد۔ حاصل یہ کہ مشت بھر سے کم کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

جو۳ مسوڑے سے خون نکالنا مفسد صوم نہیں و ذا ظاھر جدا۔

جو۴ حضرت خیر التابعین سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام عامر ہے کما فی تقریب التھذیب وغیرہ۔

جو۵ عشر یا نصف العشر کل پیداوار سے لیا جاتا ہے کما صرح بہ الفقہاء الکرام



قاطبة وھو حکم الکتاب و السنة لعموم کلمة ما۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ

الاستفتاء

علامۂ زماں بیہقیِ دوراں شیخ الحدیث فقیہِ عصر حضرت قبلہ مفتی ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب نعیمی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ :- برائے مہربانی درجِ ذیل مسئلہ تفصیلاً تحریر فرمائیں :-

مسئلہ ۱ :- داڑھی منڈانا یا ایک مٹھی سے کم ترشوانا کیسا ہے اور اس کی امامت کیسی ہے بعض کہتے ہیں کہ ایک مٹھی داڑھی رکھنا کہیں صحیح حدیث سے ثابت نہیں مفصلاً تحریر فرمادیں۔

مسئلہ ۲ :- ایک مولوی نے ایک امام مسجد کے نام کے ساتھ " مظہر اعجاز نبوت " لکھا ہے ایسے لکھنے والے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے ؟

مسئلہ ۳ :- مسجد میں بیٹھ کر جھوٹی قسمیں اٹھا کر لوگوں میں فتنہ و فساد پھیلانا کیسا ہے ؟ فقط والسلام

ناچیز : غلام سرور جادوی خطیب جامع مسجد غوثیہ رضویہ کالا گیٹ فوجی ملز جہلم

۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۹۰ھ



السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ :- مزاج گرامی !

آپ کے مرسلہ مسائل محتاجِ تفصیل جدید نہیں ان پر بہت کچھ لکھا گیا ہے جس میں کسی شک و شبہ کی

گنجائش نہیں اعفاء اللحیہ کی مکمل ومفصل تحقیق اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالے لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ" میں بکثرت آیات واحادیث کی روشنی میں دیکھیں، اور ایسے کی امامت مکروہ ہے۔ اپنے اختیار سے امام بنانا اور اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے اور اگر کسی کا بنایا ہوا ہے اور نمازی کو اس کے ہٹانے کا اختیار نہیں تو تنزیہی ہے ھذا ھو عطر التحقیق۔ اگر امام مسجد واقعی عالم عامل کامل ومکمل معلم ومبلغ پابندِ سنت ہے اور ولی صاحب کرامات تو ایسا عالم مظہر اعجاز نبوت ہی ہوتا ہے یعنی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اعجاز کے ظہور کا ذریعہ ہے تو شرعاً جائز ہے، اور اگر اس کے خلاف ہے تو خلاف کے مقدار پر نا جائز ہے مسجد میں بیٹھ کر جھوٹی قسمیں اٹھانی جو فتنہ وفساد کا ذریعہ ہو نہایت ہی سخت حرام ہے جس کا استحلال کفر ہے جھوٹی قسم اٹھانا قرآن کریم کے احکام سے فسق مبین ہے چہ جائیکہ ایسی قسم فتنہ وفساد بھی پھیلائے چہ جائیکہ مسجد کے اندر ہو، واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم وعلیٰ الہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

(۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۹۰ھ، ۷۰-۵-۳۱)



الاستفتاء

نمبر (۱) ہمارے محلہ شمالی کی مسجد گلاب شاہ کے خزانچی میاں محمد گلزار صاحب داڑھی کترواتے ہیں جو کہ ایک مشت سے کم ہو جاتی ہے۔ امام صاحب اور ناچیز کی عدم موجودگی میں امامت کے لئے خود کھڑے ہو جاتے ہیں یا کسی دوسرے داڑھی کتروانے والے کو کھڑا کر دیتے ہیں اور بعض وقت مودودی صاحب کے آدمی کو کھڑا کر دیتے ہیں، داڑھی کے اعتبار سے وہ بھی ناقص ہوتا ہے، اگر انہیں داڑھی پوری کرنے کے لئے کہا جائے تو بے دریغ کہتے ہیں کہ ہم داڑھی کو استرے سے صاف کرا دیں گے اور ہم داڑھی منڈے کے پیچھے نماز پڑھیں گے، ہماری نماز ہو جاتی ہے۔ ایسے آدمی کے لئے کیا حکم؟ اور ایسا آدمی مسجد اہل سنت میں خزانچی رہ سکتا ہے یا نہیں؟

(ب) ایک دوسرے آدمی جو کہ مقامی نہ تھے باہر کسی جگہ امامت کراتے اور داڑھی کترواتے ہیں جو کہ ایک

مشت سے کم ہے امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔ جب انہیں داڑھی کے بارے میں کہا گیا کہ داڑھی کتروانے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے تو بہت جرأت سے بولے، داڑھی فرعون کی تھی، داڑھی سکھوں کی ہے! اعمال نیت پر ہیں ایسے آدمی کے لئے شرعی حکم فرمادیں جس نے داڑھی کا یہ احترام کیا؟

(ج) شخص مذکور میاں گلزار صاحب ایک نئی بات خاندانِ اہلِ چشت کے ذمہ کہتے ہیں کہ خاندانِ اہلِ چشت کے نزدیک پوری کرانا منع ہے۔ باقی داڑھی کی کوئی قید نہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

سوال ۲ حضورِ والا! امام صاحب کی عدم موجودگی میں جبکہ امام صاحب دو چار دن چھٹی جائیں اور انتظامیہ مسجد کسی دوسرے آدمی کا انتظام نہ کر سکے اور وقتِ جماعت تمام آدمی بے ریش یا داڑھی کتروانے والے موجود ہوں تو ایسی صورت میں کیا ان آدمیوں سے کسی کو امامت کے لئے کھڑا کر سکتے ہیں، کیا یہ امامت جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس نماز کا دہرانا واجب ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

السائل: محمد نور الٰہی مرزا، رضا ہومیو ہسپتال بخشی مارکیٹ جہلم



وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہٗ:

واقعی ایسا شخص خزانچی نہیں ہونا چاہئے مگر شرعاً یہ حکم بھی نہیں لگا سکتے کہ نہ رہے، داڑھی منڈوانے یا کترا کر ایک مشت سے کم رکھنے والے کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اور برطرف کرنے کی طاقت رکھنے والے شخص کی نماز اس کے اقتدا میں مکروہ تحریمی ہے اور واجب الاعادہ ہے اس میں مقامی یا غیر مقامی کا فرق نہیں، پھر یہ جرأت کہ فرعون اور سکھوں کی داڑھی کیطرف نسبت کر کے داڑھی پر استہزار کیا جائے۔ نہایت ہی ظلم اور فسق و فجور ہے، حضراتِ چشت اہلِ بہشت کیطرف ایسی بات منسوب کرنی بھی بدترین جھوٹ اور سخت افترا ہے، اپنے جیسے فاسق کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا بھی وہی حکم ہے یعنی فرض ادا ہو جائے گا اور نماز واجب الاعادہ ہے البتہ اگر قدرتی طور پر داڑھی نہ ہو یا تازہ بالغ ہوا اور ابھی داڑھی اتری نہیں تو وہ امام بن سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ

تعالیٰ علی حبیبہ وسیدنا محمد و آلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

(نوٹ) مزید استفسارات کے لئے آپ اپنے شہر کے مفتی حضرت مولانا غلام محمود صاحب خطیب عید گاہ کیطرف رجوع فرمایا کریں۔ والسلام۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۵/۹/۷۱

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد جس کی داڑھی مٹھ بھر نہیں اور وہ قینچی سے کترتا ہے اور داڑھی پر سیاہ رنگ کا خضاب لگاتا ہے کیا وہ امامت کے قابل ہے یا کہ نہیں، کیا خضاب سیاہ رنگ کا لگانا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں!

السائل : محمد اشرف بقلم خود ۱۴-۱۱-۷۱





داڑھی مشت بھر سے کم کرانی حرام ہے اور یونہی خضاب بھی ناجائز ہے، ایسے شخص کو امام بنانا ناجائز ہے کما فی اسفار المذہب الحنفی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پورے اٹھارہ سالہ لڑکے کے پیچھے نماز باجماعت ہوسکتی ہے کہ نہیں

حالانکہ وہ لڑکا کہتا ہے کہ مجھے احتلام آتا رہتا ہے اور اب تک داڑھی نہیں اتری اور بڑا خوبصورت نہیں، بینوا توجروا۔

سائل : غلام رسول بقلم خود



بصورتِ صحتِ سوال وہ لڑکا شرعاً بالغ ہے۔ تمام ائمہ دین کے نزدیک تنویر الابصار میں ہے بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال۔ نیز اسی میں ہے فان لم یوجد فیہما فحتی یتم لکل منہما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی وقررہ فی الدر وقال الشامی فی الغایۃ[عہ] ھذا عندھما وھو روایۃ عن الامام وبہ قالت الائمۃ الثلاثۃ وعند الامام حتی یتم لہ ثمانی عشرۃ سنۃ ولہا سبع عشرۃ سنۃ لہٰذا نماز اس کے پیچھے بلا کراہت جائز ہے، شامی میں ہے (قولہ وکذا تکرہ خلف امرد) الظاھر انہا تنزیہیۃ ایضًا والظاھر ایضًا کما قال الرحمتی ان المراد بہ الصبیح الوجہ لانہ محل الفتنۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ بوقتِ ظہر

عہ: ای فی العجلۃ التی بنیت الغایۃ للصغیر ۱۲ ابوالخیر غفرلہ





الاستفتاء

بخدمتِ اقدس جناب قبلۂ کونین وکعبۂ دارین والدصاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم کے بعد گزارش ہے کہ آپ کے فرمان کے مطابق آج موخہ ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ کو نیگی بہاول پہنچے، بات چیت ہونے کے بعد انہوں نے یہ کہا ہے کہ حافظ نذیر احمد صاحب بغیر داڑھی کے ہیں اور اس کے پیچھے ہماری نماز ہوگی یا نہیں، یہ حضرت صاحب قبلہ سے لکھوا کر لے آؤ۔ تو اب فقیر آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ مہربانی فرما کر تحریر فرمادیں کہ جائز ہے یا نہیں ؟ حضور کی عین نوازش ہوگی۔

آپ کا کمترین غلام : عبدالنبی منیر احمد نوری بقلم خود ساکن بہاول داس تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری





ہاں جائز ہے جبکہ امام بالغ ہو۔ شرائطِ امامت بالغین سے ہے کہ امام بھی بالغ ہو۔ نورالایضاح، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی میں ہے والنظم من المتن والبلوغ اور یہ شرط کسی آیت یا حدیث یا کتابِ فقہ میں ہرگز ہرگز نہیں کہ بالغ ہونے کے بعد داڑھی بھی اتر چکی ہے تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں، جو یہ کہے کوئی دلیل لائے اور کسی معتبر کتاب سے دکھائے کہ نماز ناجائز ہے۔ قوم کے نوجوان ہونہار حافظوں کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ قرآنِ کریم سنائیں تو بحکم وتعاونوا علی البر والتقوی انہیں موقع دینا چاہیے کہ یہ عبادت انجام دے سکیں نہ یہ کہ الٹے منع کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

مفتیانِ دین و شرعِ متین شریعت میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک لڑکا جس کی پیدائش ۱۹۴۷ء (۱۶ سال) میں ہوئی اور وہ ایک سال سے قرآنِ مجید کا حافظ ہو چکا ہے اور دو یا تین جماعت سکول بھی پڑھا ہوا ہے اور اس کو ایک سال سے احتلام بھی آتا ہے چونکہ اس کو داڑھی ابھی نہیں اتری اس لیے چہرہ صاف عورتوں کی مانند ہے۔ لڑکا رنگ کا سانولا ہے۔ ایک دیوبندی صاحب نے کہا ہے کہ اس کے پیچھے نماز منع ہے کیونکہ اس کا چہرہ عورتوں کی طرح صاف ہے۔ اس کے بارے شریعت میں کیا فرماتے ہیں نیز دیوبندی صاحب کہتا ہے کہ فرض نماز ہرگز نہیں ہوتی، اس کے پیچھے نفل نماز ہو سکتی ہے۔ اس کے بارے میں بھی تحریر فرما کر مشکور فرماویں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ امید ہے کہ آپ میری بروئے شریعت مدد فرما کر تحریر کا جواب دیں گے۔

السائل :- محمد حنیف حصہ دار ولٹوہا (۶۳-۱۲-۳۰)



شرعاً بلاشبہ اس لڑکے کو امام بنانا جائز ہے کہ شرعاً یقیناً وہ بالغ ہے۔ جب ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوا ہے تو اس کی عمر ۱۶ سال سے بھی یقیناً زائد ہے کہ شرعی سال انگریزی سال سے تقریباً دس دن کم ہوتا ہے تو اگر ۱۹۴۷ء کے آخر میں بھی پیدا ہوا تو تب بھی تقریباً ساڑھے سولہ سالہ بنتا ہے حالانکہ شرعاً پندرہ سالہ لڑکا بالغ ہو جاتا ہے اگرچہ اسے احتلام نہ آئے اور اس لڑکے کو تو احتلام بھی سال کا آتا ہے تو وہ یقیناً بالغ ہے کما فی الدر و الشامیۃ و الھندیۃ وغیرھا من الاسفار المذھبیۃ اور داڑھی کا اترنا امامت کی شرط کسی امام کے نزدیک قطعاً نہیں بلکہ اطلاقِ قرآنِ کریم اور حدیث پاک سے کئی وجوہ سے اس کی امامت



جائز ہے۔ وہ دیوبندی منع بتانیوالا کوئی بالکل بے علم اور جاہل معلوم ہوتا ہے یا پھر اس کے دل میں کوئی عناد یا فساد ہے۔ کسی دیوبندی کی کتاب میں بھی یہ قطعاً نہیں لکھا کہ داڑھی کا اترنا شرط ہے تو وہ کیوں بلاوجہ کہتا ہے، دیکھئے قرآن کریم میں ہے واركعوا مع الراكعين (پ البقرہ) "یعنی نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھو" اس آیت سے جماعت و امامت ثابت ہو رہی ہے اور اس کا اطلاق اس جماعت و امامت کو بھی یقیناً شامل ہے جس کا امام بالغ ہو مگر داڑھی نہ اتری ہو والاطلاق فی حکم النص عندنا کما نصوا علیہ فی الاصول اور مسلم شریف ص۲۳۶ جلد۱، ابوداؤد ص۸۶ جلد۱، نسائی ص۱۲۶ جلد۱، ترمذی ص۳۲ جلد۱، ابن ماجہ ص۷، مستدرک حاکم ص۲۴۳ جلد۱، دارقطنی ص۱۰۴ میں محبوب پیارے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پاک بالفاظ متقاربہ ہے ويؤم القوم اقرءهم لكتاب الله "یعنی قوم کی امامت کرے ان میں سے قرآن کریم کو زیادہ پڑھنے والا۔" حالانکہ حافظ دوسروں سے زیادہ پڑھنے والا ہوتا ہے۔ بلکہ حدیث پاک میں یہاں تک آیا والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم یعنی نماز اے مسلمانو تمہارے اوپر لازم ہے ہر مسلمان کے پیچھے رواہ ابوداؤد ص۳۴۳ جلد۱ کتاب الجہاد باب فی الغزو مع ائمۃ الجور سنن بیہقی ص۱۲۱ جلد۳، تو کیا وہ حافظ جو گاؤں کے لوگوں سے قرآن کریم زیادہ پڑھنے والا ہے اور مسلمان اور سنی ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی؟ ناجائز کہنا قرآن کریم اور حدیث پاک کے خلاف ہے اور یونہی کتب فقہ مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ بلکہ ائمہ مذاہب اربعہ سب کے خلاف ہے۔ کسی ایک امام نے بھی یہ شرط نہیں لگائی کہ داڑھی اُگی ہوئی ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں بلکہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سات آٹھ سال کا لڑکا بھی نماز نفل اور فرض دونوں میں امام بن سکتا ہے مگر دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ بالغ ہونا شرط ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکے کی امامت سے منع فرمایا ہے جب کہ اسے احتلام نہ آیا ہو۔ ان کی حدیث کے لفظ یہ ہیں ونهانا (امير المؤمنين عمر بن الخطاب) ان يؤمنا الا المحتلم۔ (صحیح بخاری ص۴۶۵ جلد۲) اور یونہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کشف الغمہ ص۱۳۳ جلد۱ میں ہے لا يؤم الغلام حتى يحتلم اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات پاک یہ ہیں لا يؤم الغلام حتى تجب عليه الحدود۔

ان سب کا حاصل یہ کہ احتلام آنے سے پہلے لڑکا امام نہیں بن سکتا مگر تعجب کہ یہ چودھویں صدی کا دیوبندی



یہ کہتا ہے کہ اسلام آنے کے بعد بھی امام نہیں بن سکتا جس کی داڑھی نہ اگی ہو عورت کے حکم میں نہیں اگرچہ بالغ نہ بھی ہوا ہو اور یہی وجہ ہے کہ لڑکوں کی صف بالغوں کے پیچھے ہوتی ہے اور عورتوں سے آگے ۔ پھر شرعی مسئلہ ہے کہ عورت مرد کے ساتھ جماعت میں کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز ٹوٹ جاتی ہے مگر لڑکا کھڑا ہو جائے تو نہیں ٹوٹتی بلکہ اکیلا لڑکا ہو تو حکم ہے کہ مردوں کے ساتھ کھڑا ہو اور جب بالغ ہو جائے تو بالغوں کے ساتھ ہی ضرور کھڑا ہوگا تو عورت کے حکم میں کیسے ہوا ؟ ہاں اگر کوئی لڑکا ایسا ہو جو بڑا خوبصورت ہو جس کی صورت بڑی دلکش ہو کہ برے اور ذلیل لوگ اسے دیکھ کر شیطانی اور شہوانی خیالات میں پڑتے ہوں تو ایسے بالغ لڑکے کی امامت خلاف اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں مگر ناجائز پھر بھی نہیں ۔ شامی ص۵۲۵ جلد۱ میں ہے الظاهر انها تنزيهية ايضا والظاهر ايضا كما قال الرحمتى ان المراد به الصبيح الوجه لانه محل الفتنة پھر اسی میں ہے علة الكراهة خشية الشهوة وهو الاظهر ۔ فتح القدیر ص۳۰۷ جلد۱ میں ہے ومرجعها الى كراهة التنزيه الى خلاف الاولى ۔

بہر حال ایسے بالغ حافظ لڑکے کا امام بننا فرضی و نفلی سب نمازوں میں شرعاً یقیناً جائز ہے جبکہ وہ صحیح معنی میں مسلمان ہو ۔ ہاں اگر ایسے لوگ جو حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے ادب اور گستاخ ہوں یا حضور کے پیچھے کسی اور نئے نبی کے آنے کے قائل ہوں یا کوئی اور کفریہ عقیدہ رکھیں تو ان کی امامت فرض اور نفل کسی نماز میں بھی جائز نہیں اگرچہ وہ مسلمان ہونے کا دعوٰی کریں اور داڑھیاں بڑی بڑی رکھیں ، جب ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں ، واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارک وسلم ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۸-۱۲-۶۳

الاستفتاء

بحضور فیض گنجور فیض مآب جناب مفتی صاحب مدظلکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بازار میں دکان ہے اس کے

بغیر کوئی شرعی مانع نہیں، کیا اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا من رب العالمین۔



مسلمان شرعی موانع سے مبرا، شک کو شہ وریب امامت کرسکتا ہے۔ بازار میں دوکان ہونا بجائے خود مانع نہیں ہو سکتا۔ تجارت بلاشبہ جائز ہے قرآن کریم میں ہے الا ان تکون تجارۃ عن تراض اور بازار کی ذات میں کوئی خرابی نہیں۔ جب حرمات شرعیہ کے مرتکب نہ ہوں تو "مشی فی الاسواق" منافی نبوت بھی نہیں چہ جائیکہ امامت صغریٰ؟ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ المفتی ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ موجودہ رجسٹر نکاح کوئی مسلمان لیکر رجسٹراری کا کام کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی امام یا خطیب موجودہ رجسٹر لیکر رجسٹری کا کام کرے آیا اس کا وعظ وخطبہ سننا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی:
قاری عبد الکریم مدرس جامع مسجد انجمن نو کوٹ شیخ لاہور ۲۳/۹/۹۹

له کہ قرآن کریم میں اعلان کفار سے منقول ہے یمشی فی الاسواق ۱۲ ابو الخیر غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

باقاعدہ حدودِ اسلام کی پوری پوری پابندی کرتے ہوئے کرسکتا ہے ہاں اگر کوئی نکاح خواں ناجائز نکاح کے یا رشوت وغیرہ لے تو یہ ناجائز ہے اور اسکا وبال اسی پر ہے مگر جو ایسا نہ کرے تو وہ مجرم نہیں بلکہ پابندیٔ مذکورہ کے ساتھ یہ کام کرنا مستحسن ہے اگر کوئی مسلمان یہ کام نہ کرے تو کیا اہلِ اسلام کے نکاحوں کا رجسٹرار کوئی غیر مسلم مقرر کیا جائے؟ یہ عجیب سا سوال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ جمادی الاخرے ۱۳۸۶ھ ۶۶-۹-۲۵

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید جو باقاعدہ مرد باریش ہے اور صرف مردوں والا عضو رکھتا ہے، عورتوں والا عضو برائے نام بھی نہیں اور نہ ہی پستان عورتوں کیطرح ابھرے ہوئے ہیں مگر اس کے مردانہ عضو میں سوراخ ہے جس سے پیشاب آتا ہے اور احتلام مردوں کی طرح ہوتا ہے اور منی بھی مردانہ عضو سے اسی سوراخ سے خارج ہوتی ہے تو کیا ایسا شخص شرعاً مرد ہے اور مردوں کا امام بن سکتا ہے یا خنثیٰ ہے اور مردوں کا امام نہیں بن سکتا؟ بینوا توجروا۔

مستفتی

مولوی محمد اسحاق از ڈھیوال مورخہ ۵۹-۱۲-۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ایسا شخص بلاشک وشبہ یقیناً مرد ہے اور خنثیٰ بالکل نہیں، شرعاً خنثیٰ وہ انسان ہے جس کے مردانہ اور زنانہ دونوں عضو ہوں یا دونوں ہی نہ ہوں۔ فتاویٰ عالمگیری ص۳۹۸ جلد۶ میں ہے یجب ان یعلم بان الخنثیٰ من یکون لہ مخرجان قال البقالی رحمہ اللہ تعالیٰ او لایکون لہ واحد منھما اور یونہی تمام کتب معتبرہ مذہبیہ میں ہے، اور مردانہ عضو کے سوراخ درمیانہ سے پیشاب آنا بھی کوئی مضر نہیں بلکہ یہ تو واقعی خنثیٰ کے حق میں بھی مرد ہونے کی دلیل ہے کہ مردانہ عضو سے پیشاب آئے۔ فقہائے کرام نے اس کو مطلقاً[عہ] مرد ہونے کی دلیل قرار دیا ہے اور یہی احادیث شریفہ سے بھی ثابت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے فان کان یبول من الذکر فھو غلام۔ اور مردوں کی طرح احتلام آنا یا پستانوں کا عورتوں کی طرح نہ ہونا جوان کے حق میں مرد ہونے کا نشان ہے فتاویٰ عالمگیری وغیرہا میں ہے وکذا اذا احتلم کما یحتلم الرجل او کان لہ ثدی مستو (الی ان قالوا) لان عدم نبات الثدیین کما یکون للنساء دلیل شرعی علیٰ انہ رجل کذا فی المبسوط لشمس الائمۃ السرخسی اور داڑھی بھی مردانگی کی دلیل خاص ہے۔ فتاوے مذکورہ وغیرہا میں ہے خرجت لحیۃ فھو رجل کذا فی الذخیرۃ حالانکہ زید کا زنانہ عضو برائے نام بھی نہیں تو یہ چیزیں اس کے حق میں اس کی واقعی مردانگی کے نشان کیوں نہیں بنتیں تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ زید مرد ہے تو اس کی امامت مردوں کے لئے جائز ہوگی جس میں کسی شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۹ھ



عہ ای غیر مقید بخروج البول من راس الذکر او اثنائہ ۱۲ منہ غفرلہ



لاؤڈ سپیکر میں نماز جائز ہے

وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ

اور اللہ نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی

(الحج، آیت ۷۸)



لاؤڈ سپیکر لگا کر نماز پڑھانے کے جواز میں یہ معرکۃ الآراء رسالہ سیدی حضرت فقیہ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء میں تحریر فرمایا۔۔۔۔۔اور حق یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کر دیا۔

ہرچند کہ یہ ایک خالص علمی تحقیق تھی مگر علمی و تحقیقی انداز میں اس کا جائزہ لینے کی بجائے بعض حلقوں نے اسے تعصب کی نظر سے دیکھا اور اس تحقیق کو بہت بڑا "جرم" قرار دیا۔ اس وقت غازی کشمیر حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فقیہ اعظم سے فرمایا:

"مولانا آپ کی تحقیق انیق لائق تحسین ہے۔۔۔۔۔ایک وقت آئے گا کہ تمام علماء کرام لاؤڈ سپیکر لگا کر نمازیں پڑھائیں گے اور آپ کا فتویٰ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا"۔

شیخ القرآن حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

"میں خود ہی مکبر الصوت کی تقریظ ہوں۔۔۔۔۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب بہت سے علماء سے تقاریظ حاصل کر کے روانہ کروں گا"

حقیقت ہے کہ یہ مدلل و مبرہن رسالہ اپنے موضوع پر نہایت ہی جامع ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے جج مفتی سید شجاعت علی قادری رقم طراز ہیں:

"لاؤڈ سپیکر کے مسئلہ پر (حضرت فقیہ اعظم کا) فتویٰ آپ کی فقاہت علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور فقیر کی نگاہ سے جتنے فتاویٰ اس موضوع پر گزرے ہیں، ان سب میں مدلل ہے۔۔۔۔۔ کسی نئی چیز کو خلاف اسلام قرار دے دینا بڑا آسان کام ہے

مگر حکم شرع دریافت کرلینا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے"۔

(مکتوب محررہ ۶ مئی ۱۹۸۳ء)

حضرت علامہ غلام رسول سعیدی، شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی فرماتے ہیں:
"لوگ اس مسئلہ میں اختلاف تو کرتے ہیں لیکن اس رسالہ " مکبر الصوت" کے دلائل کا جواب پیش کرنے سے قاصر ہیں ـــــ اب تو بیس برس سے زیادہ گزر گئے اور مانعین میں سے کوئی شخص تاحال اس رسالے کے دلائل کا جواب نہیں لکھ سکا"۔

(تقریظ محررہ ۲۶ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ ر ۲۰ جولائی ۱۹۹۰ء)

حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے للہیت و خلوص کے ساتھ اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ مکبر الصوت کا اختتامیہ ملاحظہ ہو:

"حضرات علمائے کرام و فقہائے عظام کے حضور پر زور معروض کہ مسئلہ زیر بحث کے متعلق براہ کرم قیمتی آرائے عالیہ سے ضرور مطلع فرمائیں اور بصورت اختلاف دلائل تحقیقیہ شرعیہ و مذہبیہ کی روشنی میں رہنمائی کی سعی جمیل فرمائیں۔ بفضلہ و کرمہ تعالیٰ مجھے قبول حق سے قطعاً عار نہیں اور اعتراف خطا بھی دشوار نہیں ـــــ ہاں محض لکیر کا فقیر بننا اور دلائل شرعیہ کے خلاف محض شخصیتوں کے سامنے جھک جانا یا توہمات باطلہ و اشتباہات عاطلہ کا شکار ہو جانا' میں کیا آپ کی انصاف پسند نظریں بھی پسند نہیں فرماتیں۔ خدارا اپنی بھاری ذمہ داری کا احساس فرمائیں اور حق خوب ظاہر و واضح کر دکھائیں"۔

مکبر الصوت (پہلا ایڈیشن ۳۹)

یہ رسالہ پہلی بار " مکبر الصوت لیس فوت" کے تاریخی نام سے ۱۳۷۵ھ "۱۹۵۶ء" میں اردو پریس لاہور سے چھپ کر انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور کی طرف سے شائع ہوا فروری ۱۹۵۹ء میں اس کا ضمیمہ چھپا ـــــ ازاں بعد ۱۳۷۸ھ ر ۱۹۵۹ء میں یہ مکمل رسالہ ترتیب

جدید کے ساتھ خطیب پاکستان علامہ محمد شریف نوری قصوری نے لاہور آرٹ پریس لاہور سے چھپوا کر جمعیت اہل سنت قصور کی طرف سے شائع کیا۔۔۔۔۔۔ سیدی فقیہ اعظم نے اس کا انتساب اعلی حضرت فاضل بریلوی کے نام کیا:

"یہ چھوٹا سا مجالہ چونکہ حضرت امام اہل السنت والجماعت حامئ سنت' ماحی بدعت' عظیم البرکت' کریم الملعت' مجدد مأۃ حاضرہ' اعلی حضرت مولانا شاہ احمد رضا صاحب رضی اللہ تعالی عنہ کے خصوصی فیوض وبرکات سے ہی مستفاد ہے۔ لہذا ان ہی کے نام نامی واسم سامی سے منتسب کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔

گر قبول افتدز ہے عزو شرف

الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ

۷ رذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۷۸ھ"

۱۹۷۴ء میں جب فتاوی نوریہ حصہ اول پہلی بار شائع ہوا تو سیدی فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں حوالہ جات کا اضافہ فرما کر فتاوی نوریہ میں شامل کر دیا۔

محمد محب اللہ نوری

۹ راگست ۱۹۹۱ء





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ اگر امام امامت سے پہلے لاؤڈ سپیکر نصب کرا دے کہ تکبیر تحریمہ و انتقالات سے وہ مقتدی جو دور ہوں مطلع ہوتے رہیں تو کیا شرعاً ان مقتدیوں کی نماز ہو گئی جو لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ مطلع ہو کر افعالِ نماز میں متابعتِ امام کرتے رہے ہیں؟ بعض علمائے کرام فسادِ نماز کا حکم لگاتے ہیں کہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ جو آواز سنائی دیتی ہے وہ نئی آواز ہے اور صدا ہے اور امام کی آواز نہیں تو یہ "من لم یدخل فی الصلوٰۃ" کی اقتدا بنی جو مفسدِ نماز ہے کما فی الشامی ایک بہت بڑے عالم نے تو اسے جزئیہ صریحہ لاؤڈ سپیکر کا حکم دیا ہے اور ایسے ہی "تلقن من الخارج" بنتا ہے یعنی جو نماز میں شریک نہیں اس سے افعالِ نماز کی ادائیگی میں استفادہ ہے اور یہ بھی مفسد ہے۔ ایک بہت بڑے اور مشہور مدرسے کے صدر المدرسین نے کہا " نماز میں کسی ایسے شخص کی آواز سے جو داخلِ نماز نہ ہو، استفادہ کرنا باتفاقِ فقہاء مفسدِ نماز ہے"، صدا سے سجدۂ تلاوت کی آیت سُنی جائے تو سامع پر سجدہ لازم نہیں آتا تو معلوم ہوا کہ ان مقتدیوں کی نمازیں فاسد ہیں اور اگر امام ہی کی آواز ہو تو پھر بھی چونکہ اس میں جہرِ مُفرط پایا جاتا ہے جو مفسدِ نماز ہے لہٰذا نمازیں نہ ہوئیں اور لاؤڈ سپیکر کا استعمال نماز میں حرام ہے جو کرے اس پر توبہ فرض ہے، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ کیا قرآنِ کریم سے باوجود دعوائے " تبیاناً لکل شیئ " اس کا کوئی حل نہیں ملتا؟ احادیثِ شریفہ سے کوئی ہدایت نہیں ملتی؟ پھر اجماعِ امت اور اجتہادِ مجتہدین سے بھی واضح ثبوت نہیں ملتا؟ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

السائل : ابو النصر گول چکر منٹگمری





بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی نزّل الکتٰب تبیانا لکل شیٔ وتفصیل الکتاب ؁ وبشّر عباده الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه فی کل باب ؁ اولٰئك الذین هدٰهم الله واولٰئك هم اولوا الالباب ؁ وصلی الله تعالیٰ وسلم علیٰ حبیبه الذی علمه ما لم یکن یعلم وکان فضله علیه عظیما بلا ارتیاب ؁ فانبأ بما کان وما یکون الیٰ یوم الحساب ؁ فحفظ من حفظ ونسی من نسی لیصیب مجتهد والصواب ؁ ثوابًا علیٰ ثواب ؁ وعلیٰ اٰله خیر اٰل واصحابه خیر اصحاب ؁ کلما قرّر سوال وحرّر جواب ؁ بنصوص الکتاب والسنة واجماع الامة واجتهاد الائمة واضح الخطاب ؁





بلاشک وشبہ وگنجائش ریب قرآنِ کریم اور احادیثِ طیّبہ اور اجماعِ عملی و نقولِ مذہبیّہ فقہیہ سے اس کا جواز آفتاب بےحجاب سے بھی زیادہ واضح و بےنقاب ہے تفصیلِ جواب سے قبل ان مقدماتِ ضروریہ پر نظرِ غائر نہایت ضروری ہے :



مقدمۂ اُولیٰ

اشیا میں اصل اباحت ہے،

اشیا میں اصل اباحت ہے یعنی جب تک دلائل شرعیہ سے کسی شے کی حرمت و ممانعت ثابت نہ ہو حلال و جائز الاستعمال رہتی ہے، استعمال کرنے والے پر شرعاً کوئی گرفت نہیں کہ وہ معاف ہے۔ قرآن کریم نے صاف صاف فرمادیا عَفَی اللّٰہُ عَنْھَا (المائدہ) ترجمہ: "اللہ انہیں معاف کرچکا ہے۔" سنن ترمذی صہ ۲۱۹ جلد ا، ابن ماجہ صہ ۲۴۹ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ ترجمہ: "حلال وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآنِ پاک) میں حلال کیا اور حرام وہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کردہ چیزوں سے ہے۔" یعنی اس کے کرنے پر کچھ گرفت نہیں۔ سنن بیہقی صہ ۳۲۰ جلد ۹ میں ہے فقد عفا عنہ اور اسی کے صہ ۱۲ جلد ا میں ہے فھو عفو، اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثِ مرفوع سنن بیہقی صہ ۱۲ جلد ۱۰، مستدرک صہ ۳۷۵ جلد ۲ میں ہے وما سکت عنہ فھو عافیۃ فاقبلوا من اللہ العافیۃ فان اللہ لم یکن نسیا ترجمہ: "اور جس چیز کا ذکر نہ فرمایا تو وہ معاف ہے پس اللہ تعالیٰ سے معافی قبول کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں۔" پھر یہ آیت پڑھی وما کان ربک نسیا یعنے تمہارا رب بھولنے والا نہیں۔" حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد فرمایا۔ اور ذہبی نے یہ تصحیح برقرار رکھی، سنن ابی داؤد صہ ۱۸۳ جلد ۲، مستدرک صہ ۳۱۷ جلد ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث موقوف میں ہے فھو عفو "کہ وہ معاف ہے" قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین واقرہ الذھبی۔

عہ منتہی الارب میں ہے عافیۃ کصاحبۃ دور گردن خدا از بندہ مکروہ را و سلامت از بیماری و بلا و مکروہات در بدن باطن و در دین و دنیا و آخرت اسم مصدر است ۱۲

اوران کے علاوہ اور آیاتِ متعددہ واحادیث کثیرہ سے بھی یہ قاعدہ روزِ روشن کی طرح ثابت ہے، مفسرینِ کرام ومشائخِ عظام کی تصریحات بھی یہی فرماتی ہیں اختصاراً صرف شامی کی ایک ہی عبارت پر اکتفاء کیا جاتا ہے ۹۵ جلد ا میں ہے وصرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیۃ والشافعیۃ اھ وتبعہ تلمیذہ العلامۃ قاسم وجری علیہ فی الھدایۃ من فصل الحداد وفی الخانیۃ من اوائل الحضر والاباحۃ جس کا خلاصہ یہ کہ جمہور احناف اور شوافع کے نزدیک مختار یہ ہے کہ بلاشبہ اصل اباحت ہے، امام اہل السنت والجماعت اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بکثرت اپنے مبارک رسالوں اور فتووں میں اس قاعدۂ مبارکہ کی توضیح وتصریح فرمائی ہے مثلاً فتاویٰ افریقہ ص۶۳ میں فرمایا "جواز کو یہی کافی ہے کہ شرعاً ممانعت نہیں، جس چیز کو اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منع نہ فرمائیں اسے منع کرنا خود شارع بننا اور نئی شریعت گھڑنا ہے" پھر کافی دلائل کے بعد ص۶۹ میں فرمایا "اللہ عزوجل فرماتا ہے ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا" جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں، وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو" تو معلوم ہوا کہ جس کا نہ حکم دیا نہ منع کیا وہ نہ واجب نہ گناہ، اور فرماتا ہے عزوجل یا ایھا الذین اٰمنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القراٰن تبد لکم عفا اللہ عنھا واللہ غفور حلیم "ایمان والو! نہ پوچھو وہ باتیں کہ ان کا حکم تم پر کھول دیا جائے تو تمہیں برا لگے اور اگر اس زمانے میں پوچھو گے جبتک قرآن اتر رہا ہے تو تم پر کھول دیا جائے گا، اللہ انہیں معاف کر چکا ہے اور اللہ بخشنے والا علم والا ہے"

یہ آیتِ کریمہ ان تمام حدیثوں کی تصدیق اور صاف ارشاد ہے کہ شریعت نے جس بات کا ذکر نہ فرمایا وہ معافی میں ہے، جبتک کلامِ مجید اتر رہا تھا احتمال تھا کہ معانی پر شاکر نہ ہو کر کوئی پوچھتا تو اس کے سوال کی شامت سے منع فرمادی جاتی اب کہ قرآنِ مجید اتر چکا، دین کامل ہولیا، اب کوئی حکم نیا آنے کو نہ رہا جتنی باتوں کا شریعت نے نہ حکم دیا نہ منع کیا، ان کی معافی مقرر ہو چکی جس میں اب تبدیلی نہ ہوگی۔ وہابی جو کہ اس کی معافی پر اعتراض کرتا ہے، مردود ہے، وللہ الحمد! احکامِ شریعت ص۱۹۳ میں فرمایا "اصل اشیاء میں طہارت و

علت ہے قال تعالیٰ خلق لکم ما فی الارض جمیعا جب تک کسی عارض سے اس اصل کا زوال ثابت نہ ہو حکم اصل ہی کے لئے رہے گا۔ محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ۔

مقدمۂ ثانیہ

بلا دلیل خاص شرعی کسی شے کو حرام و مکروہ کہنا جھوٹ اور حرام ہے

بلا دلیل خاص شرعی کسی شے کو حرام و مکروہ کہنا جھوٹ اور حرام ہے اور حضرت رب العالمین جل و علا پر افتراء ہے۔ قرآن کریم میں ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال وھٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۔ ترجمہ: اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، ان کا بھلا نہ ہوگا۔ فتاویٰ رضویہ ص۹ جلد۲ میں ہے" جب کسی کو کسی شے پر منع و انکار کرتے اور اسے حرام یا مکروہ یا ناجائز کہے سنو، جان لو کہ بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کرے اس کا دعویٰ اسی پر مردود اور جائز و مباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لئے تمسک بہ اصل موجود ۔" اقامۃ القیامہ ص۲۶ میں فرمایا" ہاں تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا و رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا ہے؟ اگر ثبوت نہ دو اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہرگز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شرعِ مطہر پر افترا کیا ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۔ سبحان اللہ! الٹا سند کا مطالبہ ہم سے! شامی ص۱۱۵ جلد۱ میں بحر الرائق سے ہے ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لابد لھا من دلیل خاص، شامی فرماتے ہیں اقول وھٰذا ھو الظاھر اذ لا شبھۃ ان النوافل من الطاعات کالصلوٰۃ والصوم ونحوھما فعلھا اولیٰ من ترکھا بلا عارض ولا یقال ان ترکھا مکروہ تنزیھا۔

خلاصہ یہ کہ کراہت تنزیہیہ بلا دلیلِ خاص ثابت نہیں ہو سکتی ۔ یہ مقدمہ بھی پہلے کی طرح بکثرت آیات و





مقدمہ ثالثہ

بلا تحقیق وثبوتِ کامل حرام ومکروہ کہنا افتراء ہے

بلا تحقیق وثبوتِ کامل حرام ومکروہ کہنا افتراء ہے امام اہلِ سنت والجماعت کے کلماتِ طیبات میں ہی سنئے احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ وثبوتِ کامل کسی شے کو حرام ومکروہ کہہ کر شریعتِ مطہرہ پر افتراء کیجئے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے حاجت مبین خود مبین ہے سیدی عبد الغنی بن سیدی اسمٰعیل قدس سرہما الجلیل فرماتے ہیں لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات الحرمۃ او الکراھۃ اللذین لابد لھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل وقد توقف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع انہ ھو المشرّع فی تحریم الخمر ام الخبائث حتی نزل علیہ النص القطعی اھ واٰثرہ ابن عابدین فی الاشربۃ مقررا (فتاوی رضویۃ ص۹۹ جلد۳) ترجمہ: "یہ کچھ احتیاط نہیں کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا تعالٰی پر افتراء کرو کہ حرمت وکراہت کے لئے تو دلیل درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے اور ضرور توقف فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شراب کے حرام فرمانے میں حتی کہ حضور پر نص قطعی اتری باوجودیکہ وہی مُشرّعِ ہیں اھ اور علامہ شامی نے کتاب الاشربہ میں اسے نقل کرکے مقرر رکھا۔

مقدمہ رابعہ

قوی گمانِ ممانعت نہ ہو تو تحقیقات کی ضرورت نہیں

امام اہلِ سنت والجماعت کے پاکیزہ کلمات میں ہے "جب تک خاص اسی شے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مظنۂ قویہ حظر وممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش وتحقیقات کی بھی ضرورت نہیں مسلمان

کو روا ہے کہ اصل حل وطہارت پر عمل کرے اور یمکن و یحتمل وشاید ولعل کو جگہ نہ دے۔

فی الحدیقۃ لاحرمۃ الا مع العلم لان الاصل الحل ولا یلزمہ السوال عن شیئ حتی یطلع علی حرمتہ ویتحقق بہا فیحرم علیہ

(فتاویٰ رضویہ صـ۱۱۹ جلد ۲) ترجمہ: حدیقہ میں ہے حرمت نہیں مگر جبکہ یقینی طور پر ثابت ہو اس لئے کہ اصل حلال ہونا ہی ہے اور انسان پر کسی چیز کے متعلق دریافت کرنا بھی لازم نہیں، اس حد تک کہ اس شئ کی حرمت پر اطلاع پائے اور ٹھوس ثبوت حاصل کرلے تو اس پر حرام ہوگی۔" نیز صـ۹۸ میں ہے وفی الحدیقۃ لاحرمۃ الا مع العلم لا مع الشك والظن لان الاصل فی الاشیاء الحل یعنی حدیقہ میں ہے کہ یقینِ حرمت کے سوا شک یا گمان کے ساتھ حرمت ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ اشیا میں اصل حلال ہونا ہی ہے۔ بلکہ قرآنِ کریم میں صراحۃً ارشاد فرمایا یاایہا الذین اٰمنوا لاتسئلوا عن اشیاء (المائدہ ۵) کہ اے ایماندارو! چیزوں سے سوال نہ کرو۔ یہ اور اس کے سوا متعدد آیات واحادیث سے بھی یہ مقدمہ ثابت ہے۔

مقدمۂ خامسہ

اطلاقِ مطلق بمنزلۂ نص ہے

اطلاقِ مطلق بمنزلۂ نص ہے یعنی کسی امر کو کسی قید سے مقید نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس امر کی ادائیگی اس قید پر موقوف نہیں اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے مثلاً کوئی کہے پانی پلا اور یہ نہ کہے کہ پیالے میں، تو پیالے میں پلایا جائے یا گلاس یا کوزے میں ہر طرح پلانا پایا گیا۔ حکم اقامتِ نماز بلا مصلّٰی زمین پر پڑھنے کی قید سے مطلق ہے تو زمین پر پڑھی جائے یا نہ ہر طرح حکم ادا ہوجاتا ہے اور یونہی یہ قید بھی نہیں کہ اذان سن کر ہی نماز قائم کرو تو اذان کے سننے پر نماز موقوف نہیں بلکہ نمازی بہرہ یا دور ہو کہ اذان سن نہ سکے یا سرے سے ہو ہی نہ، تب بھی نماز کا ادا کرنا معتبر ہے حتی کہ جماعتِ جمعہ میں بھی شامل ہوجائے تو فرض ادا

ـــہ ظن غالب بھی شرعاً یقین کے حکم میں ہے کما ھو حوابہ ۱۲ منہ غفرلہ

ہو جائے گا۔ اصول الشاشی ص۱۱، تنقیح و تلویح ص۱۲۹ وغیرہا میں ہے۔ والنظم لصدر الشریعۃ حکم المطلق ان یجری علی اطلاقہ۔ نیز تنقیح و توضیح ص۱۳۷ میں ہے (ولنا قولہ تعالیٰ لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم) فھذہ الاٰیۃ تدل علی ان المطلق یجری علی اطلاقہ۔ تحریر الاصول مع الشرح ص۳۳۱ جلد ۱ میں ہے (بل) العمل بہ (ان یجزیٔ کل ما صدق علیہ) المطلق (من المقیدات) بیان لما یعنی ان یحمل علی اطلاقہ بحیث امکن للمکلف ان یأتی بما شاء من افرادہ سواء کان ذٰلک المقید المنصوص او غیرہ فیکون کل فرد من افراد المطلق مجزئیا عما ھو الواجب علیہ۔

ان سب کا حاصل یہ کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھا جاتا ہے یعنی وہ تمام افراد جن پر مطلق سچا آتا ہے ان میں سے مکلف جسے چاہے ادا کر سکتا ہے۔ کسی ایک فرد کے ادا کرنے سے بریٔ الذمہ ہو جاتا ہے۔

مقدمۂ سادسہ

صوت وصدا کی تعریفیں بمع فوائد ضروریہ

صوت وصدا کی تعریفیں بمع فوائد ضروریہ مواقف و شرح مواقف وغیرہا سے مکبر الصوت کی طبع اول میں درج ہوئی تھیں مگر بعد ازاں امام اہل السنت والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ مبارکہ "الکشف شافیا فی حکم فونو جرافیا" سے منقولہ حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب مدظلہم صوت وصدا کی ملخص تعریفیں بمع فوائد جو نہایت ہی جامع ومانع ومفید ہیں، ہفتہ وار رضوان لاہور، ۱۴؍دسمبر ۱۹۴۹ء ص۵ میں غنیمت باردہ کی صورت میں دستیاب ہوئیں لہٰذا تبرکاً وہی نقل کی جاتی ہیں۔ ایک

سه اس رسالہ مکبر الصوت چھپنے کے بعد اصل رسالۂ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ "الکشف شافیا" بھی چھپ کر آگیا جس میں صوت وصدا کا بیان ص۲۰ تا ص۳۹ تک بڑی تفصیل سے ہے جس کی مختصر تلخیص رضوان سے منقول ہے کہ اس وقت یہ رسالہ "الکشف شافیا" چھپا نہیں تھا بلکہ چھپا ہوا تھا۔

حــ غفرلہ

جسم کا دوسرے جسم سے بقوت ملنا جسے "قرع" کہتے ہیں یا بہ سختی جدا ہونا کہ "قلع" کہلاتا ہے جس ملأ لطیف مثل ہُوا یا آب میں واقع ہو اس کے اجزائے مجاورہ میں ایک خاص تشکل و تکیف لاتا ہے اسی شکل و کیفیت مخصوصہ کا نام " آواز " ہے۔ اس صورتِ قرع کی فرع ہے کہ زبان و گلوئے متکلم وقتِ تکلم کی حرکت ہوائے دہن کو بجا کر اس میں اشکالِ حرفیہ پیدا کرتی ہے۔ یہاں وہ کیفیتِ مخصوصہ اس صورتِ خاصہ کلام پر بنتی ہے جسے قدرتِ کاملہ نے اپنے ناطق بندوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ یہ ہوائے اول یعنی جس پر ابتداءً وہ قرع و قلع واقع ہوا جیسے صورتِ کلام میں ہوائے دہنِ متکلم اگر بعینہٖ ہوائے گوشِ سامع ہوتی تو یہیں وہ آواز سننے میں آجاتی مگر ایسا نہیں لہذا حکیم عزت حکمتہ نے اس آواز کو گوشِ سامع تک پہنچانے یعنی ان مشکلات کو اس کی ہوائے گوش میں بنانے کے لئے سلسلۂ تموج قائم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ایسے نرم و تر اجسام میں تحریک سے موج بنتی ہے جیسے تالاب میں کوئی پتھر ڈالو، یہ اپنے مجاور اجزائے آب کو حرکت دے گا، وہ اپنے مقارب کو جہاں تک کہ اس تحریک کی قوت اور اس پانی کی لطافت اقتضاء کرے یہی حالت بلکہ اس سے بہت زائد ہوا میں ہے کہ وہ لینت و رطوبت میں پانی سے کہیں زیادہ ہے لہذا قرعِ اول سے کہ ہوائے اول متحرک و متشکل ہوئی تھی اس کی جنبش نے برابر والی ہوا کو قرع کیا۔ اس سے وہی اشکال ہوائے دوم میں بنیں اس کی حرکت نے متصل کی ہوا کو دھکا دیا اب اس ہوائے سوم میں مرتسم ہوئیں، یونہی ہوا کے حصے بر وجہِ تموّج ایک دوسرے کو قرع کرتے اور بوجہ قرع وہی اشکال سب میں بنتے چلے گئے یہاں تک کہ سوراخِ گوش میں جو ایک پٹھا بچھا اور پردہ کھنچا ہے۔ یہ موجی سلسلہ اس تک پہنچا اور وہاں کی ہوائے متصل نے متشکل ہو کر اس پٹھے کو بجایا۔ یہاں بھی بوجہ جوف ہوا بھری ہے اس قرع نے اس میں بھی وہی اشکال و کیفیات جن کا نام آواز تھا، پیدا کیں اور اس ذریعہ سے لوحِ مشترک میں مرتسم ہو کر نفسِ ناطقہ کے سامنے حاضر ہوئیں اور محض باذن اللہ تعالٰی ادراکِ سمعی حاصل ہوا۔

الغرض ہر شے کا سببِ حقیقی ارادۃ اللہ تعالٰی ہے، بے اس کے ارادے کے کچھ ممکن نہیں۔ وہ ارادہ فرمائے تو اصلاً کسی سبب کی حاجت نہیں مگر عالمِ اسباب میں حدوثِ آواز کا سببِ عادی یہ قرع و قلع ہے اور اس کے سننے کا وہی تموج و تجددِ قرع و قلع تا ہوائے جوف سمع ہے متحرک اول کے قرع سے ملأ مجاورہ میں شکل و کیفیتِ مخصوصہ بنی تھی کہ شکلِ حرفی ہوئی تو وہی الفاظ و کلمات تھے ورنہ اور قسم کی آواز، اس کے قرع نے بوجہِ لطافت اس مجاور کو جنبش بھی دی۔ اس کی



جنبش نے اپنے متصل کو قرع کیا اور وہی ٹھپا کہ یہاں اس ہَوا میں بنا تھا اس میں اتر گیا یونہی آواز کی کاپیاں ہوتی چلی گئیں، اگرچہ جتنا فصل بڑھتا اور وسائل زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں تموّجِ قرع میں ضعف آتا جاتا ہے اور ٹھپا ہلکا پڑجاتا ہے ولہذا دور کی آواز کم سنائی دیتی ہے اور حرف صاف سمجھ میں نہیں آتے یہاں تک کہ ایک حد پر تموج کہ موجبِ قرعِ آئندہ تھا ختم ہوجاتا ہے اور عدمِ قرع سے اس کی کاپی برابر والی ہوا میں نہیں اترتی، آواز یہیں تک ختم ہوجاتی ہے۔ یہ تموّج ایک مخروطی شکل پر پیدا ہوتا ہے جس کا قاعدہ اس متحرک محرکِ اول کیطرف ہے اور راس اس کے تمام اطرافِ مقابلہ میں جس طرح زمین سے مخروطِ ظلی اور آنکھ سے مخروطِ شعاعی نہیں بلکہ جس طرح آفتاب سے مخروطِ نوری نکلتا ہے کہ ہر جانب ایک مخروط ہوتا ہے بخلاف مخروطِ ظلی کے کہ مقابلِ جرم اور مخروطِ شعاعِ بصر کے کہ تنہا سمتِ مواجہ میں بنتا ہے۔ ان مخروطاتِ تموّج ہوائی کے اندر جو کان واقع ہوں ایک ایک ٹھپا سب تک پہنچیگا، سب اس آواز کو سنیں گے ٹھپوں کی تعداد سے آواز متعدد نہ سمجھی جائے گی۔ یہ کوئی نہ کہے گا کہ ہزاروں آوازیں تھیں کہ ان ہزاروں اشخاص نے سنیں بلکہ یہی کہیں گے کہ وہی ایک آواز سب کے سننے میں آئی۔

اس تقریر سے بحمد اللہ تعالٰی منکشف ہوگیا کہ :۔

(۱) آواز اس شکل وکیفیت کا نام ہے کہ ہوا یا پانی وغیرہ جسم نرم وتر میں قرع وقلع سے پیدا ہوئی۔

(۲) اس کا اور تمام حوادث کا سببِ حقیقی محض ارادہ الٰہی ہے، دوسری چیز اصلاً نہ مؤثر نہ موقوف علیہ اور آواز کا ظاہری وعادی سببِ قریب قلع وقرع ہے۔

(۳) سننے کا سبب ہوائے گوش کا متشکل بہ شکل آواز ہونا ہے اور اس کے تشکل کا سبب ہوائے خارج متشکل کا اسے قرع کرنا اور اس قرع کا سبب بذریعہ تموّج حرکت کا وہاں تک پہنچنا۔

(۴) ذریعۂ حدوث قرع وقلع ہیں اور وہ آنی ہیں، حادث ہوتے ہی ختم ہوجاتے ہیں اور وہ شکل وکیفیت جس کا نام آواز ہے، باقی رہتی ہے تو وہ معدات ہیں جن کا معلول کے ساتھ رہنا ضروری نہیں۔

(۵) آواز ضرور کان سے باہر بھی موجود ہے بلکہ باہر ہی سے منتقل ہوتی ہوئی کان تک پہنچتی ہے۔

(۶) وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملاءِ متکیف کی صفت ہے ہوا ہو یا پانی وغیرہ۔ آواز کنندہ کی حرکت قلعی و قرعی سے پیدا ہوتی ہے ولہذا اس کی طرف اضافت کی جاتی ہے۔

٧ جبکہ وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملاءِ متکیف سے قائم ہے تو اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے۔

٨ انقطاعِ تموج انعدامِ سماع کا باعث ہو سکتا ہے نہ انعدامِ صوت کا بلکہ جب تک وہ تشکل باقی ہے، صوت باقی ہے۔

٩ دوبارہ تموج ہو تو اس سے تجدیدِ سماع ہوگی نہ کہ آواز دوسری پیدا ہوئی جبکہ تشکل وہی باقی ہے۔

١٠ وحدتِ آواز وحدتِ نوعی ہے کہ تمام امثالِ متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے ورنہ آواز کا شخصِ اول کہ مثلاً ہوائے دہنِ متکلم میں پیدا ہوا کبھی ہمیں مسموع نہیں ہوتا اس کی کاپیاں ہی چھپتی ہوئی ہمارے کان تک پہنچتی ہیں اور اس کو آواز کا سننا کہا جاتا ہے، گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی گچ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے عربی میں "صدا" کہتے ہیں۔

اس بیانِ فیض توامان سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ صدا اسی وحدتِ نوعیہ کی بنا پر وہی پہلی آواز ہی ہے کہ تعریفِ صدا میں صراحۃً فرمایا کہ "خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے۔" پھر یہ دوبارہ سنائی دینا اگر تموجِ اول ہی کی بنا پر ہے جیسے بعض نے فرمایا، تو مدعیٰ ثابت، اور اگر دوبارہ نیا تموجِ تازہ اسی کیفیت سے متکیف ہو کر آیا ہے تو پھر بھی وہی آواز باقی کہ انکشافؔ میں دوبارہ فرمادیا کہ دوبارہ تموج ہو تو اس سے تجدیدِ سماع ہوگی نہ کہ آواز دوسری پیدا ہوئی۔ رہا نسبۃً صدا کا بلند ہونا تو وہ مغایرت کی دلیل نہیں کہ بلند و پست ہونا تو اس شکل و کیفیت (آواز) کی دو متوارد صفتیں ہیں جو بدلتی رہتی ہیں ان کے بدلنے سے نفس کیفیت میں فرق نہیں آتا۔ مشاہدہ شاہد اور اعلیٰحضرت سے اس کی تفصیل بھی سن چکے کہ بولنے والے کے نزدیک آواز اونچی ہوتی ہے اور دور کم سنائی دیتی ہے حالانکہ اس دور والی پست آواز کو قطعاً غیر نہیں کہا جاتا تو صدا کو بوجہ بلند ہونے کے کیوں غیر کہا جائے۔ رہا سجدۂ تلاوت کا واجب نہ ہونا تو یہ حضرتِ امامِ اعظم یا ان کے کسی تلمیذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا بظاہر قول نہیں بلکہ تخریجِ متفقہین ہی ہے اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد "ہمارے علماء تصریح کرتے ہیں کہ اس کے سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں" میں فقط ہمارے علماء کا فرمانا بھی یہی ظاہر کرتا ہے ورنہ اپنی عادتِ کریمہ کے مطابق اوصافِ جلیلہ و القابِ جمیلہ سے ائمۂ کرام کا نام لیتے۔ پھر اس کے تخریج ہونے کے باوجود بطورِ استدراک اس کی ایک توجیہ فرمادی اور یہ قطعاً نہ

؎ الکشف شافیا کے ص۳۵ میں ہے "اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آوازِ متکلم ہے" ۱۲ منہ غفرلہ

فرمایا کہ صدا پہلی آواز کا غیر ہے لہذا سجدہ واجب نہیں ہوتا بلکہ حضرت مولانا ابو الفتح محمد حشمت علی خان صاحب باوجودیکہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے قائل نہیں مگر اپنے فتویٰ کی قسطِ دوم مندرجہ "رضوان، جنوری ۱۹۵۰ء ص۱۱" کے پہلے کالم میں امام اہلِ سنت والجماعت کے بیانِ سابق سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ گنبد کی گونج اور اس آلہ سے سنی ہوئی آواز دونوں صدا ہونے میں برابر ہیں۔ پھر تیسرے کالم میں لاؤڈ اسپیکر سے سنی گئی آواز کے متعلق صراحۃً فرماتے ہیں" وہی اصلِ متکلم کی آواز ہے خواہ پہلی ہی ہوا اسے لئے ہوئے پلٹ آئی یا اس آواز کی کاپی دوسری میں اتر گئی" تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ ان کی نظر میں بھی صدا اور لاؤڈ اسپیکر سے سنی گئی آواز پہلی ہی آواز ہے، البتہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی گئی آواز کو صدا کہنا حقیقتِ واضحہ کے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ صدا میں قوتِ دافعہ سے آواز پلٹ کر سنائی دیتی ہے اور اس میں قوتِ برقیہ آخذہ پکڑ کر میکروفون میں جمع کر کے چھوٹے سوراخ سے بذریعہ مضبوط تار کے سپیکر کے تنگ منفذ سے سپیکر میں پہنچا کر نشر کر دیتی ہے۔

الحاصل صدا میں قوتِ دافعہ آواز کو پہلی ہی طرف واپس دھکیل دیتی ہے اور لاؤڈ اسپیکر میں قوتِ آخذہ جمع کر کے (بالعکس صدا) اگلی طرف نکال کر نشر کر دیتی ہے تو صدا کا عکس صدا کیسے بن سکتا ہے پھر چونکہ قوتِ آخذہ صوت کے ظل مخروطی میں بکھری ہوئی بکثرت اشکال وکیفیات (جن میں سے ایک ایک مستقل آواز ہے) کو مجتمع کر دیتی ہے لہذا بہت بلند ہو کر سنا جاتا ہے اور یونہی صدا میں قوتِ دافعہ دفع میں اشکال وکیفیاتِ کثیرہ کو ملا دیتی ہے تو اس میں بھی بلند سنا جاتا ہے، بہر حال اسپیکر سے سنی گئی آواز امام ہی کی اصل آواز ہے۔



مقدمہ سابعہ

صدا اور سپیکر سے سنی گئی آواز متکلم ہی کی آواز ہوتی ہے

مقدمہ سابقہ سے روزِ روشن کی طرح روشن ہوا کہ صدا متکلم کی اپنی ہی آواز ہے اور یونہی لاؤڈ اسپیکر سے سنی گئی آواز بھی متکلم کی ہی آواز ہوتی ہے بالوحدۃ المعتبرۃ فی الصوت، اور اگر بالفرض غیر ہی ہو تو تب بھی سننے والے کے لئے یہ تاثر ضرور پیدا کرتی ہے کہ متکلم یقیناً یہی کلمات ادا کر رہا ہے کہ متکلم کے بولے

ف چنانچہ متکلم اگر میکروفون کے قریب منہ کر لے تو اسے آواز کا کھینچنا صاف صاف معلوم ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ متکلم چپ ہو جائے تب بھی لاؤڈ اسپیکر کے جاؤ بھلے کا صورت میں میکروفون کی گونج سنی جاتی ہے کہ وہ جو لئے متوکہ جادہ کو کھینچتا رہتا ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

بغیر یہ آوازیں بالکل نہیں آسکتیں اور اگر حقیقتِ واقعیہ کا انکار کرتے ہوئے یہی رٹ لگائی جائے کہ یہ آواز آوازِ متکلم کی غیر ہے جو الفاظِ متکلم پر دلالت بھی نہیں کر سکتی تو ایسے مدعی کے قول پر یہ آواز محض لغو اور شور وشغب اور لہو ولعب بنے گی تو لازم کہ اذان ووعظ وقرآن خوانی میں بھی اس کا استعمال ناجائز وحرام بنے اور واجب الاحتراز ہو کہ قرآن خوانی اور وعظ واذان میں بھی شور وشغب اور لہو ولعب قطعاً جائز نہیں، یہ تو کفار بدکردار کا شیوہ نازیبا تھا قرآنِ کریم فرماتا ہے وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون ٥ اور فرماتا ہے واذا ناديتم الى الصلوة اتخذوها هزوا ولعبا حالانکہ اذان وغیرہ میں سب استعمال کر رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ سب کے نزدیک آوازِ متکلم پر اطلاع کا واضح ذریعہ اور بلاشبہ ٹھوس دلیل ہے۔ الحاصل لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز یقیناً تکبیرات کا پتہ دیتی ہیں اور حرکاتِ انتقالیہ امام کی یقینی دلیل ہیں۔

مقدمۂ ثامنہ

آنکھ کان وغیرہ حواسِ خمسہ

آنکھ، کان وغیرہ حواسِ خمسہ اور سچی خبریں اور عقل یہ سب ذرائع ہیں جن سے یقینی علوم حاصل ہوتے ہیں، متن شرح العقائد ص۱۷ میں ہے اسباب العلم للخلق ثلثة الحواس السليمة والخبر الصادق والعقل۔ شرح میں ہے ان العلم عندهم متابل للظن اور تصریحاتِ جلیلۂ کتاب وسنت سے بھی یہی روزِ روشن کی طرح واضح وہویدا ہے اور یہ بھی پر ظاہر کہ یہ ذرائع دورانِ نماز میں بھی کارآمد رہتے ہیں، آنکھ وغیرہ کھلے رہتے ہیں اور خبریں بھی پہنچتی رہتی ہیں اور عقل بھی قائم رہتی ہے ورنہ دیوانہ پر تو کچھ فرض ہی نہیں لہٰذا سہوِ امام کی صورت میں مقتدی لقمہ دے سکتا ہے اور امام لے سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ نمازی بالخصوص امام ومقتدی کا ان ذرائع سے مستفید ہونا اتمامِ نماز کے لئے مطلوبِ شرعی ہے۔

مقدمۂ تاسعہ

جب یقینی طور پر انسان جان لے کہ اس چیز کی انجام دہی اسی وقت میرے ذمہ فرض ولازم ہے تو طاقت



ہوتے ضرور انجام دے اگرچہ نماز میں ہو مثلاً نماز میں پتہ چلا کہ قبلہ اس طرف ہے تو ادھر پھر جائے تیمم والا پانی پر قادر ہو جائے تو وضو لازم الیٰ غیر ذٰلک من الصور المتکاثرۃ حتیٰ کہ فقہائے کرام نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ اگر کسی کو چھت سے گرنے یا آگ میں جلنے یا پانی میں ڈوبنے کا خطرہ دامنگیر ہوا اور نمازی سے فریاد کردی تو نمازی پر نماز توڑ کر مدد کرنا ضروری ہے۔ ہندیہ ص۵۷ جلد۱ میں ہے وکذا الاجنبی اذا خاف ان یسقط من سطح او تحرقہ النار او یغرق فی الماء واستغاث بالمصلی وجب علیہ قطع الصلوٰۃ اور یونہی درالمختار ادرشامی وغیرہا میں ہے تو، چہ جائیکہ وہ چیز ہو جو اتمامِ نماز کے لئے وذا معلوم من الکتب والسنۃ ضرورۃ۔



مقدمۂ عاشرہ

اقتدائے حقیقی اور اقتدائے صوری کی تعریفیں

اقتدائے حقیقی مقتدی کا اپنی نماز کو نمازِ امام کے ساتھ مرتبط کرنا اور اس پر بنا کرنا اور تمام ارکان میں امام کی مشارکت اور متابعت کرنا ہے۔ شامی ص۵۱۳ جلد۱ میں ہے فنفس ھٰذا الارتباط ھو حقیقۃ الامامۃ وھو غایۃ الاقتداء نیز ص۵۱۵ میں ہے الاقتداء البناء نیز ہدایہ ص۱۰۴ جلد۱، زیلعی ص۱۴۲ جلد۱ میں ہے الاقتداء شرکۃ و موافقۃ کفایہ ص۳۲۵ جلد۱ میں ہے شرکۃ ای فی التحریمۃ وموافقۃ ای فی الافعال۔ وکذا فی غیرہا من المعتبرات۔ اور یہ بھی پُرظاہر کہ کسی کی موافقت (یعنی اس کے ساتھ ساتھ افعالِ نماز کا ادا کرنا) بلانیتِ اقتدار حقیقۃً اقتدار نہیں بلکہ صرف موافقتِ صوریہ ہی جسے اقتدارِ صوری کہا جاسکتا ہے۔ شامی ص۵۱۴ جلد۱ شروطِ اقتدار میں ذکر فرمایا ونیۃ الاقتداء اور حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالنیات اور یہ موافقتِ صوریہ بلانیتِ اقتدار ہرگز ہرگز مفسدِ نماز نہیں اگرچہ اپنے امام یا اس کے مقتدی کے علاوہ کسی اور نمازی کے ساتھ ہی ہو (یعنی اس کی ادار کے ساتھ ساتھ ادا کرتا ہے یا اس کی ادا کو دیکھ کر اپنی نماز کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہوئے افعالِ نماز ادا کرے) بلکہ بوقتِ ضرورت اس سے اتمام اور اصلاح نماز بھی ہو سکتی ہے جو جزئیاتِ ذیل سے واضح ہے:

؎ خلاصۃ الفتاوی ص۱۶۳ جلد۱، فتح القدیر ص۳۳۹ جلد۱، غنیۃ المستملی ص۴۴۰، بحرالرائق ص۳۷ / ۱۴۲، ہندیہ ص۹۲ جلد۱

درالمختار، ردالمحتار بحوالہ قاضی خان وغیرہا ص۵۵۸ جلد۱ میں ہے و النظم للشامی حاصلہ انہ لو اقتدیٰ اثنان معًا بامام قد صلی بعض صلوٰتہ فلما قاما الی القضاء نسی احدھما عدد ما سبق بہ فقضی ملاحظا للآخر بلا اقتداء بہ صح کما فی الخانیۃ و الفتح یعنی دو شخصوں نے ایک ساتھ ایسے امام کی اقتدا کی جو ایک یا زیادہ رکعتیں پڑھ چکا ہے اور امام کی نماز پوری کرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں پڑھنے اٹھے تو ان کا ایک بھول گیا کہ کتنی رکعتیں رہ گئی تھیں! لہٰذا اس نے دوسرے کو دیکھتے ہوئے پڑھ لیں بغیر اس کی اقتدا کے (جو نیتِ اقتدا پر موقوف ہے) تو اس کی نماز صحیح ہو گئی حالانکہ انہی کتابوں میں یہیں صاف صاف وضاحت ہے کہ مسبوق جب اپنی رہی ہوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ حقیقۃً و حکمًا ہر طرح منفرد ہوتا ہے و النظم من الفتح منفرد حقیقۃ و حکما لہٰذا وہ کسی کی اقتدا نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کا مقتدی بن سکتا ہے و النظم من الشامی (قولہ لا یجوز الاقتداء بہ) وکذا لا یجوز اقتداؤہ بغیرہ حتّٰی کہ اگر دوسرے کی اقتدا کی نیت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ بحرالرائق ص۱۳۵ جلد۱ میں بدائع صنائع سے ہے فلو اقتدی احدھم بالآخر فسدت تو روزِ روشن کی طرح بے غبار ہوا کہ موافقت و متابعتِ صوریہ مذکورہ مفسدِ نماز نہیں بلکہ مصلح ہے۔

؎۲ جامع صغیر ص۱۶، مبسوط ص۹ جلد۲، بدائع صنائع ص۱۸۷ جلد۱، مراجیہ ص۱۳، قاضی خان ص۷۶، خلاصۃ الفتاوی ص۱۸۵ جلد۱، ہدایہ، عنایہ ص۴۶۸ جلد۱، وقایہ ص۲۳، کنز الدقائق، بحرالرائق ص۱۳۱ جلد۲، تبیین الحقائق ص۲۰۶ جلد۱، کبیری ص۴۶۸، تنویر الابصار، درالمختار، ردالمحتار ص۷۲۵ جلد۱، نورالایضاح، مراقی الفلاح ص۲۹۵، ہندیہ ص۶۹ جلد۱ میں ہے و النظم من البدائع لو سمعھا فی صلوتہ ممن لیس معہ فی الصلوٰۃ لم یسجدھا فی الصلوٰۃ و ان سجدھا کان مسیئا لما ذکرنا و لا تسقط عن السجدۃ لکن لا تفسد صلوتہ فی ظاھر الروایۃ یعنی نمازی نماز میں کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ سنے جو اس کی نماز میں شریک نہیں تو نماز میں سجدۂ تلاوت نہ کرے اور اگر کرے تو برا کیا اور سجدہ بھی



ساقط نہیں ہوتا۔ مگر ظاہر الروایۃ میں اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی تو یہ ایسی موافقت و متابعت صوریہ ہے جیسے وہ کام جو غیر کو دیکھ کر کیا، نماز کی جزء نہیں اور شرعاً مطلوب بھی نہیں بلکہ ممنوع ہے، تو اگر نماز کی جزء جو شرعاً ممنوع نہیں بلکہ مطلوب ہے، ایسی متابعت کے ساتھ ادا کرے تو نماز بطریق اولیٰ جائز رہنی چاہیے بلکہ اسی صورت مذکورہ میں اگر سجدہ کی وہی آیت پہلے پڑھ چکا ہو، پھر سنکر سجدہ کرے تو ظاہر الروایۃ میں سجدہ ادا ہو جاتا ہے اور دوبارہ نہیں کرنا پڑتا۔ ہندیہ میں ہے ھذا اذا لم یقرأ المصلی السامع غیر المؤتم فان قرأھا اولا ثم سمعھا فسجدھا لم یعدھا فی ظاھر الروایۃ۔ اس کی وجہ ظاہر یہی کہ اس سجدہ کا وجوب پہلے ثابت ہو چکا اور عارضی طور پر نماز کی جزء بن چکا تھا، پھر اس غیر سے سننا دوسرا سبب وجوب بن گیا تو حسب القاعدہ اتحاد مجلس کے سبب ایک ہی سجدہ کافی ہو گیا، اور جب عارضی جزء کا بوجہ جزئیت ادا کرنا روا ہوا تو اصلی جزء کی ادائگی بوجہ اصالت بطریق اولیٰ روا ہوگی۔ رہا یہ کہ صورت مذکورہ میں سجدہ کرنا اس غیر شریک نماز کی متابعت صوریہ کیوں ہے تو یہ اس لئے کہ آیت سجدہ کا پڑھنے والا، سننے والے کے لئے بمرتبہ امام ہے۔ بدائع صنائع ص۱۸۷ جلد ۱ میں ہے التالی بمنزلۃ الامام للسامعین۔ مبسوط ص۵ جلد ۲ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ تالی آیت سجدہ کو فرمایا کنت اماما لو سجدت سجدنا اس سے یہ ثابت کیا کہ فکانوا فی حکم المقتدین من وجہ۔ فتح القدیر، عنایہ، کفایہ ص۴۶۷ جلد ۱ میں ہے کہ خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے تالی آیت سجدہ کو فرمایا کنت امامنا الخ

تنبیہ

صورت مذکورہ میں موافقت و متابعت صوریہ صرف اس وقت ہے جب اس پڑھنے والے کی متابعت کی نیت کے سوا سجدہ کرے ورنہ متابعت حقیقیہ بن جائے گی اور نماز فاسد ہو جائے گی۔ فتاوےٰ خانیہ ص۷۸، خلاصۃ الفتاویٰ ص۱۸۷ جلد ۱، ہندیہ ص۶۹ جلد ۱ میں ہے المصلی اذا سمع اٰیۃ سجدۃ من غیرہ و سجد مع التالی ان قصد بہ اتباع التالی تفسد صلوتہ۔ بحرالرائق ص۱۲۱ جلد ۲، شامی ص۲۵ جلد ۱ میں ہے لان المصلی سواء کان لہ امام او لا اذا تبع احدا غیر امامہ فسدت صلوتہ۔ نیز

انھی میں ہے ان زیادۃ سجدۃ واحدۃ ابنیۃ المتابعۃ لغیر امامہ مبطلۃ لصلٰوتہ۔

۳۔ مسافر امام مقیم مقتدیوں کو نماز پڑھا رہا ہو تو دو رکعتیں پوری کر کے اقامت کی نیت صرف اس لئے کرلے کہ مقتدیوں کو پوری نماز پڑھا سکے تو وہ امام اس نیت سے مقیم نہیں بنتا اور اس کا فرض دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں نہیں بنتا، تو اگر مقیم اس امام کے ساتھ اپنی نماز پوری کرلیں تو ان کی نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ (پچھلی دو رکعتوں میں ان مقتدیوں کی اس امام کے ساتھ اقتدار) فرض پڑھنے والوں کی (یعنی ان مقیموں کی) نفل پڑھنے والے (امام مسافر) کے ساتھ اقتدار ہے۔ علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں یہ قید لگانی واجب ہے کہ ان مقیموں نے اس امام سے جدا ہونے کا ارادہ نہ کیا ہو اور جب مفارقت کی نیت کر چکے تو ان کی نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ صورۃً اتمامِ نماز میں امام کی موافقت کرتے رہے (شامی ص۱۲۵ جلد ۱، منحۃ الخالق ص۱۳۵ جلد ۲ میں ہے والنظم من المنحۃ (قولہ لا یصیر مقیما ولا ینقلب فرضہ اربعا) قال فی الظھیریۃ تتلوہ حتی لو اتم المقیمون صلٰوتھم معہ فسدت صلٰوتھم لان ھٰذا اقتداء المفترض بالمتنفل ولا یصح اھ قال الرملی یجب تقییدہ بما اذا لم ینووا مفارقتہ اما اذا نووا مفارقتہ لا تفسد صلٰوتھم وان وافقوہ فی الاتمام صورۃً اذ لا مانع من صحۃ مفارقتہ بعد اتمام فرضہ واتصال النفل منہ بصلٰوتہ لا یمنعھا بلاشبھۃ وفی قولہ لو اتم المقیمون معہ اشارۃ الی ذلک و سکوت قاضیخان و صاحب الخلاصۃ عن صلٰوۃ المقیمین ربما یکون لھٰذا التفصیل واللہ تعالٰی اعلم۔

تو آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر ہوا کہ ظاہری و صوری موافقت سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور موافقتِ حقیقیہ نیت پر موقوف ہے اگرچہ بظاہر موافقتِ حقیقیہ ہی معلوم ہو، بلا نیت حقیقیہ، حقیقیہ نہیں بنتی جیسے صورتِ مذکورہ میں کہ اسی امام کے ساتھ اقتداءِ حقیقی سے آدھی نماز ادا کر چکے اور اس نے بلا سلام پچھلی دو رکعتیں پڑھنی شروع کیں



اور اپنے امتیازی مقام میں اپنی طرف سے اس منصب پر پڑھانے کا ارادہ بھی کیا اور وہ لوگ بظاہر اسی طرح اسی کی اقتدا میں پڑھتے رہے مگر جب مفارقت کی نیت ہے تو نماز ہوگئی کہ نماز امورِ قضاء سے نہیں کہ ظاہر پر مبنی ہو بلکہ امورِ دیانت سے ہے جو نیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ شامی ص۵۸۲ جلد ا میں ہے لان ذٰلك من امور الديانة لا القضاء حتى يبنى على الظاهر اور متابعت مکبر (امام کی تکبیرات سنانے والے کی) بھی یہی متابعتِ صوریہ ہی ہے کہ اس کی تکبیرات سنکر امام کی متابعتِ حقیقیہ کی جاتی ہے، اگر متابعتِ مکبر بھی یہی حقیقیہ ہو تو لازم کہ امام بن جائے حالانکہ دو اماموں کی اقتداء میں نماز ناجائز ہے۔ تبیین الحقائق ص۱۴۳ جلد ا، ثلاثین شامی ص۱۳۹ جلد ا میں "يقتدى الناس بصلوٰة ابى بكر" کا یہ معنیٰ بیان فرمایا ان ابابكر كان مبلغا اذ لا يجوز ان يكون للناس امامان فى صلوٰة واحدة یعنی حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگوں کی اقتداء کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ مبلغ تھے (تکبیرات سنانے والے یعنی اس وقت (جبکہ حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکبیرات سنا رہے تھے) حقیقۃً لوگ ان کے مقتدی نہ تھے کہ یہ جائز نہیں کہ ایک نماز میں لوگوں کے دو امام ہوں۔ مبسوط ص۲۳۱ جلد ا اداء صلوٰة بامامين لا يصح" دو اماموں کے ساتھ ادائے نماز صحیح نہیں" شامی ص۵۴۳ جلد ا میں ہے الاقتداء لا يصح بمن نوى بناء صلوته على غيره یعنی جس کی نماز اپنے غیر کی نماز پر مبنی ہو (جیسے مکبر) اس کی اقتدا صحیح نہیں۔ شامی ص۲۵ جلد ا میں ہے ان زيادة سجدة واحدة بنية المتابعة لغير امامه مبطلة لصلوته یعنی اپنے امام کے غیر کی متابعت کی نیت سے ایک سجدہ کی زیادتی بھی نماز باطل کر دیتی ہے تو آفتاب و ماہتاب سے بھی زیادہ نمایاں ہوا کہ متابعتِ مکبر بھی متابعت و موافقتِ صوریہ ہی ہے جو کسی ایسے دوسرے کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے جو نماز میں شریک نہ ہو۔

مقدمہ حادیہ عشرہ

نمازی کو غیر نمازی ہدایت دے سکتا ہے۔

نمازی کسی عارضہ کے سبب نماز میں کوتاہی کر رہا ہو یا کرنے کا احتمال ہو تو وہ جو نماز میں نہیں،

اسے ہدایت دے سکتا ہے قرآنِ کریم فرماتا ہے تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر نیز فرماتا ہے وتعاونوا علی البر و التقوی اور حدیث صحیح ہے من رأی منکم منکرا فلیغیرہ الحدیث الی غیر ذٰلک من الآیات و الاحادیث اور وہ بھی اس ہدایت کے مطابق اصلاح نماز کرتے ہوئے ادا کر سکتا ہے۔ یہ اصلاح باعث فساد نہیں بنتی بلکہ جائز و درست بناتی ہے قال اللہ تعالیٰ فبشر عبادِ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولٰئک الذین ھدٰھم اللہ و اولٰئک ھم اولوا الالباب (ترجمہ) تو خوشخبری سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنتے ہیں پھر اس کے بہترین کی اتباع کرتے ہیں، یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہی عقلمند ہیں۔" اس قول کا اطلاق صورتِ مذکورہ کو بھی شامل ہے حالانکہ اطلاق بمنزلہ نص ہے دیکھو مقدمہ خامسہ، بلکہ بالخصوص تفسیر کبیر ص۲۳۸ جلد ۷ میں ہے و کل ھٰذا الابواب تدخل تحت قولہ تعالیٰ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ (الی ان قال) فاما العبادات فمثل قولنا الصلٰوۃ (الی ان قال) فلاشک انھا احسن من الصلٰوۃ التی لایراعی فیھا شیئ من ھذہ الاحوال فوجب علی العاقل ان یختار الخ اس کا حاصل یہ ہوا کہ یہ قول عام ہے اور اقوال متعلقہ نماز کو بھی شامل ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ دیانات (جن میں نماز یقیناً داخل ہے) میں مسلم عادل کی خبر قبول کی جائے۔ ہندیہ ص۸۶ جلد ۴ میں ہے خبر الواحد یقبل فی الدیانات، مبسوط ص۱۶۳ جلد ۱۰ میں ہے و فی الدیانات الخبر ملزم۔ تحریر المختار لرد المحتار ص۵۸ جلد ۱ میں علامہ رافعی فرماتے ہیں اذا اعتمد علی خبر المبلغ الذی لم یدخل فی الصلٰوۃ یکون قد اعتمد علی خبر العدل فی امر دینی وھو مما یصح العمل بخبرہ فی الدیانات۔

ان سب عبارات کا حاصل یہ کہ امورِ دینیہ میں (جن میں نماز نمبر اول میں ہے) ایک نیک مسلمان کی خبر پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اگرچہ خبر دینے والا نماز نہ پڑھ رہا ہو بلکہ اس پر عمل لازم ہے بفضلہٖ و کرمہٖ تعالیٰ کتاب و



سنت و فقہ حنفی سے نہایت واضح ہوا کہ ایسے وقت ایسا شخص جو نماز میں شریک نہیں، نمازی کو ہدایت دے سکتا ہے اور نمازی اس سے استفادہ کرتے ہوئے اصلاح و اتمام نماز کر سکتا ہے اس کی کئی صریح صورتیں احادیثِ طیبہ اور کتبِ فقہیہ سے صراحۃً ثابت ہیں چنانچہ :-

۱ - صحیحینؔ اور دوسری کتبِ معتمدۂ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام مسجد قبا میں نماز باجماعت ادا کر رہے تھے کہ انہیں ایک صاحب نے باہر سے آکر خبر دی کہ کعبہ شریف قبلہ بن گیا ہے تو وہ امام و مقتدی سب کے سب اس بیرونی خبر پر عمل کرتے ہوئے اسی وقت رو بکعبہ ہو گئے اور باقی نماز پوری کی حالانکہ کسی حدیث میں یہ نہیں کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعادۂ نماز کا حکم دیا ہو بلکہ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ حکم اعادہ نہیں دیا بلکہ جائز رکھا اور اچھا شمار فرمایا۔ بدائع صنائع ص۱۱۹ جلد۱ میں ہے ولم یامرھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاعادۃ۔ شامی ص۴۰۳ جلد۱ میں ہے واقرھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ ہدایہ ص۹۸ جلد۱ میں ہے واستحسنھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو حدیثِ مرفوع تقریری سے جواز ثابت ہو گیا۔

۲ - اسی حدیثِ مرفوع کی بنا پر ہمارے ائمہ عظام نے فرمایا کہ نمازی اشتباہِ قبلہ کی صورت میں تحری سے نماز پڑھ رہا ہو اور عینِ نماز میں اسے یہ علم حاصل ہو جائے کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو نماز میں ہی اس طرف پھر جائے اور جو حصہ نماز کا ادا کر چکا ہے وہ معتبر رہتا ہے، باقی ماندہ پوری کر لے۔ بدائع صنائع، شامی، ہدایہ کے انہی صفحات میں ہے والنظم من الھدایۃ وان علم ذلک فی الصلوٰۃ استدار الی القبلۃ وبنیٰ علیہ لان اھل قباء لما سمعوا الخ بلکہ غنیۃ المستملی ص۲۲۳ میں اس پر مستزاد فرمایا وعلیٰ ھٰذا انعقد الاجماع یعنی اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، اور یہ تو واضح ہی ہے کہ علمِ قبلہ کے کئی ذریعے ہیں جن میں چاند، سورج، ستاروں کے علاوہ انسان خارج من الصلوٰۃ کا بتانا بھی داخل ہے بلکہ یہ سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے کما حصل لاھل قباء۔

۳ - اہل قبا کی طرح مسجد بنی سلمہ والے صحابہ کرام کو بھی ایک صاحب نے اس وقت خبر دی جبکہ وہ

عہ بخاری ص۵۸ جلد۱ مسلم ص۲۰۰ جلد۱ ۱۲ منہ غفرلہ

نمازِ عصر پڑھ رہے تھے تو نماز میں ہی مستقبلِ کعبہ ہو گئے۔ بخاری شریف ص۵۱ جلد ا میں ہے فخرج رجل ممن صلی معہ صلی اللہ علیہ وسلم فمر علی اہل مسجدٍ وہم راکعون فقال اشہد باللہ لقد صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قِبَل مکۃ فداروا کما ہم قِبَل البیت

عینی ص۲۸۶ جلد ا میں ہے وھو مسجد بنی سلمۃ و یعرف بمسجد القبلتین ومر علیہم المار فی صلوٰۃ العصر۔

۴۔ نابینا کوئی ایسا نہ پائے جو قبلہ بتائے اور تحری سے کسی اور سمت نماز شروع کر دے، بعد ازاں کوئی آگر قبلہ کی طرف پھیر دے تو اس نابینے کی نماز جائز ہے۔ فتاویٰ قاضی خان ص۳۴، کبیری ص۲۲۴، شامی (شرح منیہ و فیض و سراج سے) ص۴۰۳ جلد ا، ہندیہ ص۳۳ جلد ا میں ہے والنظم من الھندیۃ الاعمٰی اذا صلی رکعۃ فجاء رجل فحولہ الی القبلۃ الخ

۵۔ ہمارے ائمہ کرام نے تصریح فرمائی کہ امامِ مسافر مقیم مقتدیوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہیے کہ جب اپنی دو رکعتیں پوری کر کے سلام کہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے مقتدیوں سے کہہ دے اتموا صلاتکم فانا قوم سفرٌ" اپنی نمازیں پوری کرلو ہم مسافر ہیں) بدائع ص۱۰۱ جلد ا و ص۱۰۲ جلد ا، ہدایہ ص۱۶۷ جلد ا وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے وینبغی للامام المسافر ان یقول للمقیمین خلفہ اتموا صلاتکم فانا قوم سفر اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ بعد از سلام امام، امام نہیں رہتا، اور مقتدیوں پر لازم کہ اکیلے اکیلے نماز ادا کریں۔ بدائع ص۱۰۲ جلد ا میں ہے ثم المقیمون بعد تسلیم الامام یصلون وحدانا (الیٰ ان قال) یجب علیہم الانفراد وکذا فی غیرھا تو اس میں بھی خارج من الصلوٰۃ کی ہدایت سے اصلاح و اتمام نماز پایا گیا خصوصاً ان مقتدیوں کے حق میں جنہیں امام کا حال پہلے معلوم نہ تھا یا بھول گئے کہ وہ یہ سن کر ہی باقی دو رکعتیں ادا کریں گے۔

۶۔ حضور پر نور سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرِ اطہر کے آخری دن پیر کے روز جبکہ ابوبکر صدیق



رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابۂ کرام کو مسجد مبارک میں نماز پڑھا رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیرونِ مسجد حجرۂ مطہرہ میں تھے اور پردہ اٹھا کر معائنہ فرمایا تو صحابہ کرام زیارتِ حضور سے اتنے متأثر ہوئے کہ بوجہ فرطِ مسرت نماز سے نکلنے کا ارادہ کر لیا اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خیال سے کہ حضور تشریف لاتے ہیں پیچھے ہٹنے لگے تو دستِ حق پرست کے اشارہ سے حکم اتموا صلاتکم" اپنی نماز پوری کر لو " دیتے ہوئے پردہ لٹکا دیا۔ رواہ البخاری ص۹۳، ۹۴ جلد۱ و مسلم ص۱۷۹ جلد۱ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ والاصل عدم الخصوص تو اس اشارۂ مبارکہ[1] سے مسئلہ کے دونوں پہلوؤں (خارج من الصلوٰۃ کی ہدایت اور داخلِ نماز کے اس پر عمل) کی تشریح اور امرِ اتمامِ نماز سے عدمِ فساد کی تصریح ثابت ہو گئی۔

۷ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی کہ مریض غلبۂ مرض کے سبب رکوع وسجود اور رکعتوں کا خیال نہ رکھ سکے تو اگر کسی کو نماز شروع کرنے سے پہلے پاس بٹھا لے کہ اسے ساتھ ساتھ بتاتا جائے۔ پھر اس کے بتانے کے ساتھ نماز پوری کر لے تو اس کی نماز جائز ہو سکتی ہے۔ بحر الرائق ص۱۱۶ جلد۲ میں ہے ولو کان یشتبہ علی المریض اعداد الرکعات او السجدات لنعاس یلحقہ لایلزمہ الاداء ولو اداھا بتلقین غیرہ ینبغی ان یجزئہ۔ در المختار میں بھی ایسے مریض کے متعلق یہی کلمات ولو اداھا الخ بعینہا فرمائے ہیں اور ہندیہ ص۱۳۷ جلد۱ میں اور تعمیم آئی ہے مصل اقعد عند نفسہ انسانا یخبرہ اذا سہا عن رکوع او سجود یجزیہ اذا لم یمکنہ الا بہذا۔ بہر حال مسئلہ بے غبار ہے اتنی زبردست وضاحت کے باوجود یہ شبہ کہ دورانِ نماز میں غیر کی ہدایت پر عمل کرنا نماز میں غیر اللہ کا حکم ماننا ہے لہٰذا فاسد ہو جائیگی محض بیہودہ اور بے جا ہے، غیر کی ہدایت سے تو نمازی اپنی کجروی پر متنبہ ہوتا ہے اور آیات واحادیث سے خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامِ متعلقۂ نماز جنہیں نمازی پہلے ہی جانتا ہے اور مانتا ہے، متنبہ ہونے کے بعد بجا لاتا ہے

---

[1] علامہ عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں ان الایماء یقوم مقام النطق کہ اشارہ بولنے کے قائم مقام ہو جاتا ہے ص۱۹۱ جلد۳، ۱۲ منہ غفرلہ

تو وہ اپنے رب العالمین جل وعلا اور محبوب پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا ٹھہرا نہ کہ غیر کا ، مثلاً مسافر جنگل میں جہت غیر قبلہ کو قبلہ سمجھتے ہوئے نماز شروع کردے بعد ازاں کوئی واقف بتادے کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو مسافر کا اس طرف منہ پھیرنا اللہ رب العالمین کا حکم ماننا ہے نہ کہ بتانے والے کا اور یہ بات تو ان سب عبادتوں میں پائی جاتی ہے جنہیں ناصحین کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے انسان ادا کرے یا کسی مسلمان کی خبر سے مطلع ہوکر جیسے رمضان پاک کے چاند کی ایک مسلمان نے خبر دی تو اس خبر کو قبول کرتے ہوئے اہالیانِ اسلام کا روزہ رکھنا اس مسلمان کا حکم ماننا نہیں بنتا بلکہ رب العالمین کا حکم ماننا ہے ، شبہ کرنیوالا سیدھا یوں کیوں نہیں کہتا کہ بے نماز کسی نیک کے نصیحت کرنے پر نماز نہ پڑھے کیونکہ یہ غیر اللہ کا حکم ماننا ہے اور شرک ہے (تو سرے سے معاملہ ہی صاف ہے) اس لئے کہ گو یہ ناصح نماز کے اندر نہیں بناتا مگر عمل کرنے والا جب اس کی ہدایت پر نماز پڑھتا ہے تو نماز کا ایک ایک رکن جو اندرونِ نماز ادا کرتا ہے معترض کے قول پر یہاں بھی سچا آرہا ہے کہ نماز میں غیر اللہ کا حکم مان رہا ہے ، کیا شرعاً یہ جائز ہے کہ فرائض وامورِ ضروریہ نماز صرف اس وجہ سے ادا نہ کرے کہ غیر نے کہا ہے ۔ قرآن کریم میں تو ہے و اذا قیل لہ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم فحسبہ جہنم ۵ اور جب اسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو اسے گناہ کی ضد چڑھے (گناہ سے ظلم وسرکشی اور نصیحت کی طرف التفات نہ کرنا مراد ہے اخازن) ایسے کو دوزخ کافی ہے قرآنِ کریم میں ہے لم یصروا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون ۵ "دیدہ دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے" قرآنِ کریم تو فرماتا ہے ان الذکری تنفع المؤمنین ۵ "سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے" ، تو فائدہ حاصل کرنا چاہئے نہ کہ فساد ، مُخبر کی خبر تو ذریعہ علم ہے جیسے آنکھ ، کان وغیرہ (دیکھو مقدمۂ ثانیہ) اور جب انسان کو اپنے فرض کا یقین ہوجائے



تو اس کی انجام دہی لازم ہوجاتی ہے (دیکھو مقدمہ تاسعہ) اور یہیں سے یہ بھی واضح ہوا کہ نمازی اگر کسی ایسے ذریعے سے مطلع ہوا جو غیر انسان ہے جیسے ستارہ وغیرہ سے نماز میں ہی سمتِ قبلہ کا علم آنے سے اپنی غلطی پر مطلع ہوا یا آنکھوں سے نظر آیا کہ امام کی مخالفت کر رہا ہے تو پھر بھی اس پر لازم ہے کہ اپنی نماز کی اصلاح کرے اور یہ جائز نہیں کہ اپنی غلطی پر اڑا رہے اس خیال سے کہ چونکہ یہ ذریعے شریکِ نماز نہیں بلکہ اہلِ نماز ہی نہیں لہذا ان سے فائدہ اٹھایا تو نماز فاسد ہوجائے گی ، یہ خیال محض غلط ہے ، شرعاً اس پر لازم ہے کہ

فائدہ اٹھائے اور اصلاح نماز کرے کما مر

عجیب وغریب شبہات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کیا نصوص آیات واحادیث اور تصریحات فقہیہ کے مقابل ایسے شبہات کی کوئی وقعت ہے ؛ ہاں اگر وہ ہدایت تعلیم کیصورت میں ہو تو نمازی کا استفادہ تعلم (پڑھنے) کے رنگ میں ہوگا تو وہ ہمارے فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق مفسد ہے، ہمارے ائمہ نے اسے کلام کا حکم دیا ہے اور کلام کا قلیل وکثیر ہر فرد بحکم شرع مفسد ہے اور یہیں سے واضح ہوا کہ اس قسم کی ہدایت سے استفادہ وہیں مفسد ہوگا جہاں استفادہ پر تکلم مرتب ہو کر تب ہی کلام بنے گا لہذا ہمارے مشائخ عظام نے اس کے جتنے جزئیات ذکر فرمائے وہ تمام کے تمام تلاوت وتکلم کے ہی ہیں چنانچہ فتاوے عالمگیر ص۹۹ جلد۱ میں ہے وان فتح غیر المصلی علی المصلی فاخذ بفتحہ تفسد کذا فی منیۃ المصلی یعنی اگر غیر نمازی نمازی کو جب تلاوت میں بھول گیا ہو لقمہ دے اور صحیح بتائے تو اس لقمہ لینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، بحر الرائق ص۶ جلد۲ میں ہے اعلم ان ھذا کلہ علی قول ابی حنیفۃ ومحمد یعنی یہ حضرات امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالی عنہما کے قول پر ہے۔ بحر الرائق، تبیین الحقائق، ہدایہ وغیرہا میں اس کا نام تعلیم وتعلم رکھا ہے اور کلام الناس کہا ہے۔ ہدایہ ص۱۳۶ جلد۱، فتح القدیر ص۳۴۸ جلد۱، بحر الرائق ص۶ جلد۲، تبیین الحقائق ص۱۵۶ جلد۱ میں ہے والنظم للامام الزیلعی فکان من کلام الناس اور یوں ہی فقہائے کرام نے اس کا نام تلقین وتلقن بھی رکھا ہے اور یہ اس وقت مفسد ہے جب نمازی کو اشتباہ لگے اور صحیح یاد نہ آئے تو غیر بتائے اور اس کے بتانے سے سمجھ کر نمازی پڑھ دے، ورنہ اگر نمازی کو اچھی طرح یاد ہو، یا بھول گیا مگر غیر کے بتانے سے پہلے یا بتانے کے وقت خود بخود یاد آگیا اور صحیح پڑھ لیا، یا خود بخود یاد نہیں آیا اور بتانے سے ہی یاد آیا مگر نہ پڑھا، تو ان سب صورتوں میں حسب تصریحات فقہائے کرام نماز فاسد نہیں ہوتی، بحر الرائق ص۶ جلد۲، در المختار شامی ص۵۸۳ جلد۱، فتاوی عالمگیر ص۹۲ جلد۱ میں ہے والنظم من الھندیۃ ارتج علی الامام ففتح علیہ من لیس فی صلاتہ وتذکر فان اخذ فی التلاوۃ قبل تمام الفتح لم تفسد والا تفسد لان تذکرہ مضاف الی الفتح منحۃ الخالق

صلہ جلد ۲ اس "تذکر" کی شرح میں فرمایا اقول یحتمل ان یکون المراد انہ تذکر بسبب الفتح وان یکون تذکر بنفسہ ولکنہ صادف تذکرہ و فتح من لیس فی صلوٰتہ فی وقت واحد والظاہر الاول لانہ لوکان تذکرہ من نفسہ لایظہر فرق بین اخذہ فی التلاوۃ قبل تمام الفتح او بعدہ ولا یظہر وجہ الفساد لان الفساد لیس بمجرد الفتح وانما ہو بالاخذ بسبب الفتح واذا کان تذکرہ من نفسہ لم یوجد الاخذ بسبب الفتح۔ شامی صـ۵۸۲ جلد ۱ میں "حلیہ" سے ہے ان حصل التذکر والفتح معا لم یکن التذکر ناشئا عن الفتح ولا وجہ لافساد الصلوٰۃ بتاخر شروعہ فی القراءۃ عن تمام الفتح۔ نیز شامی میں ہے والذی ینبغی ان یقال ان حصل التذکر بسبب الفتح تفسد مطلقا ای سواء شرع فی التلاوۃ قبل تمام الفتح او بعدہ لوجود التعلم وان حصل تذکرہ من نفسہ لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقا۔

ان سب عبارات کا حاصل یہ کہ جب خود بخود یاد آجانے پر پڑھے تو نماز فاسد نہیں ہوتی، ہاں لقمہ پورا ہونے کے بعد پڑھنا بظاہر یہ بتاتا ہے کہ لقمہ ہی سے یاد آیا ہے مگر علامہ شامی علیہ الرحمۃ اور صاحب حلیہ کی نظر میں اس ظاہر کا اعتبار نہیں کہ یہ امورِ دیانت سے ہے جن کی بنا حقیقت پر ہوتی ہے اور امورِ قضا سے نہیں جو ظاہر پر مبنی ہوتے ہیں۔ منحۃ الخالق اور ردالمحتار میں فرماتے ہیں وکون

ملہ لایخفی ما فیہ لانہ اذا تذکر بسبب الفتح تفسد صلوٰتہ مطلقا اذا اخذ ولا یظہر ایضا فرق بین اخذہ فی التلاوۃ قبل تمام الفتح او بعدہ فالظاہر وجہ ثالث وہو التذکر مطلقا وجعل الاخذ فی التلاوۃ قبل تمام الفتح امارۃ کون التذکر بنفسہ وبعد التمام امارۃ کونہ من الفتح ۱۲ منہ غفرلہ



الظاهرات حصل بالفتح لا یؤثر بعد تحقق انہ من
نفس لان ذلک من امور الدیانۃ لا القضاء حتی یبنی علی
الظاہر الا تری انہ لو فتح علی غیر امامہ قاصدا
القراءۃ لا التعلیم لا تفسد مع ان ظاہر حالہ التعلیم، عنایہ
شرح ہدایہ ص۳۵۱ جلد ا میں ہے التلقن من غیرہ فی تحصیل ما لیس
بحاصل عندہ یعنی تلقن اس چیز کے حاصل کرنے میں ہوتا ہے جو حاصل (یاد) نہ ہو۔ فتح القدیر
ص۳۵۱ جلد ا میں فرمایا المفسد التلقن المقترن بقول ما تلقنہ
یعنی مفسدِ نماز وہی تلقن ہے جس کے ساتھ تلقن سے حاصل شدہ کلام کا تکلم کرے[1] اور اگر تکلم نہ کرے
تو مفسد کہنا غلط ہے۔

دیکھئے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک نمازی قرآنِ کریم دیکھ کر پڑھے
تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس فساد کی صحیح وجہ یہ ہے کہ یہ تلقن من الغیر
بنتا ہے یعنی اُس سے سمجھ کر پڑھنا ہے جو نماز میں نہیں۔ فتح القدیر ص۳۵۰ جلد ا، بحر الرائق، منحۃ الخالق
ص۱۰ جلد ۲، نور الایضاح، مراقی الفلاح، حاشیہ طحطاوی ص۲۰۲، فتاویٰ ہندیہ ص۵۳ جلد ا، در المختار
شامی ص۴۳۵ جلد ا میں ہے و النظم من المحقق حیث اطلق و تحقیقہ
انہ قیاس قراءۃ ما تعلمہ فی الصلوٰۃ من غیر معلم
حی علیہا من معلم حی بجامع انہ تلقن من خارج و ہو
المناط فی الاصل فقط فان فعل الخارج لا اثر لہ فی
الفساد بل المؤثر فعل من فی الصلوٰۃ و لیس منہ الا التلقن
تو اگر حافظ ہو کہ بلا دیکھے پڑھ سکے پھر دیکھ کر پڑھے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی کہ یہ پڑھنا تلقن پر مبنی نہیں انہیں
کتابوں میں ہے و النظم من البحر ص۱۰ جلد ۲ قال الرازی قول ابی

---

[1] کما یفیدہ الحصر بتعریف المسند باللام وصرح بہ فی صدر الکلام ۱۲ منہ غفرلہ

حنیفۃ محمول علی من لم یحفظ القراٰن ولا یمکنہ ان یقرأ الا من مصحف فاما الحافظ فلا تفسد صلٰوتہ فی قولہم جمیعا و تبعہ علی ذلک السرخسی فی جامع الصغیر علی ما فی النہایۃ وابو نصر الصفار علی ما فی الذخیرۃ معللا بان ھٰذہ القراءۃ مضافۃ الی حفظہ لا الی تلقنہ من المصحف وجزم بہ فی فتح القدیر والنہایۃ والتبیین وھو اوجہ کما لا یخفٰی۔

یونہی لکھی ہوئی عبارت دیکھ کر نمازی سمجھ لے اور زبان سے نہ پڑھے تو نماز بالاتفاق نہیں ٹوٹتی کہ یہ سمجھنا نہ کلام ہے نہ تلقن۔ کنز الدقائق، بحر الرائق ص۱۴ جلد۲ وغیرہا کتب فقہیہ کثیرہ میں ہے والنظم من البحر لان الفساد انما یتعلق فی مثلہ بالقراءۃ و بالنظر مع الفہم لم تحصیل۔ بہرحال اس وشمس کیطرح واضح ہوا کہ جو کلام نمازی کو یاد نہیں۔ اسے غیر نمازی سے سن کر یا لکھے ہوئے دیکھکر دونوں صورتوں میں پڑھنے سے فسادِ نماز کا حکم کتبِ فقہیہ میں ملتا ہے کہ یہ غیر سے تعلم (پڑھنا) اور تلقن (کلام حاصل کر کے بولنا) اور کلام الناس (لوگوں کی کلام یا ان کے ساتھ بات کرنا) ہے اور جن صورتوں میں یوں نہیں، نماز فاسد نہیں ہوتی اور یونہی اخبار و اعلام و تذکیر کی وہ تمام صورتیں جن میں نمازی کو ... علم اور تذکر حاصل ہو جاتے ہیں، جب تک بولتا نہیں، مفسدِ نماز نہیں۔ اس کا آفتاب سے بھی واضح بیان دلائل عامہ و خاصہ سے اسی مقدمہ میں گزر چکا، اور یوں بھی عدمِ فساد واضح کہ ان تمام صورتوں میں غیر کی ہدا... سے افعال و ارکانِ نماز ہی نمازی ادا کرتا ہے جو اصلاح و اتمامِ نماز کے ضروریات ہیں حالانکہ احادیث طیبہ اور تصریحاتِ فقہیہ سے صراحۃً ثابت کہ کئی وہ کام ہیں جو نماز کے اجزاء و ارکان نہیں اور غیر کے کہنے پر نمازی نماز ہی میں کرتا ہے مگر چونکہ ا... سے اصلاحِ نماز مقصود ہوتی ہے یا وہ کام فی نفسہٖ قلیل ہوتے ہیں، ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو ان ...ال کے کرنے سے جو نماز کے اجزاء و ارکان اور ضروریات ہیں، کیوں فاسد ہو؟ و سیجیٔ ...باذنہ تعالٰی بیانہا فی المقدمۃ الاٰتیۃ۔



مقدمہ ثانیہ عشرہ

اجابتِ فعلیہ

اجابتِ فعلیہ (کسی غیر کے کہنے یا آنے وغیرہ کے سبب نمازی کا وہ کام کرنا جو جزءِ نماز نہیں) مفسدِ نماز نہیں جبکہ وہ فعل قلیل ہو یا بغرضِ اصلاحِ نماز ہو۔ اس کی وہ صورتیں جو احادیث وکتبِ فقہیہ میں صراحۃً مذکور ہیں، اس کثرت سے ہیں کہ تمام کا احصاء اس مختصر رسالہ میں ممکن نہیں صرف بطورِ تنبیہ ومثال چند صورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے :

مسئلہ ۱ صحیح بخاری صفحہ ۱۶۴ جلد ۱، صفحہ ۱۶۵ جلد ۱ باب اذا کلم وھو یصلی فاشار بیدہ واستمع " میں ہے کہ حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر سے فارغ ہو کر حضرتِ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دولت سرا میں دو رکعت نماز شروع فرمادی تو حضرتِ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک کنیز[1] کو حکم دیا کہ حضور کے پاس کھڑی ہو کر عرض کریں کہ ام سلمہ عرض کرتی ہیں یارسول اللہ! میں نے آپ سے سنا تھا کہ آپ ان دو رکعتوں سے منع فرمارہے تھے اور اب دیکھتی ہوں کہ خود پڑھ رہے ہیں! تو اگر ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمائیں تو پیچھے ہو جانا ، تو اس کنیز نے ارشاد پر عمل کیا فاشار بیدہ تو حضور پر نور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا۔

مسئلہ ۲ پھر اسی صفحہ میں حضرتِ اسماء رضی اللہ عنہا سے ہے کہ وہ حضرتِ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت حاضر ہوئیں جب وہ کھڑے ہو کر نمازِ کسوف پڑھ رہی تھیں اور صحابہ کرام بھی نماز میں کھڑے تھے تو عرض کی ماشان الناس " لوگوں کا کیا حال ہے ؟" فاشارت برأسھا الی السماء تو ام المؤمنین نے اپنے سر مبارک کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ فرمایا فقلت اٰیۃ تو اس پر سوال کیا کہ کوئی نشان ہے ؟ فاشارت برأسھا ای نعم تو حضرتِ

---

[1] کنیز کو اس لئے حکم دیا کہ خود دیکھو اور خواتین کے ساتھ مصروف تھیں ۱۲ منہ غفرلہ

ام المؤمنین نے اپنے سر مبارک کے ساتھ "ہاں" کا اشارہ فرمایا۔

۳۔ نمازی کو سلام کہا جائے تو ہاتھ کے اشارے سے جواب دے سکتا ہے۔ یہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ بحر الرائق ص۹۰۸ جلد۲ میں ہے فی الفتاوی الظہیریۃ والخلاصۃ وغیرھما لو سلم انسان علی المصلی فاشار الی رد السلام برأسہ او بیدہ او باصبعہ لا تفسد صلاتہ (الی ان قال) ویدل لعدم کونہ مفسدا ما ثبت فی سنن ابی داؤد وصححہ الترمذی عن ابن عمر قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی قباء فصلی فیہ قال فجاءتہ الانصار فسلموا علیہ وھو یصلی الحدیث۔

۴۔ نمازی کے آگے سے کوئی گزرنے لگے تو نمازی اشارے یا تسبیح سے روک سکتا ہے۔ ہدایہ فتح القدیر ص۳۵۶ جلد۱ میں ہے ویدرأ المار اذا لم یکن بین یدیہ سترۃ او مر بینہ وبین السترۃ لقولہ علیہ السلام ادرؤا ما استطعتم ویدرؤ بالاشارۃ کما فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بولدی ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنہم[1]۔



۵۔ نمازی سے دریافت کیا گیا کہ کتنی رکعتیں پڑھ چکے ہو تو انگلیوں کے اشارے سے بتادے کہ دو یا تین پڑھ چکے ہیں تو نماز فاسد نہیں ہوتی، درالمختار شامی ص۶۰۳ جلد۱، غنیۃ المستملی ص۴۲۰ میں ہے والنظم منہا قال لہ ای للمصلی کم صلیتم فاشار الیہ المصلی بیدہ باصبعین منہا الی انہم صلوا رکعتین او بثلاث الی انہم صلوا ثلاثا و نحو ذٰلک لا تفسد صلوتہ لانہ عمل قلیل و نحوہ مروی عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا۔

۶، ۷۔ نمازی سے کوئی چیز طلب کی گئی تو سر کے اشارے کے ساتھ ہاں یا نہیں کہا، یا اسے روپیہ دکھایا گیا

---

[1] عنہم کی ضمیر جمع کا مرجع حضرت ام المؤمنین اور ان کے دونوں بچے ہیں رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ۱۲ منہ غفرلہ

اور کہا گیا کہ آیا کھڑا ہے تو اس نے ہاں یا نہ کا اشارہ کر دیا تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ خلاصۃ الفتاوی ص۱۲۹ جلد۱، بحر الرائق ص۸ جلد۲، درالمختار تحریراً، شامی تقریراً ص۶۰۳ جلد۱، غنیۃ المستملی ص۴۲۱ میں ہے و النظم منها طلب من شيء فأومأ برأسه او عينيه او حاجبيه اي قال نعم او لا فان صلاته لا تفسد بذلك وكذا لو اراه انسان دراهما وقال اجيد هو فأومأ بنعم او لا لعدم العمل الكثير في جميع ذلك۔ نیز غنیہ میں فرمایا وفي الذخيرة ولا بأس بان يتكلم الرجل مع المصلي قال الله تعالى فنادته الملائكة وهو قائم يصلي في المحراب الاية وفي احكام القرآن للحلواني رحمه الله تعالى ولا بأس للمصلي ان يجيب برأسه۔



تو ثابت ہوا کہ ایسی صورتوں میں نماز فاسد نہیں ہوتی مگر بعض مسائل ہیں چونکہ سرسری نظر سے یہ وہم پڑتا ہے کہ یہ بالکل منافی نماز ہے تو بعض حضرات سے قولِ فساد منقول ہو کر منقولِ مذہب سے مصادمت کے سبب مردود ہو چکا مثلاً اشارہ سے جوابِ سلام کے متعلق بعض نے کہا کہ مفسد ہے مگر محققین نے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے مذہب میں مفسد نہیں۔ شامی ص۵۷۶ جلد۱ میں ہے (قوله لا بيده) اي لا يفسد هارد السلام بيده خلافا لمن عزا الى ابي حنيفة انه مفسد فانه لم يعرف نقل من احد من اهل المذهب وانما يذكرون عدم الفساد بلا حكاية خلاف بل صريح كلام الطحاوي ان قول ائمتنا الثلاثة۔ نیز بحر الرائق ص۹ جلد۲ اور شامی ص۵۷۶ جلد۱ میں ہے و النظم له فالحق ان الفساد ليس بثابت في المذهب اور پھر احادیثِ مذکورہ مجوزہ کا ذکر فرمایا، یونہی قنیہ سے درالمختار وغیرہ میں بعض ایسے مسائل مذکور ہیں جن میں فساد کا ذکر ہے حالانکہ احادیث سے ان کی اجازت ہے ان کی تعلیل میں یہ کہا گیا کہ انه امتثال لغير امر الله تعالى (شامی ص۵۳۳ جلد۱) مگر اس کا یوں رد کیا گیا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کا ماننا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی ثم رده بان امتثاله انما هو لامر رسول الله صلى الله عليه وسلم

فلا یضر (شامی ص۵۳۴ جلد۱)، نیز ص۵۸۱ جلد۱ میں ہے المعتمد فیہ عدم الفساد۔

اور اجابتِ قولی یعنی کسی بات کا لفظوں میں جواب دینا، مفسدِ نماز ہے مگر جہاں حدیث پاک سے بغرضِ اصلاحِ نماز اجازت ہے وہاں ہرگز مفسد نہیں ورنہ اصل فساد یہی ہے کہ قرآن کریم اور احادیث طیبہ سے حسبِ تصریحاتِ مذہب کلام کا مفسد ہونا ثابت ہے حتی کہ اگر قرآن کریم کے کلمات یا کلمہ طیبہ یا تسبیح کسی کے جواب میں کہے تو مصرح کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے جبکہ بغرض جواب کہے، ہاں نیتِ جواب نہ ہو تو پھر ان اذکار سے نماز قطعاً فاسد نہیں ہوتی۔ فتاویٰ قاضی خان ص۶۶ میں ہے المصلی اذا اخبر بخبر یسرہ فقال الحمد للہ او اخبر بامر عجیب فقال سبحان اللہ او بخبر یھول فقال لا الٰہ الا اللہ او قال اللہ اکبر ان لم یرد بہ الجواب لم تفسد صلوتہ فی قولھم جمیعا و ان اراد بہ الجواب فسدت صلاتہ فی قول ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالٰی (الی ان قال بعد ذکر جزئیات کثیرۃ) وکذا اذا سمع الاذان فی الصلوۃ فقال المصلی مثل ما قال المؤذن و اراد بہ جواب الاذان تفسد صلاتہ فی قول ابی حنیفۃ۔ اور یونہی دوسری کتبِ مذہب میں ہے یعنی اذکار میں نیت پر مدار ہے۔ اگر بغرضِ جواب بولے تو نماز فاسد، اور اگر ارادہ جواب نہیں تو فاسد نہیں، ہاں وہ کلام جو جنسِ اذکار سے نہیں تو وہ مطلقاً ہی مفسد ہے اور استثنار با جازتِ حدیث کی متعدد صورتیں ہیں، صرف ایک ہی بطورِ مثال مبسوط ص۳۰ جلد۱، بدائع صنائع ص۲۳۵ جلد۱، کبیری ص۴۱۶ سے نقل کی جاتی ہے، کہ نمازی سے کوئی اندر آنے کی اجازت مانگے تو وہ سبحان اللہ کہے اس ارادے سے کہ اس کو اپنے نماز پڑھنے سے مطلع کرے تو نماز فاسد نہیں ہوتی و النظم من البدائع و لو استاذن علی المصلی انسان فسبح و اراد بہ اعلامہ انہ فی الصلوۃ لم یقطع صلاتہ لما روی (الی ان قال) و لان المصلی یحتاج الیہ لصیانۃ صلاتہ الخ۔



تمت المقدمات

تفصیلُ الجواب بعونِ المولٰی الوہاب

بغرضِ ایضاح دو وصلوں پر مشتمل ہے، وصلِ اول اثباتِ جواز میں اور وصلِ دوم میں شبہاتِ عدمِ جواز کا رد

وصلِ اول اثباتِ جواز



سپیکر کے ذریعہ افعالِ امام پر اطلاع پاکر پیروی کرنے والے مقتدیوں کی نمازیں جائز ہیں کسی آیت یا حدیثِ متواتر و مشہور اور خبرِ واحد یا اجماعِ امت یا ائمہ کرام سے اس کی حرمت و ممانعت ثابت نہیں تو بحکم مقدمہ اولیٰ اباحت ثابت ہوئی، جو ناروا بتائے اس پر لازم کہ دلیلِ خاص شرعی لائے (دیکھو مقدمہ ثانیہ) ورنہ احتیاط کا بہانہ نہ بنائے کیونکہ بلا تحقیقِ بالغ و ثبوتِ کامل، حرام و مکروہ کہنا ناروا ہے (دیکھو مقدمہ ثالثہ) بلکہ تفتیش و تحقیق بھی ضروری نہیں کہ ممانعت کا مظنہ قویہ نہیں (مقدمہ رابعہ ملاحظہ ہو) اور صرف یہی نہیں کہ ممانعت ثابت نہیں بلکہ اطلاقِ آیات و احادیث سے روزِ روشن کیطرح جواز بھی ثابت ہے حالانکہ اطلاق بمنزلہ نص ہے (دیکھو مقدمہ خامسہ) حضرتِ رب العالمین کا ارشاد ہے واركعوا مع الراكعين "نماز باجماعت ادا کرو" اور حدیثِ پاک میں ہے انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا ركع فاركعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد واذا سجد فاسجدوا "یعنی امام بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، تو جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع میں ہو جاؤ اور جب سمع الله لمن حمده کہے تو تم اللهم ربنا لك الحمد کہو اور جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو" (رواه مسلم عن ابی هريرة وكذا ائمة الحديث البخاری وغيره فی تصانيفهم عنه وعن غيره من الصحابة الكرام رضی الله عنهم اجمعين بكلمات متقاربات والاحاديث فی الباب كثيرة جدا لاتخفی

علی من خدم کتب الحدیث او رامہا)

یہ آیت و حدیث مطلق ہیں، ان میں یہ قید نہیں کہ امام سے بلا واسطہ سن کر پیروی کرو تو ہم اپنی طرف سے قید نہیں لگا سکتے، ہم کیا، مجتہد یا خبرِ واحد بھی اس سے قاصر ہیں تو بحکمِ آیت و حدیث ان کی نمازیں روا ہیں۔ اور یونہی کریمۂ اقیموا الصلوٰۃ اور حافظوا علی الصلوات (نمازوں کی نگہبانی کرو) وغیر ذٰلک من الآیات والاحادیث کے اطلاقات کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جنسِ ادائے نماز کے وہ افرادِ کثیرہ جو اقامت و محافظتِ صلوٰۃ کے مصداق ہیں، ان سے جس فرد کو چاہے انسان اختیار کر سکتا ہے الا ان یخص دلیل شرعی کما فی المقدمۃ الخامسۃ۔ بلکہ جب تحقیق یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنی گئی آواز امام ہی کی آواز ہے، کوئی غیر آواز نہیں (مقدمہ سابعہ) تو عدمِ جواز کا خیال ہی نہیں کیا جا سکتا ورنہ یہ وہم بھی کیا جا سکتا ہے کہ زید یا عمرو چند مقتدیوں کو بلا اسپیکر نماز پڑھائے تو ان کی نمازیں بھی روا نہ ہوں کہ اطلاقاتِ شرعیہ کے علاوہ کسی دلیلِ خاص سے زید یا عمرو کے نام سے جوازِ امامت کی تصریح نہیں فاللہ المستعان۔

ہاں ہمارے ائمہ کرام نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ براہِ راست امام یا مکبر کی آواز ہی سے مقتدی مطلع ہو کر نماز ادا کرے تو جائز، ورنہ نہیں۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ انتقالاتِ امام کا علم شرطِ اقتدا ہے۔ درالمختار ص۵۱۵ جلد۱، اور شامی ص۵۱۵ جلد۱ میں ہے والنظم من الدر وعلمہ بانتقالات (مقتدی کا امام کے انتقالات کو جاننا) یہ علم اور جاننا اپنے اطلاق سے ہر قسم کے جاننے کو شامل ہے۔ پھر اس کے عموم و اطلاق کی تصریح بھی ہمارے مشائخ کرام سے بصفتِ عموم و اطلاق ثابت ہے فتاوی امام قاضیخان ص۴۵، خلاصۃ الفتاوے ص۱۵۰ جلد۱، غنیۃ المستملی ص۴۸۸، نورالایضاح اور مراقی الفلاح ص۱۸۵، درالمختار ص۵۴۸ جلد۱ش، شامی ص۵۱۵ جلد۱، منحۃ الخالق ص۳۶۳ جلد۱، فتاوی سراجیہ ص۱۶، فتاوی عالمگیر ص۲۶ جلد۱، حموی شرح الاشباہ ص۱۹۶ والنظم لفقیہ النفس ولا یشتبہ حال الامام بسماع او رؤیۃ صح الاقتداء فی قولہم کسی سماع (سننے) یا رؤیت (دیکھنے) کے سبب حالِ امام میں اشتباہ نہ ہو تو سب کے قول میں اقتدا صحیح ہے پھر اس مطلق سماع و رؤیت کا ذکر بھی باعتبارِ غالب ہے ورنہ کسی اور ذریعے سے بھی علم آجائے تو کافی ہے مثلاً جو شخص نابینا اور بہرہ ہو وہ پاس کے مقتدی کی حرکاتِ انتقالیہ سے بذریعۂ قوتِ لامسہ علم حاصل کرتے ہوئے اقتدا کر سکتا ہے





لہذا بدائع صنائع ص۱۴۵ جلد ا میں حضرت ملک العلماء علیہ الرحمۃ نے لفظِ مشاہدہ سے تعبیر فرمایا جو سماع و رؤیت دونوں سے زیادہ عام ہے، فرماتے ہیں وان کان فیہ ثقب لا یمنع مشاھدۃ حال الامام لا یمنع بالاجماع (اگر دیوار میں کوئی سوراخ ہو جو مشاہدۂ حال امام سے مانع ہو تو بالاجماع اقتدار سے مانع نہیں) تو ان نصوصِ فقہیہ میں یہ تینوں لفظ سماع، رؤیت مشاہدہ مطلق ہیں یہ قید نہیں کہ امام سے بالواسطہ سنیں یا دیکھیں، یا مشاہدہ کریں یا بلاواسطہ اور یونہی امام کی قید بھی نہیں بلکہ مکبر یا کسی اور ذریعہ کے مشاہدہ وغیرہ کو بھی شامل ہے پھر لطف یہ کہ یہ تینوں لفظ نکرہ ہیں نفی کے تحت تو حسب القواعد افادۂ استغراق کریں گے یعنی سماع و رؤیت و مشاہدہ کے وہ تمام افراد جن پر یہ مطلق لفظ سچے آتے ہیں، ان کا ایک ایک فرد کافی ہے کہ اصل مقصود انتقالاتِ امام پر مطلع ہونا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان ص۴۵، شامی ص۵۵ جلد ا وغیرہما میں ہے لان الاقتداء متابعۃ و مع الاشتباہ لا یمکنہ المتابعۃ (اس لئے کہ اقتدار پیروی کرنا ہے اور اشتباہ کے ساتھ مقتدی پیروی نہیں کر سکتا) تو صورتِ سوال میں چونکہ سپیکر کے ذریعہ مقتدیوں کو انتقالاتِ امام کا یقینی علم حاصل ہوتا رہتا ہے اور اشتباہ نہیں رہتا (مقدمۂ سابعہ) لہذا اقتدار روا اور نمازیں جائز ہیں۔ یہاں تو امام و مقتدیوں کے درمیان کوئی بڑی دیوار وغیرہ حجاب بھی نہیں ہوتا۔ فقہائے کرام نے تو بڑی دیوار وغیرہ حجاب کی صورت میں بھی یہی حکم فرمایا ہے تو یہاں بطریقِ اولی حکمِ جواز ہوگا۔ پھر ہمارے فقہائے کرام نے یہ بھی تصریح فرمائی کہ حجاب کی صورت میں اگر کسی چھوٹے سے سوراخ کے ذریعہ سماع یا رؤیت ہو جائے تو اقتدار روا ہے اگرچہ وہ سوراخ پنجرہ کی طرح ہو۔ فتاویٰ قاضی خان اور شرح حموی میں ہے وان کان علیہ باب مسدود علیہ نقب صغیر مثل البنجرۃ اور فتاویٰ سراجیہ میں فرمایا ولو کان النقب صغیرا کنقب المنخرۃ (اگرچہ وہ سوراخ ناک کے نتھنے کے برابر چھوٹا ہو) تو لاؤڈ سپیکر پر یہ بھی چسپاں ہے کہ میکروفون پنجرے کی طرح جالی دار ہوتا ہے برقی قوت پہلے اس میں آواز جمع کرتی ہے پھر ناک کے نتھنے کی طرح اس کے چھوٹے سے سوراخ

عہ اذا شاھد مقتد بصیر او سمیع من الثقب حال الامام وحصل بحرکاتہ علم للاصم الاعمی یصدق علیہ انہ مشاھد ۱۲ منہ غفرلہ

سے نکال کر بذریعہ تار سپیکر کے اس بہت چھوٹے سوراخ سے داخل سپیکر کرتے ہوئے نشر کر دیتی ہے بفضلہ تعالیٰ مکبر الصوت کے یہ صریح جزئیے ہیں، ہمارے مشائخ و فقہائے کرام کی عظمت پر گرا میں ان کے ایجاد مکبر الصوت سے صدیوں پہلے وضاحت فرما گئے۔

تنبیہ

یہ اشتباہ کہ شامی ۵۴۳/۱ میں ہے (قولہ بسماع) ای من الامام او المکبر تو معلوم ہوا کہ کتب فقہیہ میں جو سماع منکر ہے اس سے یہی مراد ہے کہ امام یا مکبر سے ہو حالانکہ یہاں سپیکر سے ہے لہذا روا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ سپیکر سے سنی گئی آواز ہے ہی امام کی آواز (دیکھو مقدمہ سالبعہ) تو یہ سماع من الامام ہی بنا جیسے عینک کے ذریعے دیکھنے والا ہی دیکھتا ہے نہ کہ عینک، وہ تو محض ذریعہ ہے۔ اور اگر بالفرض آوازِ امام کی غیر ہو تو پھر بھی اتنا ضرور ماننا پڑتا ہے کہ امام کی آواز سے پیدا ہوتی ہے کہ سپیکر اپنے آپ کبھی نہیں بولتا تو اس تقدیر پر بھی بالواسطہ امام سے سننا پایا گیا اور "من الامام" کا "مِن" ابتدائیہ، واسطے کی نفی نہیں کر سکتا بلکہ لغتِ عربی میں "من ابتدائیہ" دونوں صورتوں میں آ رہا ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، اپنی ہی پیدائش پر نظر کرو قرآنِ کریم فرماتا ہے هو الذی خلقکم من تراب (وہ وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا) حالانکہ ہم آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے اور وہ مٹی سے، تو بالواسطہ ہم بھی مٹی سے بنے، اور یونہی قرآنِ کریم فرماتا ہے یا ایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ (اے لوگو ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تمہیں ایک جان (آدم) سے، حالانکہ مخاطبین اپنے آباء و اجداد کے وسائطِ کثیرہ کے ساتھ حضرت آدم سے پیدا ہوئے ہیں، تو روزِ روشن کی طرح روشن ہوا کہ جس طرح بلاواسطہ پر "من الامام" سچا آتا ہے یونہی ایک یا زیادہ واسطوں کی صورت میں بھی سچا آتا ہے، تو وہ اشتباہ جو محض پادر ہوا تھا ہباءً منثورًا بن گیا وللہ الہادی الحمد وحدہ لا شریک لہ علیٰ ما ہدیٰ

نیز اگر صدا سے انتقالاتِ امام پر مطلع ہو کر نماز پڑھنا روا نہ ہوتا تو اہالیانِ اسلام مسجدوں کے گنبد نہ بناتے اور اس وضع کے محراب بھی نہ ہوتے اور دیواروں کو گونج نہ کرتے کہ یہ تینوں علیحدہ علیحدہ

عہ بالواسطہ اور بلاواسطہ ۱۲ منہ غفرلہ

سبب صدا ہیں حالانکہ مسجدوں میں عموماً اکھٹے پائے جاتے ہیں مگر قدیم ایام سے مسلمانوں کا یہ دستور چلا آتا ہے کہ مسجدوں کے گنبد اور گنبد نما محراب بناتے چلے آتے ہیں اور دیواروں کو تیغ کر کے خوب چکنا بناتے ہیں۔ آج تک کسی نے اس کو بدیں وجہ ناجائز و حرام نہیں بتایا کہ فسادِ نماز کا سبب ہے تو یہ تعامل و توارث قدیمی جواز کا قدیمی اجماعِ عملی ہے اگر ناجائز ہوتا تو ائمہ و مشائخ کرام جو مسجدوں میں ہی دن رات گزارتے اور نمازیں باجماعت پڑھتے پڑھاتے تھے۔ ان کی دور رس نظروں سے نہاں نہ رہتا۔ وہ تو نادر سے نادر صورتوں کے حکم بتا گئے تو اس روز مرہ نظروں اور کانوں کے سامنے پیدا ہونے والی صدا کا یہ حکم ضرور بیان فرماتے، تو معلوم ہوا کہ جائز ہے جسے "بسماع او رؤیۃ" کے اطلاق سے بیان فرما گئے کما مر، بلکہ سجدۂ تلاوت کے عدمِ وجوب کی تصریح مشائخ کرام کر گئے حالانکہ اگر تصریح نہ کرتے تو کوئی بڑا حرج لازم نہ آتا، یہی ہوتا کہ کوئی صدا سے آیتِ سجدہ سنکر سجدہ کر لیتا، حالانکہ سجدہ واجب نہیں تھا تو اس میں کیا حرج؟ اپنے رب کو ہی سجدہ کرتا مگر نماز جائز نہ ہوتی تو اس کے بیان نہ کرنے میں بہت بڑا حرج تھا کہ وہ مسلمان جو صدا کے ذریعے انتقالاتِ امام پر مطلع ہو کر فرض نمازیں ادا کرتے، ان کے فرض ادا نہ ہوتے اور زیر بار رہتے۔ تو جب مشائخ کرام اس حکم کی تصریح کرتے ہیں جس کی تصریح نہ کرنے میں کوئی بڑا حرج نہ تھا تو ان سے یہ کیسے متصور کہ اس حکم کی تصریح نہ کریں جس کی تصریح نہ کرنے پر بہت بڑا حرج مرتب ہوتا ہو تو واضح ہوا کہ ان کا عدمِ جواز کی تصریح نہ کرنا ہی تصریحِ جواز ہے چہ جائیکہ وہ "لسماع" کے اطلاق سے جواز کی تصریح بھی فرما گئے جزاھم ربھم تعالیٰ خیر الجزاء۔

وصلِ دوم شبہاتِ عدمِ جواز کا رد

سائل نے بعض علمائے کرام کا حکمِ فسادِ نماز بوجوہ ذیل بغرضِ طلب جواب نقل کیا: ——————

ما لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے جو آواز سنائی دیتی ہے، نئی آواز ہے اور امام کی آواز نہیں تو یہ من لم یدخل فی الصلوٰۃ کی اقتدا بنی جو مفسدِ نماز ہے

جواب

امام اہلسنت والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تفصیلی بیان مقدمہ سادسہ میں وضاحت گذر چکی کہ جو آواز بھی سنی جاتی ہے وہ پہلی آواز کی کاپی اور نقل ہوتی ہے اور وحدتِ آواز وحدتِ نوعی ہے کہ تمام امثالِ متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے اور یہ بھی اسی بیان میں ہے کہ مثلاً پیٹھوں کی تعداد سے آواز متعدد نہ سمجھی جائے گی، یہ کوئی نہ کہے گا کہ ہزاروں آوازیں تھیں کہ ان ہزاروں اشخاص نے سنیں بلکہ یہی کہیں گے کہ وہی ایک آواز سب کے سننے میں آئی، تو لامحالہ سپیکر سے سنی گئی امثالِ متجددہ میں بھی اسی وحدتِ نوعیہ کے لحاظ سے وہی ایک آواز مانی جائیگی۔ اور یونہی اسی مقدمہ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول کہ صدا عسہ متکلم کی خود اپنی آواز ہوتی ہے، تو اگر بالفرض سپیکر سے سنی گئی آواز صدا ہو تو پھر بھی متکلم ہی کی آواز بنی، تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق کے مطابق سپیکر سے سنی گئی آواز امام ہی کی آواز ہے اس کے متعلق یہ کہنا کہ امام کی آواز نہیں، ہرگز ہرگز صحیح نہیں تو اس کو اقتدائے من لم یدخل فی الصلوٰۃ بنا کر مفسدِ نماز کہنا امام اہل السنت

عسہ شامی ص۴۲۳ جلد اول میں ہے المبلغ اذا قصد التبلیغ فقط خالیا عن قصد الاحرام فلا صلوٰۃ لہ ولا لمن یصلی بتبلیغہ لانہ اقتدی بمن لم یدخل فی الصلوٰۃ یعنی مبلغ (تکبیرات سنانے والا جسے مکبر بھی کہتے ہیں) جس وقت تکبیر تحریمہ صرف مقتدیوں کی اطلاع کے قصد سے کہے اور نماز میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرے تو نہ اس کی اپنی نماز ہے اور نہ اس کی جو اس کی تبلیغ (تکبیرات سنانے) کے ساتھ پڑھ رہا ہے اس لئے کہ اس نے ایسے کی اقتداء کی جو نماز میں داخل نہیں ہوا ۱۲ منہ غفرلہ عسہ اب بفضلہ تعالیٰ خود اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کا "الکشف شافیا" بریلی شریف سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے اس کے ص۳۴ اور ص۳۵ پر صدا پیدا ہونے کی تفصیلی صورتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ بہر حال کچھ سہی اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آوازِ متکلم ہے نیز اسی رسالہ کے ص۶ میں فونوگراف کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں اگر کسی قاری کی تلاوت بھری گئی تو اس میں حقیقۃً قرآن کریم ہی ودیعت ہوا اور اس سے جو سنا جائے گا وہ حقیقۃً اسی قاری کی آواز ہوگی اور اس سے جو ادا ہوا وہ وہی قرآنِ عظیم ہوگا جو اس نے پڑھا۔ پھر ص۸ میں فرمایا حقیقۃً قرآنِ عظیم ہی ہے۔ نیز فرمایا کہ فونو سے جو سنی جاتی ہے وہ بعینہٖ اسی آواز کنندہ کی آواز ہوتی ہے۔ نیز ص۱۲ میں ہے اگر آلاتِ طرب وغیرہا کی آواز ہے تو وہ بھی حقیقۃً وہی آواز ہے۔ اور ص۱۲ میں ہے بالجملہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ فونو سے سنی گئی بعینہٖ وہی طبلہ کی آواز ہے اسی کو شرع نے حرام فرمایا تھا اور اسے خیال و مثال کہنا محض بےاصل خیال تھا اور اسی طرح اس رسالہ میں اور کافی تصریحات ہیں۔ تو جب فونوگراف یا ٹیپ ریکارڈ سے سنی گئی آواز وہی بعینہٖ اصل آواز ہے تو سپیکر سے سنی گئی بطریق اولیٰ وہی اصل آواز ہوگی و ذا اجلی من ان یخفی علی اولی النہی ۱۲ منہ غفرلہ





اعلیحضرت کی تحقیقات کے مطابق غلط در غلط بنا تو ثابت ہوا کہ یہ وجہ نمبرا وجہ نہیں بلکہ شبہ واہیہ ہی ہے ،
یہاں تک حق جواب ادا ہو گیا مگر چونکہ یہ من لم یدخل فی الصلوٰۃ والاجملہ مانعین
حضرات کا مایۂ ناز جزئیہ صریحہ لاؤڈ سپیکر ہے لہذا مناسب کہ اوہام عاطلہ کا خذلانِ محض قدرے وضاحتوں سے
بیان کیا جائے۔

وضاحت نمبرا

اقتدا حقیقی ہو یا صوری صرف اسی کی ہو سکتی ہے جو ارکانِ نماز رکوع ، سجود وغیرہ ادا کر سکتا ہو (دیکھو
مقدمہ عاشرہ میں تعریفِ اقتدار) تو ثابت ہوا کہ لاؤڈ سپیکر کی اقتدا ناممکن ہے تو اس کو اقتدائے من
لم یدخل فی الصلوٰۃ کہنا صحیح نہیں تو جزئیۂ صریحہ کیسے بنا ! اور اس مؤاخذہ کی تو کوئی خاص
ضرورت ہے ہی نہیں کہ اطلاقِ "مَنْ" ذوی العقول پر ہوتا ہے اور لاؤڈ سپیکر عاقل کیا زندہ بھی نہیں۔

وضاحت نمبر۲

یہ مقولہ اقتدائے من لم یدخل فی الصلوٰۃ والامر ے سے قابلِ التفات ہی نہیں
کہ اس کا اطلاق صراحۃً یہ بتاتا ہے کہ جو مقتدی امام کے ساتھ ایک وقت میں تکبیر تحریمہ کہیں ان کی نمازیں جائز
نہیں کہ اس وقت امام پر بھی لم یدخل فی الصلوٰۃ (نماز میں داخل نہیں ہوا) سچا آرہا ہے
کہ وہ نماز میں تکبیر کہتے ہوئے داخل ہو رہا ہے نہ کہ داخل ہو چکا۔ تکبیر تحریمہ شرطِ نماز ہے پوری کرنے کے بعد
داخلِ نماز ہوگا۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے ذکر اسم ربہ فصلّٰی (اپنے رب کا نام ذکر کیا پس نماز
پڑھی) حالانکہ امام کے ساتھ تکبیرِ تحریمہ کہنا ہمارے سب ائمۂ کرام کے نزدیک جائز بلکہ حضرتِ امامِ اعظم کے
نزدیک افضل ہے کما فی اسفار المذھب۔

وضاحت نمبر۳

اور یوں بھی قابلِ التفات نہیں کہ اس اقتدار سے مراد اقتدائے حقیقی ہو تو وہ اس امام کے علاوہ
کسی اور کے ساتھ اگرچہ داخل فی الصلوٰۃ ہو ، ہو سکتی ہی نہیں اور اگر کرے تو نماز ناجائز ہے (دیکھو مقدمہ عاشرہ
میں متابعتِ امام کا بیان) تو تخصیصِ من لم یدخل فی الصلوٰۃ باطل اور استدلال
لاطل ، اور اگر اقتدائے صوری مراد تو حکمِ فسادِ نماز باطل (دیکھو مقدمۂ عاشرہ اور حادیہ عشرہ)

وضاحت نمبر۴

اور یوں بھی قابلِ التفات نہیں کہ خود علامہ شامی کے نزدیک بھی یہ مسلّم نہیں بلکہ وہ تو حموی پھر ابوالسعود صاحبِ حواشی مسکین کیطرف نسبت کرنے کے بعد فرماتے ہیں وقد اشبعنا الکلام علی ھٰذہٖ المسئلۃ فی رسالتنا المسماۃ (تنبیہ ذوی الافہام علیٰ حکم التبلیغ خلف الامام) ھٰذا - یعنی ہم نے اس مسئلہ پر بحث اپنے اس رسالے میں جس کا نام "تنبیہ ذوی الافہام علیٰ احکم التبلیغ خلف الامام" ہے مکمل کی ہے، اس کو پکڑ لو، (اس پر غور کر لو) اور اس رسالہ منسلکۂ مجموعہ رسائلِ ابن عابدین ص۱۴۰ جلدا میں ہے کہ اس اقتدائے من لم یدخل سے مراد اتباع صوت المکبر لا الاقتداء الحقیقی کما توھمہ بعض المتأخرین یعنی مکبر کے آواز کی اتباع (اس کی آواز سن کر اپنے امام کی پیروی کرنی ہے - اور اقتدائے حقیقی مراد نہیں جیسے بعض متأخرین نے توہم کیا - اور چونکہ ایسی اتباع حقیقۃً اپنے امام کی ہی اتباع ہے جو اصلاح ہی اصلاح ہے اور علتِ فساد نہیں (دیکھو مقدمہ تاسعہ اور حادیہ عشرہ) تو علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس افسادِ حموی کی ایک توجیہ احتمالیہ بیان فرماتے ہوئے رد فرماتے ہیں والظاھر ان علۃ فساد من یصلی بتبلیغہ اجابتہ لغیر المصلی (اور ظاہر یہ ہے کہ اس کی تبلیغ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نماز فاسد ہونے کی علت نمازی کا غیر نمازی کو جواب دینا ہے یعنی غیر نمازی کے کہے پر افعالِ نماز کا ادا کرنا ویمکن ان یکون المراد بالاقتداء ذٰلک یعنی ممکن ہے کہ اس اقتدار سے مراد یہ (اجابتِ غیر مصلی) ہو، بعد ازاں بحر الرائق سے اجابتِ قولیہ کے مفسد ہونے کے تین جزئیے نقل کئے۔ پھر قہستانی وغیرہ سے کچھ نقل کئے جن میں اجابتِ فعلیہ بالرأس والید کا مفسد ہونا بھی مذکور ہے، بعد ازاں فرمایا والمصرح بہ ان الاجابۃ بالرأس لاباس بہا یعنی ہماری کتبِ معتمدہ میں بالتصریح یہ ہے کہ اجابتِ بالرأس میں کوئی ڈر نہیں ولم ار من صرح بخصوص مسألتنا سوی ما مر عن الحموی یعنی میں نے اس مسئلۂ اقتدائے من لم یدخل فی الصلوۃ

عہ اپنے امام کی قید اس لئے کہ اگر مکبر کی اتباعِ حقیقی ہو تو وہ اقتدائے حقیقی ہے اسی کو توہم بتاتے ہوئے نفی کر رہے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

کی تصریحِ خاص منقول حموی کے علاوہ کسی سے نہیں دیکھی وھذا الفرع اشبہ بھا من غیرہ
لان الاجابۃ فیھا بالفعل یعنی یہ فرع (جزئیہ) اجابت بالرأس جس کا کوئی ذکر نہیں مسئلہ اقتدائے
من لم یدخل فی الصلٰوۃ کے ساتھ دوسرے جزئیات (اجابتِ قولیہ کے) سے زیادہ مشابہ ہے
کیونکہ ان دونوں میں اجابت بالفعل ہے تو علامہ شامی کے اس بیان سے ماہِ نیم ماہ کی طرح واضح ہوا کہ یہ
مسئلہ فسادِ نماز باقتدائے من لم یدخل فی الصلٰوۃ باطل و بے جا ہے۔ اس میں کوئی
علتِ فساد اجابتِ غیر نمازی کے علاوہ نظر نہیں آتی حالانکہ اجابتِ فعلیہ کے ساتھ نماز فاسد نہیں ہوتی اور
یہ مسئلہ اسی کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے کہ یہاں بھی اجابت بالفعل ہے تو اسی پر قیاس چاہیے اور حکمِ عدمِ
فساد چاہیے اور چونکہ اس مسئلہ کی تصریح کسی سے نظر نہیں آئی تو یہی حکم چاہیے کہ غیر منصوص کا حکم منصوص سے
لیا جاتا ہے اور حموی وغزی بہت متاخر ہیں تو صرف ان کا قول قابلِ اعتماد نہیں۔ پھر ردالمحتار میں بھی جو
اس رسالہ کے بعد کی تصنیف ہے کسی تصریح ملنے کا ذکر نہیں۔ صرف محشی مسکین کی تقریر ذکر کی جو حموی سے
بھی متاخر ہیں اور اسی رسالہ کیطرف متوجہ ہونے کا حکم فرمایا کہ اس میں اس کو رد کر چکے ہیں۔



تعجب ہے کہ مانعین حضرات حسبِ ہدایتِ شامی تکمیل بحث پر غور نہیں کرتے اور قول مردود سے
استدلال کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے رسائل ص۱۳ جلد ا میں فرماتے ہیں کہ کبھی یوں اتفاق بن جاتا ہے کہ متاخرین
کی بہت قریب کتابوں میں کوئی قول نقل ہو جاتا ہے جو غلط ہوتا ہے، کسی ایک صاحب کی غلطی ہوتی
ہے اور پچھلے نقل در نقل کرتے چلے جاتے ہیں، چنانچہ کئی مسائل میں یہ واقع ہوا۔ پھر اس کی نظیریں ذکر کرتے
کرتے ص۱۵ میں فرمایا ولھذا الذی ذکرناہ نظائر کثیرۃ اتفق فیھا
صاحب البحر والنھر والمنح والدر المختار وغیرھم
وھی سھو منشأھا الخطأ فی النقل او سبق النظر یعنی یہ جو ہم نے ذکر
کیا اس کی بہت نظیریں ہیں جن میں بحرالرائق، نہرالفائق، منح الغفار، درالمختار کے مصنفین وغیرہم
نے اتفاق کیا حالانکہ وہ ہیں سہو (بھول) جن کا منشا نقل میں غلطی ہے یا سبقتِ نظر۔ اور یونہی فتاوی
رضویہ ص۳۰۳ جلد ا میں بحرالرائق سے ہے ما نصہ۔ ھذا الموضع مما اخطأوا
فیہ (الی ان ذکر) وانا متعجب لکونھم تداولوا ھٰذہ العبارات متونا
وشروحا وفتاوی وقد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیئا خطأ

فیأتی من بعدہ فینقلون تلك العبارۃ من غیر تغییر ولا تغییر فیکثر الناقلون واصلہ لواحد مخطئ اور یہی وجہ ہے کہ فتاوٰے رضویہ مبارکہ میں معروضات وتطفلات بکثرت ہیں حتی کہ صرف پہلی ہی جلد میں ایک ہزار نو سو پینتالیس ہیں، فافھم و لا تکن من الغافلین۔

وضاحت نمبر ۵

تعجب ہے کہ وہی صاحب جنہیں سائل نے ایک بہت بڑے عالم کا لقب دیا ہے اپنے مطبوعہ فتاوٰی میں صاف صاف یہ تصریح کرتے ہیں کہ لاؤڈسپیکر میں سنی گئی آواز بعینہٖ امام ہی کی آواز ہوتی ہے مگر پھر فرماتے ہیں کہ چونکہ لاؤڈسپیکر قصدِ ذکر نہیں کرتا اور نماز میں داخل نہیں ہوتا لہٰذا یہ اس کی اقتدا بنی جو نماز میں داخل نہیں تو نماز جائز نہیں، جب تسلیم کرلیا کہ امام ہی کی آواز ہے اور نیت بھی امام کی اقتدا ہی کی ہوتی ہے تو لاؤڈسپیکر کی اقتدا کیوں بنی؟ اگر یونہی اقتدا بن جاتی ہے تو کیا وہ مقتدی جو بیرونِ مسجد ہوں اور مسجد کے دروازے یا کسی روشندان سے آوازِ امام سنیں تو وہ دروازہ یا روشندان کے مقتدی بن جائیں گے؟ بلکہ اس سے تو لازم کہ کسی مقتدی کی نماز جائز ہی نہ ہو اگرچہ امام کی آواز بلا واسطہ ہی سن رہا ہو کہ امام کی آواز بھی یقیناً امام کی غیر ہے اور اہلیتِ قصدِ ذکر و دخول فی الصلوٰۃ بھی نہیں رکھتی، اور جب یہ سن کر نماز پڑھ رہا ہے تو یہ آواز کی اقتدا بنی اور نماز نہ ہوئی، اور یونہی دیکھ کر پڑھے تو پھر بھی چونکہ امام کے لباس پر نظر پڑ رہی ہے یا جسم امام کا بعض حصہ دیکھ رہا ہے جو قاصدِ ذکر نہیں تو نماز نہ ہوئی و اللوازم باطلۃ فالملزوم مثلھا۔



وضاحت نمبر ۶

مقدماتِ مذکورہ سے واضح ہوچکا کہ بلانیتِ اقتدار، اقتدار نہیں پائی جاتی اور بلانیتِ اجابت اجابت نہیں بنتی اور یہ بھی اظہر من الشمس کہ کوئی مقتدی لاؤڈسپیکر کی اقتدا و اجابت کی نیت نہیں کرتا تو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ یہ اقتدائے من لم یدخل فی الصلوٰۃ ہے؟ فقہائے کرام تو فرماتے ہیں یجب حمل افعال المؤمنین علی الصلاح کہ مسلمانوں کے اعمال درست ہونے پر محمول کئے جائیں مگر یہاں ان اعمال کو جو درست ہیں الٹے غلط بتایا جاتا ہے! فیاللعجب!

۲۔ دوسری وجہ فساد سائل نے یہ نقل کی کہ یہ تلقن من الخارج بنتا ہے یعنی جو نماز میں نہیں اس سے



افعال نماز کی ادائیگی میں استفادہ ہے اور یہ بھی مفسد ہے۔

جواب : ایسا تلقن و استفادہ مفسد نہیں (دیکھو مقدمۂ حادیہ عشرہ)

۳ تیسری وجہِ فساد یہ ذکر کی کہ صدا سے سجدۂ تلاوت کی آیت سنی جائے تو سامع پر سجدہ لازم نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ ان مقتدیوں کی نمازیں فاسد ہیں۔

جواب : یہ کیسے معلوم ہوا ؟ اور یہ کس نے کہا کہ جس چیز سے سجدۂ تلاوت لازم نہ ہو وہ اقتدار میں کار آمد نہیں، دیکھئے کسی کو سجدۂ تلاوت کرتے ہوئے دیکھنے سے سجدہ لازم نہیں ہو جاتا حالانکہ دیکھنے سے اقتدار روا ہے بسماع او رؤیۃ، سن چکے۔ اگر یہی قاعدہ ہے تو لازم کہ مکبر کی تکبیرات سن کر بھی اقتدار روا نہ ہو کہ مکبر مقتدی ہی ہوتا ہے اور ہمارے امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بروایاتِ ظاہرہ یقیناً ثابت اور تمام کتبِ فقہیہ میں منصوص کہ مقتدی آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو اس کے سماع سے امام و مقتدی، کوئی بھی سجدہ نہ کرے، نہ نماز میں اور نہ فارغ ہونے پر۔ جامع صغیر ص۱۶، جامع کبیر ص۵ میں ہے والنظم من الصغیر محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رحمهم الله تعالیٰ فی رجل قرأ سجدة خلف الامام قال لایسجدها الامام و لاهو ولا احد من القوم ولا اذا فرغوا۔ اور لطف یہ کہ اس مسئلہ میں لایسجدھا صیغۂ نہی ہے جو نفی جواز کا افادہ کرتا ہے اور مسئلۂ صدا میں (جو صرف بعض مشائخ نے ہی بیان فرمایا اور ہمارے ائمہ سے منقول دکھائی نہیں دیتا) لایجب آیا ہے جو جواز کی نفی نہیں کرتا بلکہ حسب القواعد مفید جواز ہے، جب وہ حضرات مسئلۂ صدا سے جو مفیدِ جوازِ سجدہ ہے[عہ] اور محض وجوب کی نفی کرتا ہے، اقتدار کا عدمِ جواز ثابت کر رہے ہیں تو اس مسئلۂ ظاہر الروایۃ یعنی مقتدی سے آیتِ سجدہ سننے پر عدمِ جوازِ سجدہ سے اقتدار کا عدمِ جواز کیوں ثابت نہیں کرتے؟ حالانکہ یہ ان کے قول پر بطریق اولیٰ ثابت ہونا چاہئے تو صرف لاؤڈ سپیکر کی صورت میں ہی عدمِ جواز کے کیوں قائل ہیں، مکبر کی صورت میں

[عہ] ہمارے نزدیک دوسرے مذہب کی رعایت جبکہ اپنے مذہب کا خلاف نہ ہوتا ہو مستحب ہے لہذا جس صورت میں ہمارے مذہب میں سجدۂ تلاوت واجب نہ ہو حالانکہ کسی اور امام کے نزدیک اس صورت میں سجدہ ہو تو ہمیں ادا کرنا اس قاعدہ کی بنا پر جائز و مستحب ہے تو معلوم ہوا کہ ہمارے مذہب میں فی الجملہ سجدۂ تلاوت جواز و استحباب کی صورت میں بھی ادا ہو سکتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

بھی یونہی کہیں بلکہ اگر اسی مسئلہ صدا پر ہی قیاس کرنا ہے تو وہ تو مفیدِ جواز ہے کہ وجوب خاص اور جواز عام ہے اور ارتفاعِ خاص ارتفاعِ عام کا مستلزم نہیں، انسانیت کا انتفا حیوانیت کی نفی نہیں اور بحکم مفہومِ مخالف (جو حسبِ تصریحاتِ مذہبیہ روایات میں معتبر ہے) جواز مستفاد ہے اور جب مقیس علیہ میں جواز ثابت ہوا تو مقیس میں بھی ثابت ہوگا تو معلوم ہوا کہ مانعین حضرات کا یہ استدلال صحیح نہیں اور یونہی یہ بھی کتبِ معتمدۂ فقہیہ سے ثابت کہ حائض و نفساء جنب و محدِث، مجنون و صبی، نائم و سکران بلکہ کافر بھی آیت سجدہ تلاوت کرے تو سننے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے حالانکہ یہ مکبر نہیں بن سکتے بلکہ صبی کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی اپنے ان حالات میں نماز ہی نہیں پڑھ سکتا، تو معلوم ہوا کہ وجوداً وعدماً کسی طرح بھی مسئلۂ تلاوتِ سجدہ، اقتداء کا مقیس علیہ نہیں بن سکتا۔ پھر چونکہ سجدۂ تلاوت میں سامع پر قبل از سماع وجوب نہیں بلکہ سماع ہی سببِ وجوب بنتا ہے اور مقتدی پر قبل از سماعِ تکبیرات مکبر امام کی متابعت بوجہ اقتداء لازم ہے لہذا سجدۂ تلاوت میں سبب قوی کی ضرورت کہ موجب بن سکے اور اقتداء کی صورت میں صرف اطلاع کی حاجت ہے کہ انتقالاتِ امام پر واقف ہو کر پہلے سے لازم شدہ افعال ادا کر سکے تو قوتِ موجبہ کی ضرورت نہیں اور صدا کا اداتے امام کی اطلاع بننا اظہر من الشمس ہے اس کا منکر اگر معاند نہیں تو مجنون سے بہترین کسی لقب کا مستحق نہیں، تو ثابت ہوا کہ مسئلۂ مذکورہ تلاوتِ سجدہ، کسی طرح بھی مقیاس نہیں بن سکتا۔

۴ سائل نے یہ بھی نقل کیا کہ اگر امام ہی کی آواز ہو تو پھر بھی چونکہ اس میں جہرِ مفرط (زیادہ بلند کرنا) پایا جاتا ہے جو مفسدِ نماز ہے لہذا نمازیں نہ ہوئیں اور لاؤڈ سپیکر کا استعمال نماز میں حرام؟ جو کرے اس پر توبہ فرض ہے۔

جواب: یہ کس نے کہا کہ جہرِ مفرط مفسد ہے؟ جہر مطلقاً واجباتِ نماز میں داخل ہے متون شروح و فتاوے و حواشیٔ مذہبِ مہذب میں مطلق جہر کا ذکر ہے اور یونہی احادیث سے بلکہ اس آیت سے بھی جسے مانعین حضرات عدمِ جواز کی مایہ ناز دلیل تصور کیے ہوئے ہیں مطلق جہر ثابت ہے حالانکہ اطلاقِ مطلق بمنزلہ نص ہے، تو جہر کے تمام افراد بمع جہرِ مفرط مشروع و جائز ہوئے تو جہرِ مفرط کو مفسد کہنا صحیح نہیں الا ان یشتمل علیٰ مفسد لا یوجد فی محل النزاع

اس کا بیانِ تفصیلی ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیں جہاں آفتابِ جہاں تاب سے بھی زیادہ روشن



کیا گیا ہے کہ وہ آیت لا تجھر بصلوتك ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلك سبیلاً عدم جواز کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ دلیلِ جواز ہے، نہیں نہیں! صرف جواز نہیں بلکہ وہ جواز جو صورتِ واجب میں پایا جاتا ہے فانظر تریٰ عجبا۔ ہاں وہ جو فتح القدیر ص۳۲۲ جلد۱ میں اپنے شہروں اور زمانے کے مکبرین (امام کی تکبیرات سنانیوالوں) کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کا اس خصوصی انداز سے (تکبیرات سناتے ہوئے) آواز بلند کرنا جس کا یہ لوگ دستور بنا چکے ہیں، اس کا مفسد ہونا بعید نہیں بلکہ ان کی بلند تکبیریں غالباً ہمزہ "اللہ" یا ہمزہ "اکبر" یا بائے "اکبر" کی مدوں (جس سے الف پیدا ہو جاتا ہے اور معنی سخت ترین غلط بن جاتا ہے) پر مشتمل ہو جاتی ہیں حالانکہ یہ مفسدِ نماز ہے۔ اور اگر ان مدوں پر مشتمل نہ ہوں تو اس لیے مفسد ہونا بعید نہیں کہ وہ حاجت سے زیادہ چلانے میں مبالغہ کرتے اور گانے کی صاف ادائیگی کے اشتغال میں مبالغہ کرتے ہیں، اقامتِ عبادت کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ صناعتِ نغمیہ کے لیے، حالانکہ ایسا چلانا اس کلام کا حکم رکھتا ہے جس پر وہ دلالت کرتا ہے پھر (بیانِ وجہ افسادِ نماز کے بعد) فرمایا اور یہاں یقیناً معلوم ہے کہ ایسے چلانے اور راگ وگانے میں مبالغہ کرنے والے مکبر کا قصد اس اندازِ ادا سے لوگوں کو خوش کرنا اور تعجب میں ڈالنا ہوتا ہے حالانکہ اگر یہ کہہ دے کہ میرے حسنِ صوت اور صفائیٔ ادا سے خوش ہو اور تعجب کرو، تو نماز فاسد کر بیٹھتا ہے (تو یہاں بھی فاسد ہونی چاہیئے) اور ایسی غلط ادا سے زائد حرفوں کا حاصل ہو جانا (جو معنی بگاڑ دیتے ہیں) لازم ہے (جیسے پہلے بیان فرمایا کہ ہمزہ اللہ یا ہمزہ اکبر یا باء اکبر کی مد پر مشتمل ہوتی ہیں جو مفسد ہے)

نص اما خصوص ھٰذا الذی تعارفوہ فی ھٰذہ البلاد فلا یبعد انہ مفسد فانہ غالبا یشتمل علیٰ مد ھمزۃ اللہ او اکبر او بائہ وذٰلك مفسد وان لم یشتمل فلانھم یبالغون فی الصیاح زیادۃً علیٰ حاجۃ الابلاغ والاشتغال بتحریرات النغم اظھارا للصناعۃ النغمیۃ لا اقامۃ للعبادۃ والصیاح ملحق بالکلام الذی بساطہ ذلك الصیاح (الی ان قال) وھنا معلوم ان قصدہ اعجاب الناس بہ ولو قال اعجبوا من حسن صوتی وتحریری فیہ افسد وحصول





الحروف لانہ من التلحین الخ

اس بیانِ فیض توأمان کو منحۃ الخالق وغیرہ میں نقل کر کے برقرار رکھا ، تو اس سے مطلقاً جہرِ مفرط (زیادہ بلند پڑھنے) کا مفسد ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔ حضرتِ محقق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صرف اس خصوصی رواجِ زمانہ کے مطابق بہت زیادہ چلا کر راگ سے پڑھنے کو مفسد فرماتے ہیں جو لوگوں کو خوش کرنے کی نیت سے بلا قصدِ عبادت ہو (کہ حسب القواعد ایسی نیت سے پڑھنا یوں کہنا ہے کہ میری اچھی آواز سے خوش ہو اور یہ مفسد ہے) اور وہ ایسا چلانا ہے کہ جس میں حرف زائد پیدا ہو جاتے ہیں جو معنی بگاڑ دیتے ہیں۔

حاصل یہ کہ مکبرین کا زیادہ چلا کر پڑھنا دو وجہ سے مفسد ہے ، ایک تو زیادہ چلانے کے سبب زائد حرفوں کا پیدا ہو کر معنیٰ بگاڑ دینا اور دوسری وجہ لوگوں کے خوش کرنے کی نیت سے راگ میں پڑھنا رسائلِ علامہ شامی ص ۱۴۶ جلد ا میں ہے فحاصل کلام المحقق ان الاشتغال بتحریر النغم والتلحین والصیاح الزائد علی قدر الحاجۃ لا لقصد القربۃ بل لیعجب الناس من حسن صوتہ ونغمہ مفسد من وجہین الاول ما یلزم من التلحین من حصول الحرف المفسد غالبا والثانی عدم قصد اقامۃ العبادۃ الخ نیز اسی صفحہ میں یہ بھی فرمایا کہ ان المحقق لم یجعل مبنی الفساد مجرد الرفع بل زیادۃ الرفع الملحق بالصیاح المشتمل علی النغم مع قصد اظہارہ لذلک والاعراض عن اقامۃ العبادۃ۔ اور یونہی منحۃ الخالق ص ۳۶۲ جلد ا اور ردالمحتار ص ۵۵۱ جلد ا میں بھی فرمایا ، تو اظہر من الشمس ہوا کہ اس بیان سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہو سکتا کہ صرف جہرِ مفرط (زیادہ بلند آواز سے پڑھنا) مفسد ہے ایسا سمجھنا محض غلط ہے اور کسی نے یوں سمجھا بھی نہیں ، صرف سید احمد حموی (جن سے اقتدائے من لم یدخل فی الصلوۃ والاجزئیۃ مستخرجہ ہے) نے یوں سمجھ کر محقق علیہ الرحمۃ پر یہ اعتراض کر دیا کہ جہرِ مفرط کو کیوں مفسد فرماتے ہیں وہ تو مفسد نہیں۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے نہایت زوردار الفاظ میں حموی علیہ الرحمۃ کا رد کیا کہ محقق علیہ الرحمۃ کی قطعاً یہ مراد نہیں کہ نفسِ جہرِ مفرط مفسد ہے



رد المحتار، منحۃ الخالق، رسائل میں فرمایا «والنظم منہ» اقول فیہ نظر لان الکمال لم یجعل الفساد مبنیا علی مجرد الرفع الخ نیز رسائل میں فرمایا فقول المحقق و الصیاح ملحق بالکلام ای الصیاح المشتمل علی ما ذکر بدلیل سوابق الکلام و لواحقہ و بدلیل قولہ وھنا معلوم ان قصدہ اعجاب الناس بہ الی اخرہ - اذلا اعجاب فی مجرد الصیاح الخالی عما ذکر فتعین ان المراد بالصیاح ما ذکر کما لا یخفی نیز رد المحتار میں فرمایا لاشک انہ اذا لم یقصد الذکر بالغ فی الصیاح لاجل تحریر النغم والاعجاب بذلک یکون قد افاد بہ معنی لیس من اعمال الصلوٰۃ۔



تو روز روشن کیطرح واضح ہوا کہ مجرد جہر مفرط مفسد نہیں اور نہ ہی فتح القدیر میں اس کو مفسد بنایا گیا بلکہ بنائے فساد وہی دو وجہیں ہیں جو درمیانی یا آہستہ آواز میں بھی پائی جائیں تو فاسد کر دیتی ہیں اور وہ دونوں وجہیں لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز میں جبکہ امام صحیح پڑھ رہا ہو اور نیت بھی صحیح ہو، ہرگز ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ اور اگر امام کا پڑھنا ان مفسدہ وجہوں پر مشتمل ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اگرچہ لاؤڈ سپیکر نہ ہو، لاؤڈ سپیکر تو مکبر الصوت ہے یعنی آواز کو بلند کرنے والا ہے، صحیح ہو تو صحیح کو بلند کر دیتا ہے اور غلط ہو تو غلط کو بلند کر دیتا ہے اور یہ نہیں کہ غلط کو صحیح یا صحیح کو غلط بنا دے ورنہ وعظ و اذان و تلاوت میں بھی جائز الاستعمال نہ ہوتا۔ کیا وعظ و اذان و تلاوت میں لوگوں کے خوش کرنے کی نیت اور عبادت سے اعراض کرتے ہوئے راگ اور گانے کے رنگ میں چلا چلا کر آیات و احادیث میں حروف اور مدیں بڑھا بڑھا کر معانی بگاڑ دینے جائز ہیں؟ ایسا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں اور نہ ہی سننا جائز ہے۔ خلاصۃ الفتاوٰے ص۴۹ جلد۱، تبیین الحقائق ص۱۰۹ جلد۱، مجمع الانہر ص۷۶ جلد۱، طحطاوی علی المراقی ص۱۱۴، درالمختار شامی ص۳۵۹ جلد۱، بحر الرائق ص۲۵۶ جلد۱، فتح القدیر ص۲۱۷ جلد۱ میں ہے و النظم منہ فظھر من ھذا ان التلحین ھو اخراج الحرف عما یجوز لہ فی الاداء و ھو صریح فی کلام الامام احمد فانہ سئل عنہ فی القراءۃ فمنعہ فقیل لہ لمہ قال ما اسمک قال محمد



قال لہ ایعجبک ان یقال لک یاموحامد قالوا واذا کان لم یحل فی الاذان ففی القراءۃ اولی وحینئذٍ لایحل سماعہا ایضًا۔

اس کا خلاصہ یہ کہ حرف کو اس کی جائز صفتِ ادا سے نکال دینے کا نام تلحین ہے جو اذان میں حلال نہیں" حضرت امام احمد بن حنبل کی کلام سے یہ معنیٰ صراحۃً مستفاد ہے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ تلاوت میں تلحین کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے اسے منع فرمایا، تو عرض کی گئی کہ کیوں؟ فرمایا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا محمد! تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہیں یاموحامد کہا جائے (تلحین سے) فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ تلحین جب اذان میں حلال نہیں تو تلاوتِ قرآنِ کریم میں بطریقِ اولیٰ حرام ہوگی اور جب حرام ہے تو اس کا سننا بھی حرام ہوگا۔ تو آفتابِ جہاں تاب کی طرح تاباں ہوا کہ جب امام صحیح پڑھ رہا ہو (اگرچہ بلند آواز سے) تو نماز بلاکراہت جائز ہے۔ اور لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے یہ جائز ناجائز نہیں بنتا، چہ جائیکہ امام پڑھ ہی درمیانی آواز سے رہا ہو، تو ثابت ہوا کہ مانعین حضرات کا یہ استدلال بھی محض بادِ ہوا اور ہباءً منثورًا ہی ہے۔ پھر تعجب در تعجب یہ کہ اگر یہ استدلال صحیح ہوتا تو اس کی زد براہِ راست مکبر کے کھڑے کرنے پر پڑتی کہ وہی مکبرین ہی تو موضوعِ مسئلہ فتح القدیر ہیں۔ اور ان کی غلط کاریاں اور بے اعتدالیاں صرف چند مرتبہ ہی نہیں بلکہ وہ تو ان کا دستور و رواج ساتویں صدی ہجری (جو حضرتِ محقق مصنفِ فتح القدیر کا زمانہ ہے) میں ہی بن چکا تھا جو تیرھویں صدی (زمانۂ شامی) بلکہ چودھویں صدی (زمانۂ مجددِ مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تک مکبرین کا غلط دستور چلا آیا ہے حالانکہ مانعین حضرات کے نزدیک مطلقاً مکبر کھڑے کرنے ممنوع نہیں بلکہ جب ریا و تلحین وغیرہ مفاسد سے بچیں تو ان کے نزدیک بھی جائز ہیں، تو انصاف یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر کی صورت میں بھی وہ مفاسد نہ پائے جائیں تو جواز برقرار رہے کما لایخفی علی اولی النہی۔

رہا ایسے مفاسد بھرے دستور و رواج بن جانے کا ثبوت تو صاحبِ فتح القدیر سے ابھی ابھی گزر چکا کہ ان کے زمانے میں شہروں میں مکبرین ایسا دستور بنا چکے تھے۔ اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے رسائل کے ص۱۴۲ جلد ۱ سے ص۱۴۹ جلد ۱ تک ان کے کئی مفاسد نام بنام ذکر کرنے کے بعد ان مکبرین کی بکثرت قباحتوں کا اجمالی بیان کیا جو عین نماز میں کیا کرتے ہیں اور رواج بنا چکے ہیں، اول کلام میں فرماتے ہیں





فلابد معه من اجتناب ما احدث جهلة المبلغين الذين استولت عليهم الشياطين من منكرات ابتدعوها ومحدثات اخترعوها لكثرة جهلهم و قلة عقلهم و عدم اعتنائهم باحكام ربهم و بعدهم عما هو سبب قربهم وانهماكهم فی تحصیل حطام الدنیا و ترک التعلم الموصل الی الدرجات العلی۔ اور آخر میں فرماتے ہیں وهذا الذی ذکرناه من المنکرات التی یفعل المبلغون نبذة من قبائحهم التی تعارفوها فی نفس الصلوٰة۔

ان سب کا حاصل یہ کہ ایسے بے علم مکبرین جن پر شیطان غالب ہو چکے ہیں، اور بڑے جہالت اور تھوڑے عقل والے ہیں، جو اپنے رب کے حکموں کی پرواہ نہیں کرتے، ان کی بدعتوں سے بچنا ضروری ہے، اور یہ چند بری باتیں جو ان کی ذکر کی گئی ہیں، تھوڑا سا حصہ ہیں ان کی ان قباحتوں سے جنکو نفسِ نماز میں وہ دستور اور رواج بنا چکے ہیں۔ اور فتاویٰ رضویہ شریف ص۴۹۲ جلد ۲، احکامِ شریعت ص۱۳۳ جلد ۲ میں امام اہل سنت و الجماعت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں" مؤذن نماز میں امام کی تکبیر پہنچانے کو جس وضع سے تکبیر کہتے ہیں اسے کون عالم جائز کہہ سکتا ہے؟ مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علماء کا کیا اختیار؟ علماء کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر درکنار، اس طرح تو ان کی نمازوں کی بھی خیر نہیں۔ دیکھو فتح القدیر ص۲۶۳ جلد ا، ص۲۶۳، درالمختار و ردالمحتار ص۶۱۵، خود مفتیٔ مدینہ منورہ علامہ سید احمد اسعد حسینی مدنی تلمیذ علامہ صاحب مجمع الانہر رحمہا اللہ تعالیٰ نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبروں کی سخت بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں دیکھو فتاویٰ اسعدیہ ص۵ جلد ا۔ آخر میں فرمایا اما حرکات المکبرین وصنعهم فانا ابرأ الی الله تعالیٰ منه الخ

بفضلہٖ و کرمہٖ تعالیٰ ثابت ہوا کہ مانعین حضرات کی وہ تمام دلیلیں جو سائل نے نقل کی ہیں، تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور و ناتواں ہیں حالانکہ دلائل وصلِ اول سے "فتاب جواز کی ضیا پاشیاں تمام اوہام خام اور خیالاتِ ناتمام کی تمام اندھیریوں کو نیست و نابود بنا رہی ہیں، تو امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ صورت مذکورہ میں نمازیں جائز ہیں اور استعمالِ اسپیکر حرام نہیں تو توبہ کرنی بھی فرض نہیں بلکہ ہو سکتی ہی نہیں کہ



توبہ ناجائز سے ہوا کرتی ہے نہ کہ جائز سے۔ مانعین حضرات کی یہ جرأتیں سخت بیجا ہیں، ایسے دلائل سے حرام کہنا قطعاً جائز نہیں۔ دیکھو مقدمات نمبر ۱، ۲۰، ۳۱، ۴۴۔

اصولِ فقہ حنفی سے روزِ روشن کی طرح نمایاں کہ فرض و حرام ایسی آیت یا حدیثِ متواتر سے ثابت ہوتے ہیں جو اپنے معنی پر یقینی طور دلالت کریں، طلبِ جازم کے ساتھ تبرکاً، فتاوی رضویہ ص۱۱ جلد ۱ کے کلماتِ مبارکہ ہدیۂ ناظرین ہیں لا یثبت الافتراض منہا الا واحد وھو یقینی الثبوت والاثبات مع الطلب الجازم (الی ان قال) وقس علی ھذا فی جانب الکف الحرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الاستفتاء

سوالِ دُوم



کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ اگر بوقتِ امامت امام کے نزدیک لاؤڈ سپیکر اس لئے نصب کر دیا جائے کہ دور والے مقتدی جو بلا واسطہ امام کی آواز نہیں سن سکتے اس آلہ کے ذریعہ سن کر انتقالاتِ امام کے وقت امام کی پیروی کر سکیں تو یہ جائز و درست ہے یا ناجائز و نادرست؟ بعض علماء حرام و ناروا کا فتوے دیتے ہوئے اعادۂ نماز ضروری قرار دیتے ہیں اور بعض اعادۂ نماز ضروری نہیں جانتے مگر استعمالِ مذکور ناروا بتاتے ہیں کہ اس میں کئی مفاسد ہیں:

۱۔ نماز عبادتِ مقصودہ ہے۔ اس کا طریقۂ مسنونہ مبلغ کے قائم کرنے پر قائم رہنا ہی بہتر ہے ایسے آلات کے استعمال سے علیحدہ رکھی جائے جیسے حج عبادتِ مقصودہ ہے تو طواف پیادہ کرنے کی بجائے ہوائی جہاز پر نہیں کر سکتے۔ ہاں حج کے متعلقہ افعال کچھ ایسے بھی ہیں جو عبادتِ مقصودہ نہیں بلکہ محض ذریعۂ عبادت ہونے کی وجہ سے عبادت سمجھے جاتے ہیں مثلاً حج کے لئے روپیہ جمع کرنا، حج بکنگ آفس میں جانا، وہاں کی ہدایات و شرائط کو پورا کرنا، پھر ہوائی یا بحری جہاز پر سوار ہونا، جدہ پہنچنا، پھر وہاں سے بذریعہ لاری یا کار مکہ مکرمہ میں داخل ہونا، پھر کار پر سوار ہو کر عرفات کو جانا، آنا وغیرہ، یہ سب کام عبادات ہیں مگر عباداتِ مقصودہ نہیں۔ ان کے متعلق شریعت میں بڑی وسعت ہے۔ ان کا کوئی خاص طریقہ یا خاص وضع مقرر نہیں۔ یہ نہ کہا جائے گا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ سوار ہو کر حج فرمایا۔ اور جو

صحابہ کرام ساتھ تھے اونٹ، گھوڑے وغیرہ جانوروں پر سوار تھے یا پیادہ تھے بلکہ قرآنِ کریم نے بھی بالتخصیص پیادہ یا شتر سوار ہونے کی تصریح کی ہے تو ہوائی جہاز یا بحری جہاز وغیرہ کی سواری ناجائز و گناہ ہے، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ یہ سب ذریعے ہیں، ان میں کمی بیشی یا تغیر و تبدل ناجائز و گناہ و جرم نہیں اور نہ ہی بدعت کہا جائیگا جبکہ کسی خاص شرعی حکم سے حرام نہ ہو اور یونہی نماز کے ایسے افعالِ متعلقہ جو عبادت مقصودہ نہیں بلکہ تکمیلِ نماز کا ذریعہ ہونے کے سبب عبادت ہیں ان میں بھی تغیر و تبدل ناجائز و گناہ نہیں جبکہ اصل مقصود جو نماز ہے پوری ہو جائے، ذریعہ بدلنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً نماز میں سترِ عورت ضروری ہے تو کپڑے کی بجائے چام لپیٹ لے تو جائز ہے الیٰ غیر ذٰلک من النظائر۔

۲۔ بسا اوقات یہ آلہ فیل ہو جاتا ہے تو احتمالِ قوی ہوتا ہے کہ بہت سے نمازیوں کی نمازیں برباد ہو جائیں۔

۳۔ نماز میں خشوع نہایت ضروری ہے بلکہ روحِ نماز ہے مگر جب امام کو یہ خیال رہے کہ آواز میکروفون پر پہنچ رہی ہے یا نہیں تو خشوع نہ ہوگا۔

۴۔ ایک بڑی بات قابلِ غور ہے کہ عام اسلامی عبادات میں مساوات کی رعایت رکھی گئی ہے کہ امیر و غریب یکسانیت سے ادا کر سکیں مگر لاؤڈ سپیکر کا رواج ہو اور اس کو مستحسن سمجھا جائے تو غریب بیچارے نماز میں بھی امیر سے پیچھے رہ جائیں گے اور عینِ نماز میں جہاں شاہ و گدا ایک صف میں کھڑے کرتے تھے۔ امیر و غریب کی تفریق نظر آنے لگے گی، کوئی مسجد امیر کہلائی گئی، کوئی غریب۔

۵۔ ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ جب مسجدیں نزدیک نزدیک ہوں تو آوازیں ٹکرائیں گی اور بسا اوقات تکبیرات میں التباس پیش آئے گا۔

۶۔ فقہاء کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب ائمہ مجتہدین یا علماء میں اختلاف ہو تو مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ خروج عن الخلاف کی کوشش کی جائے۔ اور بہت سے علماء کی تحقیق اور فتویٰ یہ ہے کہ یہ آواز اصلی آوازِ امام نہیں اس کی اتباع مفسدِ نماز ہے تو بچنا ضروری ہے اور ان مفاسد کی وجہ سے اس آلہ کا استعمال مذکور نادرست ہے حالانکہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ امام ہی کی اصل آواز ہے۔ بینوا اما جو ہیں من رب العٰلمین۔

السائل: ابو الفیض علی محمد نوری خطیب جامع مسجد مائی والی منٹگمری

ے یاتوک رجالا و علی کل ضامر (سورۃ الحج)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بلا شک وشبہ وریب جائز و درست ہے کہ سپیکر استماع واتباع تکبیرات امام کا ذریعہ ہے جو مطلوب شرعی و بشارت ربانیہ کا موجب اور ہدایت وعقلمندی کی دلیل ہے، مولیٰ تبارک و تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے، فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ و اولئک ھم اولوا الالباب۔ یہ "یستمعون" اپنے اطلاق کے لحاظ سے یقیناً استماع بالذریعہ کو بھی شامل ہے حالانکہ شرعاً اطلاق اتنا قوی ہے کہ خصوص سبب یا خبر واحد و قیاس سے بھی مرتفع نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان سے اس کی تخصیص جائز فاتضح الحق وثبت الجواز بلکہ بالخصوص قرآن کریم سے کسی ذریعہ غیر مختار سے بھی سننے سنانے کے اعتبار اور مقبولیت کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا فلما اتھا نودی من شاطئ الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان یٰموسٰی انی انا اللہ رب العٰلمین۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے شجرہ کے ذریعہ رب العالمین کا کلام سنا جو خود اسی کا اپنا کلام ہے اور یہ نہیں کہ بدل کر کوئی نیا کلام بن گیا ہو۔ تعجب ہے کہ اب یہ حضرات سنانے کے ذریعہ کو بدلانے کا ذریعہ بنا رہے ہیں حالانکہ ہمارے رب العالمین جل وعلا نے ہمارے آرام و انتفاع کے لئے ہزارہا چیزیں پیدا فرمائیں اور آئندہ بے شمار اشیاء پیدا فرمانے کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا و یخلق ما لا تعلمون۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ لاؤڈ سپیکر بھی یقیناً انہی اشیائے موعودہ کا ایک فرد خاص ہے جو ہمارے آرام و انتفاع کے لئے پیدا فرمایا، تو لامحالہ انتفاع بھی جائز و حلال ہو گا جب تک کہ کسی خاص صورت میں باقاعدہ دلیل شرعی حرام نہ کر دے۔ اور چونکہ صورت مذکورہ میں دلائل شرعیہ اربعہ میں سے کوئی دلیل بھی حرام نہیں کرتی تو حسب القاعدہ جواز ثابت ہو گیا وما تشبثوا بہ لا ینعقد دلیلاً کما ذکرنا فی ما مضٰی بتفصیل ما یرٰی عجباً۔

اور یہ چھ مذکورہ مفاسد جو سائل نے ذکر کئے، ایسے نہیں جو نماز میں استعمال آلہ کو مطلقاً ناروا بنا سکیں اس کی مختصر تفصیل سنئے:۔



سائل نے پہلا مفسدہ یہ بتایا کہ نماز عبادتِ مقصودہ ہے الخ اس نام نہاد مفسدہ کی بنا صرف اس بات پر ہے

کہ مبلغ (جسے مکبر بھی کہا جاتا ہے جو امام کی تکبیرات سناتا ہے) کا قائم کرنا عبادتِ مقصودہ ہے[1] یعنی اس کی مشروعیت محض رضائے الٰہی کے لئے ہوئی ہے۔ اس پر جو اثر و ثمرہ دنیا میں ظاہر ہوتا ہے وہ مقصودِ اصلی نہیں بلکہ یہ خود ہی مقصود ہے۔ مگر یہ بات محض بے بنیاد اور واقع کے خلاف ہے۔ اس کا نام (مبلغ یا مکبر) ہی واضح کرتا ہے کہ دوسروں کو انتقالاتِ امام کی اطلاع دینا مقصود ہے۔ اس کے مشروع ہونے کی اصل دلیل (احادیثِ صحیحین) میں ہی اس کی تصریح ہے۔ رسائلِ شامی ص۱۳۸ جلد ۱ میں ہے اعلم ان اصل مشروعية التبليغ خلف الامام ما رواه الامام مسلم فی صحيحه عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه اشتکیٰ رسول الله صلی الله عليه وسلم فصلينا وراءه وهو قاعد وابوبکر يسمع الناس تکبيره وما فيه ايضاً صلّٰی بنا رسول الله صلی الله عليه وسلم وابوبکر رضی الله تعالیٰ عنه خلفه فاذا کبر رسول الله صلی الله عليه وسلم کبر ابوبکر يسمعنا وما فيه ايضا عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها (الیٰ ان ذکر) وابوبکر رضی الله تعالیٰ عنه يسمعهم التکبير۔

ان سب کا صریح حاصل یہ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص مرض کے دوران میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لئے بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ نمازی سن لیں۔ اسی صفحہ میں شرحِ مسلم سے امام نووی کا استفادہ ذکر فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نمازیوں کو سنانے کی غرض سے بلند آواز سے تکبیر کہنا جائز ہے اور یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔ نصه فيه جواز رفع الصوت بالتکبير يسمعه الناس و يتبعوه وانه يجوز للمقتدی اتباع صوت المکبر وهذا مذهبنا ومذهب الجمهور. پھر ص۱۴۱ میں فرمایا ان المنادی فی الاعياد والجمع يجهر بالتکبير لاعلام القوم ولا تفسد صلوته بذلك جرت العادة۔ یعنی منادی (مبلغ یا مکبر) عید اور

---

[1] عبادتِ مقصودہ کی یہ تعریف سائل کے بعض علماء کی ہی ہے ۱۲ ابوالخیر غفرلہٗ



جمعہ کی نمازوں میں بلند آواز سے تکبیر کہتا ہے اِعلامِ قوم کے لئے اور اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی ۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کی عادت جاری ہو چکی ہے (یعنی اجماعِ عملی ہے) کہ مکبر کا بلند آواز سے تکبیر کہنا نمازیوں کے سنانے کے لئے ہے ۔ اور یہ بھی پُرظاہر کہ اگر مبلغ کا قائم کرنا عبادتِ مقصودہ ہوتا تو نماز کے دوسرے افعالِ مقصودہ کی طرح ہر نماز میں قائم کیا جاتا ، تو ثابت ہوا کہ عبادتِ مقصودہ نہیں بلکہ امام سے دور مقتدیوں کے اتمامِ نماز کا (حکم تعاونوا علی البر والتقوی احادیثِ مذکورہ کی روشنی میں) ذریعہ و وسیلہ جائزہ ہے ۔

تعجب ہے کہ مفتیانِ سائل نے نماز کے عبادتِ مقصودہ ہونے سے اس کا عبادتِ مقصودہ ہونا ثابت کیا ہے ، حالانکہ خود فرماتے ہیں کہ حج نماز کی طرح عبادتِ مقصودہ ہے ۔ اور پھر خود ہی تصریح کرتے ہیں کہ حج کے تمام افعال عبادتِ مقصودہ نہیں بلکہ بعض افعالِ حج محض ذریعہ عبادت ہونے کی وجہ سے عبادت سمجھے جاتے ہیں ۔ بلکہ یہ بھی خود ہی مانتے ہیں کہ نماز کے افعالِ متعلقہ حج کے افعالِ متعلقہ کیطرح سبھی عبادت مقصودہ نہیں بلکہ محض تکمیلِ نماز کا ذریعہ ہونے کے سبب ہیں ، تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ نماز کا عبادت مقصودہ ہونا اقامتِ مبلغ کے عبادتِ مقصودہ ہونے کو مستلزم نہیں ۔ اور واقعات بتاتے ہیں کہ ذریعہ تکمیل نماز غیر ہے تو انہی کی تصریح کے مطابق اس میں بھی تغیر و تبدل جائز ہو گا جب کہ اصل مقصود (دور کے مقتدیوں کا مطلع ہو کر امام کی پیروی کرنا) کسی ذریعہ سے پورا ہو جائے تو ذریعہ بدلنے میں کوئی حرج نہیں ہو گا ۔ اور چونکہ لاؤڈ سپیکر بھی ایک ذریعہ اطلاع ہے تو اس کے استعمال میں بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں ہو گا اور بدعت نہیں بنے گا جیسے اذان ، کہ وہ بھی ذریعۂ اطلاع واعلام ہے ۔ اور سب مانتے ہیں کہ سپیکر پر جائز ہے اور بدعت نہیں حالانکہ پہلے بلا سپیکر ہی ہوا کرتی تھی ۔ اور یونہی وعظ اور تلاوتِ قرآن پاک بھی سب جائز مانتے ہیں ۔ اور یونہی نماز میں سترِ عورت کہ پہلے زمانہ میں نہایت سادگی سے دستی بُنے ہوئے کپڑوں سے کیا جاتا تھا ، مگر چونکہ عبادت مقصودہ نہیں بلکہ ایسی عبادت ہے جو ذریعہ تکمیلِ عبادتِ مقصودہ (نماز) ہے ، تو اس میں تغیر و تبدل بالاتفاق جائز ہے ۔ برقی مشینوں سے بُنے ہوئے ہر قسم کے وہ نئے کپڑے جو سترِ عورت کر سکیں جائز الاستعمال ہیں جب کہ شعارِ کفار نہ ہوں جیسے حج میں اونٹ ، گھوڑے کی بجائے انجنوں سے چلنے والے بحری اور ہوائی جہاز یا تیز رفتار لاری و کار وغیرہ سے سفر کر سکتے ہیں ۔ اسی طرح جہاد میں تیر و تلوار کے بدلے توپ اور ٹینک ، ہر قسم کے بم ، تار پیڈو وغیرہ ، ہر قسم کے نو ایجاد اوزار بلا جھجک استعمال کئے جا سکتے ہیں اور یہ نہیں کہا جاتا کہ چونکہ پہلے زمانہ میں نہیں تھے لہذا بدعت و ناجائز ہیں ۔ اور اس کی نظیریں اس کثرت سے ہیں کہ حد و د کے



واہے ان کے احصار سے قاصر ہیں۔ نور روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ یہ مفسدہ حقیقۃً مفسدہ نہیں تھا بلکہ ایک شبہ تھا جو زائل ہوگیا۔

پھر ان مقتبول کا اقامتِ مبلغ کو طریقۂ مسنونہ کہنا ان کی سہل انگاری کا نتیجہ ہے ورنہ حضور پرنور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین سے کسی کتاب متداول حدیث وفقہ میں یہ منقول نہیں کہ اقامتِ مبلغ (مبلغ کا قائم کرنا) کیا ہو تو طریقۂ مسنونہ کیسے بنا؟ ہاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوران مرض پاک میں خود بخود مبلغ (تکبیرات سنانے والا) بننا دو مرتبہ ثابت ہے مگر اقامتِ مبلغ اور ہے اور مبلغ بننا اور، پھر اس مبلغ بننے سے بھی مطلقاً مبلغ بن جانے کا مسنون ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں بلکہ حدیثِ تقریری سے تبلیغ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواز ثابت ہے۔ پھر اس کے جواز سے حسبِ قواعدِ اصولیہ دوسرے مسلمانوں کی تبلیغ کا جواز بطریقِ قیاس ثابت ہے (والتفصیل فی الضمیمۃ) اور جواز ہی کے ہمارے حضرات قائل ہیں۔ فتح القدیر ص۳۲۲ جلد۱، بحر الرائق ص۳۶۴ جلد۱، رسائلِ شامی ص۱۳۹ جلد۱ وغیرہا میں ہے و النظم من الفتح عن الدرایۃ وبہ یعرف جواز رفع المؤذنین اصواتہم فی الجمعۃ والعیدین وغیرھما۔ نیز رسائل ص۱۳۹ میں شرح نووی سے ہے فیہ جواز رفع الصوت بالتکبیر (الیٰ ان قال) ھٰذا مذھبنا ومذھب الجمھور۔ یعنی اس (تبلیغِ حضرتِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مبلغین کے رفعِ صوت بالتکبیر کا جواز ثابت ہوگیا، اور یہ جمہور کا مذہب ہے، اور ہر وہ کام جو جائز ہو نیتِ حسنہ سے مستحب و مستحسن بن جاتا ہے لہٰذا ہمارے بعض فقہائے کرام نے اسے مستحب فرمایا۔ رسائلِ شامی ص۱۴۳ جلد۱ میں ابن امیر الحاج رحمۃ اللہ علیہ سے ہے ولقائل ان یقول و یستحب الجھر ایضًا بالتکبیر والتحمید لواحد من المقتدین اذا کانت الجماعۃ لا یصل جھر الامام الیھم اما لضعفہ او لکثرتھم الخ یعنی کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ تکبیر و تحمید کا بلند آواز سے ادا کرنا کسی ایک مقتدی کے لئے بھی امام کی طرح مستحب ہے جب کہ نمازیوں کو امام کی بلند آواز نہ پہنچ رہی ہو امام کے کمزور یا مقتدیوں کے زیادہ ہونے کے سبب۔ شامی ص۴۴۳ جلد۱، طحطاوی علی المراقی ص۱۵۶ میں ہے والنظم لہ واما عند الاحتیاج الیہ بان کانت الجماعۃ لا یصل الیھم صوت الامام اما لضعف او لکثرتھم فستحب۔

تو واضح ہوا کہ مبلغ بن جانا جائز اور حسن نیت کے سبب مستحب بن جاتا ہے، تو مبلغ کا قائم کرنا زیادہ سے زیادہ مستحب ہوگا، مسنون قطعاً نہیں، جو دعویٰ کرے دکھائے۔ پھر تعجب کہ مفتیان سائل جب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ آواز (اسپیکر سے سنی گئی) امام ہی کی اصل آواز ہے تو نا روا کیوں بتاتے ہیں؟ جہر امام تو حسب تصریحاتِ حدیثیہ و فقہیہ مسنون ہے اور یہ بھی مصرح اور فی نفسہٖ اوضح ہے کہ جب امام کی آواز پہنچ رہی ہو تو مبلغ بننا بیجا ہے تو بنانا بھی بیجا ہوگا! شامی ص۳۴۴ جلد ۱، او طحطاوی علی المراقی ص۱۵۶ میں ہے و فی السیرۃ الحلبیۃ اتفق الائمۃ الاربعۃ علی ان التبلیغ فی ھذہ الحالۃ بدعۃ منکرۃ ای مکروھۃ۔ یعنی سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ چاروں امام متفق ہیں اس پر کہ ایسی حالت میں (جب امام کی آواز نمازیوں کو پہنچ رہی ہو) مبلغ بننا (بلند آواز سے تکبیرات کہنا) بدعتِ منکرہ یعنی ناپسندیدہ ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دوسرا[۲] مفسدہ یہ بتایا کہ بسا اوقات یہ آلہ فیل ہو جاتا ہے اس وجہ سے اگر یہ آلہ مطلقاً محلِ اعتراض اور قابلِ احتراز ہے تو بسا اوقات مبلّغین بھی مفسدِ نماز حرکات کا ارتکاب کر جاتے ہیں، بلکہ ساتویں صدی سے چودھویں صدی تک ایسی حرکاتِ بد ان کا دستور و رواج بن چکی ہیں، تو مفتیانِ سائل کے نزدیک مبلّغین بھی مطلقاً محل اعتراض و احتراز بن جائیں گے حالانکہ بوقتِ ضرورت بشرطِ احتیاط ان سے احتراز نہیں۔ تو جب اس آلہ کے متعلق بھی قبل از نماز پوری پوری احتیاط برتی جائے تو کیوں پرہیز کی جائے۔

تیسرا[۳] مفسدہ یہ بتایا کہ نماز میں خشوع نہایت ضروری ہے الخ امام کا یہ خیال اپنے مقتدیوں کی اصلاح نماز کے لئے ہو تو خشوع کیوں فوت ہوگا؟ کیا حضور پرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عینِ نماز میں صحابہ کرام کی نگرانی نہیں فرمایا کرتے تھے؟ قرآنِ کریم فرماتا ہے و تقلبک فی السّٰجدین۔ و الاحادیث فی ذٰلک کثیرۃ حالانکہ حکم دیا صلوا کما رأیتمونی أصلی (تم یوں نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھ رہے ہو) تو نماز کے اندر اپنے مقتدیوں کا خیال رکھنا مسنون و مطلوب بن گیا تو مخالفِ خشوع کیوں ہوگا؟ پھر محتاط امام یہ انتظام کیوں نہ کرے گا کہ آلہ عمدہ اور تیز ہو جو آواز پکڑتا جائے یا میکروفون دو ہوں۔ اور اس کی ضرورت بھی بڑے بڑے اجتماعات میں ہی ہو سکتی ہے ورنہ تجربہ گواہ اور مشاہدہ شاہد کہ کچھ نہ کچھ آواز ضرور پکڑ لیتا ہے۔ اور افتتاحِ نماز کے وقت بسا اوقات بیانہ تازہ نمازیوں کی حاضری اور حاضرین کے یکایک کھڑے ہونے کے سبب چونکہ پورا سکون نہیں ہوتا لہٰذا زیادہ بلند آواز کی ضرورت ہوتی ہے

بوجہ مواجہت میکروفون پوری ہوجاتی ہے اور رکوع و سجود میں جانے اور سر اٹھانے کے حالات نسبۃً سکون نہیں ہوتے ہیں، تو بوجود دوری میکروفون بھی ضرورت پوری ہوجاتی ہے، تو کسی خاص خیال کی ضرورت بھی نہیں؛

چوتھا مفسدہ یہ ہے کہ عام اسلامی عبادات میں مساوات کی رعایت رکھی گئی ہے الخ یہ نام نہاد قابلِ غور بڑی بات محض فضول اور سطحی بات ہے۔ یہ مساواتِ اصولیہ ایک ایک عبادت کے ایک ایک پہلو میں مختلف حیثیات کے مسلمانوں کے لئے یکسانیت و مساوات کا تقاضا ہی نہیں کرتی بلکہ ایسی مساوات تو ہے ہی محالات سے، کیا روزہ میں مقیم و مسافر، تندرست و بیمار، توانا و ناتوانا، طاہرہ و حائض و نُفسا سب مساوی ہیں؟ کون کہتا ہے کہ مال دار کی طرح نادار پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؟ اور یہ بھی نہاں نہیں کہ تمام مال داروں پر ایک ہی معین مقدار لازم نہیں۔ لاکھ پتی اور کروڑ پتی کی زکوٰۃ برابر نہیں، کیا حج سب پر فرض ہے؟ یا لباسِ احرام ایک ہی کپڑے سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی ماپ کی دو دو چادریں ضروری ہیں! کیا تمام حاجی پا پیادہ جاتے ہیں یا سواری پر؟ پھر سواری سب کی ایک ہی قسم کی ہوتی ہے؟ یا مختلف۔ کیا مکی اور غیر مکی قران میں مساوی ہیں؟ پھر مختلف مواقیت میں یہ مساوات کہاں؟ کیا تندرست و مریض کی نماز میں مساوات موجود ہے؟ مقیم و مسافر کی نمازوں میں تو فرق ہے ہی نہیں؟ کیا طاہرہ کی طرح حائض و نفسا بھی نماز ادا کر سکتی ہیں؟ مدرک و مسبوق و لاحق کا ادا کرنا مساوی نہیں، کیا سب نمازوں میں بالخصوص جمعہ اور عیدین میں جائز لباسوں کا بہتر پہننا خذوا زینتکم عند کل مسجد اور احادیثِ شریفہ و توارث و تعارفِ عامۃ المسلمین سے ثابت نہیں؟ اور جب حقیقۃً ثابت ہے تو اس میں مساوات کیسے ہو سکے؟ زینتِ مضافہ الی بنی آدم، بوجہ اختلافاتِ حیثیاتِ مضاف الیہم ضرور مختلف ہے۔ اور حدیث و فقہ کے "احسن ثیابہ" میں بھی یہی اختلاف موجود، تو واضح ہوا کہ مساوات نہیں۔ پھر اجماعِ عملیٔ امت اس عدمِ مساواتِ لباس کے مظاہرے ہر عید اور جمعہ بلکہ جمیع جماعات میں کیا کرتا ہے۔ ہاں برقی روشنی اور پنکھوں میں بھی یہ مساوات ضروری ہوتی۔ اور جب سب مسجدوں میں ایسے انتظامات نہیں ہو سکتے تو کسی میں بھی جائز نہ ہوتے بلکہ عماراتِ مساجد میں بھی تفرقہ ممنوع ہوتا اور فرش وغیرہ میں بھی برابری ہوتی کہ کوئی مسجد امیر اور کوئی غریب نہ کہلاتی، سب کا یوں برابر ہونا واقعات کے سراسر خلاف ہے۔ جب اچھے لباس میں برقی روشنی اور پنکھوں کے نیچے



شاندار عمارات والی مساجد میں عمدہ دریوں اور قالینوں پر نماز بلا کراہت و قباحت جائز اور اہلِ اسلام کا معمول ہے تو لاؤڈ سپیکر بیچارے کا کیا قصور کہ اس کی اجازت نہ ہو۔ پھر اگر یونہی ہوتا تو اذان بھی سپیکر پر جائز نہ ہوتی اور وعظ بھی منع ہوتا حالانکہ سب جائز مانتے ہیں۔

پانچواں نام نہاد مفسدہ کہ مساجد نزدیک ہوں تو آوازیں ٹکرائیں گی، بھی محض جزوی حیثیت کا ہے جس سے ممانعتِ کلیہ قطعاً ثابت نہیں ہو سکتی ورنہ مبلغین کی کلی ممانعت بھی ثابت ہو جاتی کہ ان میں تو بکثرت ایسے پائے جاتے ہیں جو بڑے بڑے مفاسد کا ارتکاب کر جاتے ہیں اور عادی مجرم ہیں۔ جب وہ کلی طور پر متروک نہیں تو یہ آلہ کلیۃً کیوں متروک ہو؟ کیا ایسی جذباتی باتوں سے جائز ناجائز بن جاتا ہے؟

چھٹا مفسدہ یہ کہ چونکہ لاؤڈ سپیکر میں اختلاف ہے اور احتیاط یہ ہے کہ اختلاف سے بچا جائے تو اس قاعدۂ مسلمہ کا احتیاطی تقاضا یہ قطعاً نہیں کہ جو چیز ہمارے نزدیک جائز و روا ہو، وہ بوجہِ اختلاف ناجائز و ناروا بن جائے، بلکہ رعایتِ خلاف کے لئے نہ کرنا صرف مندوب و مستحب ہوتا ہے اور اس ندب و استحباب کے مرتبے بھی دلیلِ مخالف کے قوت و ضعف کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں کما فی رد المحتار عن النہر ص۱۳۶ جلد ۱، ص۱۳۷ (قولہ لکن یندب للخروج من الخلاف) قال فی النہر الا ان مراتب الندب تختلف بحسب قوۃ دلیل المخالف وضعفہ۔ اور مسئلہ زیرِ بحث میں چونکہ دلائلِ مخالفین بالکل ہی عاری از قوت ہیں تو یہ ندب بھی برائے نام ہی ہو سکتا تھا اور وہ بھی تب جب یہ اختلافِ ائمۂ مجتہدین یا اصحابِ مذاہب کا اختلاف ہوتا ورنہ علماءِ مقلدین کا خلاف اور وہ بھی وضوحِ حق کے بعد قابلِ لحاظ نہیں۔ اور اگر بالفرض قابلِ لحاظ ہوتا تو پھر بھی لحاظِ مجتہدین سے تو کسی صورت بھی بڑھ نہیں سکتا تو درجۂ ندب ہی میں رہتا نہ یہ کہ حرمت و عدمِ جواز ثابت کر سکے۔

بفضلہٖ و کرمہٖ تعالیٰ شمس و امس کی طرح واضح ہوا کہ مفتیانِ سائل کے بیان کردہ مفاسد مل کر بھی مطلقاً ناروا نہیں بنا سکتے کہ اکثر تو مفاسد ہیں ہی نہیں، اور جو ہیں بھی تو وہ محض جزوی ہی ہیں، ان سے عدمِ جواز کا حکمِ کلی قطعاً ثابت نہیں ہو سکتا، تو معلوم ہوا کہ صورتِ سوال میں اعادۂ نماز کی ضرورت نہیں اور نہ ہی استعمالِ سپیکر ناروا ہے بلکہ جائز اور روا و درست ہے اور نیتِ صالحہ تعاون علی البر سے دوسرے



مباحوں کی طرح مستحسن وطاعت بن جاتا ہے۔ پھر اس میں کئی مفاد بھی ہیں جن سے اختصاراً سائل کے بیان کردہ چھ مفاسد کے تناسب سے، صرف چھ ہی لکھے جاتے ہیں :۔

نمبرا۔ اس کے ذریعہ دور کے مقتدی قراءتِ امام سن لیتے ہیں اور قراءت کا سننا سببِ رحمتِ خاصہ ہے ارشاد ہوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون۔ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے" اور گو دور والوں کو آواز نہ پہنچے تو چپ رہنا ہی کافی ہے۔ مگر کفایت کا یہ معنیٰ قطعاً نہیں کہ سماعتِ قراءت میں فائدہ ہی نہیں ورنہ امام کا جہر لازم ہی نہ کیا جاتا اور فاستمعوا کا امر وجوبی بھی نہ آتا۔

نمبر۲۔ یہ ذریعہ ہے عبادت کی زیادتی کا کہ استماعِ قرآنِ کریم بہترین عبادت ہے۔

نمبر۳۔ نماز میں خشوع نہایت ضروری بلکہ بقول بعض علماء سائل روح وروانِ نماز ہے جو دور کے مقتدی بذریعہ سپیکر حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ استماعِ قرآنِ کریم مفیدِ خشوع ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم و قلوبهم الى ذكر الله۔ (اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں)

نمبر۴۔ یہ اطمینانِ قلبی کے حصول کا ذریعہ ہے کہ اس سے استماعِ قرآنِ کریم اور وہ یادِ الٰہی کا سبب اور یادِ الٰہی سے دل اطمینان یاب ہوتے ہیں۔ حضرتِ رب العالمین کا ارشاد ہے الذين امنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله الا بذكر الله تطمئن القلوب۔ (وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں، سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے)

نمبر۵۔ جب عند التحقیق اس کا استعمال جائز ہے اور جائز کا کرنا اس کے جواز کی عملی تبلیغ ہے حالانکہ جوازِ حکمِ شرعی ہے تو اس کا استعمال اس حکمِ شرعی کی تبلیغ بن گیا کما فی صلوٰۃ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ثوب واحد مع وضع الثیاب علی المشجب بل صرحوا بوجوب فعل المکروہ تنزیها بیانا للجواز علی الحبیب الاکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کما فی البحر الرائق وغیرها۔



نمبر ۶۔ تکبیر تحریمہ و انتقالیہ تکبیرات کا بلند آواز سے کہنا کہ مقتدی سن لیں ایسی سنت ہے جو اصالۃً ادا امام سے ادا ہوتی ہے حالانکہ یہ آلہ بھی امام ہی کی آواز پہنچاتا ہے تو ادائے سنتِ اصلیہ کا ذریعہ بنا، اور ذریعے فعل بدل نہیں جاتا۔ بیت اللہ شریف کی زیارت اور مناظرِ قدرت کا مطالعہ جو مسنون ہے، بذریعہ عینک کرے تو کیا سنت ادا نہ ہوگی؟ جن چاندوں کا دیکھنا واجب ہے اگر عینک سے دیکھے تب بھی یقیناً واجب ادا ہو جاتا ہے تو اس آلہ کے ذریعہ یہ سنت بھی ادا ہو جائے گی۔

افادۂ تاکیدیہ

امام اہلسنت والجماعت اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقامۃ القیامہ کے ص۲۵ میں فرماتے ہیں مولانا علی قاری رسالہ اقتداء بالمخالف میں فرماتے ہیں من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھو الصحۃ واما القول بالفساد او الکراھۃ فیحتاج الی حجۃ من الکتاب او السنۃ او اجماع الامۃ (ترجمہ) یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج ہے اس کا کہ قرآن یا حدیث یا اجماعِ امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے انتھی بلفظہ الشریف۔



حضرتِ ملا علی قاری کا یہ ارشاد براہِ راست نماز کے متعلق ہے اور امامِ اہل السنت والجماعت نے ان کے اس ارشاد اور استدلال کو برقرار رکھتے ہوئے بطورِ استدلال بیان فرمایا تو اسی استدلال سے مسئلہ زیرِ بحث بھی صاف ہوگیا۔ مانعین حضرات کوئی آیت یا حدیث یا نقلِ اجماع یا ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی ایسا بیان پیش نہیں کر سکے جس سے عدمِ جواز ثابت ہو، تو بحکم اصالتِ صحت، صحت و جواز ثابت ہوگیا اور ہر جائز نیتِ حسنہ سے مستحسن بن جاتا ہے تو حسنِ نیت سے یہ بھی مستحسن ہوگا اور مبلغ کا مستحسن ہونا قطعاً مضر نہیں کہ لا مزاحمۃ فی الاسباب امرِ مسلّم ہے۔

امامِ اہل السنت والجماعت منیح السلامۃ کے ص۱۵ میں فرماتے ہیں "مباح کو بہ نیتِ قربت کرنا اسے قربت کر دیتا ہے اور ہر قربت طاعت ہے (الیٰ ان قال) اگر ورود نہیں، کہیں منع بھی نہیں اور بے منعِ شرعی منع کرنا ظلمِ مبین، ادنیٰ درجہ منع کراہت ہے، اور کراہت کے لئے دلیلِ خاص کی حاجت ہے اور بے دلیلِ شرعی ادّعائے منع، شریعت پر افتراء و تہمت ہے۔ ردالمحتار ص۶۸۳ جلد۱ لا یلزم من ان یکون مکروھا الا بنھی خاص لان الکراھۃ حکم شرعی فلابد لہ من

دلیل۔ بحر الرائق ص۱۷۶ جلد۲ میں ہے لا یلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة اذلابد لها من دليل خاص، وہابیہ کی جہالت کہ جواز کے لئے ورودِ خاص مانگیں اور منع کے لئے دلیلِ خاص کی کوئی حاجت نہ جانیں! اس اوندھی الٹی سمجھ کا کیا ٹھکانا مگر علت وہی شریعتِ مطہرہ پر افترا اٹھانا الخ اہل السنت والجماعت ان کلماتِ مبارکہ پر غور سے نظر کریں اور علّتِ وہابیت سے بچیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

ضمیمۃ مُکَبِّرِ الصَّوْت

الاستفتاء

بحضور سیدی وسندی فقیہِ اعظم قبلہ شیخ الحدیث صاحب دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید ہے کہ حضورِ والا مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عطا فرما کر فقیر کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے:

عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے لئے امام کے آگے لاؤڈ سپیکر نصب کر دیا جاتا ہے تاکہ امام کی آواز تمام مقتدیوں تک بآسانی پہنچتی رہے کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ مقتدیوں کی نمازیں جائز ہوں گی یا نہیں؟ کیا کریمہ ولا تجهر بصلوتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلاً[سے] کی خلاف ورزی تو نہیں؟ کیا یہ سنتِ مستمرہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم کے مخالف تو نہیں؟ کہتے ہیں کہ حضور مبلغ کھڑے کرتے تھے؟ بینوا اما جوروا من رب العٰلمین۔

المستفتی: فقیر ابوالنصر منظور احمد عفا اللہ عنہ مہتمم دارالعلوم عالیہ عربیہ منٹگمری ۱۴ ر جمادی الثانیہ ۱۳۷۸ھ

سے والمعنی لا تخافت ورزی یوں سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں جہر و مخافت کی درمیانی راہ کا حکم دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ زیادہ جہر یعنی جہر شدید و قوی ناجائز ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ہاں بلاشبہ جائز ہے اور نمازیں بھی جائز ہیں کہ شرعِ اطہر نے اس سے ممانعت نہیں فرمائی اور بلاممانعت شرع کوئی شے ممنوع و ناجائز نہیں ہو سکتی۔ قرآنِ کریم میں ہے ما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھداھم حتی یبین لھم ما یتقون ۰ (ترجمہ) اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے گمراہ فرمائے (یعنی ان پر گمراہی کا حکم کرے اور انہیں گمراہوں میں داخل فرمائے) جب تک انہیں صاف نہ بتادے کہ کس چیز سے انہیں بچنا ہے ۔" امام اہل السنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ "نہج السلامۃ" کے ص۱۵ میں فرماتے ہیں " بے منعِ شرعی منع کرنا ظلمِ مبین ، ادنیٰ درجہ منع کراہت (تنزیہی) ہے اور کراہت کے لئے دلیل خاص کی حاجت ہے اور بے دلیلِ شرعی ادعائے منع شریعت پر افترا، و تہمت ہے الخ

اس کی قدرے تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آخرِ جواب میں آ رہی ہے اور مکبر الصوت میں گزر بھی چکی ہے اور کریمہ ولا تجھر بصلوتک الآیۃ کی خلاف ورزی بھی یقیناً نہیں کہ اس کی تفسیر میں مفسرین کرام نے متعدد اقوال نقل فرمائے جن میں سے کسی قول کا تعلق تکبیراتِ نماز کے جہر کے ساتھ قطعاً نہیں جبکہ بلا ریار ادا کی جائیں۔ ہاں صرف دو ایسے قول ہیں جو قراءتِ نمازِ جماعت سے متعلق ہیں اور وہ دونوں قول حقیقۃً ایک ہی شانِ نزول کے ماتحت دو متبادل صورتیں ہیں جن میں سے ایک صورت یا قول کی بناء پر نمازیں مطلقاً جہرِ قراءت ہرگز ہرگز محلِ اعتراض نہیں، ہاں دوسرے قول یا صورت کا ضرور یہ تقاضا ہے کہ وہ جہر بیرونِ مسجد نہ سنا جائے مگر اس صورت میں تو وہ کریمہ ہے ہی منسوخ اور منسوخ قابلِ استدلال نہیں، تو خلاف ورزی کاہے کی؟

اس اجمال کی (بقدرِ ضرورت) تفصیل یہ کہ رئیس المفسرین حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح بخاری ص۶۸۷ جلد ۲، مسلم ص۱۸۳ جلد ۱، تفسیر طبری ص۱۲۳ جلد ۱۵، ص۱۲۴ جلد ۱۵، ابنِ کثیر ص۶۸، ۶۹ جلد ۳، درالمنثور ص۲۰۶ جلد ۴، خازن، معالم ص۱۵۴ جلد ۴ وغیرہا کتبِ کثیرِ حدیث و تفسیر میں بکلماتِ متقاربہ ہے و النظم من البخاری نزلت و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختف بمکۃ کان اذا صلی باصحابہ رفع صوتہ بالقرآن



(کریمہ ولا تجہر بصلوتک کی تشریح، شانِ نزول)

فاذا سمع المشرکون سبّوا القراٰن ومن انزلہ ومن جاء بہ فقال اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا تجہر بصلوتک ای بقراءتک فیسمع المشرکون فیسبّوا القراٰن ولا تخافت بہا عن اصحابک فلا تسمعہم وابتغ بین ذٰلک سبیلا۔ یعنی یہ آیت اس وقت اتری جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مختفی[عہ] تھے۔ آپ جس وقت اپنے اصحاب کو نماز پڑھایا کرتے تو اپنی آواز مبارک قرآنِ کریم پڑھنے میں بلند فرمایا کرتے تھے پس جب کافر سن لیتے تو قرآنِ کریم اور اس کے اتارنے والے اور لانے والے کی شان میں گستاخانہ کلمات بکتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ولا تجہر بصلوتک یعنی نماز کی قراءت کو اونچا نہ کرو کہ کافر سن لیں گے تو بیہودہ کلمات بکیں گے ولا تخافت بہا یعنی اصحاب سے یوں آہستہ نہ پڑھو کہ وہ سن نہ سکیں وابتغ بین ذٰلک سبیلا اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو۔"

اس شانِ نزول سے واضح ہوتا ہے کہ اس "صلوتک" سے مراد پوری[عہ] نماز نہیں بلکہ صرف قراءتِ نماز (جو جزوِ نماز ہے) ہی مراد ہے۔ اور ابتدائے اسلام میں سب نمازوں میں قرآنِ کریم زیادہ بلند آواز سے پڑھا جاتا تھا۔ اور باہر والے مشرکین سن کر شرارتیں کرتے تھے اور اس[عہ] فرمان کے اترنے سے مطلوب یہ تھا کہ مشرکین نہ سنیں اور حاضرینِ نماز بھی محروم نہ رہیں۔

اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ مطلوب کے حصول کی دو صورتیں ہیں۔ ایک[عہ] یہ کہ آواز نہ زیادہ بلند ہو اور نہ ہی زیادہ آہستہ بلکہ درمیانہ درجہ کی ہو کہ حاضرین سن لیں اور باہر والے نہ سن سکیں۔ بہت سے مفسرینِ کرام نے اس صورت کا ذکر اسی شانِ نزول کے ساتھ فرمایا بلکہ اس شانِ نزول کی بعض روایات[عسہ] میں بھی اس کی تصریح آئی ہے۔ استعمالِ سپیکر کو ناجائز فرمانے والے حضرات کا استدلال صرف اسی صورت پر مبنی ہے مگر ان حضرات نے اس پر غور نہ فرمایا کہ مفسرینِ کرام نے حضرتِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی صراحۃً اس کا منسوخ ہونا بھی نقل فرمایا۔ طبری ص۱۲۳ جلد ۱۵، درالمنثور ص۲۰۷ جلد ۴، ابنِ کثیر ص۶۹ جلد ۳ میں ہے

• النظم من الطبری فلما ہاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عہ اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے ۱۲ منہ غفرلہ   عسہ جو روایاتِ متظافرہ کی ہم پایہ نہیں ۱۲ منہ غفرلہ   عہ گوشہ نشین ۱۲ منہ غفرلہ

"الی المدینۃ سقط ھذا کلہ یفعل الاٰن ای ذٰلک شاء یعنی مدینہ طیبہ کیطرف ہجرت فرمائی تو یہ (جہر شدید کا منع ہونا) منسوخ ہوا۔ اب جو چاہے (جہرِ شدید یا متوسط) کرے بلکہ صاوی علی الجلالین ص۳۱۵ جلد ۲ میں تو ہے وھٰذا الامر قد زال من یوم اسلام عمر و الحمزۃ فھو منسوخ فللمصلی الجھر فی الصلوٰۃ الجھریۃ ولو یزید علی سماع المأمومین یعنی یہ حکم ضرور زائل ہوگیا حضرتِ عمر اور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسلام کے دن سے، پس یہ منسوخ ہے۔ تو نمازی کے لئے بلند پڑھنا جہریہ نمازوں میں جائز ہے اگرچہ مقتدیوں کے سننے سے زیادہ ہو۔"

نیز سننِ بیہقی ص۱۹۵ جلد ۲ میں اسی شانِ نزول مذکورہ کی روایات کے بعد حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جہرِ شدید کی حدیث بیان کر کے فرماتے ہیں قال الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ ولم یکن فی الوقت الذی جھر فیہ عمر ھٰذا الجھر ما کان فی وقت نزول الاٰیۃ من خوف المشرکین ان یسالوا منہ۔ یعنی حضرتِ عمر کے اس جہر کے وقت اس شرارتِ مشرکین کا خطرہ نہیں تھا جو اس آیت کے وقت نزول میں تھا نیز احادیث شریفہ صریحہ سے جہریہ نمازوں میں اتنا بلند پڑھنا کہ بیرونِ مسجد سنا جائے، یقیناً ثابت ہے کما سیأتی باذنہٖ تعالیٰ۔

تو ان حدیثوں سے بھی واضح ہوتا ہے کہ بوجہ ارتفاعِ سبب (خوفِ شرارتِ مشرکین) وہ حکم (درمیانی آواز سے پڑھنے کا) مرتفع ہوگیا۔ پھر زمانہ مقدسہ سے آج تک بالاجماع یقینی طور پر ظہر و عصر میں مخافتت (آہستہ پڑھنا) کا رائج چلے آنا صاف صاف بتا رہا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہوگیا کیونکہ جس طرح "لا تجھر" فرما کر اس صورت میں جہرِ شدید سے منع فرمایا کہ مشرکین نہ سنیں، یونہی ساتھ ہی "لا تخافت" فرما کر مخافتتِ شدیدہ سے منع فرما دیا تاکہ مقتدی سن سکیں، اور "وابتغ بین ذٰلک سبیلاً" سے لازم فرما دیا کہ جہرِ شدید اور مخافتتِ شدیدہ کے درمیان پڑھا جائے کہ مقتدی سنیں اور مشرکین نہ سنیں، تو ظہر و عصر میں یوں آہستہ پڑھنا کہ مقتدی نہ سن سکیں نسخ کی دلیلِ صریح ہے۔ اور جب منسوخ ہونا ثابت ہوا تو وہ استدلال بھی ھباءً منثوراً بن گیا۔

حصولِ مطلوب (مشرکین کو نہ سنانا اور حاضرینِ نماز کو نوازنا) کی دوسری صورت یہ کہ جن نمازوں

مشرکین اپنی ضروریات سے فارغ اور آمادۂ شرارت ہوں، آہستہ پڑھا جائے کہ سن کر شرارتیں نہ کریں اور جن میں کھانے پینے یا سونے میں مصروف ہوں حسبِ معمول بلند پڑھا جائے کہ مقتدی اصحاب کلیۃً محروم نہ رہیں۔ اس صورت کا ذکر اس سابقہ شانِ نزول کے ساتھ ہمارے مشائخ عظام نے کتبِ معتمدہ فقہیہ میں صراحۃً بالوضاحت فرمایا ہے۔ مبسوطِ سرخسی ص۱۷ جلد ۱ میں ہے وقد کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الابتداء یجھر بالقراٰن فی الصلوٰۃ کلھا وکان المشرکون یؤذونہ ویسبون من انزل ومن انزل علیہ فانزل اللہ تعالٰی وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا فکان یخافت بعد ذٰلک فی صلوٰۃ الظھر والعصر لانھم کانوا مستعدین للاذٰی فی ھٰذین الوقتین و یجھر فی صلوٰۃ المغرب لانھم کانوا مشغولین بالاکل والعشاء والفجر لانھم کانوا نیامًا و لھٰذا جھر فی الجمعۃ والعیدین لان اقامھما بالمدینۃ وما کان للکفار بھا قوۃ الاذٰی کفایہ ص۲۸۲، ۲۸۳ جلد ۱، بحرالرائق ص۳۳۵ جلد ۱ طحطاوی علی المراقی ص۱۵۱ میں بکلماتِ متقاربہ ہے والنظم من البحر والاصل فیہ کما ذکرہ المصنف فی الکافی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجھر بالقراٰن فی الصلوات کلھا فی الابتداء وکان المشرکون یؤذونہ و یسبون من انزل و انزل علیہ فانزل اللہ تعالٰی وَلاتجھر بصلوٰتک ولاتخافت بھا ای لاتجھر بصلوٰتک کلھا و لاتخافت بھا کلھا وابتغ بین ذٰلک سبیلا بان تجھر بصلوٰۃ اللیل و تخافت بصلوٰۃ النھار فکان یُخافت بعد ذٰلک فی صلوٰۃ الظھر و العصر لانھم کانوا مستعدین للایذاء فی ھٰذین الوقتین ویجھر فی المغرب لانھم کانوا مشغولین بالاکل و فی العشاء و الفجر لکونھم رقودًا و فی الجمعۃ و العیدین لانہ اقامھما بالمدینۃ وماکان للکفار بھا قوۃ۔



ان سب عبارتوں کا حاصل کہ بیشک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ابتداء اسلام میں تمام نمازوں میں قرآنِ کریم بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے اور مشرکین سنکر بیہودہ حرکتیں کیا کرتے تھے تو اللہ تبارک و تعالٰے نے (ولا تجهر بصلوتك ولا تخافت بها) نازل فرمایا کہ اپنی سب نمازوں میں بلند آواز سے قرآنِ کریم نہ پڑھو اور نہ ہی سب نمازوں میں آہستہ آواز سے پڑھو (وابتغ بين ذلك سبيلا) اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو " بایں طور کہ رات کی نمازوں میں بلند آواز سے پڑھو اور دن کی نمازوں میں آہستہ ، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم آنے کے بعد ظہر و عصر میں آہستہ پڑھا کرتے تھے اس لئے کہ ان دونوں وقتوں میں مشرکین آمادۂ شرارت ہوتے تھے ، اور مغرب کی نماز میں بلند پڑھا کرتے تھے کہ وہ کھانے پینے میں مشغول ہوا کرتے تھے ، اور عشاء و فجر میں بھی بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے کہ وہ ان وقتوں میں نیند میں ہوتے تھے اور جمعہ و عیدین میں بھی بلند پڑھا کرتے تھے اس لئے کہ ان کو قائم ہی مدینہ شریف میں کیا ، حالانکہ اس میں کفار کو طاقتِ شرارت نہ تھی ۔

کفایہ و بحر الرائق میں فرمایا وهذا العذر وان زال بغلبة المسلمين فالحكم باقٍ لان بقاءه يستغني عن بقاء السبب . یعنی وہ عذر (شرارتِ مشرکین) اگرچہ غلبۂ اسلام سے زائل ہو چکا مگر وہ حکم باقی ہے اس لئے کہ اس کی بقاء بقاءِ سبب سے بے پروا ہے "۔ نیز بدائع صنائع ص۱۶۱ جلد ۱ ، فتح القدیر ص۲۸۶ جلد ۱ ، عنایہ ص۲۸۳ جلد ۱ ، در المختار مع تقریر الشامی ص۴۹۷ جلد ۱ میں ہے والنظم من البدائع كان النبي صلى الله عليه وسلم يجهر في الصلوات كلها في الابتداء الى ان قصد الكفار ان لا يسمعوا القرآن وكادوا يلغون فيه فخافت النبي صلى الله عليه وسلم بالقراءة في الظهر والعصر لانهم كانوا مستعدين للاذى في هذين الوقتين ولهذا كان يجهر في الجمعة والعيدين لانه اقامهما بالمدينة وما كان للكفار



عه بدائع و عنایہ میں ہے وان زال هذا العذر بقيت هذه السنة كالرمل في الطواف ونحوه ۱۲ منہ غفر له

اس کا حاصل بھی وہی ہے اور مفسرین کرام نے بھی بلا ذکرِ شانِ نزول اس صورت سے اس کریمہ کی تفسیر صراحۃً ذکر فرمائی ہے۔ احکام القرآن للامام الجصاص الحنفی ص۲۶ جلد ۳، ابو السعود ص۴۷۲ جلد ۶، بیضاوی ص۴۷ جلد ۱، تفسیر کبیر ص۴۵۵ جلد ۵، نیشاپوری ص۱۰۳ جلد ۱۵، تفسیرات احمدیہ ص۳۳۳، مدارک ص۲۵۶ جلد ۲ میں ہے و النظم للنسفی" او معناہ و لا تجہر بصلوتک کلہا ولا تخافت بہا کلہا و ابتغ بین ذلک سبیلاً بان تجہر بصلوۃ اللیل و تخافت بصلوۃ النہار"، بلکہ درالمنثور ص۲۰۳ جلد ۴ میں حضرت رأس المفسرین سے ہے و نصہ و اخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس فی قولہ تعالٰی ولا تجہر بصلوتک ولا تجعلہا کلہا جہرا ولا تخافت بہا قال لا تجعلہا کلہا سراً۔

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں تمام نمازوں کے جہر قرأت سے منع نہیں فرمایا بلکہ صرف ظہر وعصر میں، نیز تفسیرات احمدیہ میں ہے و علی ہذا فالأیۃ فی تعیین الصلوۃ الجہریۃ و غیر الجہریۃ۔ یعنی اس تفسیر پر یہ آیت جہریہ اور غیر جہریہ پنجگانہ نمازوں کی تعیین کرتی ہے۔ بہرحال یہ اس کریمہ کی ایسی تفسیر ہے جسے بکثرت مفسرین کرام نے بیان فرمایا اس صورت میں " ذلک " کا اشارہ الجہر بقراءۃ کل الصلوات او المخافۃ بقراءۃ کل الصلوات کی طرف ہے۔ تو امر " ابتغ بین ذلک " سے رات کی نمازوں میں جہر واجب ہوا اور دن کی نمازوں (ظہر وعصر) میں مخافتت کما مر مصرحاً، اور جب اس کریمہ سے جہریہ نمازوں میں جہر جائز ہوا تو جہر کے تمام افراد کا جواز ثابت ہو گیا شدید ہو یا خفیف یا بین بین کہ اطلاق و عموم جہران سب کو شامل ہے۔

امام اہل السنت و الجماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں " عموم و اطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے آج تک علماء میں شائع و ذائع، یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح واقع ہو گی، ہمیشہ محمود رہے گی تاوقتیکہ کسی صورتِ خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے مثلاً مطلق ذکر الٰہی کی خوبی قرآن و حدیث سے ثابت تو جب کبھی کہیں

کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی، بہتر ہی ہوگی۔ ہر ہر صورت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یادِ الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت، غرض جب مطلق کی خوبی معلوم اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا یہ محتاجِ دلیل ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے شاع و ذاع احتجاجهم سلفا وخلفا بالعمومات من غير نكير ۔ اسی میں ہے العمل بالمطلق يقتضي الاطلاق ۔ تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے العمل به ان يجرى فى كل ماصدق عليه المطلق (اقامة القيامة ص۲۶) بلکہ بالخصوص جہرِ قوی (جو بیرونِ مسجد سنا جائے) کا جواز یوں بھی ثابت ہے کہ اس کریمہ کا سببِ نزول وہی جہرِ قوی تو ہے جو تمام نمازوں میں کیا جاتا تھا اور مشرکین باہر سنا کرتے تھے جسے مشائخ احناف کے نزدیک ابتغ بين ذلك سے جہریہ نمازوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا تو لامحالہ جہرِ قوی بھی جائز ہوا اور مامور بہ کا فرد بنا اور جمعہ و عیدین بھی جب جہریہ نمازوں میں شامل ہوئے تو ان میں بھی وہ جہر جائز ہوا۔" تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ خلاف ورزی کریمہ کا شبہ محض پا در ہوا ہے۔ کریمہ تو جائز بتاتی ہے خلاف ورزی کیسی؟ پھر ایسا جہرِ قوی ان احادیث کثیرہ مرفوعہ و موقوفہ کے اطلاقات و عمومات سے بھی ثابت، جن میں جہریہ نمازوں کا جہر بیان ہے وكثرتها اظهر من ان تظهر۔ بلکہ بالخصوص صراحۃً بھی ثابت، صحیح بخاری ص۱۰۵ جلد۱، ص۴۳۸ جلد۱ وغیرہ کتب کثیرۂ احادیث میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ میں نے سرکارِ عرش قرار صلے اللہ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب جبیر اسلام نہیں لائے تھے اور بدر کے قیدیوں کی طلب میں آئے تھے۔ جہادِ بخاری کے یہ لفظ ہیں وكان جاء فى اسارى بدر، قال سمعت النبى صلى الله تعالى عليه وسلم يقرأ فى المغرب بالطور۔ ظاہر ہے کہ وہ مسجد اقدس سے باہر قیدیوں کے پاس ہی ہوں گے۔ تو معلوم ہوا کہ بیرونِ مسجد سن رہے تھے۔ بلکہ صحیح بخاری ص۴۳۵ جلد۲ میں طبرانی کی روایت سے اسی حدیث میں ہے وقد خرج صوته من المسجد کہ حضور کی آواز مبارکہ مسجد سے ضرور باہر نکلی ہوئی تھی۔ مؤطا امام مالک ص۲۷، مؤطا امام محمد ص۸۱، سنن بیہقی ص۱۹۵ جلد۲



یں ہے و النظم منہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یجہر بالقراءۃ فی الصلوٰۃ و ان قراءتہ کانت تسمع عند دار ابی جہم بالبلاط ۔ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز قرارت بلند پڑھا کرتے تھے اور آپ کی قرارت بلاط میں ابوجہم کی حویلی کے پاس سنی جاتی تھی ولا شک فی وفور الصحابۃ فی عہدہ المبارک ولم ینقل انکار احد فکان اجماعا منہم علی حسن کمال الجہر۔

شرح معانی الآثار ص۱۰۷ جلد ۱ میں حدیث عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں مکہ مکرمہ میں نماز صبح پڑھائی اور اپنی آواز قرارت اتنی بلند فرمائی کہ اگر اس وادی میں کوئی ہوتا تو ضرور سن لیتا و رفع صوتہ بالقراءۃ حتی لو کان فی الوادی احد لاسمعہ صحیح بخاری ص۹۲ جلد ۱ میں ہے وکان ابن عمر یوضع لہ الطعام وتقام الصلوٰۃ فلا یأتیہا حتی یفرغ وانہ یسمع قراءۃ الامام۔ عینی شرح بخاری ص۲۷ جلد ۲ میں ہے (قولہ وکان ابن عمر) ھو موصول عطفا علی المرفوع وقد رواہ السراج من طریق یحیی بن سعید عن عبد اللہ عن نافع فذکر المرفوع ثم قال قال نافع وکان ابن عمر اذا حضر عشاءہ وسمع الاقامۃ وقراءۃ الامام لم یقم حتی یفرغ۔ فتح الباری ص۱۲۷ جلد ۲ میں بھی یونہی ہے مگر "عن عبد اللہ، عن نافع" کی بجائے عن عبید اللہ عن نافع ہے۔ وقد اخرج الحدیث الامام محمد فی الموطا ص۱۰۶ وفیہ فیسمع قراءۃ الامام وھو فی بیتہ۔ گھر اور کھانا لامحالہ مسجد سے باہر ہی ہوتا ہے تو مدعیٰ صاف طور پر ثابت ہے۔ پھر تمام ائمہ کا اتفاقیہ مسلّمہ مسئلہ ہے کہ جہریہ نمازوں میں امام پر جہر واجب ہے۔ متون و شروح و حواشی و فتاویٰ سبھی کے سب تصریحات وجوب سے گونج رہے ہیں۔ ان کے اطلاقات جہر سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ اس کی سب صورتیں جائز ہیں حالانکہ فقہائے کرام نے یہاں تک فرمایا کہ جہر امام کا سب سے کم درجہ یہ کہ ساری صف اول اس کو سن لے، اور اعلیٰ کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ خلاصۃ الفتاوٰے ص۹۵ جلد ۱، بحر الرائق ص۳۳۶ جلد ۱، در المختار



ص۵۲ جلد ا، شامی (از خلاصہ و خانیہ از جامع صغیر) ص۴۹۹ جلد ا میں ہے ان الامام اذا قرأ فی صلوٰۃ المخافتۃ بحیث سمع رجل او رجلان لا یکون جهرًا والجهر ان یسمع الکل۔ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ای کل الصف الاول لا کل المصلین بدلیل ما فی القهستانی عن المسعودیۃ ان جهر الامام اسماع الصف الاول (الیٰ ان قال) ادنی الجهر اسماع غیرہ ممن لیس بقرب کاهل الصف الاول واعلاہ لاحد۔

یہ شامی علیہ الرحمۃ کی وہ بلند پایہ تحقیق ہے جو عطرِ تحقیق اور غنیمتِ خاصہ ہے تو روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ امام کے لئے ایسا بلند پڑھنا جو بیرونِ مسجد سنا جائے یقیناً جائز ہے جب کہ اس پڑھنے سے امام یا کسی دوسرے کو مشقت و اذیت نہ پہنچے بلکہ ایسا پڑھنا اولیٰ و افضل ہے۔ تبیین الحقائق ص۱۲۷ جلد ا، عالمگیریہ ص۳۷ جلد ا، طحطاوی علی المراقی ص۱۵۱ میں ہے لکن لا یبالغ فی الجهر مثل الامام لانہ لا یسمع غیرہ۔ یعنی امام تو بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھتا ہے مگر اکیلا امام کی طرح زیادہ بلند آواز سے نہ پڑھے، نہایہ علی الهدایہ ص۲۸۳ جلد ا میں بھی منفرد کے حق میں ہے لا یجهر ههنا کل الجهر یعنی اس حالتِ انفراد میں تو پورا جہر نہ کرے۔ در المختار ص۵۱ جلد ا، مراقی الفلاح ص۱۵۱، کفایہ علی الهدایہ ص۲۸۴ جلد ا میں ہے ویکتفی بادناہ کہ اکیلا سب سے چھوٹے درجے کا جہر کرے۔

تو ان عبارات سے حسب القواعد معلوم ہوا کہ امام پورا جہر کرے اور ادنیٰ درجہ کا نہ کرے لان المفهوم المخالف معتبر کما فی الدر والشامی ورسائلہ وصرح بہ مجدد المائۃ الحاضرۃ فی الرضویۃ المبارکۃ بلکہ شامی علیہ الرحمۃ اور وضاحت فرماتے ہیں کہ جماعت کے قدر سے زیادہ بلند پڑھنا اسی شرط کے ساتھ افضل ہے ص۴۹۷ جلد ا میں ہے وفی الزاهدی عن ابی جعفر لو زاد علی قدر الحاجۃ فهو افضل الا اذا اجهد نفسہ او اذی غیرہ قهستانی، تبیین الحقائق ص۱۲۷ جلد ا، فتح القدیر ص۲۸۳ جلد ا، مجمع الانہر ص۱۰۳ جلد ا، ہندیہ ص۳۷ میں ہے والنظم منها ولا یجهد الامام نفسہ بالجهر۔ یعنی امام یوں نہ پڑھے کہ مشقت میں پڑے



تو معلوم ہوا کہ بلا مشقت جس قدر بلند پڑھ سکے بہتر ہے۔

ان سب عباراتِ فقہیہ کا منبع وہ پاکیزہ کلمات ہیں جو محرر مذہب مہذب حنفیہ حضرتِ امام محمد علیہ الرحمۃ نے مؤطا کے ص۸۵ بابِ جہر اور قدرِ مستحب جہر میں حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ بلند جہر جو بیرونِ مسجد پاک ابوجہم کی حویلی کے پاس سنا جاتا تھا، باسناد بیان کر کے فرماتے ہیں الجھر بالقراءۃ فی الصلوٰۃ فیما یجھر فیہ بالقراءۃ حسن مالم یجھد الرجل نفسہ۔ یعنی یہ جہر (جو حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے) جہریہ نمازوں میں اچھا ہے جب کہ پڑھنے سے مشقت میں نہ پڑے۔ تو اس بلند پڑھنے کا حسن و استحباب آفتابِ بلاحجاب کی طرح واضح ہوا۔ رہا وہ جو سراج وہاج سے بحرالرائق و ہندیہ میں ہے الامام اذا جھر فوق الحاجۃ فقد اساء کہ امام جب ضرورت سے زائد جہر کرے تو اس نے اچھا نہ کیا۔ اس ضرورت سے زائد جہر سے مراد اگر وہ جہر ہو جو باعثِ مشقت بنے تو فبہا کما مر، ورنہ ان نصوصِ عالیہ مشائخِ عظام و ائمۂ کرام کے سامنے محض مضمحل و لاطائل ہے کہ سراج وہاج ضعیف اور غیر معتبر کتاب ہے۔ حضرتِ مجددِ مائۃِ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاوٰے رضویہ ص۴۱۳ جلد ا میں اسی سراجِ وہاج کے ایک مسئلہ کے رد میں فرمایا کیف ما کان فما فی السراج غریب جداً ولم یستند لمعتمد وخالف المعتمدات ونقول الثقات ولا یظھر لہ وجہ وقد قال فی کشف الظنون السراج الوھاج عدہ المولی المعروف ببرکلی من جملۃ الکتب المتداولۃ الضعیفۃ غیر المعتبرۃ۔ (ترجمہ) جس طرح بھی ہو تو وہ جو سراج میں ہے بالکل نئی بات ہے جو کسی معتمد کتاب کی طرف مستند نہیں اور کتبِ معتمدہ اور ثقوں کی نقلوں کے خلاف ہے۔ اور اس کی کوئی دلیل ظاہر نہیں ہوتی حالانکہ کشف الظنون میں فرمایا کہ مولیٰ برکلی نے سراج کو ان کتبِ متداولہ سے ذکر کیا ہے جو ضعیف اور غیر معتبر ہیں" اور یونہی سراج الوہاج سے بعض کتابوں میں منقول ہو جانا بھی صحیح نہیں بنا سکتا۔ رضویہ شریف ص۳۱۳ جلد ا میں بحرالرائق سے ہے وقد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیئا خطأ فیاتی من بعدہ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر الناقلون واصلہ لواحد مخطیء۔ یعنی بسا اوقات یوں واقع ہوتا ہے



مگر کوئی ایک مصنف غلطی سے کوئی چیز ذکر کر دیتا ہے تو اس سے پچھلے آکر اس عبارت کو یونہی بلاتغیر نقل کر دیتے ہیں تو ناقل زیادہ ہو جاتے ہیں حالانکہ دراصل ایک ہی بھولنے والا ہوتا ہے۔ اور شامی علیہ الرحمۃ رسائل ص۱۳۱ جلد ۱ میں فرماتے ہیں کہ کبھی یوں اتفاق بنتا ہے کہ متاخرین کی کتابوں سے تقریباً بیس کتابوں میں کوئی قول نقل ہو جاتا ہے اور ہوتا وہ قول غلط ہے جو غلطی کر بیٹھا اس میں پہلا واضع اس کا تو پچھلا آتا ہے اور اس قول کو اس نقل کر دیتا ہے اور یونہی نقل کرتا جاتا ہے بعض ان کا بعض سے، پھر اس کی کئی نظیریں امی سراج وہاج وغیرہ سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں و لهذا الذی ذکرناه نظائر کثیرة اتفق فیها صاحب البحر والنهر والمنح و الدر المختار وغیرهم وهی سهو منشاه الخطأ فی النقل او سبق النظر. یعنی یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کی نظیریں بکثرت ہیں جن میں بحرالرائق، نہرالفائق، منح الغفار، درالمختار وغیرہا کے مصنفین نے اتفاق کیا حالانکہ وہ نظیریں سہو (بھول) ہوتی ہیں، منشا ان کا نقل میں غلطی یا سبقتِ نظر ہوتی ہے۔"

نیز رسائل ص۱۷۹ جلد ۱ میں ایک اہم قاعدہ بیان کر کے فرماتے ہیں ان المقلد ان افتی بلا نقل عن المعتبرات فلا تنظر الی فتواه" بیشک مقلد اگر معتبر کتابوں کی نقل کے سوا فتوے دے تو اس کے فتوے کو دیکھا ہی نہ جائے۔" پھر صراحۃً حدادی (مصنف سراج وہاج شرح قدوری) کا نام لیکر فرمایا کہ وہ اور ان کے ہم مثلوں کا یہی حکم ہے لہذا شامی علیہ الرحمۃ نے درالمختار کے قول "فان زاد علیه اساء" کی شرح میں بجائے اس کی تائید کے الٹے جہر فوق الحاجۃ کو افضل قرار دیا اور اس "اساء" کا قطعاً اعتبار نہ فرمایا۔ شامی ص۴۹۷ جلد ۱ میں ہے (قوله فان زاد علیه اساء) وفی الزاهدی عن ابی جعفر لو زاد علی الحاجة فهو افضل الخ اور اگر ارخاء العنان کے طریق پر چشم پوشی کی جائے تو پھر بھی اس عبارتِ سراج سے حرمت و کراہت ثابت نہیں ہوسکتی کہ لفظِ "اساءة" ترکِ اولیٰ پر بھی بولا جاتا ہے۔ بلکہ مانعینِ جواز کے مسلّم سید احمد حموی سے شامی علیہ الرحمۃ نے شامی ص۵۵ جلد ۱ میں یہی عبارتِ سراج اور اس کے متصلاً "ان الاساءة دون الکراهة" نقل فرمایا، یعنی یہ اساءة کراہت سے کم ہے۔" تو ثابت ہوا کہ اس عبارت کا تقاضا صرف اتنا ہے کہ ضرورت سے زائد جہر افضل نہیں تو فاضل و جائز ہونے کی نفی نہ ہوئی بلکہ حسب القواعد اثبات ہوا اور یونہی طحطاوی علیہ الرحمۃ نے حاشیۂ المراقی ص۱۵۱ میں اس کا ذکر مستحب کے مقابلہ میں فرمایا والمستحب



ان یجھر بحسب الجماعۃ فان زاد فوق حاجۃ الجماعۃ فقد اساء۔ تو وہ عبارتِ سراج بھی جوازِ بلا کراہت کے خلاف نہیں۔ بہرحال ایسا جہرِ امام جو بیرونِ مسجد سنا جائے فقہائے کرام کی نظروں میں جائز ہے۔ بلکہ محررِ مذہب حضرتِ امام محمد علیہ الرحمۃ اور بہت سے مشائخ عظام نے اس کی تحسین فرمائی ہے جبکہ باعثِ مشقت نہ بنے اور چونکہ لاؤڈ سپیکر کی صورت میں بھی ایسا ہی جہر پایا جاتا ہے جو باعثِ مشقت نہیں بنتا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہوگا چہ جائیکہ ناجائز یا مفسدِ نماز بنے۔

الحاصل عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے لئے سپیکر نصب کر دینا کریمۂ ولا تجھر بصلوتك ولا تخافت بھا وابتغ بین ذٰلك سبیلا کی خلاف ورزی قطعاً نہیں۔ جس معنٰی کی بنا پر خلاف ورزی کا خیال کیا جاتا ہے وہ حکم جمعہ وعیدین کے شروع ہونے سے پہلے ہی منسوخ ہو گیا۔ اور دوسرا معنٰی مفیدِ جواز و استحباب ہے جو احادیثِ مرفوعہ وموقوفہ اور تصریحاتِ فقہیہ حنفیہ سے بھی ثابت ہے۔ تعجب ہے کہ حنفی ہو کر کریمہ کا وہ معنٰی نہیں لیتے جو مشائخ عظام حنفیہ نے نہایت واضح الفاظ میں تفصیل سے بیان فرمایا اور ایک ایک نماز کا نام لیکر بتایا (کمامر) پھر تعجب ہے کہ وہ حضرات[عہ] سپیکر سے سنی گئی آواز کو جب آوازِ امام نہیں مانتے بلکہ مغائر اور صدا جانتے ہیں اور صدا درمیانی آواز بلکہ قدرے آہستہ سے بھی پیدا ہو جاتی ہے[عہ] تو ان کے قول پر لازم کہ نمازیں جماعت سے ایسے مکانوں

عہ یہ دوسرے حضرات ہیں جو صدا مانتے ہیں اور مکبر الصوت کے سوال دوم میں مذکور بعض علماء سپیکر سے سنی گئی آواز کو صدا نہیں بلکہ عینِ آوازِ امام مانتے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (اور آوازِ امام کا غیر مانتے ہیں)

عہ بیجا پور کے سلطان عادل شاہ کے مزار کے گول گنبد میں وہ خوبی ہے جو کسی بہتر سے بہتر لاؤڈ سپیکر میں بھی نہیں، سیکڑوں برس کا پرانا گنبد جس میں برقی رو بھی نہیں۔ اس میں دو آدمی پورے قطر کے فاصلے پر جو تقریباً سو گز ہوگا بیٹھ کر آہستہ سرگوشی کرتے اور سنتے ہیں اور آواز بعینہٖ اصل متکلم کی ہوتی ہے اور یونہی بیجا پور کی مسجد بھی مشہور ہے۔ اس رسالہ کی دوبارہ طباعت کے بعد کراچی سے مشرق میں شہر ٹھٹھہ میں سو گنبد والی مسجد جو شہنشاہ شاہجہان کی تعمیر کردہ ہے فقیر نے بمع جماعتِ علماء خود دیکھی حالانکہ مسجد کی مرمت سرکاری طور پر ہو رہی تھی اور کافی کام ہو رہا تھا اور شور تھا مگر اس کے باوجود مولانا الحاج غلام حسین نوری کو ہم نے محراب میں کھڑے کیا اور مسجد کے بیرونی صدر دروازہ میں چلے گئے تو نوری صاحب کا پڑھنا یوں معلوم ہوا کہ گویا پاس ہی پڑھ رہے ہیں حالانکہ مسجد بہت ہی زیادہ وسیع ہے اور یونہی درمیانی صحن اور آس پاس برابر پورا پورا سن رہے تھے۔ نیز ابھی زمانہ قریب میں پاکستانی بورڈ فیصلے نے کراچی میں تقریباً چھتیس لاکھ روپیہ سے وسیع مسجد تعمیر کی ہے جو ساری کی ساری ایک بہت بڑا گنبد ہے اور امام کی آواز سب مقتدی یوں سنتے

(بقیہ بر صفحہ ۴۳۰)

ہیں جائز نہ ہوں جن میں صدا پیدا ہو جاتی ہے جیسے گنبد دار مساجد، حالانکہ قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ اہالیانِ اسلام گنبد دار مسجدیں بناتے اور ان میں نمازیں ادا کرتے چلے آتے ہیں۔ آج تک کسی نے ایسی مسجدوں کا بنانا حرام نہیں بتایا اور نہ ہی ان میں نماز پڑھنا ناجائز فرمایا۔ یہ حضرات عذر کیا کرتے ہیں کہ سپیکر نئی ایجاد ہے اس کا صریح جزئیہ کیسے دکھائیں؟

حضرات! گنبد دار مساجد تو نئی ایجاد نہیں، براہِ کرم کسی مستند کتاب سے صرف اتنا ہی دکھا دیں کہ ان میں نماز باجماعت ناجائز ہے یا کریمہ لا تجهر بصلوتك کی خلاف ورزی ہے۔ فقہائے کرام نے ایسی ایسی نادر سے نادر صورتوں کا بھی بیان فرمادیا ہے جن کا وقوع نہایت ہی مستبعد ہے، تو اس واقع و متحقق صدا کا حکم کیوں نہ بیان فرمایا؟ کیا ان کی باریک بین نظروں نے یہ بڑے بڑے گنبد نہ دیکھے یا ان کے سریع السماع کانوں نے یہ سخت سخت صدائیں نہ سنیں؟ یوں ہرگز ہرگز نہیں بلکہ یہ سب کچھ یقیناً ان کے پیشِ نظر تھا مگر چونکہ جوازِ نماز میں خلل انداز نہیں تھا لہٰذا مفسداتِ نماز میں شمار نہ فرمایا بلکہ صاف صاف جوازِ نماز کا حکم لگا دیا کہ ان حضرات (مشائخ عظام) نے مقتدی کے لئے انتقالاتِ امام کا علم کسی طرح سننے یا دیکھنے سے حاصل ہو جانا جوازِ نماز کے لئے ضروری قرار دیا جو صدائے گنبد یا سپیکر سے بھی حاصل ہے، اس کا بیان رسالہ مکبر الصوت میں فتاویٰ قاضی خان وغیرہا گیارہ کتابوں سے گزر چکا، اور سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا تو اس کی تصریح فرمادی مگر اس سے یہ سمجھنا کہ صدا سے سجدہ واجب نہیں ہوتا تو نماز بھی جائز نہ ہوگی! صحیح نہیں۔ وجوبِ سجدہ کی نفی تو جواز سجدہ کی نفی بھی نہیں چہ جائیکہ جوازِ نماز کی نفی بنے۔ اور اگر اسی پر اصرار ہے کہ اس مسئلۂ تلاوت سے نماز کا عدم جواز ثابت ہو گیا تو پھر دوسرے مسئلۂ تلاوت سے مبلغ کی تکبیرات سن کر نماز پڑھنا بھی ناجائز ہو جائے گا کہ ہماری تمام کتبِ فقہیہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت کہ مقتدی آیتِ سجدہ پڑھے تو سجدہ واجب نہیں ہوتا تو لازم کہ جس طرح صدا، سے سجدۂ تلاوت واجب نہ ہونے پر صدا مفسدِ نماز بن گئی۔ یونہی مقتدی کے



میں جیسے پاس کھڑے ہیں تو کیا ان مساجد میں نماز باجماعت جائز نہیں! تعجب ہے کہ ایسی بڑی مساجد کو بڑی بڑی جماعتوں کے لئے تیار کرایا گیا ہے اور شہنشاہ شاہجہان کے زمانہ میں اور بعد میں آج تک کسی عالم کا ایسا کوئی فتوے دیکھا یا سنا نہیں گیا ہے جس میں ایسی مساجد میں نماز باجماعت کو حرام اور مفسدِ نماز کہا گیا ہو فاعتبروا یا اولی الابصار ۱۲ منہ غفرلہ

پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہ ہونا صورتِ مبلغ میں مفسد بن جائے کہ مبلغ بھی مقتدی ہی ہوتا ہے حالانکہ یہ جائز ہے تو معلوم ہوا کہ صدا سے سن کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے تو یہ مسئلۂ منصوصہ صدا دلیلِ جواز بن گیا (و التفصیل فی مکبر الصوت وسیجیٔ فی ھٰذہ ایضًا باذنہ تعالیٰ)

رہا یہ شبہ کہ سنتِ مستمرہ کے مخالف ہے تو یہ بھی محض اشتباہ و توہم ہی ہے۔ یوں کہنے والوں سے دریافت کیا ہوتا کہ کون سی دینی کتاب مستند میں ہے کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ کھڑے کرتے تھے ؟ مجھے تو بکثرت کتبِ متداولہ دیکھنے سے اتنا بھی نہیں مل سکا کہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک مرتبہ کے لئے بھی کوئی ایک ہی مبلغ (تکبیرات سنانے والا) کھڑا کیا ہو، تعجب ہے کہ ان حضرات کو کیسے مل گیا کہ "مبلغ کھڑے کرتے تھے"، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ مبلغ کھڑے کرتے تھے اور ایک سے زیادہ ہوتے تھے کیونکہ "کھڑے" صیغۂ جمع ہے اور "کرتے تھے" ماضیٔ استمراری ہے۔ تبھی تو سنتِ مستمرہ کے خلاف بتاتے ہیں۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین ٥ "کہو دعوے میں سچے ہو تو دلیل لاؤ"

ہاں اتنا تو ضرور ملتا ہے اور مستند کتابوں سے ثابت کہ محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مختلف مرضوں کے دوران ایک ایک مرتبہ یہ اتفاق بنا کہ حضور نے نماز پڑھائی اور حضرتِ ابوبکر حاضرین کو تکبیر سناتے رہے (صلی اللہ علیہ وعلیٰ صدیقہ وسلم) اور ان دونوں مرتبہ ظہر ہی کی نماز تھی۔ پہلی نماز حضرتِ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے دولت سرا کے بالاخانہ میں مزاج پرسی کے لئے حاضر ہونے والوں کو بیٹھ کر پڑھائی اور ابوبکر صدیق لوگوں کو تکبیرات سناتے رہے۔ مسلم ص۱۷۷ جلد۱، ابوداؤد ص۸۹ جلد۱، سنن بیہقی ص۷۹ جلد۳، طحاوی شریف ص۲۳۴ جلد۱ میں بکلماتِ متقاربہ ابوالزبیر سے ہے کہ حضرتِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (و النظم لاحدیٰ روایات مسلم) اشتکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلینا وراءہ وھو قاعد و ابو بکر یسمع الناس تکبیرہ، ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے فاتیناہ مرۃ اخریٰ نعودہ فصلی المکتوبۃ جالسا۔ امام طحاوی اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے صلی بنا رسول اللہ علیہ وسلم الظھر فتح الباری ص۱۳۱ جلد۲ میں ہے ان ھٰذہ القصۃ کانت فی ذی الحجۃ سنۃ خمس من الھجرۃ کہ یہ سن پانچ ہجری کے ذی الحجہ میں ہوا، اور

دوسری نماز مسجدِ اقدس میں جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرض میں حضرتِ ابوبکر کو امامت نماز کا حکم دیا اور کئی دن وہی نمازیں پڑھاتے رہے۔ پھر ایک دن حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا آرام محسوس فرمایا تو دو صاحبوں کے سہارے نمازِ ظہر کے لئے باہر تشریف لاتے حالانکہ ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب ابوبکر نے حضور کو دیکھا تو (عین نماز میں) پیچھے ہٹنے لگے تو حضور نے اشارۃً ہٹنے سے روک دیا اور حکم فرمایا کہ مجھے ابوبکر کے پاس بٹھا دو۔ تو اب ابوبکر حضور کی اقتدا کرتے ہوئے نماز پڑھا رہے تھے اور لوگ ابوبکر صدیق کی تکبیرات سن کر پڑھ رہے تھے۔



حضرتِ ام المؤمنین صدیقہ سے بہ تصدیقِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم صحیح بخاری ص۹۵ جلد ۱، صحیح مسلم ص۱۷۸ جلد ۱ وغیرہما کتبِ معتمدہ کثیرہ میں ہے و النظم من البخاری فصلی ابوبکر تلك الایام ثم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجد من نفسہ خفۃ فخرج بین رجلین احدہما العباس لصلٰوۃ الظہر وابوبکر یصلی بالناس فلما راٰہ ابوبکر ذہب لیتأخر فاومی الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بان لایتأخر فقال اجلسانی الٰی جنبہ فاجلساہ الٰی جنب ابی بکر قال فجعل ابوبکر یصلی وھو یأتم بصلٰوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و الناس بصلٰوۃ ابی بکر۔

صحیح مسلم ص۱۷۹ جلد ۱ میں ہے و ابوبکر یسمعہم التکبیر۔ عینی ص۴۳۶ جلد ۲، فتح الباری ص۱۳۸ جلد ۲ میں ہے (قولہ لصلٰوۃ الظہر) ھو صریح فی ان الصلٰوۃ المذکورۃ کانت صلٰوۃ الظہر۔ سنن بیہقی ص۸۳ جلد ۳، عینی ص۷۱۹ جلد ۲، فتح القدیر ص۳۳۱ جلد ۱، نصب الرایہ ص۴۲۳، ۴۵ جلد ۲، مرقاۃ ص۱۰۳ جلد ۲ میں ہے ھی صلٰوۃ الظہر یوم الاحد او یوم السبت کہ یہ اتوار یا ہفتہ کی ظہر تھی۔ عینی ص۴۳۶ جلد ۲، فتح الباری ص۱۳۸ جلد ۲ میں ہے و النظم من الفتح وقد صرح الشافعی بانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یصل بالناس فی مرض موتہ فی المسجد الا مرۃ واحدۃ وھی ھذہ التی صلی فیہا قاعدا و کان ابوبکر

فیہا اولا اماما ثم صار ماموما یسمع الناس التکبیر۔ یعنی امام شافعی علیہ الرحمۃ نے صراحۃً فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مرضِ وصال میں مسجد میں صرف ایک مرتبہ ہی نماز پڑھائی اور یہ وہی نماز ہے جو بیٹھ کر ادا فرمائی اور ابوبکر اس میں پہلے امام تھے پھر مقتدی بن گئے، لوگوں کو تکبیر سناتے تھے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ یہ ربیع الاول شریف ۱۱ھ میں تھا۔ بہرحال صرف ظہر کی دو نمازوں میں دوران مرض میں حضرت ابوبکر کا اپنے طور پر کھڑے ہونا اور تکبیرات سنانا ملتا ہے اور جمعہ وعیدین یا کسی اور نماز میں تکبیرات سنانا نہیں ملتا اور نہ ہی یہ ملتا ہے کہ ابوبکر کے ساتھ کوئی مبلغ بھی تھا۔ اور یہ بھی نہیں ملتا کہ حضور نے ابوبکر صدیق کو تکبیرات سنانے کا حکم دیا ہو، تو سنتِ مستمرہ کیسے بنا! ہاں ان دونوں مرتبہ میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوبکر کو منع نہ فرمانا ان دونوں مرتبہ میں جائز ہونے کی دلیل ہے کہ حضور کا فعلِ صحابی پر مطلع ہو کر منع نہ فرمانا دلیلِ جواز ہے۔ تحریر الاصول مطبوع مع التیسیر ص۱۲۸ جلد ۳، مسلم الثبوت مع شرح بحر العلوم ص۴۶۹ وغیرہما میں ہے (والنظم للمحقق) اذا علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بفعل وان لم یرہ فسکت (الی ان قال) فدلیل الجواز۔

نیز یہ بھی مسئلہ ہے کہ حکایتِ فعلِ مثبت یعنی کسی فعل کے واقع ہونے کی خبر دینی (جیسے گذشتہ حدیثوں میں حضرت ابوبکر کے تکبیرات سنانے کی حکایت ہے) عام نہیں ہوجاتی ہے کہ وہ حکم تمام شخصوں اور تمام زمانوں جہتوں کے لئے عام ہوجائے۔ اس لئے کہ اس فعل کا وہ وقوع جس کی خبر دی جا رہی ہے لامحالہ کسی خاص صفت اور کسی خاص وقت میں کسی خاص فاعل کا ہی کسی خاص غرض سے ایک خاص فعل ہوگا۔ یعنی جزئی حقیقی ہوگا جس میں عموم واشتراک متصور ہی نہیں تو لامحالہ خاص ہوگا تو عام کیسے ہو؟

تنقیح وتوضیح وتلویح طبع لکھنؤ ص۱۰۱ میں ہے (والنظم من التلویح) والصحیح انہ لاعموم لہ لان الواقع لایکون الا بصفۃ معینۃ فی زمان معین۔ تحریر اور اس کی شرح تیسیر ص۲۴۷ جلد ۱ میں ہے (لانہ) ای نقل فعلہ بتلک الصیغۃ (اخبار عن دخول) فعل (جزئی فی الوجود) ولا یتصور العموم فی الجزئی الحقیقی۔ مختصر المنتہی اور اس کی شرح قاضی عضد اور حاشیہ تفتازانی طبع مصر ص۱۱۱ جلد ۲ میں ہے (والنظم للقاضی) فقد ثبت ان الفعل المثبت لاعموم لہ بوجہ من الوجوہ۔ اور حضرات فقہائے کرام کی صدہا تصریحیں ہیں واقعہ حال

لا عموم لہما - ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے افرادِ متماثلہ میں بھی قیاساً جواز ثابت ہو بشرطیکہ وہ فعل محلِ قیاس ہو۔ تنقیح وغیرہ میں ہے وان ثبت التساوی فالحکم فی البعض ثبت بفعلہ علیہ السلام وفی البعض الاٰخر بالقیاس۔

نورِ روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ مبلغین کھڑے کرنے کا جواز احادیثِ مذکورہ سے بطریقِ قیاس ہی مستفاد ہو سکتا ہے چنانچہ فقہائے کرام نے بھی ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے جواز سے ہی تعبیر فرمایا ہے فتح القدیر ص۳۲۲ جلد ۱، بحر الرائق ص۳۶۳ جلد ۱، رسائل شامی ص۱۳۹ جلد ۱ میں ہے (والنظم من) وفی فتح القدیر عن الدرایۃ وبہٖ یعرف جواز رفع المؤذنین اصواتہم فی الجمعۃ والعیدین وغیرہما ونقل مثلہ العلامۃ ابن نجیم فی البحر عن المجتبیٰ۔ بہرحال مبلغ کھڑے کرنے کا جواز تو مسلّم مگر سنتِ مستمرہ سمجھنا صحیح نہیں اور نہ ہی کسی کتابِ مستند میں اس کی تصریح یا تلویح ہے۔ بلکہ بعض مالکی تو کہتے ہیں کہ اس سے مقتدی کی نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مبلغ کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ شرح صحیح مسلم ص۱۷۹ جلد ۱، رسائلِ شامی ص۱۳۸ جلد ۱ میں ہے قد نقل القاضی عیاض عن مذہبہم ان منہم من ابطل صلوۃ المقتدی (الیٰ ان قال) ومنہم من ابطل صلوۃ المسمع یعنی قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ نے بلاشبہ اپنے مذہب سے نقل فرمایا کہ بیشک بعض ان کا (مالکی مذہب والوں کا) نمازِ مقتدی کو باطل کہتا ہے اور بعض ان کا تکبیرات سنانے والے کی نماز کو باطل کہتا ہے۔ اس سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ سنتِ مستمرہ نہیں کہ مسائلِ قیاسیہ ہی عموماً لیے اختلافات کا محل ہیں۔ اور جب سنتِ مستمرہ بلکہ سنت ہی نہیں تو اس کے خلاف کو بدعتِ سیئہ کہنا محض بیجا ہے۔ اس کی صدہا چمکتی ہوئی مثالیں ہیں کہ حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام نے کوئی کام کیا اور حضور نے منع نہ فرمایا، پھر مسلمانوں میں اس کا رواج بھی رہا مگر عرصہ کے بعد اس کے خلاف ہونے لگا تو مسلمانوں نے بدعتِ سیئہ کا نام دیتے ہوئے رد نہ کیا بلکہ بلا انکار رائج بنا لیا۔ مثلاً حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی قرآن کریم قلموں سے ہی حضور کے سامنے بلکہ بعض بحکم حضور لکھا کرتے تھے، پھر صدہا سال تک اہالیانِ اسلام قلموں سے ہی لکھتے رہے بعد ازاں زمانہ قریب میں

سے ای باز حدیث الشریف ۱۲ منہ غفرلہ

لوگوں نے پہلے دستی پھر برقی اور مشینی پریسوں کے ذریعے چھاپنا شروع کیا جو بلا انکار روئے زمین کے مسلمانوں میں رائج ہو گیا مگر کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہ کی کہ قرآنِ کریم قلم سے لکھنا سنتِ مستمرہ ہے لہذا چھاپنا بدعتِ سیئہ اور ناجائز ہے۔

حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانہ میں بعض انفرادی طور پر قلموں سے کچھ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور بعد ازاں کئی صدیوں تک قلموں سے ہی لکھنا رائج رہا، مگر جب طباعتِ احادیث شروع ہوئی تو مسلمانوں میں مقبول ہوئی۔

مسجدِ پاک بڑی سادگی سے تیار کی گئی، کھجور کی چھت بارش کا پانی نہیں روک سکتی تھی اور بے مینار تھی تو کیا مسجدوں کی مضبوط چھتیں گنبد اور مینار جائز نہیں!

صحابہ کرام فریضۂ جہاد تیر و تلوار وغیرہ پرانی طرز کے اوزار سے ہی ادا فرماتے رہے بلکہ خود محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی وہی استعمال فرماتے رہے پھر صدیوں تک مسلمانوں میں رائج رہے۔ بعد ازاں توپ وغیرہ کے ایجاد ہونے پر مسلمانوں نے بلا دھڑک ان کا استعمال رائج بنا لیا اور یونہی آج تک جتنے نئے اوزار ایجاد ہوتے گئے، ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں میں رائج بنتے گئے۔



فریضۂ حج کا سفر پاؤں یا اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں کے ذریعہ ہی ہوتا رہا اور وہی رائج رہا، پھر جب گاڑی، موٹر، بس، ٹرک، سائیکل، موٹر سائیکل، ہوائی جہاز اور بحری جہاز کلوں اور بھاپ وہوا سے چلنے والے ایجاد ہوئے تو سفرِ حج بھی ان ذرائع سے شروع ہوا۔

صحابہ کرام بلکہ خود شہنشاہِ کون ومکان صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا انعقادِ اجلاسِ خصوصیہ اور سلام و قیام مروجہ کے بغیر ولادتِ مبارکہ کا ذکر فرمایا، پھر یونہی ہوتا رہا۔ بعد ازاں انعقادِ اجلاسِ خصوصیہ اور سلام و قیام، جلوس وغیرہ جاری ہوئے جو سنیوں کی نظر میں بدعتِ سیئہ ہرگز نہیں۔

یونہی اس مبارک زمانہ میں بیاناتِ ولادتِ مقدسہ سنانے کا ذریعہ صرف متکلم کی اپنی ہی آواز تھی اور صدیوں تک یہی رائج رہا، بعد ازاں لاؤڈ سپیکر کے ذریعے بڑے بڑے مجامع میں دور دور تک سنانا شروع ہوا اور جائز مانا گیا۔

اس بابرکت زمانے کے وعظ بھی واعظین حضرات کی بلا واسطہ آوازوں سے ہی سنے سنائے جاتے تھے پھر صدہا سالوں تک یہی رائج رہا۔ بعد ازاں سپیکروں کے ذریعہ سننا سنانا شروع ہو گیا تو بدعتِ سیئہ نہ بنا۔



اس بابرکت زمانے سے صدیوں تک جمعہ وعیدین کے خطبے، قرآن خوانی، نعت خوانی، خطباء، قراء و نعت خوانوں کی بلا واسطہ آوازوں سے ہی ہوتے رہے اور اب سپیکر کے ذریعہ ہونے لگے تو بدعتِ سیئہ نہ بنے۔

اذان کے لیے حضراتِ بلال اور ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتخاب اس لیے ہوا کہ ان کی آوازیں دور تک پہنچتی تھیں اور یہی صدیوں تک رائج رہا کہ بلند آوازوں کے ذریعے اذانیں سنائی جاتیں۔ ہاں یہ بھی رائج رہا کہ ایک موذن کے ساتھ اور موذن مل کر اذان کہتے کہ اور زیادہ دور تک سنا سکیں مگر سپیکر ایجاد ہوا تو اس کے ذریعہ سنانا جائز ہی کہا گیا۔

جب یہ سب نئی نئی چیزیں بدعتِ سیئہ نہیں تو سپیکر کے ذریعہ تکبیراتِ نماز کا پہنچانا کیوں بدعتِ سیئہ ہے؟ امام اہل السنت والجماعت مجدد مائۂ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں " بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنتِ مامور بہا (ایسی سنت جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو) کا رد کرے" (اقامۃ القیامۃ ص ۳۰) نیز اسی صفحہ میں فرماتے ہیں" امام علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں والبدعۃ ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فھی حسنۃ وان کانت تندرج تحت مستقبح فھی مستقبحۃ والا فمن قسم المباح (ترجمہ) بدعت اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی بات ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری بات ہے، اور جو ان دونوں میں سے کسی کے نیچے داخل نہ ہو وہ قسمِ مباح سے ہے۔

اسی طرح صدہا اکابر تصریح فرمائی اب مجلس میلاد مبارک اور قیام وغیرہما امورِ متنازع فیہا کی نسبت تمہارا یہ کہنا کہ زمانۂ صحابہ و تابعین میں نہ تھے لہذا ممنوع ہیں، محض باطل ہو گیا۔ ہاں اس وقت ممنوع ہو سکتے ہیں جب تم کافی ثبوت دو کہ خاص ان افعال میں شرعاً کوئی برائی ہے ورنہ اگر کسی مستحسن کے نیچے داخل ہیں تو محمود اور اگر بالفرض کسی کے نیچے داخل نہ ہوئے تو مباح ہو کہ محمود ٹھہریں گے کہ جو مباح بہ نیتِ نیک کیا جائے شرعاً محمود ہو جاتا ہے کما فی البحر الرائق وغیرہ انتہی۔ تو واضح ہوا کہ اس نیت سے استعمالِ سپیکر کہ مقتدی باسانی سنیں مباح و محمود و مستحسن ہے کہ نیتِ مذکورہ نیک ہے قد قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوٰی ۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ سپیکر سے سنی گئی آواز بعینہٖ متکلم کی ہی آواز ہوتی ہے کہ



پڑا ہے بلاشبہ ثابت کہ سپیکر طبعاً ان آوازوں سے محض بے بہرہ وصامت ہے جب تک کوئی بولنے والا نہ بولے۔ اس سے آواز نکلتی ہی نہیں اور جب بولا جائے تو حرف بحرف اسی ترتیب ولہجہ سے پوری پوری ملتی جلتی آواز سنائی دیتی ہے تو عقلِ سلیم یہ کیسے تسلیم کر سکے کہ یہ کوئی آواز ہے۔ جیسے کمزور نظر والا عینک نہیں دیکھ سکتا مگر عینک لگانے کے بعد جو دیکھتا ہے وہ اس کا اپنا ہی دیکھنا ہوتا ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا دیکھنا ختم ہوگیا اور یہ کوئی اور دیکھتا ہے لہذا عینک لگا کر کعبہ شریف یا اولیاء اللہ کی زیارت یا مناظرِ قدرت کا مطالعہ اور قرآنِ کریم اور دینی کتابوں کا پڑھنا یقیناً جائز وباعثِ ثواب ہے۔ اور یہ نہیں کہ بدعتِ سیئہ واجبۃ الترک ہے، تو واضح ہوا کہ سپیکر کے ذریعے تکبیرات سنانا امام کا ہی سنانا ہے اور بدعتِ سیئہ نہیں

اس کی مزید تحقیق مکبر الصوت میں بیان ہو چکی اور اس کے چھپنے کے بعد بفضلہ وکرمہ تعالیٰ امام اہل السنت والجماعت مجددِ مائۃِ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ تصریحات جلیلہ وجمیلہ ملیں جو اس تحقیق کی پوری پوری تصدیق کرتی ہیں جنہیں شیرِ بیشۂ اہل السنت حضرت مولانا ابوالفتح محمد حشمت علی خان صاحب لکھنوی مدظلہم نے اپنے فتوائے مسئلہ ہذا مطبوعہ ۱۳۶۹ھ لاہور میں امام اہل السنت والجماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ مبارکہ "الکشف شافیاً حکم فونوجرافیا" سے نقل فرمایا۔ صوت کی تعریف وتشریح کرنے کے بعد ذکرِ نتائج میں فرماتے ہیں:- "آواز اس شکل وکیفیت کا نام ہے کہ ہوا یا پانی وغیرہ جسم نرم وتر قلع وقرع سے پیدا ہوئی وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملاِ متکیف کی صفت ہے۔ ہوا ہو یا پانی وغیرہ آواز کنندہ کی حرکتِ قلعی وقرعی سے پیدا ہوتی ہے ولہذا اس کی طرف اضافت کی جاتی ہے جبکہ وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملاِ متکیف سے قائم ہے تو اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے۔ انقطاعِ تموج انعدامِ سماع کا باعث ہو سکتا ہے کہ کان تک اس کا پہنچنا بذریعہ تموج ہی ہوتا ہے نہ انعدامِ صوت کا بلکہ جب تک وہ تشکل باقی ہے صوت باقی ہے دوبارہ تموج ہو تو اس سے تجدیدِ سماع ہوگی نہ کہ آواز دوسری پیدا ہوئی جب کہ تشکل وہی باقی ہے۔ وحدتِ آواز وحدتِ نوعی ہے کہ تمام امثالِ متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے ورنہ آواز کا شخصِ اول کہ مثلاً ہوائے دہنِ متکلم میں پیدا ہوا کبھی ہمیں نہیں ہوتا، اس کی کاپیاں ہی چھپتی ہوئیں ہمارے کان تک پہنچتی ہیں، اور اس کو آواز کا سننا کہا جاتا ہے۔"

؎ اس کے بعد وہ رسالہ مبارکہ "الکشف شافیاً" بھی طبع ہو کر آگیا تو اور زیادہ وضاحت ہوگئی، وللہ الحمد والمنہ ۱۲ منہ غفرلہ

پھر بیانِ صدا میں فرمایا " گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی پختہ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے عربی میں صدا کہتے ہیں " پھر فرمایا ، اب صدا میں علماء مختلف ہیں کہ صدا اسی تموجِ اول سے پلٹتی ہے یا گنبد وغیرہ کی ٹھیس سے تموجِ تازہ اس کیفیت سے متکیف ہو کر ہم تک آتا ہے - انتہٰی -

تو اس بیانِ فیض ترجمان سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ صدا پہلی ہی آواز ہوتی ہے اور تموجِ اول کا ختم ہونا مضر نہیں جبکہ وہ کیفیت موجود ہے کہ دوبارہ تموج کے پیدا ہونے سے دوسری آواز پیدا نہیں ہوئی کہ تشکل وہی باقی ہے ، بلکہ تجدیدِ سماع ہوتی ہے - اور یونہی دوسری ہوا میں آواز کی کاپی اترنی بھی مضر نہیں کہ آواز کی کاپیاں ہی چھپتی ہوئی کان تک پہنچتی ہیں ، اور آواز کا پہلا شخص جو ہوائے دہنِ متکلم میں پیدا ہوتا ہے وہ کبھی مسموع نہیں ہوتا کہ وہ تو ایک ہی ہوتا ہے اور ایک ، ہزاروں کانوں ، مکانوں میں بیک وقت کیسے پہنچ سکتا ہے بلکہ کاپیاں چھپ چھپ کر ہزاروں کروڑوں آوازیں بن جاتی ہیں مگر کہا یہی جاتا ہے کہ ایک ہی آواز ہے کہ وحدتِ آواز وحدتِ نوعیہ ہے کہ تمام امثالِ متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے - کاپیوں اور ٹھپوں کی تعداد سے آواز متعدد نہیں سمجھی جاتی اور یہ نہیں کہا جاتا کہ ہزاروں اشخاص نے ہزاروں آوازیں سنیں بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ سب نے وہی ایک آواز سنی جیسے کاتب کتاب کے حروف و نقوش لکھتا ہے اور پریس میں اس کی کاپی اتر کر چھپتے چھپتے ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے مگر وحدتِ نوعیہ کے لحاظ سے وہی ایک کتاب ہی مانی جاتی ہے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ مثلاً ایک " قدوری " یا " کنز " چھپتے چھپتے ہزاروں قدوریاں یا کنزیں بن گئیں کہ نسخوں اور چھاپوں کی تعداد سے اصل کتاب متعدد نہیں بن جاتی (ھذا نظیرمن النظائر) اور جب ثابت ہوا کہ صدا پہلی ہی آواز ہے تو اس سے آیتِ سجدہ سننا فقہائے کرام کے نزدیک موجبِ سجدہ کیوں نہیں ؟

اس سوال کا جواب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصورتِ استدراک یہ دیا کہ چونکہ شرعی حکم ہے کہ سجدہ واجب نہیں ہوتا لہذا ایجابِ سجدہ کے لئے علماء کے صدا کے متعلق مذکورہ دو قولوں سے پہلے قول پر محض



ے الکشف شافیا کے صہ ۳۴ صہ ۳۵ پر صدا کے متعلق اعلیحضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ واضح ارشاد ہے . بہرحال کچھ سہی اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آوازِ متکلم ہے ۱۲ منہ غفرلہ



طاقتِ موجبۂ تموج کی قید اور دوسرے قول پر تو حدِ تموج کی قید بڑھانی واجب ہوگی ونصہ المبارک ہٰذا۔ مگر شرعِ مطہر نے اس کے سننے سے سجدہ واجب نہ فرمایا۔

قولِ ثانی پر کہنا ہوگا کہ سمع میں ایجاب سجدہ کے لئے اسی تموجِ اول سے وقوعِ سماع لازم ہے۔ اور قولِ اول پر یہ قید بڑھانی واجب ہوگی کہ وہ تموج محض اسی طاقت کا سلسلہ ہو جو تحریکِ گلو و زبانِ تالی نے پیدا کی تھی، پلٹنے میں وہ تنہا نہ رہی بلکہ تصادم کی قوتِ دافعہ بھی شریک ہو گئی۔ انتہیٰ۔ تو اس جواب سے یہ قطعاً مفہوم نہیں کہ صدا امرے سے ہے ہی نئی اور دوسری آواز کہ آواز کیفیت و شکل ہی ہے جو باقی ہے۔ اور پلٹی ہے اور پلٹنا تموجِ تازہ سے ہو تب بھی دوسری آواز نہیں بنتی کما مر صراحۃً چہ جائیکہ پہلے ہی تموج سے پلٹے اور یونہی تحریکِ گلو و زبانِ تالی کی پیدا کردہ طاقتِ موجبۂ تموج کے ساتھ قوتِ دافعۂ تصادم کا شریک ہو جانا بھی دوسری آواز نہیں بنا سکتا کہ یہاں تو اصل طاقت بھی ہے۔ اور تموجِ تازہ تو بالکل نئی طاقت سے پیدا ہوتا ہے اور وہ نئی طاقت تو پہلی طاقت کے ختم ہونے کی صورت میں بھی نئی آواز نہیں بنا سکتی تو پہلی کے ہوتے ہوئے کیسے بنا سکے؟ اور جب آواز دہی رہتی ہے تو ثابت ہوا کہ تو حد و محض مذکور وحدت صوت کی شرط نہیں بلکہ ایجاب سجدہ کی ہی شرط ہے اور یہی اس عبارتِ استدراکیہ سے صراحۃً ثابت، تو روزِ روشن کی طرح واضح و ہویدا ہوا کہ صدا امامِ اہل السنت والجماعت کے نزدیک دوسری آواز ہرگز ہرگز نہیں بلکہ پہلی ہی ہے۔ اور چونکہ وہ حضرات جو عدمِ جواز کے قائل ہیں لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز کو صدا ہی قرار دیتے ہیں لہٰذا وہ ان کے نزدیک بھی پہلی ہی آواز ہو گی۔ چنانچہ ناقلِ فاضل (باوجودیکہ عدمِ جواز کے قائل ہیں) وہ سب تصریحاتِ مفصلۂ مذکورہ نقل کرنے کے بعد بڑی ہی لمبی تقریر سے لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز کو صدا ثابت کرنے کے باوجود اصل آواز قرار دیتے ہیں اور یہ نہیں فرماتے کہ صدا پہلی آواز کی غیر ہے لہٰذا سپیکر سے سنی گئی بھی غیر ہے لہٰذا اقتداء ناجائز ہے بلکہ نماز کا عدمِ جواز سجدہ کے عدمِ جواز سے متفرع بناتے ہیں، فرماتے ہیں ہماری اس تقریر سے واضح و لائح ہو گیا کہ صدائے لاؤڈ سپیکر در اصل صدا ہی ہے تو اس آلے سے سنی ہوئی آواز اگرچہ وہی اصل متکلم کی آواز ہے خواہ پہلے ہی ہوا اسے لئے ہوئے پلٹ آئی یا اس کی کاپی دوسری میں اتر گئی اور وہ لائی، مگر بحکم شریعتِ مطہرہ اس کے سننے سے سجدہ واجب نہیں" پھر فرماتے ہیں "امام جب بحکم فقہ صدا سے آیتِ سجدہ سن کر سجدہ واجب نہیں کرتا تو اس کا اتباع کر کے اقتدا کیونکر صحیح ہو سکتی ہے؟ انتہیٰ۔

تو صراحۃً ثابت ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک بھی سپیکر سے سنی گئی آواز پہلی ہی آواز ہے بناءً علٰی تحقیق امام اہل السنۃ والجماعۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ تو شبہ اقتداء من لم یدخل فی الصلوٰۃ بہاءً منثورًا بن گیا (والتفصیل فی مکبر الصوت) اور جوازِ نماز صاف صاف ثابت ہوگیا اور عدمِ وجوبِ سجدہ پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے سجدہ کے عدمِ وجوب سے (جو مقیس علیہ ہے) تو سجدہ ہی کا عدمِ جواز ثابت نہیں، کہ نفیِ خاص نفیِ عام نہیں تو نماز (جو مقیس ہے) کا عدمِ جواز کیونکر ثابت ہوگا؟ بلکہ بحکمِ مفہومِ مخالف عباراتِ فقہائے کرام سے جوازِ سجدہ ثابت، تو بحکمِ قیاسِ مذکور نماز کا جواز بھی ثابت ہوگا۔ نیز مقتدی کے آیتِ سجدہ پڑھنے سے بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا بلکہ نماز میں جائز ہی نہیں، تو اس قیاس کا تقاضا یہ کہ مبلغ سے جو مقتدی ہی ہوتا ہے سُن کر بھی ادائے نماز جائز نہ ہو، اور یہ کہ غلطی کے وقت امام اگر مقتدی سے لقمہ لے تو اس کی نماز فاسد ہوجائے اور اس سے سب کی فاسد ہوجائے۔ اور یونہی کسی کو آیتِ سجدہ پڑھتے ہوئے دیکھنے سے یا اس جاننے سے کہ وہ پڑھ رہا ہے، بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا تو قیاسِ مذکور کی بنا پر امام یا مقتدی کے انتقالات کو دیکھ کر یا جان کر بھی پڑھنا جائز نہ رہے تو وہ مقتدی جو دور ہوں نماز کس طرح ادا کریں کہ اس قیاس کی بنا پر مبلغ سے سن کر یا امام و مقتدی کے انتقالات دیکھ یا جان کر ادا کرنا جائز نہیں اور دور ہونے کے سبب امام کی تکبیرات سن نہیں رہے تو وہ بیچارے کریں کیا؟ بلکہ اگر امام سہوًا یا عمدًا ہی جہر تکبیرات جو سنت ہے ترک کردے تو نزدیکی مقتدی بھی حیران رہ جائیں گے۔

پھر کتبِ معتمدۂ فقہیہ میں مصرح کہ جنب و محدث، مجنون و نائم، سکران و صبی، حائض و نفساء، بلکہ کافر بھی آیتِ سجدہ پڑھے تو سامع پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے حالانکہ یہ لوگ صبی کے ماسوا مبلغ یا مقتدی بھی نہیں بن سکتے، تو امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ وجوب و عدمِ وجوب سجدۂ تلاوت نماز کے جواز و عدمِ جواز کا مقیس علیہ نہیں، اور یہ بھی پر ظاہر کہ کسی کتابِ معتمد فقہی میں یہ قطعًا نہیں کہ صدا سے سن کر اقتداء جائز نہیں بلکہ بحکمِ اطلاق جواز کی تصریح ہے۔ مکبر الصوت میں فتاوٰی قاضی خان، خلاصۃ الفتاوٰی، سراجیہ، ہندیہ، درالمختار وغیرہا سے گذر چکا والنظم للامام فقیہ النفس علیہ الرحمۃ ولا یشتبہ حال الامام

عہ وہو معتبر فی الروایات کما صرح بہ فی الدر و حاشیۃ للشامی و رسائل والفتاوی الرضویۃ وغیرہا ۱۲ رفوز

بسماع او رؤیۃ صح الاقتداء فی قولھم درمختار وشامی وغیرہا میں ہے و علیہ بانتقالاتہ. بدائع صنائع میں فرمایا وان کان فیہ ثقب لا یمنع مشاھدۃ حال الامام لا یمنع بالاجماع۔

سب کا حاصل یہ کہ کسی سماع (سننے) یا رؤیت (دیکھنے) یا مشاہدہ کے باعث حالِ امام مشتبہ نہ رہے تو سب کا اجماع ہے کہ اقتدا صحیح ہے۔ تو یہ مطلق مشاہدہ وسماع، سماعِ صدائے سپیکر کو بھی یقیناً شامل کہ اس کا سماع ومشاہدہ بھی بلا اشتباہ علمِ انتقالاتِ امام کا ذریعہ ہے تو نمازیں بالاجماع جائز وصحیح ہونگی۔ بفضلہ وکرمہ تعالےٰ یہ جزئیہ صریحہ ہے ولہ جل مجدہ الحمد والمنۃ یہ ہمارے مشائخ کرام کی کرامتِ کاملہ ہی ہے کہ ایجادِ سپیکر سے صدہا سال پہلے ہی حکم بیان فرما گئے۔ اور یونہی امامِ اہل السنت والجماعت مجددِ مائۃِ حاضرہ کی بھی کرامتِ مکملہ ہے کہ ایک دوسرے مسئلہ کے بیان میں صوت وصدا کی توضیحات اس طرح بتا گئے کہ مسئلہ سپیکر بے غبار بنا گئے حالانکہ سپیکر کا ان کے وقت میں ہندوستان میں رواج ہی نہ تھا بلکہ شاید آیا ہی نہ تھا وکم من نظیر لھذا لمشائخنا رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام کی آواز مقتدیوں کو پہنچ رہی ہو تو مبلغ کھڑے کرنے کی ضرورت نہیں، اس وقت مبلغ کھڑا کرنا مکروہ اور بدعتِ منکرہ ہے کما فی الشامی لھذا لاؤڈ سپیکر بھی مکروہ وبدعت ہوگا کہ نزدیکی مقتدی دو آوازیں سنتے ہیں، تو اس کا جواب وہیں شامی میں ہی ہے واما عند الاحتیاج الیہ فمستحب یعنے جب ضرورت ہو تو مستحب ہے۔ اور چونکہ سپیکر بھی ضرورت کے وقت ہی نصب کیا جاتا ہے تو وہ بھی مستحب ہونا چاہیے۔ ہاں امام سے نزدیک مقتدی دوسری آواز سنتے ہیں مگر اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس دوسری آواز کو وہ حضرات صدا مانتے ہیں اور صدا موجبِ کراہت نہیں کہ زمانِ قدیم سے مسلمان گنبد دار مساجد میں باوجودیکہ صدا پیدا ہوتی ہے بلا انکار نمازیں باجماعت ادا کرتے ہیں، اور صدا کوئی غیر آواز ہے بھی نہیں بلکہ حکماً پہلی ہی ہے کما ھو نومضافلہ کیا! اور جب وعظ وخطبہ وتلاوتِ جہر یہ لاؤڈ سپیکر پر مانعین حضرات کے نزدیک بھی بلا حرج جائز ہیں حالانکہ ان میں بھی قریبی حاضرین دوسری آواز سنتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ دوہرا سننا ناجائز نہیں بناتا ورنہ جسطرح نمازمیں کوئی غیر آواز قابلِ احتراز ہے اسی طرح وعظ میں اور خطبہ وتلاوت کے وقت میں بھی قابلِ احتراز

ہی ہے۔ ایک صاحب کے وعظ و خطبہ و تلاوتِ جہریہ کے وقت اسی مجلس میں دوسرے صاحب کا وعظ و خطبہ و تلاوتِ جہریہ جائز نہیں فالجواب ھو الجواب۔ بلکہ مبلغ کھڑے کرنے کی صورت میں بھی امام کے نزدیکی مقتدی دو مستقل آوازیں سنا کرتے ہیں کہ مبلغ اگرچہ پہلی صفوں میں کھڑا نہیں ہوتا مگر پھر بھی امام کی حدِ آواز کے اندر ہی ہوتا ہے کہ امام سے سن کر ہی دور والوں کو تکبیرات سنایا کرتا ہے۔ اور آواز تو سب طرف برابر بلکہ نسبۃً آگے زیادہ دور ہوجاتی ہے تو لامحالہ امام و مبلغ کے درمیانی مقتدی دونوں کی آوازیں سنیں گے بلکہ بہت زیادہ نمازی ہوں اور کئی مبلغ کھڑے کرنے پڑیں تو مبلغین کی درمیانی صفیں بھی دو دو آوازیں سنیں گی تو اگر سپیکر اس وجہ سے مکروہ و بدعتِ منکرہ ہے کہ امام کے نزدیکی مقتدی دو مستقل آوازیں سنتے ہیں تو مبلغ کھڑے کرنے کی صورت میں بھی دو آوازیں سنتے ہیں تو وہ بھی مکروہ و بدعت ہونا چاہئے۔ اور مبلغ زیادہ ہوں تو یہ کراہت و بدعت بھی زیادہ ہوجاتی مگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ صورتِ سپیکر میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اور بعض حضرات یہ فرمایا کرتے ہیں کہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو نماز میں استعمال نہ کیا جائے لہذا ناجائز ہے۔ اس کا جواب امامِ اہل السنت والجماعت کے پاک کلمات میں سنئے:۔

فتاویٰ رضویہ شریف ص۹۹ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ "احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ و ثبوتِ کامل کسی شے کو حرام و مکروہ کہہ کر شریعتِ مطہرہ پر افتراء کیجئے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن و بے حاجتِ مبین خو مبین، سیدی عبدالغنی بن سیدی اسمٰعیل قدس سرھما الجلیل فرماتے ہیں لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات الحرمۃ او الکراھۃ اللذین لا بد لھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل وقد توقف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع انہ ھو المشرع فی تحریم الخمر ام الخبائث حتی نزل علیہ النص القطعی اھ واثرہ ابن عابدین فی الاشربۃ مقررًا (ترجمہ) یہ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا تعالٰی پر افتراء کرو کہ حرمت و کراہت کے لئے دلیل درکار ہے، بلکہ احتیاط



سہ کذا فی المنقول عنہ ا[illegible] اس اللذین ۱۲ منہ غفرلہ

امر یہی ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے حالانکہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باوجودیکہ وہی مشرع ہیں شراب کے حرام فرمانے میں، جوام الخبائث ہے، توقف فرمایا حتی کہ آپ پر نصِ قطعی اتری اھ اور نقل کیا اسے شامی علیہ الرحمۃ نے کتاب الاشربہ صفحہ ۳۰۶ جلد ۵ میں مقرر فرماتے ہوئے"

بلکہ اقامۃ القیامہ صفحہ ۳۸ میں خاص مسئلہ نماز سے استدلال فرماتے ہیں نصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مولانا علی قاری رسالہ اقتدار بالمخالف میں فرماتے ہیں: من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھو الصحۃ واما القول بالفساد او الکراھۃ فیحتاج الی حجۃ من الکتب او السنۃ او اجماع الامۃ۔ (ترجمہ) یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا محتاج اس کا ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماعِ امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے اھ"

اور وہ جو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سپیکر کبھی دورانِ نماز میں بند ہو جائے تو امام سے دور مقتدیوں کی نمازیں برباد ہو جائیں گی، تو اس کا جواب بھی واضح کہ نمازیں کیوں برباد ہوں گی۔ اہلِ فہم قریبی مقتدی امام سے سن کر دور والوں کو تکبیرات سنا دیں گے اور شروع سے پہلے امام بھی یہ ہدایت دے سکتا ہے اور اگر کہیں امام و مقتدی سب کی ناواقفی سے (جو نہایت ہی نادر ہے) یہ اتفاق بن بھی جائے تو اس کا یہ تقاضا نہیں کہ مطلقاً ناجائز ہو جائے۔ جزوی خرابی سے ممانعتِ کلیہ ثابت نہیں ہو سکتی ورنہ مبلغین میں بھی بکثرت ایسے پائے جاتے ہیں کہ جن کی خرابیاں اور غلط کاریاں فساد و بطلانِ نماز کا باعث بنتی رہتی ہیں۔ فتح القدیر و رسائلِ شامی سے اس کی قدرے تفصیل مکبر الصوت میں گزر چکی۔ یہاں امام اہل السنت والجماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصریحاتِ جلیلہ سنیں کہ باعثِ برکت ہیں۔

فتاوٰی رضویہ صفحہ ۴۹۲ جلد ۲، احکامِ شریعت صفحہ ۱۳۳ جلد ۲ میں ہے "مؤذن نماز میں امام کی تکبیر پہنچانے کو جس وضع سے تکبیر کہتے ہیں اسے کون عالم جائز کہہ سکتا ہے مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علماء کا کیا اختیار؟ علمائے کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر در کنار اس طرح تو ان کی نمازوں کی بھی خیر نہیں، دیکھو فتح القدیر صفحہ ۲۶۲/۲۶۳ جلد ۱، درالمختار و ردالمحتار صفحہ ۶۱۵، خود مفتی مدینہ منورہ علامہ سید اسعد حسینی مدنی تلمیذ علامہ صاحب مجمع الانہر رحمہما اللہ تعالیٰ نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبروں کی سخت بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں دیکھو فتاوٰی اسعدیہ صفحہ ۱۰ جلد۔ آخر میں فرمایا اما حرکات المکبرین و صنعھم فانا ابرأ



الی اللہ تعالیٰ مت ۔ یعنی ان مکبروں کی جو حرکتیں جو کام ہیں میں ان سے اللہ تعالےٰ کی طرف برأت کرتا ہوں اور اوپر اس سے بڑھ کر لفظ لکھا پھر کسی عاقل کے نزدیک ان کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے۔ نہ وہ علماء ہیں نہ علماء کے زیرِ حکم ؛ انتہیٰ ، مگر یہ بعض مبلغین کی ناجائز حرکتیں مطلقاً مبلغ کھڑا کرنا ناجائز نہیں بنا سکتیں ، تو لامحالہ استعمالِ اسپیکر بھی مطلقاً ناجائز نہیں بنے گا ۔

بعض احباب یہ اعتراض بھی کر دیتے ہیں کہ اسپیکر سمندر پار کفار کا تیار کردہ ہے اور اسے کفار اپنے معابد و مجالس کفریہ میں استعمال کیا کرتے ہیں لہٰذا یہ جائز الاستعمال نہیں ؟

یہ اعتراض بھی نہایت ہی حیرت افزا ہے ۔ سب کچھ اسی خالقِ کل شیٔ کا پیدا کیا ہوا ہے جس نے یخلق ما لا تعلمون ۰ فرماتے ہوئے نئی نئی ایجادات کے مفید و مباح ہونے کی ہدایت کر دی جب تک کوئی خاص شرعی دلیل کسی خاص نو ایجاد چیز کو ناجائز نہ بتائے اس وقت تک ناجائز کہنا جائز نہیں ، صدہا آیات و احادیث سے یہ قاعدہ ثابت کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے ۔ احباب اتنا بھی خیال نہیں فرماتے کہ کعبۂ مقدسہ کی وہ عمارت جو حضور پُرنور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک وقت میں قائم تھی جس کے طواف اولین حج میں کئے گئے وہ کس کی تیار کردہ تھی ؟ بلکہ جب فتحِ مکہ سے قبل اس میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے اور کفار نے بت خانہ بنا رکھا تھا تو اس وقت عمرۃ القضا میں وہیں طواف ہوئے اور یونہی نمازیں بھی اسی کی طرف ادا ہوتی رہیں اور غنیمت کے کپڑے وغیرہ تو ابتدائے اسلام سے استعمال ہو رہے ہیں۔

اسلام ایسی تنگ نظری اور چھوت چھات کا قائل نہیں ۔ امامِ اہل السنۃ والجماعۃ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فتاویٰ مبارکہ رضویہ کے ص۱۰ سے ص۱۰۷ جلد ۲ تک اس مسئلہ کی بڑی وضاحت فرمائی (و نصہ) کسی شئی کا محلِ احتیاط سے دور یا کسی قوم کا بے احتیاط و شعور اور بے پروائے نجاست و حرمت سے معہود ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شئے یا اس قوم کی استعمالی خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقاً ناپاک یا حرام و ممنوع قرار پائیں الخ اور اگر بالفرض ممنوع ہی ہوتا تو اذان و تلاوت و وعظ میں بھی ممنوع ہی ہوتا حالانکہ سب بالاتفاق استعمال کر رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ بلاشبہ جائز ہے اور یہی تقاضا ہے ان تحقیقاتِ امامِ اہل السنۃ والجماعۃ مجددِ مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو صوت و صدا وغیرہ کے متعلق ہیں کما مر تفصیل البعض فی مکبر الصوت و الضمیمۃ ۔

حضرات علماءِ عظام و فقہائے کرام کے حضور پُرنور معروض کہ مسئلہ زیرِ بحث کے متعلق اپنی آرائے عالیہ سے



دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔ بفضلہ وکرمہٖ تعالیٰ مجھے قبولِ حق سے قطعاً عار نہیں، اور اعترافِ خطا بھی دشوار نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ ذی الحجۃ المبارکہ ۷۸ ۱۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ اگر امام امامت سے پہلے لاؤڈ سپیکر نصب کرادے کہ تکبیر تحریمہ وانتقالات سے وہ مقتدی جو دور دور ہوں مطلع ہوتے رہیں، تو کیا شرعاً ان مقتدیوں کی نماز ہوگئی جو لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ مطلع ہو کر افعالِ نماز میں متابعتِ امام کرتے رہیں! بعضے علمائے کرام فسادِ نماز کا حکم لگاتے ہیں کہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ جو آواز سنائی دیتی ہے نئی آواز ہے اور صدا ہے اور امام کی آواز نہیں تو یہ من لم یدخل فی الصلوٰۃ کی اقتدا ہی جو مفسدِ نماز ہے اور ایسے ہی یہ تلقن من الخارج بنتا ہے یعنی جو نماز میں شریک نہیں اس سے افعالِ نماز کی ادائیگی میں استفادہ ہے اور یہ بھی مفسدِ نماز ہے، صدا سے سجدۂ تلاوت کی آیت سنی جائے تو سامع پر سجدہ لازم نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ ان مقتدیوں کی نماز فاسد ہیں۔ اور اگر امام ہی کی آواز ہو تو پھر بھی چونکہ اس میں جہرِ مفرط پایا جاتا ہے جو مفسدِ نماز ہے، لہٰذا نمازیں نہ ہوئیں اور لاؤڈ سپیکر کا استعمال نماز میں حرام ہے، جو کرے اس پر توبہ فرض ہے۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں! کیا قرآنِ کریم سے باوجود دعوائے تبیانا لکل شیئ اس کا کوئی حل نہیں ملتا! احادیثِ شریفہ سے کوئی ہدایت نہیں ملتی؟ پھر اجماعِ امت اور اجتہادِ مجتہدین سے بھی واضح ثبوت نہیں ملتا؟ بینوا اماجورین من رب العالمین۔

سائل:

ایک عالمِ دینِ متین

لله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

قرآنِ کریم کا تبیانا لکل شیئ ہونا اور احادیثِ شریفہ کا علوم اولین و آخرین پر احتواء بلا شک و شبہ و گنجائشِ ریب یقیناً صحیح و ثابت ہے۔ انقضائے زمانہ تک پیش آنے والے تمام امور و واقعات کے متعلق شرعی احکام بھی موجود اور قواعدِ کلیہ اور ضوابطِ جلیلہ بھی مشہود ہیں، چنانچہ آیاتِ متواترہ و متکاثرہ اور احادیثِ متظاہرہ و متوافرہ سے یہ کلیہ نہایت ہی محقق طور پر ثابت و مبرہن کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، یعنی جب تک دلائلِ شرعیہ سے کسی شے کی حرمت و ممانعت ثابت نہ ہو، حلال و جائز الاستعمال رہتی ہے، اس پر کوئی گرفت نہیں ہوتی کہ عفوِ عام کے تحت ہے۔ قرآنِ کریم نے صاف صاف تصریح فرمادی عَفَی اللّٰہُ عَنْھَا (پ ۷ ع ۴) احادیثِ طیبہ نے توضیح و تشریح فرماتے ہوئے ھما عفا عنہ کا وسیع شاہراہ دکھادیا مفسرینِ کرام و متکلمینِ عظام و اساطینِ ملت و معتمدینِ مذہب نے اس قاعدۂ کثیرۃ الفائدہ کو استدلال و استعمال سے شمسِ نصف النہار کیطرح نہایت ہی نمایاں و واضح بنادیا، تو روزِ روشن کی مانند معلوم ہوا کہ صورتِ مسئول عنہا میں جوازِ استعمال لاؤڈ سپیکر ثابت ہے اور منافی جوازِ نماز نہیں کہ استعمال و استفادۂ مذکور کی حرمت و ممانعت کسی آیت یا حدیث یا اجماعِ امت و قیاسِ مجتہد سے قطعاً ثابت نہیں، حضراتِ علماءِ کرام باوجود سعیِ بلیغ و تفتیشِ کامل کے کوئی وجہِ حرمت و ممانعت حسبِ قواعدِ مقررۂ شرعیہ نکال نہ سکے، البتہ بعض حضرات بناء بر وجوہِ مذکورۂ سوال احتیاطاً پرہیز فرماتے رہے بلکہ بعض نے صریح لفظِ حرام کا اطلاق فرمادیا اور لزومِ اعادۂ نماز و فرضیتِ توبہ کا فتوے دے دیا حالانکہ عند التحقیق ان وجوہ سے کوئی ایک وجہ بھی ایسی نہیں جس میں اثباتِ حرمتِ شرعیہ کی ذرہ بھر تاب و تواں ہو کما سیتضح بحسن توفیقہ تعالیٰ۔

پھر قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ سے بداہۃً[1] یہ قاعدہ ثابت کہ فاعلِ مختار کا وہ کام جو کسی آلہ غیر مختار کی وساطت سے انجام پائے، فاعلِ مختار کا ہی کام شمار ہوتا ہے نہ یہ کہ ایسا واسطہ حدِ وساطت سے بڑھتے ہوئے

---

[1] من الفقیر ابی الخیر النعیمی غفرلہ۔

جلد اول

فتاویٰ خواجہ ...

فاعل بن جائے اور فاعل معطل رہ جائے۔ کتابت بواسطۂ قلم انجام پاتی ہے مگر کاتب وہی ہوتا ہے جو قلم چلاتا ہے قرآن کریم نے فرمایا یکتبون الکتاب بایدیھم (پ۱ ع۹) جنگ میں دشمنوں کا زخمی کرنا اور مارنا بواسطت اسلحہ ہوتا ہے مگر قرآن کریم مقاتلین کا فعل قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم (پ۱۰ ع۸) حتی کہ اسلحہ کا شمار قوت مجاہدین کے ماتحت افراد میں ہوا فرمایا و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (پ۱۰ ع۳) حتی کہ جن ظالموں نے ہٹ دھرمی سے واسطہ کی فاعلیت کا اعتبار کرتے ہوئے اپنی برات کا دم بھرا، بندر بنا دیئے گئے ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین (پ۱ ع۸)، حدیث شریف نے صاحب المجن وغیرہ کی بھی سزائیں بیان فرمائیں الی غیر ذلک من الآیات والاحادیث۔ اور عرف عام کا بھی تقاضا ہے۔ تیر و تلوار وغیرہ اوزار کو مسلمان تو مسلمان کوئی کافر سے کافر جج، بلکہ بالکل ہی اجہل اجڈ بھی قاتل قرار نہیں دے سکتا حالانکہ شرعاً بھی عرف کا اعتبار ہے، حکم آیا وأمر بالعرف (پ۹ ع۱۴) تو اس ضابطۂ مضبوط کی رُو سے بھی وہی جواز نہایت ہی نمایاں طور پر ثابت ہوگیا کہ لاؤڈ سپیکر بھی آلۂ غیر مختار ہے، تو حسب القاعدہ اس کے ذریعہ جو آواز امام سنائے گا وہ امام ہی کی آواز ہوگی اور امام ہی متکلم و فاعل ہوگا نہ یہ کہ امام کو معطل کرتے ہوئے لاؤڈ سپیکر فاعل و متکلم بن جائے اور مقتدی جو دور ہیں وہ لاؤڈ سپیکر کے مقتدی اور تابع قرار پائیں اور چونکہ لاؤڈ سپیکر قصد ذکر و نماز نہیں کرتا تو من لم یدخل فی الصلوٰۃ بنا اور من لم یدخل فی الصلوٰۃ کی اقتدا مفسد نماز ہے تو ان مقتدیوں کی نماز نہ ہوئی بلکہ بفضلہ وکرمہ تعالیٰ قرآن کریم سے بالخصوص واسطۂ غیر مختار سے آواز پہنچانے کی صورت میں آواز پہنچانے والے مختار کا ہی فاعل و داعی ہونا اور تعمیل امر کرنے والوں کا اسی داعی کا متبع ہونا صراحۃً ثابت و واضح ہے۔ حضرت اسرافیل باذنہ تعالیٰ "کرنا" کے ذریعے بلائیں گے، تمام مردے زندہ ہو کر ان کی طرف دوڑیں گے۔ مولا تبارک وتعالیٰ نے فرمایا و استمع یوم ینادی المناد (پ۲۶ ع۱۶) یوم یدع الداع الی شیء نکر (الی) مھطعین الی الداع (پ۲۷ ع۶) نیز فرمایا یومئذ یتبعون الداعی لاعوج لہ (پ۱۶ ع۱۶)۔

کسی بھی مفسر نے ان آیات میں "الداعی" یا "المنادی" کی تفسیر صور سے نہیں فرمائی بلکہ اکثر نے اسرافیل اور بعض نے عزرائیل وغیرہ ملائکہ سے تعبیر فرمائی تو اس مسئلہ زیر بحث کی وضاحت اور بھی زیادہ ہوگئی کہ اسرافیل

کرنا، کو منہ میں لے کر پکاریں گے تو ان کی آواز صرف کرنا، کے ذریعے ہی سنائی جائے گی اور اس کے باوجود کہ
کی اتباع نہیں بلکہ اسرافیل کی اتباع فرمایا تو لاؤڈ سپیکر جو تمام آواز کا احاطہ نہیں کرتا، کس طرح ممنوع بن گیا!
تو ماہ نیم ماہ و مہر نیم روز کی طرح واضح و ہویدا ہو گیا کہ لاؤڈ سپیکر امام کی اتباع و اقتدار کا ذریعہ محضہ ہے جس کی حرمت
کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور انما جعل الامام لیؤتم بہ کا مقصد مقدس پورا کرنے کا
ایک سبب اور وارکعوا مع الراکعین کی معیت مخصوصہ کے ذرائع استحصال سے ہے تو کم از کم
مباح بلکہ مستحسن ضرور ہو گا۔ اور مبلغ و مکبر کا مستحسن و احسن ہونا مانع نہیں کہ تعدد اسباب قطعاً جائز ہے اور
علمائے کرام لا مزاحمۃ فی الاسباب فرمایا کرتے ہیں، ورنہ بوجہ تعدد متابعین تبلیغ مبلغ بھی جائز
نہ ہوگی و لا یقول بہ عاقل۔ اور جب اتباع و اقتدار امام ہے تو نمازیں جائز ہو گئیں۔ رہا ان حضرات
کا فرمانا کہ نئی آواز ہے اور صدا ہے اور امام کی آواز نہیں تو یہ من لم یدخل فی الصلوٰۃ کی اقتدا ہی
جو مفسد نماز ہے، تو نہایت ہی ادب سے معروض کہ " امام کی آواز نہیں " سے کیا مراد ہے! اگر یہ مراد ہے
کہ وہ ایک آواز متشخص جو تحریک زبان سے پیدا ہوئی بعینہٖ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ کانوں میں نہیں آئی تو اس
میں لاؤڈ سپیکر بیچارے کی کیا تخصیص؟ بلکہ جو آواز بھی مقتدیوں کے کانوں میں جاتی ہے اگرچہ لاؤڈ سپیکر کا
واسطہ نہ ہو تو وہ وہی پہلی متشخص و متوحد آواز امام بعینہٖ نہیں ہوتی کہ متوحد متشخص بعینہٖ کا ایک ہی وقت میں
صدہا کانوں اور مکانوں میں پہنچ جانا ممکن ہی نہیں بلکہ اس پہلی آواز سے ہواؤں کے تموجات کے ذریعہ
بکثرت نئی آوازیں پیدا ہو کر پہنچتی ہیں۔ مثلاً امام، سو مقتدیوں کی امامت کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتا ہے
اور تمام مقتدی بمع امام دونوں دونوں کانوں سے بیک وقت سن لیتے ہیں تو یہ نہیں کہ وہ ایک تکبیر ایک ہی
رہتے ہوئے بیک وقت دو دو کانوں میں داخل ہو گئی بلکہ اس وحدت تکبیر سے یہ کثرت پیدا ہوئی کہ سب کانوں میں
جلوہ گر ہو گئی و ذا بدیہی اجلی قد بین فی مظانہ من شرح المواقف
وغیرہ۔ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نماز باجماعت کی صورت میں مطلقاً کسی مقتدی کی نماز نہیں ہوتی کہ نئی آواز کی اقتدا
مفسد نماز ہے بلکہ حسب القاعدہ سب امام ہی کی آوازیں ہیں جو بوساطت آلۂ غیر مختار تموج ہوا ہو یہ ظاہر ہوئیں
اور ایسے ہی لاؤڈ سپیکر بھی واسطۂ غیر مختار ہے تو اس سے سنی گئی آواز بھی امام کی آواز ہو گی جو مفسد نماز نہیں۔

نوٹ : یہ فتویٰ یہاں تک ہی دستیاب ہوا ۱۲



الاستفتاء

اللہ رب العالمین جل وعلا نے نماز میں قرآنِ کریم بلند آواز سے پڑھنا کہ بیرونِ مسجد بھی سنا جائے ممنوع فرمایا ہے ولا تجهر بصلوٰتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلا . حالانکہ لاؤڈ سپیکر سے آواز بلند ہو جاتی ہے اور بیرونِ مسجد باقاعدہ سنی جاتی ہے تو استعمالِ لاؤڈ سپیکر حرام یا مکروہ تحریمہ ہوا ؟



قرآنِ کریم کا یوں بلند آواز سے پڑھنا جب کہ پڑھنے والے کو مشقت لاحق نہ ہو بلاشک وشبہ وریب یقیناً جائز ہے یہ آیتِ کریمہ اسے حرام ومکروہ قطعاً قرار نہیں دیتی ، اس کا مشہور و مضبوط شانِ نزول جو حضرتِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ائمہ کثیرہ نے روایت فرمایا یہ ہے کہ جب حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بوجہ شرارتِ کفار ومشرکین گوشہ نشین تھے اور نماز باجماعت میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتے تو مشرکین سن کر گالیاں دیتے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسا بلند نہ پڑھو کہ مشرکین سن کر گالیاں دیں اور نہ ہی ایسا آہستہ کہ صحابہ نہ سن سکیں بلکہ درمیانہ راستہ اختیار کرو ۔ "تفسیر درِ منثور ص۲۰۶ جلد۴ ، ابن کثیر ص۶۹٬۶۸ جلد۳ ، کبیر ص۴۵۵ جلد۵ ، طبری ص۱۲۳ جلد۱۵ ، جمل ص۱۲۴، ۱۵۶ ، خازن ص۱۵۴ جلد۴ ، بخاری ص۶۸۶ جلد۲ ، مسلم ص۱۸۳ جلد۱ ، معالم ص۱۵۴ جلد۴ ، سننِ ترمذی ص۱۴۲ جلد۲ ، سنن نسائی ص۱۵۶ جلد۱ ، وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم من الدر اخرج سعيد ابن منصور واحمد والبخارى ومسلم والنسائى وابن جرير وابن ابى حاتم وابن حبان وابن مردويه والطبرانى والبيهقى فى سننه عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما

فی قولہ تعالیٰ ولا تجھر بصلاتک الأیۃ قال نزلت و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بمکۃ متوار فکان اذا صلی باصحابہ رفع صوتہ بالقراٰن فاذا سمع ذٰلک المشرکون سبوا القراٰن ومن انزلہ ومن جاء بہ فقال اللہ لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا تجھر بصلوتک ای بقراءتک فیسمع المشرکون فیسبوا القراٰن ولا تخافت بہا عن اصحابک فلا تسمعھم القراٰن حتی یأخذوہ عنک وابتغ بین ذٰلک سبیلا یقول بین الجھر والمخافتۃ۔

اور اسی طرح بلا ذکر ابن عباس، بیضاوی صہ ۲۷۴ جلد ۱، ابوالسعود صہ ۲۷۱ جلد ۶، جلالین، مدارک صہ ۲۵۶ جلد ۲ وغیرہا میں ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم اتنا بلند پڑھتے تھے کہ مشرکین سنکر شور مچاتے تھے۔ اور اس آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ اس طرح پڑھیں کہ مشرکین نہ سنیں اور صحابہ کرام سنیں۔ اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ درمیانہ آواز سے پڑھا جائے کہ آواز دور نہ جائے، دوسری یہ کہ غفلتِ مشرکین کے وقت (مغرب وعشاء و فجر میں) بلند پڑھا جائے اور دوسرے وقتوں (ظہر وعصر میں) آہستہ پڑھا جائے کہ یہ صورت بھی ان کے شر سے بچاؤ کی ہے اور صحابہ کرام بھی سن سکیں گے اور بین ذٰلک ای بین جھر الکل ومخافتۃ الکل بھی ہے۔

ان دونوں صورتوں کا فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں نفسِ جہر کامل اور مخافتتِ کاملہ سے نہی وارد ہے اور دوسری صورت میں نفسِ جہر کامل اور مخافتتِ کاملہ سے نہیں بلکہ دونوں کے ایقاع فی جمیع الصلوات سے نہی ہے یعنی دن کی نمازوں میں مطلقاً جہر نہ ہو اور رات کی نمازوں میں مخافتت نہ ہو، اور ان دونوں صورتوں کی تائید یں خود حضرتِ ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما سے مروی ہیں۔ پہلی صورت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا وابتغ بین ذٰلک سبیلاً یقول تعالیٰ اطلب

بین الاعلان و الجھر و بین التخافت و الخفض طریقا لا جھرا شدیدا و لاخفضا حتی لاتسمع اذنیک۔ (درمنثور وطبری)

اکثر مفسرین کی روش میں یہی صورت نمایاں ہے کہ دوسری صورت کو الگ قول کی شکل میں لکھتے ہیں۔ کما فی الکبیر ص۲۵۵ جلد ۵ و الدر المنثور و المدارک والتفسیرات الاحمدیۃ و ابی السعود و النیشاپوری و احکام القرآن وغیرھا حتے کہ طبری تو بالکل متبائن سمجھے، فرماتے ہیں لاجماع الحجۃ من اھل التاویل علی خلاف۔

اور اس پہلی صورت کے لحاظ سے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ بلند نہ پڑھا جائے مگر اس صورت میں یہ تصریح بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے ہی ملتی ہے کہ ہجرت کے وقت یہ منسوخ ہوگیا، چنانچہ در، طبری، ابن کثیر بہ کلمات متقاربہ ناقل و النظم للطبری فلما ھاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم الی المدینۃ سقط ھذا کل یفعل الآن ای ذٰلک شاء، صاوی ص۳۱۵ جلد ۲ میں ہے فھو منسوخ جس سے روز روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ جہر شدید جو منہی عنہ تھا منسوخ ہوگیا، تو اب جائز ہے اور کیا جاسکتا ہے اور یوں بھی اس صورت میں نسخ ماننا ضروری ہے کیونکہ اس کا صریح مفہوم بحکم قاعدۂ مسلّمہ العبرۃ لعموم الالفاظ یہ ہے کہ سب نمازوں میں نہ بلند پڑھا جائے نہ آہستہ، بلکہ درمیانہ کہ باہر والے نہ سن سکیں اور نمازی سن لیں حالانکہ ظہر و عصر میں آہستہ پڑھا جاتا ہے۔ اگر لاتجھر کی بنا پر مغرب و عشاء و فجر میں زیادہ بلند پڑھنا ممنوع ہے تو ظہر و عصر میں یوں آہستہ پڑھنا کہ مقتدی نہ سن سکیں، بھی ممنوع ہونا چاہیے و لا یقول بہ احد فثبت النسخ فی ھٰذہ الصورۃ۔ نیز کتب معتمدۂ ائمۂ مذہبیہ "وجوب الجھر فی الصلوات الجھریۃ و وجوب المخافتۃ فی غیرھا" کی تصریحات جلیلہ سے گونج رہی ہیں تو اگر "لاتجھر" اور "لاتخافت" کا یہی معنے ہے جو سائل نے بیان کیا اور پھر منسوخ بھی نہیں ہوا تو لازم کہ یہ سب تصریحات معاذ اللہ مرتج نص کے خلاف ہوں ولایجوزہ عاقل فضلا عن فاضل، اور یونہی بہت سے

سہ کہ جہر و مخافت پر نص وارد اور یہ جہر و مخافت ثابت کر رہے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ



محدثین کرام نے بھی جہر و مخافتت سے بکثرت تعبیر فرمایا ہے تو امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ اگر آیت کا یہ معنے ہے تو منسوخ ہے فبطل استدلال السائل بالمنسوخ۔

اور دوسری صورت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما نے فرمایا ولا تجهر بصلاتك ولا تجعل كلها جهرا ولا تخافت بها قال لا تجعلها كلها سرا۔ درمنثور ص ۲۰۸ جلد ۴ اور عند الاحناف یہی راجح ہے بلکہ ہے ہی یہی کیونکہ ہمارے فقہائے کرام و مشائخ عظام نے صاف صاف تصریح فرمادی کہ اسی شانِ نزول سے یہ حکم اس آیتِ پاک میں آیا۔ مبسوط ص ۱۷ جلد ۱، کفایہ علی الہدایہ ص ۲۸۲، ۲۸۳ جلد ۱، بحر الرائق عن الکافی لصاحب الکنز ص ۳۳۵ جلد ۱، طحطاوی علی المراقی ص ۱۵۱ میں ہے والنظم للسرخسی وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم في الابتداء يجهر بالقراٰن في الصلوات كلها وكان المشركون يؤذونه ويسبون من انزل ومن انزل اليه فانزل الله تعالٰى ولا تجهر بصلوتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلاً فكان يخافت بعد ذلك في صلٰوة الظهر والعصر لانهم كانوا مستعدين للاذى في هذين الوقتين ويجهر في صلٰوة المغرب لانهم كانوا مشغولين بالاكل وفي صلٰوة العشاء والفجر لانهم كانوا نياماً۔

کفایہ و بحر الرائق و طحطاوی میں ذکر شانِ نزول کے بعد تفسیر یہ کلمات یہ ہیں ای لا تجهر بصلوتك كلها ولا تخافت بها كلها وابتغ بين ذلك سبيلا بان تجهر بصلوات الليل وتخافت بصلوات النهار فكان يخافت بعد ذلك في صلٰوة الظهر والعصر الخ اور یونہی فتح القدیر ص ۲۸۶ جلد ۱، اور بدائع ص ۱۶۱ جلد ۱، عنایہ علی الہدایہ ص ۲۸۳ جلد ۱، درالمختار تصریحاً، شامی تقریراً ص ۴۹۷، ۴۹۸ جلد ۱ میں ہے والنظم من الفتح انه صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان يجهر في الصلوات كلها فشرع الكفار الخ بالفاظِ متقاربہ تفسیرات احمدیہ میں ہے فالاٰية في تعيين الصلوات الجهرية وغير الجهرية۔ اور اس صورت میں جہریہ نمازوں میں مطلقاً جہر کی اجازت ہو رہی



ہے جو اپنے عموم اور شانِ نزول کے لحاظ سے جہرِ کامل کو بھی ضرور شامل ہے تو استدلالِ سائل ہباءً منثورًا بن گیا، بلکہ اس کے برعکس جواز آفتابِ تاباں کی طرح نمایاں ہوگیا اور یہی احادیثِ مرفوعہ اور عاداتِ صحابہ کرام اور نصوصِ فقہاءِ عظام سے بھی واضح طور پر ثابت ہے۔

سننِ ترمذی صـ ۶۹ جلدا، صـ ۱۲۱ جلد ۲، شمائل ترمذی صـ ۲۳، نسائی صـ ۱۸۸ جلدا، ابنِ ماجہ صـ ۹۷ میں حضور پُر نور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراءتِ لیلیہ کے متعلق حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے بہ کلماتِ متقاربہ ہے ربما جهر و ربما اسر. سننِ ابنِ ماجہ صـ ۹۷، شمائل صـ ۲۳ میں حضرتِ امِ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کنت اسمع قراءة النبي صلى الله عليه وسلم بالليل وانا على عريشي. قال القاری فی شرح الشمائل صـ ۱۱۳ جلد ۲، و فی روایۃ النسائی وابن ماجۃ و ابی داؤد (الیٰ ان قالت) وانا نائمۃ علی فراشی وایضًا فی الشرح عن المواہب عن ابن ماجۃ قالت کنا نسمع قراءۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی جوف اللیل عند الکعبۃ وانا علی عریشی. سنن ابوداؤد صـ ۱۸۷، شمائل ترمذی صـ ۲۳ میں حضرتِ ابنِ عباس سے ہے کانت قراءۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی قدر ما یسمعہ من فی الحجرۃ وھو فی البیت۔ بخاری صـ ۲۰۶ جلدا، مسلم صـ ۴۱۳ جلدا، مؤطا امام مالک مع الشرح صـ ۳۱۴ جلدا، مؤطا امام محمد صـ ۱۷۴ حضرتِ ام المؤمنین امِ سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ہے کہ میں علیل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو فرمایا و النظم من الاٰخر طوفی من وراء الناس وانت راکبۃ قالت فطفت ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی الی جانب البیت ویقرأ بالطور وکتاب مسطور. فتح الباری صـ ۲۰۳ جلد ۲ میں ہے ان قولھا طفت وراء الناس یستلزم الجھر بالقراءۃ لانہ

سہ قد ذکر ہٰذہ الاحادیث فی باب صلوٰۃ اللیل وغیرھا ۱۲ منہ غفرلہ

لا یمکن سماعہا من وراثہم الا ان کانت جہریہ

بخاری ص۱۰۵ جلد ا، ص۴۳۵ وغیرہا کتب کثیرۂ حدیث میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ جب اساریٔ بدر کی طلب میں آئے تو سرکار عرش قرار صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا جہاد بخاری کے لفظ میں وکان جاء فی اساری بدر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی المغرب بالطور۔ ظاہر ہے کہ قیدی مسجد اقدس سے باہر ہوں گے اور وہ قیدیوں کے پاس ہی ہوں گے، تو بیرونِ مسجد سنا۔ اور صحیح بخاری ص۴۳۵ جلد۲ میں طبرانی کی روایت سے ہے وقد خرج صوتہ من المسجد۔ احکام القرآن ص۲۶۰، ۲۶۱ جلد۳ میں ہے وروی الزہری عن عروۃ عن عائشۃ قالت سمع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوت ابی موسٰی فقال لقد اوتی ابوموسٰی من مزامیر اٰل داؤد فہذا یدل علی ان رفع الصوت لم ینکرہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حضرت امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ خوب بلند پڑھا کرتے تھے حتّٰی کہ بیرونِ مسجد "بلاط"[1] تک سنا جاتا تھا۔ موطا امام مالک مع الشرح ص۱۰۹ جلد۱، موطا امام محمد ص۸۱، سنن بیہقی ص۱۹۵ جلد۲ میں ہے ان عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کان یجہر بالقراءۃ فی الصلوٰۃ و ان قرأتہ کانت تسمع عند دار ابی جہم بالبلاط (ترجمہ) بے شک حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نماز میں قرارت بلند پڑھا کرتے تھے اور آپ کی قرارت بلاط میں ابوجہم کی حویلی کے پاس سنی جاتی تھی۔ بیہقی علیہ الرحمۃ نے فرمایا لم یکن فی الوقت الذی جہر فیہ عمر ہذا الجہر ما کان فی وقت نزول الاٰیۃ[2] من خوف المشرکین ان ینالوا منہ۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ بیہقی علیہ الرحمۃ کی نظر میں بھی وہی صورت اولٰی ہے اور قائلِ نسخ ہیں مگر مذہب مہذب

---

[1] ہو موضع معروف بالمدینۃ ۱۲ منہ غفرلہ

[2] الاٰیۃ ای ولا تجہر بصلوتک الاٰیۃ ۱۲ منہ غفرلہ





حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے مؤطا میں حدیثِ مذکور کے نتیجہ میں فرمایا الجھر بالقراءۃ فی الصلوٰۃ فیما یجھر فیہ بالقراءۃ حسن مالم یجھد الرجل نفسہ۔ اس نصِ امام سے صاف ثابت ہو گیا کہ کمالِ جہر میں کوئی حرج نہیں بلکہ بہتر ہے جبکہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے۔ اور لاؤڈ سپیکر کی صورت میں مشقت قطعاً نہیں ہوتی تو جواز ثابت ہو گیا۔ اور اسی طرح کتبِ معتمدۂ فقہیہ میں بھی ہے۔

فتح القدیر ص۲۸۳ جلد۱، تبیین الحقائق زیلعی ص۱۲۷ جلد۱، ہندیہ ص۳۷ میں ہے ولا یجھد نفسہ فی الجھر اقول و مفہومہ مقارب ما مر عن محرر المذہب۔ شامی علیہ الرحمۃ ص۴۹۷ جلد۱ میں ناقل کہ وفی الزاھدی عن ابی جعفر لو زاد علی الحاجۃ فھو افضل الا اذا اجھد نفسہ او اذی غیرہ قہستانی، مجمع الانہر ص۱۰۳ جلد۱ میں ہے الاولیٰ ان لا یجھد نفسہ بالجھر۔ پھر صلواتِ جہریہ میں منفرد کے لئے فرمایا کہ گر جہر کرے تو زیادہ نہ کرے۔ در المختار تصریحاً، رد المحتار تقریباً ص۴۹۸ جلد۱، کفایہ علی الہدایہ ص۲۸۴ جلد۱، مراقی الفلاح ص۱۵۱ میں یکتفی بادناہ۔ عنایہ علی الہدایہ ص۲۸۳ میں ہے لا یجھر ھٰھنا کل الجھر حالانکہ مفہومِ مخالف کتب و روایات میں یقیناً معتبر ہے کما فی الدر والشامی فی شرحہ والشلثین والفتح وغیرہ تو ثابت ہوا کہ امام زیادہ جہر کرے۔ چنانچہ تبیین الحقائق ص۱۲۷ ج۱، ہندیہ ص۳۷ ج۱ میں ہے لا یبالغ فی الجہر کالامام۔

بہرحال امس و شمس کی طرح واضح و ہویدا ہوا کہ امام کا یوں بلند پڑھنا کہ مشقت میں نہ پڑے اور بیرونِ مسجد سنا جائے، جائز و روا ہے۔ جو ناجائز بتائے اس پر لازم کہ ان مضبوط دلائل کے مقابل دلائل دکھائے صرف کسی ایک یا دو متاخرین کا "قد اساء" کہہ دینا یا اپنے طور پر جو معنی نظر آیا اس کی بناء پر ناجائز کہہ دینا کافی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ (۱۰ ذی القعدۃ المبارکۃ ۱۳۷۷ھ)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ لاؤڈ سپیکر میں جماعت کرانا منع ہے یا کہ جائز ہے؟ مفصل جواب بحوالہ کتب برائے مہربانی دیا جائے۔ عین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا۔

السائل: فقیر محمد انور متعلم مدرسہ اسلامیہ عربیہ کوٹ رادھا کشن ضلع لاہور





امام کے پاس لاؤڈ سپیکر کا رکھا جانا کہ اس کے ذریعہ دور والے مقتدی انتقالاتِ امام سے مطلع ہو کر متابعتِ امام کر سکیں، مباح ہے۔ شرعاً اس کی حرمت کسی آیت، حدیث، اجماعِ امت، قیاسِ ائمہ مجتہدین سے قطعاً ثابت نہیں تو ناجائز و حرام و مفسدِ نماز کیونکر بنے گا۔ بعض علمائے کرام جو اس قسم کے فتوے صادر فرماتے ہیں۔ ان کا تفصیلی جواب بمع وضاحتِ اباحت و جواز میرے رسالہ مطبوعہ "مکبر الصوت" میں دیکھیں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۷ رجمادی الاخریٰ ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

حضرت مولانا شیخ الحدیث صاحب مدظلہ مدرسہ عربیہ فریدیہ بصیر پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ اگر کسی جماعت میں نمازِ عید یا جمعہ وغیرہ میں لاؤڈ سپیکر اس طرح استعمال کیا جاتا ہو کہ نماز میں مکبرین کا انتظام مکمل ہو کہ وہ بھی نماز میں تکبیرات کہتے رہیں اور لاؤڈ سپیکر بھی چالو رہے تو اس صورت میں استعمالِ لاؤڈ سپیکر جائز ہے یا نہ؟ اور اس صورت میں نماز ہو جاوے گی یا سرے سے نماز نہ ہو گی؟ جہاں جہاں نمازوں میں استعمالِ لاؤڈ سپیکر بھی ہوتا ہے اور مکبرین کا انتظام بھی مکمل ہوتا ہے، ان مسلمانوں کی نمازوں کا کیا حکم ہے۔ اب وہ نمازیں ہو گئیں یا پھر قضاء کریں؟ بینوا توجروا۔ مہر ثبت فرمادی جاوے۔

مستفتی:- نیاز مند فقیر محمد نواز اویسی مہتمم دار العلوم جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یار خان بہاول پور ڈویژن مغربی پاکستان (۵۸-۹-۷)



دورانِ نماز میں پہلے سے چالو کئے ہوئے لاؤڈ سپیکر کا چالو رہنا اور اس کے ذریعہ بھی تکبیراتِ انتقالات کا سنا جانا، ناجائز نہیں اور نہ ہی مفسدِ نماز ہے، تو ان اہالیانِ اسلام کی نمازیں بلاشبہ جائز ہیں تو قضاء کی ضرورت نہیں بلکہ اگر سرے سے مکبرین کا انتظام ہی نہ ہو اور دور کے مقتدی صرف لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ ہی تکبیراتِ امام سن کر انتقالات کر رہے ہوں تب بھی سب کی نمازیں جائز ہیں کہ اصل اشیا میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت شرعِ مطہر سے ثابت اور اس کی برائی پر دلیلِ شرعی ناطق، وہی تو ممنوع و مذموم ہے، باقی سب چیزیں جائز و مباح ہیں، تو جو شخص کسی چیز کو ناجائز یا حرام یا مکروہ کہے اس پر واجب کہ اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے، اور جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیلِ شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ شامی صفحہ ۲۰۶ جلد ۵ میں امام عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ السامی سے ناقل مقرر لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات الحرمۃ او الکراھۃ اللذین لابد لھما من دلیل

بل فی الاباحۃ التی ھی الاصل۔

امام اہل السنت والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقامۃ القیامۃ ص۲۵ میں حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری کے رسالہ "اقتدار بالمخالف" سے اسی اصل کی بناء پر بالخصوص جزئیہ جواز نماز ناقل و مقرر ہیں کہ من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھو الصحۃ واما القول بالفساد او الکراھۃ فیحتاج الی حجۃ من الکتاب او السنۃ او اجماع الامۃ۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی رسالہ ص۲۶ میں دلائل قاہرہ سے اثبات اباحت اصلیہ کے بعد فرماتے ہیں اور اس کے سوا بہت آیات واحادیث سے یہ مطلب ثابت اور اکابر ائمہ سلف و خلف کے کلام میں اسکی تصریح موجود، یہاں تک کہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے فتوائے مصدقہ مہری دستخطی میں ہے" اور مدہوش بے عقل خدا ور رسول کا جائز نہ کہنا اور بات ہے اور ناجائز کہنا اور بات، یہ تو بتاؤ کہ تم جو ناجائز کہتے ہو خدا و رسول نے ناجائز کہاں کہا ہے! الخ ملخصاً" پس مجلس میلاد و قیام وغیرہا بہت امور متنازع فیہا کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں، شرع سے ممانعت نہ ثابت ہونا ہی ہمارے لئے دلیل ہے، تو ہم سے سند مانگنا سخت نادانی اور بحکم مجتہد بہادر عقل و ہوش سے جدائی ہے۔ ہاں تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا و رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا ہے؟ اگر ثبوت نہ دو اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہرگز ثبوت نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شرع مطہر پر افترا کیا ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون۔ سبحان اللہ! الٹا سند کا مطالبہ ہم سے؟ (اقامۃ القیامہ ص۲۶)

جو حضرات ناجائز اور مفسد نماز فرماتے ہیں انہیں چاہئے کہ امام اہل السنت والجماعت کے ان شاہانہ کلمات کو ٹھنڈے دل سے سنیں اور غور فرمائیں کہ کیا کر رہے ہیں، کیا یہ کلمات قاعدۂ کلیہ کے رنگ میں ہیں یا صرف رد وہابیہ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں؟ ان حضرات نے آج تک کوئی ایسی دلیل قائم نہیں فرمائی جس سے حرمت یا فساد نماز ثابت کیا جا سکے؟ کبھی لاؤڈ اسپیکر کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ آواز امام نہیں تو اقتداء من لم یدخل فی الصلوٰۃ کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی حالانکہ لاؤڈ اسپیکر پر من لم یدخل سرے سے صادق ہی نہیں اور نہ ہی یہ من لم یدخل والا جزئیہ ہمارے ائمہ کرام سے ثابت اور نہ ہی شامی اسے برقرار رکھتے ہیں بلکہ رد المحتار میں اشارۃً اور ثلاثین میں صراحۃً رد فرماتے ہیں تو اس سے استدلال





کیونکر روا ہے؟ اور کبھی کریمۂ و لا تجہر بصلوتک ولا تخافت بہا الآیۃ سے استدلال کرتے ہیں جو اس پر مبنی کہ سپیکر سے سنی گئی آواز بعینہٖ امام کی آواز ہے، تو یہ پہلے استدلال کے متناقض ہے پھر اس آیتِ پاک کا وہ معنی جس کی بنا پر استدلال فرماتے ہیں، منسوخ ہے کما صرح بہ فی تفسیر الطبری وابن الکثیر والدر المنثور بکلمات متقاربۃ والنظم للطبری فلما ھاجر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی المدینۃ سقط ھذا کلہ یفعل الآن ای ذلک شاء وفی الصاوی ایضا۔ اور منسوخ قابلِ استدلال نہیں۔ پھر طرفہ یہ کہ "لا تجہر" ہی دیکھتے ہیں اور لاؤڈ سپیکر کی صورت میں شدّتِ جہر کی بنا پر فساد کا حکم لگا دیتے ہیں اور "لا تخافت" پر نظر ہی نہیں کرتے کہ اس معنی کی بنا پر ظہر و عصر میں بھی وابتغ بین ذلک کا وہی حکم ہوگا۔ اور چونکہ وہ درمیانی آواز سے ادا نہیں کی جاتیں تو ان حضرات پر لازم کہ ان کے فساد کا بھی حکم دیں یا فارق، ایسی دلیل سے دکھائیں کہ جو نسخ یا تخصیص کر سکے ورنہ تعملون ببعض الکتاب بل ببعض الآیۃ ولا تعملون ببعض کا مصداق نہ بنیں۔

تعجب ہے کہ حنفی ہو کر اپنے مشائخ عظام کی تصریحاتِ جلیلہ نہیں سنتے جو معنی آیت کی وضاحت ہیں اور ان کے استدلال کو ہباءً منثورًا بنا رہی ہیں۔ مبسوط امام سرخسی ص۱۷ جلد۱، کفایہ علی الہدایہ ص۲۸۲، ص۲۸۳ جلد۱، بحر الرائق عن الکافی ص۳۳۵ جلد۱، طحطاوی علی المراقی ص۱۵۱ میں بہ کلماتِ متقاربہ ہے و النظم من البحر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجہر بالقرآن فی الصلوات کلہا فی الابتداء وکان المشرکون یؤذونہ ویسبون من انزل ومن انزل الیہ فانزل اللہ تعالیٰ ولا تجہر بصلوتک ولا تخافت بہا ای لا تجہر بصلوتک کلہا ولا تخافت بہا کلہا وابتغ بین ذلک سبیلا بان تجہر بصلوۃ اللیل وتخافت بصلوۃ النہار الخ

اور اسی کی تائید فتح القدیر ص۲۸۶ جلد۱، عنایہ علی الہدایہ ص۲۸۳ جلد۱، بدائع صنائع ص۱۶۱

جلدا ، درالمختار تصریحاً ، شامی تقریراً ص۴۹۸، ۳۹۷ جلدا میں ہے و النظم من الفتح انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یجہر فی الصلوات کلہا فشرع الکفار الخ فالاٰیۃ فی تعیین الصلوٰۃ الجہریۃ و غیر الجہریۃ اور بکثرت تفاسیر میں بھی اس معنی کی تصریح موجود ہے منہا الکبیر و المدارک واحکام القراٰن للرازی و تفسیر ابی السعود و البیضاوی والطبری والنیشافوری وغیرہا۔ اوراسی بنا پر ہمارے ائمہ کرام اور جمہور مطلق جہر و مخافتت کا ذکر فرماتے ہیں اور متون و شروح فتاوی وحواشی میں تصریحات جلیلہ نہایت بلند آواز سے منادی وجوب وجواز کر رہی ہیں حالانکہ مطلق اپنے اطلاق سے جہرِ کامل کو بھی شامل ہے۔ تو بفضلہ وکرمہ تعالےٰ اسی آیتِ پاک اور تصریحاتِ ائمہ کرام سے جہرِ شدید کا جواز بھی ثابت ہوگیا اور تصریحاتِ احادیثؔ سے بھی ایسا جہرِ شدید جو مسجد سے باہر بھی سنا جائے ، صاف صاف ثابت ہے محررِ مذہب مہذب حضرتِ امام محمد علیہ الرحمۃ نے مؤطا ص۸۱ میں حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایسے جہر کی حدیث ذکر کرکے فرمایا کہ جہریہ نماز میں اس قدر قرارت کا بلند کرنا کہ پڑھنے والا مشقت میں نہ پڑے اچھا ہے و نصہ قال محمد الجہر بالقراءۃ فی الصلوٰۃ فیما یجہر فیہ بالقراءۃ حسن ما لم یجہد الرجل نفسہ۔ فتح القدیر ص۲۸۳ جلدا ، تبیین الحقائق ص۱۲۷ جلدا ، ہندیہ ص۳۷ جلدا میں ہے و لا یجہد نفسہ فی الجہر مجمع الانہر ص۱۰۳ جلدا میں ہے الاولیٰ ان لا یجہد نفسہ بالجہر ، شامی ص۴۹۷ جلدا میں ہے وفی الذخیرۃ عن ابی جعفر لو زاد علی الحاجۃ



عہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں" عموم و اطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین سے آج تک علماء میں شائع وذائع ہے یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی ، ہمیشہ محمود رہے گی (الیٰ ان قال) غرض جس مطلق کی خوبی معلوم ، اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہوچکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا محتاجِ دلیل ہے ، مسلم الثبوت میں ہے الخ (اقامۃ القیامۃ ص۲۰۶) ۱۲ منہ غفرلہٗ۔ مہ المخرجۃ فی البخاری ومسلم وغیرہما ۱۲ منہ غفرلہٗ

فھو افضل الا اذا اجھد نفسہ او اذی غیرہ۔

منفرد کے متعلق عنایہ علی الہدایہ ص۲۸۳ جلد ا میں ہے لا یجھر ھٰھنا کل الجھر تبیین الحقائق ص۱۲۷ جلد ا، ہندیہ ص۳۰ جلد ا، طحطاوی علی المراقی ص۱۵۱ میں ہے لا یبالغ فی الجھر کالامام۔ اس حکمِ منفرد سے کمالِ جہر امام صراحۃً ثابت ہو رہا ہے۔ بہرحال امس و شمس کیطرح واضح ہویدا ہوا کہ امام کا یوں بلند پڑھنا کہ مشقت میں نہ پڑے اور بیرونِ مسجد سنا جائے بلاشک و شبہ و گنجائشِ ریب جائز و روا ہے، جو ناجائز و ناروا بتائے اس پر لازم کہ ایسے مضبوط دلائل دکھائے جن سے ہدایاتِ کتاب و سنت اور تصریحات ائمہ و علمائے امت کا جواب ہو سکے۔ اور یہ کافی نہیں کہ کسی متاخر کا انفرادی طور پر "قد اساء" کہنا دلیل بنائے اور مبنائے حرمت و فساد بتائے تو چونکہ لاؤڈ سپیکر کی صورت میں امام مشقت میں نہیں پڑتا اور معتدل آواز سے پڑھتا ہے تو یہ بھی یقیناً جائز ہوا۔ پھر لاؤڈ سپیکر کے سبب آواز کا اور بلند ہو جانا اور بیرونِ مسجد سنا جانا تو وہ یونہی ہے جیسے گنبد دار مساجد میں پڑھنے سے آواز بلند ہو کر باہر سنائی دیتی ہے بلکہ گنبد کی صورت میں گونج کا غلبہ ہوتا ہے اور لاؤڈ سپیکر سے صاف سنا جاتا ہے۔ اور جب گنبد دار مساجد میں جہریہ نمازوں کا باجماعت ادا کرنا قرونِ اولیٰ سے آج تک بلا نکیرِ منکر مروج آ رہا ہے اور معمول و متعامل اہالیانِ اسلام ہے تو لاؤڈ سپیکر کا جواز بطریقِ اولیٰ ثابت ہوا کہ اس سے تبۃً صاف سنا جاتا ہے۔

اور کبھی وہ حضرات فرماتے ہیں کہ آوازِ لاؤڈ سپیکر صدا ہے اور صدا سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا تو اقتدار بھی جائز نہ ہوگی، حالانکہ یہ قیاس بھی صحیح نہیں۔ ناظرِ کتبِ فقہیہ پر اظہر من الشمس کہ محدث و جنب، حائض و نفساء، مجنون و صبی، نائم و سکران بلکہ کافر تک بھی آیتِ سجدہ پڑھے تو سننے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور مقتدی کے پڑھنے سے واجب بلکہ جائز بھی نہیں ہوتا حالانکہ مکبر مقتدی ہی ہوتا ہے اور ماسوائے صبی مکبر بلکہ مقتدی بھی نہیں بن سکتے، تو معلوم ہوا کہ وجوبِ سجدۂ تلاوت وجوداً اور عدماً کسی صورت میں بھی معیارِ جوازِ اقتدار نہیں۔ اور اگر بالفرض معیار مانا بھی جائے تو پھر بھی نفیِ وجوب نفیِ جواز نہیں، کہ وجوب خاص اور جواز عام ہے اور ارتفاعِ خاص مستلزمِ ارتفاعِ عام نہیں، بلکہ بحکمِ "مفہوم[ع] الکتب حجۃ" سجدۂ تلاوت کا

عہ ثلاثین شامی ص۲۱۲ جلد ا، شامی ص۷۰۱ جلد ا میں ہے و النظم من الرسائل مفاہیم الکتب حجۃ۔ شامی ص۵۵ جلد ۳

ثم مفہوم التصنیف حجۃ ۱۲ منہ غفرلہ

جواز اسی نفی وجوب سے ثابت ہو رہا ہے تو حسب الفرض لاؤڈ سپیکر کی صورت میں بھی جواز ماننا پڑے گا، پھر یہ تخریج سجدۂ تلاوت بظاہر محض تخریجِ مشائخ ہی ہے اور اس کا مبنٰی یہ کہ صدا مغائرِ صوتِ اول یا شبیہ بالمغائر ہے حالانکہ عند التحقیق صوتِ اول کے مغائر نہیں بلکہ متحد بالنکا والنوعی ہے اور یہی اتحادِ صوت شرعاً و عرفاً معتبر ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے رسالہ مبارکہ "الکشف شافیا فی حکم فونو جرافیا" عہ سے مولانا حشمت علی خان صاحب ناقل "وحدتِ آواز وحدتِ نوعی ہے کہ تمام امثالِ متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے ورنہ آواز کا شخصِ اول کہ مثلاً ہوائے دہنِ متکلم میں پیدا ہوا کبھی ہمیں مسموع نہیں ہوتا۔ اس کی کاپیاں ہی چھپی ہوئی ہمارے کان تک پہنچتی ہیں، اس کو آواز کا سننا کہا جاتا ہے گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی گچ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے عربی میں "صدا" کہتے ہیں" (رضوان ۱۴ دسمبر ۱۹۴۹ء ص۵ کالم ۳)۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا "صدا" کے متعلق "خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے" فرمانا کتنی روشن اور صاف تصریح ہے کہ صدا صوتِ اول ہی ہے۔ اور جب ان حضرات کے نزدیک لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز صدا ہے تو بحکمِ امامِ اہل السنۃ والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوتِ امام کے مغائر نہ ہوئی بلکہ متحد ہی رہی تو نماز کیوں نہ ہوئی! وقد بقی الخبایا فی زوایا الکلام فمن شاء تفصیلاً ما فلینظر رسالتی مکبر الصوت والفتاوی النوریۃ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۷ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ



عہ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عدمِ وجوبِ سجدہ کی توجیہیں اسی رسالۂ "الکشف شافیا" میں بیان فرمائیں ۱۲ منہ غفرلہٗ ۔ عہ وذا ظاہر جدا من مطالعۃ دلائل الفریقین من المواقف مع الشرح ۱۲ منہ غفرلہ۔



الاستفتاءات

ماہنامہ "نوری کرن" بریلی برائے ماہ ستمبر ۱۹۶۰ء مطابق ماہ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ کے صفحہ ۱۲ پر بارہ ۱۲ سوالات شائع کئے گئے ادارہ نوری کرن کی طرف سے، اور یہ لکھا کہ جملہ علمائے اہلِ سنت سے گزارش ہے کہ ان بارہ سوالات کے مدلّل جواب تحریر فرما کر مسلمانانِ اہلِ سنت کو مستفیض فرمائیں۔ (یہاں وہ سوالات مع جوابات دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور درج کئے جاتے ہیں)

الاستفتاء نمبر ۱

گنبد کی آواز بعینہٖ آوازِ متکلم ہے یا متکلم کی آواز کے علاوہ کوئی دوسری آواز ہے؟



جواب میں امام اہلِ سنت والجماعت مجدّدِ دین وملت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحقیق بھرے پیارے پیارے نورانی کلمات ہی کافی ووافی ہیں۔ الکشف شافیا ص۳۱ میں فرمایا "گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی گچ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے "صدا" کہتے ہیں۔"

ان کلماتِ طیبہ کے ناقل شیر بیشۂ اہلِ سنت حضرت مولانا ابوالفتح حشمت علی خان صاحب علیہ الرحمۃ ہیں جو ان کے فتوائے مندرجہ ہفت روزہ "رضوان" لاہور ۱۴ دسمبر ۱۹۴۹ء ص۵ کالم ۳ میں، اور یونہی ماہ نامہ نوری کرن بریلی جون ۶۰ء کے ص۳۶ کالم ۲ میں حضرت حامی سنت مولانا مفتی سید افضل حسین شاہ صاحب مدظلہم کے فتوائے مبارکہ میں بھی منقول ہیں۔ اور ص۳۷ نوری کرن کالم ۲ میں اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ نصِ صریح بھی

نقل فرمائی کہ " بہر حال کچھ سہی اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آوازِ متکلم ہے "

الاستفتاء نمبر ۲

گنبد کی آواز پر رکوع و سجود کرنے والے مقتدیوں کی نماز کو فقہ کی کتابوں میں فاسد و باطل بتایا ہے یا نہیں ؟



کسی کتابِ فقہی میں بھی جستجوئے بلیغ کے باوجود یہ نہیں ملا کہ ایسے نمازیوں کی نمازیں فاسد و باطل ہیں اور یوں ملے بھی کیوں ! جبکہ فقہائے کرام کے اجماعِ عملی و سکوتی سے صراحۃً جواز ثابت ہے۔ گنبد دار مساجد کا رواج قدیم ایام سے آرہا ہے اور مشائخ عظام کے اکثر اوقات مسجد ہی میں بسر ہوتے ، اور مساجد میں ہی نمازیں با جماعت ادا کرتے تھے تو اگر گنبد سے سنی گئی آواز پر رکوع و سجود کرنا مفسد ہوتا تو گنبد دار مساجد کی تعمیر ناجائز قرار دیتے اور واضح فرما دیتے کہ ایسی مسجدوں میں امامت ناجائز و سببِ فسادِ نماز ہے مگر ایسا کوئی فتویٰ ہر گز ہر گز نہیں ملتا ، بلکہ اس کے برعکس تعامل و توارث کی پُر زور صدائیں صاف صاف بتا رہی ہیں کہ امامت بلاشبہ جائز اور نمازیں صحیح ہیں ، بلکہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مسجدِ اقصیٰ میں صحابہ کرام کو فتح بیت المقدس کے وقت نماز پڑھائی بلکہ شہنشاہِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شبِ اسراء تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو اسی مسجد میں نماز پڑھائی حالانکہ گنبد دار ہے۔ اور یہ بھی واضح کہ حدوثِ صدا صرف گنبد ہی میں بند نہیں بلکہ مسقف مکانوں ، جنگلوں ، میدانوں میں ، اور دیواروں یا گرد

؎ الحمد للہ اس تحریر کے بعد رسالہ مبارکہ الکشف شافیا طبع ہوا اس کے ص ۳۵ پر یہ عبارت ہے ۱۲ منہ غفرلہ

وپہاڑوں کے پاس بھی پیدا ہوا کرتی ہے کما فی المواقف و شرحہا وغیرہ۔ اور یہ بھی نہاں نہیں کہ حضور پرنور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین غزوات و حج و عمرہ کی مبارک تقریبات میں ہزارہا حاضرین کو میدانوں اور پہاڑوں میں بلند آواز سے نمازیں پڑھاتے رہے حالانکہ کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جو حکم فساد دے حالانکہ اگر کوئی حدیث ہوتی تو ضرور مشہور ہو جاتی کہ صورِ عموم بلوٰی میں کسی حدیث کا بطورِ خبر واحد ہی پایا جانا انقطاعِ معنوی کی دلیل ہے کما نصوا علیہ فی اسفارھم اور جب ایسی کوئی حدیث بھی نہیں ملتی تو اس شمس کی طرح نمایاں ہوا کہ ایسی نمازیں بلاشبہ جائز ہیں بلکہ یہ بھی واضح ہوا کہ مواضعِ حدوثِ صدا میں امامت و ادائے نماز باجماعت سنت سے ثابت ہے فللّٰہ الحمد و المنۃ علی الآئہ المتوالیہ۔ اور امام اہل سنت والجماعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالے عنہ کی یہ تصریح تو سن ہی چکے کہ "آواز و بی آواز متکلم ہے۔"

الاستفتاء نمبر۲

لاؤڈ سپیکر پر رکوع و سجود کرنے والے نمازیوں کی نماز ہوگی یا نہیں!



امام صحیح الصلوٰۃ کے ایسے مقتدی جو امام کے انتقالات پر بذریعہ سپیکر مطلع ہو کر امام ہی کی متابعت کرتے ہوئے نماز ادا کریں تو ان کی نمازیں یقیناً صحیح ہیں کہ لاؤڈ سپیکر سے سنی گئی آواز امام ہی کی تو آواز ہے جو قوتِ برقیہ سے قوی ہو جاتی ہے۔ رہا بعض حضرات کا "صدا" کہنا تو وہ ان کا اپنا نظریہ ہے جو غیر نہیں بنا سکتا خصوصاً جب کہ یہ محقق ہو چکا کہ صدا بھی تو آوازِ اول ہی ہے کما نقلہ الفاضلان المذکوران عن امام اہل السنۃ والجماعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تو جوازِ نماز میں کیا شبہ؟ بلکہ اگر بالفرض غیر آوازِ امام ہو تب بھی نماز یں صحیح ہیں کہ اسپیکر بے چارہ خود تو ناطق نہیں، اس سے سنی گئی آواز علین ہو یا غیر اتناضرور متیقن کہ آوازِ امام سے ہی پیدا ہوتی ہے بنا بر علیہ انتقالات امام کی یقینی دلیل ہے لہذا امام سے دور مقتدی اس کے ذریعہ انتقالاتِ امام کا یقینی علم حاصل کر لیتے ہیں اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ امام یا مبلغ کی آواز سننا شرائطِ اقتداء سے ہرگز ہرگز نہیں بلکہ انتقالاتِ امام کا مطلق علم ہی شرط ہے۔ درالمختار ص۵۱۵، شامی ص۵۱۴ جلد۱ میں ہے و النظم من الصدر وعلمہ بانتقالات۔ اور یہ بھی مصرح کہ یہ علم کسی سماع یا کسی رویت سے حاصل ہو کہ اشتباہ نہ رہے تو امام و مقتدی کے درمیان کسی دیوار وغیرہ حائل کی صورت میں بھی اقتداء صحیح ہے۔ فتاویٰ امام قاضی خان ص۴۵، خلاصۃ الفتاوے ص۱۵۰ جلد۱، غنیۃ المستملی ص۴۸۸، صغیری ص۲۶۷، نور الایضاح او مراقی الفلاح ص۱۶۵، درالمختار ص۵۴۸ جلد۱، شامی ص۵۱۵ جلد۱، ص۵۴۹ جلد۱، منحۃ الخالق ص۳۶۳ جلد۱، فتاوے سراجیہ ص۱۹، فتاویٰ عالمگیر ص۳۶ جلد۱، حموی شرح الاشباہ ص۱۹۷، غنیہ ذوی الاحکام علی ہامش درر الحکام ص۹۲ جلد۱ و النظم لفقیہ النفس و لایشتبہ حال الامام بسماع او رؤیۃ صح الاقتداء فی قولہم۔

فقہائے کرام نے صراحۃً یہ بھی فرمایا کہ پنجرے جیسی چھوٹی جالی یا ناک کے نتھنے جیسے چھوٹے سوراخ سے مقتدی انتقالاتِ امام کا مشاہدہ سماع یا رؤیت وغیرہ سے حاصل کر رہا ہو تو اقتداء صحیح ہے۔ فتاویٰ قاضی خان اور شرح حموی میں ہے و ان کان علیہ باب مسدود علیہ نقب صغیر مثل النبجرۃ۔ فتاوے سراجیہ میں فرمایا و لو کان النقب صغیرا کنقب المنخرۃ۔ بدائع صنائع ص۱۴۵ جلد۱ میں ہے و ان کان فیہ ثقب لا یمنع مشاھدۃ حال الامام لا یمنع بالاجماع۔ اور جب کہ سپیکر کے ذریعہ مقتدی انتقالاتِ امام کا یقینی علم بلا اشتباہ حاصل کر لیتے ہیں اور دیوار وغیرہ کوئی بڑا حائل بھی نہیں ہوتا تو نماز بطریق اولی جائز ہوگی (اس کا میکروفون پنجرے کی طرح جالی دار ہوتا ہے جس میں برقی قوت آواز جمع کرتی ہوئی چھوٹے سے سوراخ سے نکال کر بذریعہ تار سپیکر کے چھوٹے سوراخ سے داخلِ سپیکر کرتے ہوئے نشر کر دیتی ہے)



رہی شامی کی قید من الامام او المکبر تو وہ قطعاً مضر نہیں کہ یہ سماع اسی آواز کا ہی سماع ہے جس کی ابتداء امام سے ہے کہ من ابتدائیہ ابتداء بلاواسطہ کا اقتضاء نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں ہے ھو الذی خلقکم من تراب۔ الذی خلقکم من نفس واحدۃ۔ تو جس طرح کئی واسطوں کے باوجود "من تراب" اور "من نفس واحدۃ" صادق آرہا ہے اسی طرح سپیکر کے واسطہ کی صورت میں "سماع من الامام" بھی صادق آرہا ہے نیز قرآن کریم نے "دعوۃ الی المحشر" بواسطۂ صور سن کر آنے والوں کو داعی کے متبع بتایا ہے نہ متبعین صور۔ فرمایا یتبعون الداعی لا عوج لہ، تو معلوم ہوا کہ واسطہ غیر مختار کی صورت میں اتباع اسی کی ہوتی ہے جو اصل آواز کنندہ ہے تو یہاں بھی امام ہی کی اتباع بنے گی نہ کہ سپیکر کی، تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ نمازیں قطعاً صحیح ہیں اور فاسد و باطل نہیں کہ فساد و بطلان تو کسی شرط یا رکن کے فقدان پر ہی مرتب ہوتا ہے کما فی الغنیۃ ص۴۱۳ و الشامی ص۵۷۳ جلد۱، الفساد والبطلان فی العبادات سواء لان المراد بھما خروج العبادۃ عن کونھا عبادۃ بسبب فوات بعض الفرائض انتھی الخ بلکہ بفضلہٖ و کرمہٖ تعالےٰ آفتاب سے بھی واضح ہو چکا کہ مواضع حدوثِ صدا میں امامت و اقتداء احادیث مرفوعہ و موقوفہ سے ثابت ہے حالانکہ جس مکان میں لاؤڈ سپیکر نصب ہو وہ بھی موضعِ حدوثِ صدا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اقتداء روا اور نمازیں جائز ہیں۔

الاستفتاء نمبر۴

لاؤڈ سپیکر مبلغ کے قائم مقام ہے اور جو مبلغِ نماز سے خارج ہو اس کی آواز پر رکوع و سجود کرنے والے مقتدیوں کی نماز فاسد ہوتی ہے اس لئے لاؤڈ سپیکر پر رکوع اور سجود کرنے والے مقتدیوں کی نماز فاسد ہونی چاہئے کیونکہ ان دونوں میں کوئی وجہ فرق نہیں ورنہ وجہ فرق بتائی جائے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

لاؤڈ سپیکر جو خود صامت اور صوتِ امام کا مکبر ہے۔ ایسے مقتدی اور مبلغ کے قطعاً قائم مقام نہیں ہوسکتا جو خود ناطق ہے تو اس سے سنی گئی آوازِ امام پر رکوع وسجود کرنے والے مقتدیوں کی نمازیں فاسد نہیں ہوں گی۔ اور سائل کا یہ دعوے کہ مبلغ خارج عن الصلوٰۃ کی آواز پر رکوع وسجود کرنا مفسدِ نماز ہے، ہرگز ہرگز صحیح نہیں۔ حضرتِ رب العالمین جل وعلا نے فرمایا فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولٰئک الذین ھداھم اللہ واولٰئک ھم اولو الالباب۔ اس قول میں اقوالِ متعلقۂ نماز بھی داخل ہیں۔ علماء فرماتے ہیں العبرۃ لعموم الالفاظ وھو صریح السراجی فی الکبیر۔ نیز فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک مسلم عادل کی خبر دیانات (جن میں نماز بھی یقیناً ہے) میں قبول کی جائے۔ ہندیہ ص۸۶ جلد۴ میں ہے خبر الواحد یقبل فی الدیانات کالحل والحرمۃ والطھارۃ والنجاسۃ اذا کان مسلما عادلا ذکرا او انثی الخ مبسوط ص۱۶۳ جلد۱۰ میں ہے وفی الدیانات الخبر ملزم بلکہ صراحۃً احادیثِ صحیحۂ صحیحین وغیرہما کا بھی ارشاد ہے کہ خارج من الصلوٰۃ کی ہدایت سے استفادہ غیر تلقن کرتے ہوئے تکمیلِ نماز حقیقۃً تکمیل ہی ہے اور افساد قطعاً نہیں، تحویلِ قبلہ کیوقت مسجد قبا میں نماز باجماعت ادا کرنے والوں کو ایک صاحب نے تحویلِ قبلہ کی خبر دی تو وہ عینِ نماز میں ہی بیت المقدس سے پھر کر کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ہدایہ ص۸۲ جلد۱ میں فرمایا واستحسنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم نیز حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو دستِ اقدس کے اشارے سے "اتموا صلوٰتکم" کا حکم دیا حالانکہ حضور اس وقت نماز سے خارج تھے اور صحابہ کرام صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتداء



میں نماز پڑھتے ہوئے زیارتِ حضور سے مست ہو کر نماز سے نکلنے لگے تھے تو اس اشارہ مبارکہ سے تکمیلِ نماز ہوئی۔ رواہ البخاری ص۹۳ جلد ۱ و مسلم ص۱۷۹ جلد ۱ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

علامہ عینی نے اس کی شرح ص۱۷۰ جلد ۲ میں فرمایا ان الایماء یقوم مقام النطق۔ ہمارے ائمہ کرام نے تصریح فرمائی کہ امام مسافر مقیموں کو نماز پڑھائے تو لبعد از سلام کہہ دے اتموا صلوٰتکم فانا قوم سفر۔ ہدایہ ص۱۴۷ جلد ۱ وغیرہا میں ہے و یستحب للامام اذا سلم ان یقول اتموا صلوٰتکم فانا قوم سفر لان علیہ السلام قال حین صلی باھل مکۃ وھو مسافر۔ حالانکہ لبعد از سلام امام نماز سے یقیناً خارج ہوتا ہے اور مقتدی اپنی نمازیں الگ الگ پوری کرتے ہیں۔ بدائع ص۱۰۳ جلد ۱ وغیرہا میں ہے یجب علیھم الانفراد تو اگر یہ اتموا صلوٰتکم کہنا مفید نہیں بلکہ مفسد بن سکتا ہے تو کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا امام خارج من الصلوٰۃ کے کہنے سے متنبہ ہو کر قیام و رکوع و سجود کرنے والے مقیم نمازیوں کی نمازیں پوری ہو جائیں گی یا برباد؟ تو ماہِ نیم ماہ کی طرح واضح ہوا کہ مبلغ خارج من الصلوٰۃ کی ہدایت پر رکوع و سجود وغیرہ افعالِ نماز ادا کرنے، جبکہ وہ مسلم عادل ہو، مفسدِ نماز نہیں اور نہ ہی تلقن ہے کما سیأتی تفصیلہ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لہٰذا علامہ رافعی تحریر المختار لرد المحتار ص۵۰ جلد ۱ میں فرماتے ہیں اذا اعتمد علیٰ خبر المبلغ الذی لم یدخل فی الصلوٰۃ یکون قد اعتمد علیٰ خبر العدل فی امر دینی وھو مما یصح العمل بخبرہ فی الدیانات۔

بفضلہ وکرمہ تعالیٰ امس وشمس کی طرح واضح ہوا کہ مانعینِ جواز کا مایۂ ناز تمام تر جزئیہ اقتداء من لم یدخل فی الصلوٰۃ باطل ہے لہٰذا شامی علیہ الرحمۃ کی نظر میں بھی قابلِ اعتماد نہیں۔ ردالمحتار میں ذکر کر کے اپنے رسالہ کیطرف متوجہ کیا اور "ھذا" کے ساتھ تنبیہ بھی فرمادی حالانکہ اس رسالہ میں صاف رد فرمادیا (مجموعہ رسائل کے ص۱۴۳ جلد ۱ میں) والتفصیل فی مکبر الصوت۔

اور جب یہ ثابت ہوا کہ لاؤڈ سپیکر قائم مقام مبلغ نہیں، اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ مبلغ خارج من الصلوٰۃ کی ہدایت سے استفادہ علیہ مفسد نہیں تو وجہ فرق بتانے کی ضرورت ہی نہ رہی مگر امتثالاً للامر مثالاً اتنا معروض کہ سپیکر صامت وغیر مختار ہے، اس سے سنی گئی آواز انتقالاتِ امام پر ایسی دلالت کرتی ہے جو غلطی میں نہیں ڈالتی۔ اور مبلغ جو خود ناطق و مختار ہے فاسق ہو تو بے وقت بول کر غلطی میں ڈال سکتا ہے یا دیدہ و دانستہ غلط ادا سے یا بلا وجہ اعراض عن الجماعت کے ارتکاب سے فاسق بھی بن سکتا ہے تو اس کی دلالت قابلِ اعتبار نہیں رہتی۔

الاستفتاء نمبر ۵

جب کہ خارج سے تلقین نماز کو فاسد کر دیتی ہے تو پھر لاؤڈ سپیکر کی تلقین پر رکوع و سجود کرنے سے نماز فاسد ہو گی یا نہیں؟



صرف خارج ہی سے نہیں بلکہ اپنے امام یا اپنے جیسے مقتدی کی تلقین سے بھی تلقن مفسد نماز ہے کما صرحوا بہ متوناً و شروحاً و فتاوٰی و حواشی۔ شامی ص ۵۸۱ جلد ا میں ہے (قولہ وکذا الاخذ) ای اخذ المصلی غیر الامام بفتح من فتح علیہ مفسد ایضاً کما فی البحر عن الخلاصۃ تو اگر خارج من الصلوٰۃ یا لاؤڈ سپیکر سے تکبیراتِ انتقالیہ سن کر رکوع و سجود کرنا بقولِ سائل خارج و سپیکر سے تلقن ہے تو لازم کہ مبلغ داخلِ صلوٰۃ یا امام کی تکبیراتِ انتقالیہ براہِ راست سن کر رکوع و سجود کرنا بھی تلقن بنے اور نماز بھی فاسد ہو کما ھو، اور یونہی یہ بھی لازم کہ امام و مبلغ کا بلند آواز سے تکبیرات سنانا تلقین بنے اور

ان کی نمازیں بھی فاسد ہوجائیں اور خارج من الصلوٰۃ بن جائیں۔ زیلعی صـ۱۵۶ جلد ا وغیرہا میں ہے وقولہ علی غیر امامہ یشمل فتح المقتدی علی المقتدی و علی غیر المصلی و علی المصلی وحدہ و فتح الامام والمنفرد علی ای شخص کان وکل ذلک مفسد۔ حالانکہ یہ دونوں لازم باطل تو ملزوم یعنی (خارج و سپیکر سے تکبیراتِ انتقالیہ سن کر رکوع و سجود کرنے کو تلقن کہنا) بھی باطل ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ سپیکر سے سن کر رکوع و سجود کرنا قطعاً تلقن نہیں۔ تلقنِ مفسد کا صدق تو اس پر موقوف کہ نمازی نماز کے اندر اپنے مقتدی کے علاوہ کسی اور سے سن کر کوئی ایسا لفظ بول دے جو اسے اپنے آپ یاد نہ آیا ہو۔ فتح القدیر صـ۳۵۱ جلد ا میں ہے المفسد التلقن المقترن بقول ما تلقنہ۔ بحر الرائق صـ۱۴ جلد ۲ میں ہے ان الفساد انما یتعلق فی مثلہ بالقراءۃ۔ عنایہ صـ۳۵۱ جلد ا میں ہے کالتلقن من غیرہ فی تحصیل ما لیس بحاصل عندہ شامی صـ۵۸۲ جلد ا میں ہے وان حصل تذکرہ من نفسہ لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقاً۔ اور جب صورتِ زیرِ بحث میں نمازی کوئی ایسا لفظ جو اسے یاد نہ ہو سپیکر سے سن کر بولتا نہیں تو تلقن کیسے بنا؟ تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ سپیکر سے سن کر رکوع و سجود کرنا مفسدِ نماز قطعاً نہیں۔

تنبیہ ناظرین کلماتِ فقہیہ پر یہ نہاں نہیں کہ تلقین و تلقن، فتح و اخذ، تعلیم و تعلم کلماتِ متقاربہ ہیں۔ ہدایہ صـ۱۱۶ جلد ا میں ہے ومعناہ ان یفتح المصلی علی غیر امامہ لانہ تعلیم و تعلم۔ نیز اسی میں ہے وتفسد صلوٰۃ الامام لو اخذ بقولہ لوجود التلقین والتلقن۔

تنبیہ امام و مبلغ کا جہر بالتکبیرات اعلامِ انتقالات کے لئے ہوتا ہے جسے سن کر مقتدی علمِ انتقالات حاصل کر لیتے ہیں جو صورتِ زیرِ بحث میں بھی حاصل ہوتا ہے اور یہ قطعاً مفسد نہیں بلکہ محصلِ شرطِ اقتدا ہے۔

الاستفتاء نمبر ۶

حاجت سے زیادہ آواز کے ساتھ نماز میں قرآن کریم پڑھنے اور تکبیر کہنے کو فقہ کی کتابوں میں جب کہ مکروہ لکھا ہے تو لاؤڈ سپیکر پر نماز میں قرآنِ کریم پڑھنا، تکبیر کہنا مکروہ ہے یا نہیں جب کہ اس میں بھی حاجت سے زیادہ آواز ہوتی ہے؟





جہریہ نمازوں میں ایسا جہر جو مشقتِ نفس اور راذیّتِ غیر کا باعث نہ بنے، مطلقاً بلا کراہت و اساءت جائز ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے لا تجھر بصلوٰتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذٰلک سبیلا۔ یعنی اپنی سب نمازوں میں جہر نہ کرو اور نہ ہی سب میں مخافتت (آہستہ پڑھنا) کرو اور اس (سب نمازوں میں جہر اور سب میں مخافتت) کے درمیان راستہ تلاش کرو۔ بایں طور کہ رات کی نمازوں میں جہر کرو اور دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو۔

آیت پاک کا یہ مطلب ہمارے فقہائے کرام کی تصریحاتِ جلیہ سے ثابت ہے۔ مبسوط امام سرخسی ص۱۷ جلد ۱، کفایہ علے الھدایہ ص۲۸۲، ۲۸۳ جلد ۱، بحر الرائق عن الکافی ص۳۳۵ جلد ۱، طحطاوی علے الدر ص۲۳۳ جلد ۱، طحطاوی علے المراقی ص۱۵۱ میں ہے و النظم من البحر و الاصل فیہ کما ذکرہ المصنف فی الکافی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجھر بالقرآن فی الصلوٰۃ کلھا فی الابتداء وکان المشرکون یؤذونہ و یسبون من انزل و انزل الیہ فانزل اللہ تعالیٰ ولا تجھر بصلوٰتک ولا تخافت بھا ای لا تجھر بصلوٰتک کلھا و لا تخافت بھا

كلها وابتغ بين ذلك سبيلا بان تجهر بصلوٰة الليل وتخافت بصلوٰة النهار فكان يخافت بعد ذلك فى صلوٰة الظهر والعصر لانهم كانوا مستعدين للايذاء فى هٰذين الوقتين ويجهر فى المغرب لانهم كانوا مشغولين بالاكل وفى العشاء والفجر لكونهم رقودًا وفى الجمعة والعيدين لانه اقامهما بالمدينة وما كان للكفار بها قوة۔

حاصل یہ کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم ابتداءً میں سب نمازوں میں قرآنِ کریم بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے اور مشرکین سن کر بیہودہ کلمات بکتے تھے تو اللہ تبارک وتعالے نے "ولا تجهر بصلوٰتك ولا تخافت بها" اتارا کہ سب نمازوں میں جہر نہ کرو اور نہ ہی سب میں آہستہ پڑھو وابتغ بين ذلك سبيلا اور درمیانہ راستہ تلاش کرو کہ رات کی نمازوں میں جہر کرو اور دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو، تو اس کے بعد حضور ظہر وعصر میں آہستہ پڑھتے کہ ان دو وقتوں میں کافر مستعدِ شرارت ہوتے تھے، اور مغرب میں جہر کرتے کہ وہ کھانے میں مشغول ہوتے تھے، اور عشاء و فجر میں جہر کرتے کہ وہ سونے میں مشغول ہوتے تھے، اور جمعہ وعیدین میں اس لئے جہر فرماتے کہ ان کو مدینہ طیبہ میں قائم کیا اور وہاں کافروں کو طاقت نہ تھی" اور بدائع صنائع صہ ۱۶۱ جلد۱، فتح القدیر صہ ۲۸۶ جلد۱، غایہ صہ ۲۸۳ جلد۱، درالمختار مع تقریرالشامی صہ ۴۹۷ جلد۱ میں بھی اسی مطلب کی تاکید اکید ہے والنظم من البدائع كان النبى صلى الله عليه وسلم يجهر فى الصلوٰت كلها فى الابتداء الخ اور متعدد تفاسیرِ معتمدہ میں بھی اس مطلب کی تصریح ہے۔ احکام القرآن للامام الجصاص الحنفی صہ ۳۶ جلد۳، ابوالسعود صہ ۲۰۲ جلد۶، مدارک صہ ۲۵۶ جلد۲، بیضاوی صہ ۴۷۴ جلد۱، تفسیر کبیر صہ ۴۵۵ جلد۵، نیشاپوری صہ ۱۰۳ جلد۱۵، درمنثور صہ ۲۰۶ جلد۴، تفسیراتِ احمدیہ صہ ۳۳۳ میں ہے والنظم للنسفى ولا تجهر بصلوٰتك كلها ولا تخافت بها كلها وابتغ بين ذلك سبيلا بان تجهر بصلوٰة الليل وتخافت بصلوٰة النهار. تفسیراتِ احمدیہ میں یہ بھی فرمایا وعلى هٰذا فالاٰية فى تعيين الصلوٰة الجهرية



تو روزِ روشن کی طرح روشن ہوا یہ آیت جہریہ نمازوں میں مطلق جہر کا حکم دے رہی ہے اور احادیث شریفہ میں بھی مطلق جہر کا ذکر ہے لہٰذا ہمارے ائمہ و مشائخِ کرام نے بھی جہریہ نمازوں کے واجبات میں مطلق جہر ہی کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ جہرِ مطلق جہرِ کامل کو بھی شامل ہے تو ثابت ہوا کہ جہرِ کامل بلاشبہ آیت و احادیث و تصریحاتِ فقہیہ سے جائز و مستحسن اور مصداقِ جہر واجب ہے والاطلاق بمنزلة النص و اطلاق المتون معتبر و الاستدلال به شائع و ذائع و ذا مما لاريب فيه۔ خصوصًا جب کہ کتب مذہبیہ میں یہ تصریحات بھی نمایاں طور پر موجود کہ جہریہ نمازوں میں قدرِ حاجت سے بلند پڑھنا مستحسن و افضل و اولیٰ ہے۔ محررِ مذہبِ مہذب حضرتِ امام محمد علیہ الرحمۃ مؤطا ص۱۰۵ میں حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اتنا بلند پڑھنا جو بیرونِ مسجد پاک دارِ ابی جہم کے پاس سنا جاتا تھا، باسناد بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسا جہر جہریہ نمازوں میں اچھا ہے جب کہ پڑھنے والا مشقت میں نہ پڑے ونصہ۔ قال محمد الجهر بالقراءة فی الصلوٰة فیما یجهر فیه بالقراءة حسن ما لم یجهد الرجل نفسه۔ شامی ص۴۹۷ جلد ا، طحطاوی علی الدر ص۲۳۳ جلد ا میں ہے لو زاد علیٰ قدر الحاجة فهو افضل الا اذا اجهد نفسه او اذیٰ غیره۔ مجمع الانہر ص۱۰۳ جلد ا میں ہے الاولیٰ ان لا یجهد نفسه بالجهر۔ بلکہ تبیین الحقائق ص۱۲۷ جلد ا، ہندیہ ص۳۷ جلد ا، طحطاوی علی المراقی ص۱۵۱ میں منفرد کے متعلق فرمایا لا یبالغ فی الجهر کالامام۔ اور عنایہ ص۲۸۳ جلد ا میں فرمایا لا یجهر ههنا کل الجهر تو آفتاب و مہتاب کی طرح واضح ہوا کہ امام کے لئے مبالغہ فی الجہر اور کل الجہر جائز و مستحب ہے۔ و ذا ظاهر جدًا۔ رہا یہ شبہ کہ بعض کتبِ فقہیہ ہندیہ وغیرہا میں سراجِ وہاج سے ہے الامام اذا جهر فوق الحاجة فقد اساء تو معروض کہ اتنے ٹھوس اور واضح ثبوت کو سراج وہاج کی عبارت رد نہیں کر سکتی بلکہ سراجِ وہاج ہے ہی ضعیف و بے اعتبار، فتاویٰ رضویہ شریفہ ص۲۱۳ جلد ا میں ہے وقد قال فی کشف الظنون السراج الوهاج عده المولیٰ المعروف ببرکلی من جملة الکتب المتداولة الضعیفة غیر المعتبرة۔



اور یونہی احادیث مرفوعہ و موقوفہ شرح معانی الآثار، سنن بیہقی، موطا امام محمد، شمائل ترمذی بلکہ صحیح بخاری سے بھی ثبوت ملتا ہے و ذکر بعضہا فی مکبر الصوت۔

رہی آیت مذکورہ کی دوسری تشریح جو اسی شان نزول کے تحت کئی تفسیروں میں مذکور اور مانعین حضرات کی مایۂ ناز دلیل ہے تو معروض کہ صریح تفسیر مشائخ احناف کے خلاف کسی اور تفسیر سے استدلال احناف کے لیے مناسب نہیں خصوصاً جب کہ اس تفسیر و تشریح کے ناقلین ہی سے یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اب بتا جہر چاہے کر سکتا ہے۔ طبری ص۱۲۳ جلد ۱۵، ابن کثیر ص۶۹ جلد ۳، در المنثور ص۳۰۷ جلد ۴ میں ہے والنظم للطبری فلما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى المدينة سقط هذا كله يفعل الآن اى ذلك شاء بلکہ صاوی علی الجلالین ص۳۱۵ جلد ۲ میں ہے وهذا الامر قد زال من يوم اسلام عمر وحمزة فهو منسوخ فللمصلى الجهر فى الصلوة الجهرية ولو يزيد على سماع المأمومين پھر تمام امت کا بالاتفاق ظہر و عصر میں آہستہ پڑھنا بھی صراحۃً بتا رہا ہے کہ اگر آیت کی واقعی یہی تفسیر ہے تو منسوخ ہے ورنہ تمام امت کا اجماع علی الضلالۃ لازم آتا ہے جو یقیناً باطل ہے۔ تعجب ہے کہ مانعین حضرات صرف "لاتجهر" پر ہی نظر کرتے ہوئے استعمال اسپیکر کو تو ناجائز بتاتے ہیں مگر "لاتخافت" کا خیال ہی نہیں کرتے کہ ظہر و عصر میں ہمیشہ صرف اس کی خلاف ورزی ہی نہیں کرتے بلکہ واجب جانتے ہیں حالانکہ ان کے دعوے کے مطابق لازم کہ ظہر و عصر میں بھی مغرب و عشاء و فجر کی طرح درمیانی آواز سے پڑھنا واجب ہو۔ اور یہ بھی لازم کہ تمام کتب فقہیہ کی جہریہ اور غیر جہریہ نمازوں کی تفریق بیجا بنے۔

طرفہ تو یہ کہ ان حضرات کا اس آیت سے استدلال اس پر موقوف کہ اسپیکر سے سنی گئی آواز بعینہ آواز امام ہو، حالانکہ وہ یہ مانتے ہی نہیں بلکہ غیر بتاتے ہیں۔ تو کیا کسی غیر آواز کا بلند ہو جانا آواز امام کا بلند ہونا ہے کہ خلاف ورزی بنے۔ حیرت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اسپیکر سے سنی گئی آواز آواز گنبد کی طرح صدا ہے تو ان کے قول پر گنبد دار مساجد بلکہ ہر مسقف مکان میں یا پہاڑوں کے آس پاس بھی جہریہ نمازوں کا ادا کرنا آیت کی خلاف ورزی بنے گی حالانکہ زمانۂ قدیم سے اہل اسلام گنبد دار مساجد اور مسقف مکانوں

میں اور پہاڑوں کے آس پاس بھی بلا انکار منکر سب نمازیں با جماعت آج تک ادا کرتے آرہے ہیں جو جواز کی دلیلِ صریح ہے تو صدائے اسپیکر کا کیا قصور کہ محلِ اعتراض بنا تے ہیں ؟

الاستفتاء نمبر

تکبیراتِ انتقالیہ کی آواز پہنچانے کے لیے مبلّغ کا تقرر سنت ہے اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے اس سنت کی اضاعت ہے تو یہ رافعِ سنت اور بدعتِ سیئہ اور مکروہ ہے یا نہیں ؟





دعوے تو کیا جاتا ہے کہ تقررِ مبلّغ سنت ہے مگر کسی صاحب نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ کون سی کتاب میں سنت لکھا ہے ! اور فقیر کو بھی سعیِ بلیغ کے باوجود اپنے یہاں کی کتابوں میں کہیں نظر نہیں آیا۔ اور حضور پُر نور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقتدی حضرات سے بھی صرف صدیقِ اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا مبلّغ بن جانا اور وہ بھی دو مرتبہ اور وہ بھی دورانِ مرض میں ہی ملتا ہے تو بلا مواظبت سنت کیسے بن گیا ! فتح القدیر ص۱۸ جلد ا میں ہے و السنۃ ما واظب علیہ صلی اللہ علیہ وسلم مع ترکہ احیانا ۔ شامی ص۹۵ جلد ا میں ہے او الخلفاء الراشدون من بعدہ اور جب سنت ہی نہیں تو بدعتِ سیئہ اور مکروہ بتانا بھی غلط بنا بلکہ امام اہلسنت والجماعت مجددِ مائۃِ حاضرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ تو اقامۃ القیامہ ص۳۰ میں فرماتے ہیں بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت ماموربہا کا رد کرے حالانکہ یہاں امر کا ذکر تک نہیں ۔ البتہ اس تقررِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے حسب القواعد جواز ثابت ہے لہذا فتح القدیر ص۳۲۲ جلد ا ، بحر الرائق ص۳۶۴ جلد ا ، در المختار مع الشامی ص۵۵۱ جلد ا ، رسائل شامی ص۱۳۹ جلد ا وغیرہا میں ہے و النظم للمحقق علیہ الرحمۃ و بہ یعرف جواز

المؤذنین اصواتہم فی الجمعۃ و العیدین و غیرہما۔ اور نیت حسنہ سے مستحب ہے۔ شامی ص۴۴۳ جلد ا طحطاوی علی الدر ص۲۱۳ جلد ا طحطاوی علی المراقی ص۱۵۶ میں ہے ولہ النظم و اما عند الاحتیاج الیہ بان کانت الجماعۃ لایصل الیہم صوت الامام اما لضعفہ او لکثرتہم فمستحب مگر امام کی آواز پہنچ رہی ہو تو محض بے جا و ناپسندیدہ و بابِ بدعت منکرہ ہے۔

انہی کتابوں میں ہے و فی السیرۃ الحلبیۃ اتفق الائمۃ الاربعۃ علی ان التبلیغ حینئذٍ بدعۃ منکرۃ۔ اور چونکہ لاؤڈ سپیکر امام کی ہی آواز پہنچاتا ہے تو اس وقت تقررِ مبلغ حسبِ تصریحِ مذکور باتفاقِ ائمہ اربعہ بدعتِ منکرہ بنے گا نہ کہ الٹے لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ آوازِ امام سے استفادہ بدعتِ سیئہ بنے فافہم ان کنت ممن یفہم۔

تعجب تو یہ ہے کہ صرف ظہر کی ہی دو نمازوں میں، وہ بھی حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے دو مرضوں کے دوران بطورِ خود صفوں کے آگے حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالے عنہ کے جہرِ تکبیرات سے تو مطلقاً تقررِ مبلغ سنتِ مستمرہ مانا جاتا ہے اور اس کے خلاف ادعائی کو بدعتِ سیئہ کہا جاتا ہے مگر خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے بکثرت پنج گانہ نمازوں کو مواضعِ حدوثِ صدا میں ادا فرماتے رہنے سے اس موضعِ حدوثِ صدا (مکانِ نصبِ لاؤڈ سپیکر) میں امامت و اقتدا کا صرف جواز بھی نہیں مانا جاتا ان ھٰذا الا اختلاق۔

الاستفتاء نمبر۸

کیا یہ صحیح ہے کہ گنبد کی آواز سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا اور اگر صحیح ہے تو کیوں؟ کیا اس لئے کہ جو اس سے سننے میں آیا، آیت نہیں، یا اس لئے کہ وہ متکلم کی آواز نہیں! برتقدیرِ ثانی یہ قول کہ گنبد

ص۲ علی قولہم جلد ا طحطاوی

کی آواز بعینہٖ آوازِ متکلم ہے نہ کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری آواز، غلط ہے یا نہیں؟



ہاں بعض کتبِ فقہیہ میں وجوبِ سجدہ کی نفی ضرور ہے مگر جوازِ سجدہ کی نفی قطعاً نہیں بلکہ بحکم مفہوم مخالف (جو کتبِ فقہیہ میں معتبر ہے) وہی نفیِ وجوب جواز کا اثبات ہے اور جواز ہی کے ہم قائل ہیں جو نیت حسنہ سے مستحسن بن جاتا ہے فبطل استدلال السائل۔ رہی علتِ نفیِ وجوب میں سائل کی یہ تردید کہ جو اس سے سننے میں آیا وہ آیت نہیں یا اس لیے کہ وہ متکلم کی آواز نہیں تو امام اہل سنت والجماعت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مردود ہے۔ وہ صدائے گنبد کو آوازِ متکلم مانتے ہوئے وجوبِ سجدہ کیلئے ایک قید مزید بڑھاتے ہیں کما نقل الفاضلان المذکوران عن الکشف شافیا۔ اور اگر بالفرض آوازِ متکلم کے علاوہ کوئی دوسری آواز ہی ہو تب بھی اتنا بداہۃً متیقن کہ اسی سے پیدا ہو رہی ہے اور حرکاتِ انتقالیہ امام کی بلاشبہ دلیل ہے حالانکہ مقتدی پر متابعتِ امام نفس اقتداء سے ہی لازم ہو جاتی ہے تو کیا علم آنے کے بعد متابعت کا لزوم اٹھ جاتا ہے بلکہ جواز ہی نہیں رہتا بخلاف سجدہ جو سماع سے پہلے لازم نہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ بکثرت ایسی صورتیں ہیں کہ صراحۃً تلازم وجوبِ سجدہ وجوازِ اقتدا کا رد کرتی ہیں والتفصیل فی مکبر الصوت فضیمتہ۔

الاستفتاء نمبر ۹

قرآن کریم کی تلاوت کی آواز اگر گراموفون کے ذریعہ سننے میں آئے تو استماع و انصات واجب ہے یا نہیں؟

عہ کما فی الکشف شافیا من ص۳۱ الی ص۳۵ ۱۲ منہ غفرلہ



"الکشف شافیا" میں شافی جواب ہے فلینظر ثمہ۔

الاستفتاء نمبر ۱۰

قرآن کریم کے تلاوت کی آواز لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اگر سننے میں آئے تو استماع و انصات واجب ہے یا نہیں؟



جب تالی ہی کی آواز ہے تو استماع و انصات بالشرائط ضروری ہے۔



الاستفتاء نمبر ۱۱

(۱) ایک مسجد میں زید و بکر صرف دو شخصوں نے نماز پڑھی۔ زید امام ہوا اور بکر مقتدی، مگر دونوں کے درمیان چھ سات گز کا فاصلہ تھا اور بکر کانوں سے بہرا تھا اس لئے امام کی آواز اس کو سنائی نہیں دیتی ہے نیز بکر کی بینائی بھی کمزور ہے اس لئے وہ امام کی نقل و حرکت کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا تھا البتہ اس کی آنکھوں میں عینک لگی تھی اس لئے اس نے عینک کے ذریعہ امام کی نقل و حرکت دیکھ کر رکوع و سجود کیا تو بکر کی نماز ہوئی یا نہ ہوئی؟

(ب) اور اگر بکر کی آنکھوں میں عینک نہ ہوتی تو بلکہ زید و بکر کے درمیان کوئی پاور والا شیشہ رکھا ہوتا جس کے ذریعہ بکر زید کی نقل و حرکت دیکھ کر رکوع و سجود کرتا تو بکر کی نماز ہوتی یا نہیں ؟

(ج) اور اگر بکر کے کانوں میں کوئی ایسا آلہ لگا ہوتا جس کے ذریعہ امام کی آواز سن کر رکوع و سجود کرتا تو بکر کی نماز ہوتی یا نہیں ؟



کتب کثیرہ سے سوالِ ثالث کے جواب میں محقق ہوچکا کہ انتقالاتِ امام کا علم بسماع او رؤیۃ یعنی کسی سننے یا کسی دیکھنے سے حاصل ہو اگرچہ بالواسطہ تو اقتدا صحیح ہے اور جب " ا " اور " ب " میں علم بالرؤیۃ ہے اور " ج " میں بالسماع تو نماز یقیناً روا ہے ۔

الاستفتاء نمبر ۱۲

اگر کوئی شخص امام کی آواز نہ سنے ، نہ اس کی نقل و حرکت دیکھے بلکہ امام کے سایہ کی حرکت دیکھ کر رکوع سجود کرے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں ؟



ہاں نماز جائز ہوگی کہ علم بالرؤیۃ حاصل ہے کما مر ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ والہ و





اصحابہ و بارک وسلم۔

عبدہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اجتماعِ نمازِ جمعۃ المبارک و عیدین میں لاؤڈ سپیکر استعمال کرنا جائز ہے یا کہ ناجائز؟ فی سبیل اللہ اس کا جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ والسلام

السائل:۔ الفقیر الحقیر سید محمد اسلم بخاری خطیب جامع مسجد نوری راوی محلہ سمندری ضلع لائلپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک و شبہ و ریب لاؤڈ سپیکر کا استعمال یعنی وہ بولنے والے کے پاس چالو ہو اور اس کے ذریعہ لوگ سنتے رہیں، شرعاً مباح ہے۔ اور اگر کوئی عارضہ ناجائز بنانے والا شامل ہو جائے مثلاً گانا بجانا یا بیہودہ اقوال یا کفریہ کلمات بکے جائیں تو استعمال ناجائز و گناہ ہوگا اور اگر قرآنِ کریم پڑھا جائے اور حضرتِ رب العالمین جل مجدہٗ کی صفت و ثناء کی جائے یا محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شان بیان کیا جائے یا احکامِ شرع بیان کئے جائیں تو عبادت بن جائے گا کما فی الحدیث المبارک انما الاعمال بالنیات وفی الشامیۃ علی الدر ص۳۵۴ جلد ۵ ان الاعمال بالنیات. فکما یکون المباح طاعۃ بالنیۃ تصیر الطاعۃ معصیۃ بالنیۃ تو نیتِ صالحہ سے نماز میں بھی بلاشبہ جائز و باعث

ثواب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی، اور تفصیل کے لئے فقیر کا رسالہ "مکتب الضرورت" ملاحظہ فرماویں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الانور وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

عبدہ المفتقر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲۲ رجب المرجب ۱۳۹۸ھ ۱۵ ۲/۹۸








مباحاتِ و
مفسداتِ نماز

باب

مَا یَجُوزُ فِی الصَّلوٰۃِ وَمَا لَا یَجُوزُ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ :-

نمبر۱ :- ہمارا گاؤں اہلِ ہنود کی ملکیت ہے لیکن وہ عباداتِ الٰہی و دیگر احکام الٰہی سے منع نہیں کرتے بلکہ عزت کرتے ہیں، نیز ایک اہلِ مسلم بھی قدرے ملکیت رکھتا ہے۔

نمبر۲ :- اور ہمارے گاؤں میں فریقین کا تقاضا ہے یعنی اندک آدمی اہلِ حدیث کہلاتے ہیں اور آمین وغیرہ بالجہر کرتے ہیں اور دوسرے فریق والے منع کرتے ہیں تو وہ از روئے ضد کے زیادہ آمین وغیرہ کرتے ہیں اور بصورتِ فساد تردد کرتے ہیں اور امام دائمی بھی منع کرتا ہے لیکن ترغیب قلبی کچھ اور بات رکھتا ہے۔ اگر امام حنفی ہو اور اس کی اقتدا میں فریقین نماز ادا کریں تو حنفیوں کی نماز میں آمین بالجہر سے کوئی نقصان ہے یا کہ نہیں ؟

نمبر۳ :- ہمارے گاؤں کی مسجد پختہ ہے یعنی خشتِ پختہ سے بنی ہوئی ہے اور اکثر آدمی نمازِ جمعہ ادا کرتے رہتے ہیں اور بعض برخلاف ہیں۔ اور جو جمعہ پڑھتے رہتے ہیں بعض ان میں سے فرضی ادا کرتے ہیں اور بعض احتیاطی، اگر ہمارے گاؤں میں جمعہ جائز ہے تو فرضی جائز ہے یا احتیاطی ؟ یا کہ جائز ہی نہیں ؟ ہمارا گاؤں بستی

نہیں ہے گویا کہ شہر ہے۔ اگر جائز ہے تو امام دائمی کو نمازِ جمعہ پڑھانا چاہیے یا کہ اور خطیب اور امام مقرر کرنا ہے؟ اکثر اہلِ اسلام اس کے پیشوا ہونے پر رضامند نہیں ہیں۔

نمبر۴: ڈاڑھی منڈانے کا ممنوعی ثبوت اور کتنا عذاب ہے، اور کتنی لمبی ہونی چاہیے؟

التماس: علماء وارث الانبیاء کے مذکورہ مسائل کو از دوئے رفع فریقین کے اور ثبوت نمازِ جمعہ کا باسنادِ صحیح و آیاتِ قرآنیہ کا ثبوت بھی ہو تحریر فرماویں۔ جواب باصواب فرمادیں خداوند کریم اجر دیگا۔

السائل: خادم العلماء والفقراء قطب الدین بقلم خود





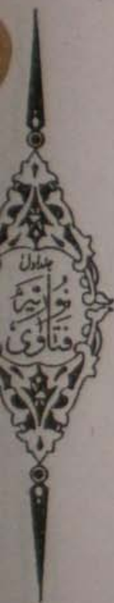
۱۔ عبادتِ رب العالمین جل جلالہ وعم نوالہ جو صحیح معنے میں عبادت ہو وہ تمام مکلفین پر لازم ہے۔

۲۔ یہ ثمرہ قلیلہ جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہلاتا ہے وہ حدیثِ سرورِ دوجہاں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیروکار نہیں بلکہ حدیثِ نفسانی و امانی کے تابع ہیں، خود ان کے افعال و اقوال اور ان کے مرغوبوں کی تصانیف اس مدعا کے شاہد ہیں، چنانچہ یہی جو سوال میں مذکور کہ وہ از روئے ضد آمین وغیرہ زیادہ کرتے ہیں، اس مدعا کا مثبت ہے کہ گو آمین بالجہر کو یہ لوگ سنّت سمجھتے ہیں مگر حدیثِ جلیل حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی الحدیث (مشکوٰۃ عن البخاری ومسلم) یعنی اعمال کی دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر ایک کے لئے وہی ہے جس کی نیت کی، حتیٰ کہ اگر کوئی فرض نماز ادا کرے مگر اس کی نیت فاسد ہے تو عبادت نہیں بن سکتی چنانچہ اسی حدیث کے اخیر میں ہے کہ اگر ہجرت جو فرض تھی کسی دنیاوی لالچ سے کرے تو وہ معتبر نہیں بلکہ اسلام لانا جو اعظم الفرائض ہے اگر نیتِ فاسدہ سے ہو تو غیر معتبر، بلکہ باعثِ زیادۂ عذاب بن جاتا ہے۔ چنانچہ منافقین کے حق میں مولیٰ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک

الاسفل من النار۔ توجب ان لوگوں کی آمین وغیرہ براہِ ضد ہو اور مسلمانوں کے دل دکھانے کے لئے ہو تو سنت نہ رہی بلکہ گناہ بنی کہ مسلمان کا دل دکھانا اور ضد شرعاً سخت حرام ہے مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری سے ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ تو حدیث پر کب عمل رہا بلکہ حدیث کے مخالف ہوا عجب کہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر تحریمہ باندھ کر بھی یہ لوگ اپنی ضد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ غرضیکہ ان کے افعال و اقوال سے یہ بات ٹھیک رہی ہے تو دوسرے فریق کا منع کرنا وہابیت سے روکنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل تھا۔ ان کو چاہئے تو یہ تھا کہ سن کر عمل کرتے مگر وہ الٹے ضد و فساد پر اترے اور فسادی کو اللہ تعالٰی دوست نہیں رکھتا۔ اہل سنت والجماعت کو چاہئے کہ ان سے الگ رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسے تمام فرقوں سے الگ رہنے کی تاکید بلیغ فرمائی ہے کہ مشکوٰۃ میں بخاری و مسلم کی حدیث ہے قال صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فاعتزل تلک الفرق کلھا۔ آمین بالجہر وغیرہ کی وجہ سے اگرچہ امام حنفی ہو۔ احناف کی نماز میں نقصان ہوگا کئی وجوہ سے ایک کی طرف تو اشارہ ہو چکا۔ اور دوسری یہ کہ جب وہ لوگ آمین بالجہر وغیرہ کریں گے تو کم از کم احناف کا خیال اس طرف جائے گا اور نماز میں حضور بالقلب نہ رہے گا اور یہ بھی مکروہ ہے شامی میں ہے منھا الصلوٰۃ بحضرۃ ما یشغل البال و یخل بالخشوع۔ اور ایسے ہی اور بہت سی وجوہ ہیں اور امام دائمی کو سمجھائیں کہ ترغیب قلبی کسی دوسری طرف نہ رکھے ورنہ صرف زبان کی موافقت کسی کام کی نہیں جیسے حدیث شریف و آیت طیبہ سے سن چکے۔

۳۔ مسجد کا پختہ ہونا اور گاؤں کا گویا کہ شہر ہونا نماز جمعہ کے لئے ہرگز ہرگز مجوز نہیں ہو سکتا عجب کہ سائل کہتا ہے کہ ہمارا گاؤں بستی نہیں، گاؤں اور بستی میں کیا فرق ہے ان ھذا الا التناقض الصریح۔ ادائیگی جمعہ کے لئے شہر کی مشابہت کافی نہیں بلکہ شہر ہو اور شہر بھی جامع ہو۔ کہ غنیۃ المستملی وغیرہا میں ابن ابی شیبہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے لا جمعۃ و لا تشریق ولا صلوٰۃ فطر و لا اضحی الا فی مصرٍ جامعٍ او مدینۃٍ عظیمۃٍ۔

پس جو اس گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتے وہ حق و مذہب حنفیہ پر ہیں اور جو پڑھتے ہیں اور احتیاطاً نماز ظہر



بھی پڑھ لیتے ہیں تو ان کا فرضِ وقت نمازِ ظہر ادا ہو جاتا ہے مگر ترکِ جماعت کا بوجھ سر پر رہ جاتا ہے اور جو صرف جمعہ ہی پڑھتے ہیں اور احتیاطاً نمازِ ظہر نہیں پڑھتے وہ اپنے فرضِ وقت کے فوت ہونے سے ڈریں۔ وتمام التحقیق فی رسالتنا انوار اتقن الدولہ۔

۳ داڑھی منڈانا حرام ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے داڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں وفروا اللحی و احفوا الشوارب "بڑھاؤ داڑھیوں کو اور ترشواؤ مونچھوں کو" منڈانے والا گنہگار ہے، حرام کے مرتکب کے عذاب کا مستحق ہے، اور لمبی مُشت بھر رکھی جائے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مشت بھر سے زائد کے کاٹنے کا ثبوت ہے۔ اس میں ہے وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وصحبہ وسلم۔

(نوٹ) کاتب نے تاریخ نہیں لکھی مگر فتاویٰ نوریہ جلد اول میں اس سے پہلا فتویٰ ۱۸ ذی الحجہ المبارکہ ۱۳۹۰ھ کا اور اس سے پچھلا ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کا ہے۔

عبدہ الحقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

نوٹ :- درج ذیل فتوے کا استفتاء فتاویٰ نوریہ کے قلمی نسخے میں درج نہیں ہے (محب)



عزیز القدر مولانا حافظ محمد رحمت علی صاحب سلمہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ' :- بعد از دعواتِ عافیتِ دارین آنکہ آپ کا مرسلہ خط ملا مگر افسوس کہ آپ کا لفافہ اور خط دونوں ایسے گم ہوئے کہ باوجود تلاش بھی نہ ملے۔ البتہ بہارِ شریعت حصہ سوم صـ۶۷ کے مسئلہ[1] کی تشریح لکھی جاتی ہے۔ اس میں ہے :

مسئلہ : کپڑے میں اس طرح لپیٹ جانا کہ ہاتھ بھی باہر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے۔ علاوہ نماز کے بھی بے ضرورت اس طرح کپڑے میں لپٹنا نہ چاہئے اور خطرہ کی جگہ سخت ممنوع ہے۔"

یہ مسئلہ درالمختار اور فتاوٰے عالمگیری ہے۔ اور ان دونوں میں بمع دیگر کتب معتبرہ اس طرح کپڑے پہننے کا عربی نام اشتمال الصماء یا صماء آیا ہے۔ حدیث متفق علیہ میں اس سے مطلقاً ممانعت آئی ہے اور اس کی تفسیر شامی صـ۶۱۱ جلد ۱، فتاوٰے عالمگیر صـ۵۵ جلد ۱، تبیین الحقائق صـ۱۶۴ جلد ۱، اشعۃ اللمعات صـ۳۱۱، صـ۵۶۷ جلد ۳، عینی علی البخاری صـ۲۳۸ جلد ۲، فتح القدیر صـ۳۵۹ جلد ۱ میں ہے والنظم من الفتح وھو ان یلف بثوب واحد رأسہ وسائر بدنہ ولا یدع منفذا لیدہ۔ یعنی وہ یہ ہے کہ اپنے سر اور باقی تمام دھڑ کو ایک کپڑے میں لپیٹ لے اور ہاتھ نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہ چھوڑے پھر اس کی وجہ تسمیہ اکثر کتب مذکور میں یہ ہے کہ "صماء" اس ٹھوس پتھر کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی سوراخ اور دراڑ نہ ہو تو یہ پہننا یوں ہوا جیسے اس پتھر میں داخل ہوگیا کہ ہاتھ بھی نہیں نکال سکتا۔ عینی وغیرہ نے بالفاظِ متقاربہ فرمایا و الصماء فی الاصل صفۃ یقال صخرۃ صماء اذا لم یکن فیھا خرق ولا منفذ ومعنی النھی عن اشتمال الصماء نھی عن اشتمال الثوب کاشتمال الصخرۃ الصماء (الی ان قال) وتشبیہ الاشتمال المنھی بھا کونہ یسد المنافذ کلھا۔

تو اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ بہارِ شریعت میں اس "ہاتھ بھی باہر نہ ہو" سے مراد یہ ہے کہ

---

[1] کیونکہ اسی کے متعلق سوال تھا ۱۲ منہ غفرلہٗ

ہاتھ یوں چھپا ہو کہ جب باہر نکالنا چاہے تو باہر نہ ہو سکے۔ اور اس پر وہیں ہمارِ شریعت میں بھی آخر میں نماز کے علاوہ بھی اس طرح لپٹانا چاہیے۔ اور خطرہ کی جگہ سخت ممنوع فرمانا صاف صاف دلیل ہے کہ جب فوراً نکل سکے تو خطرہ میں سخت ممنوع ہونے کا کیا معنٰی؟

بہرحال اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کا بعض صورتوں میں یوں چھپ جانا کہ جب نکالنا چاہے فوراً نکال سکے، اس میں داخل نہیں جیسے عموماً ہمارے یہاں کمبل اوڑھ کر بائیں جانب اٹھا کر شانے پر ڈالی جاتی ہے اس میں بھی بوقتِ قیام ہاتھ چھپ جاتے ہیں مگر بوقتِ ضرورت بلاتکلف نکل سکتے ہیں اور تکبیر تحریمہ تو نکال کر ہی کہی جاتی ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں لعدم الدلیل علیہا و الاصل الاباحۃ وقد قال اللہ تعالٰی خذوا زینتکم عند کل مسجد۔ اس میں تمام ایسی صورتوں کی اباحت ہے جن سے شرعِ اطہر نے منع نہیں فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ و آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۷ر جمادی الاخرٰی ۱۳۷۸ھ



الاستفتاء

بگرامی خدمت حضرت قبلہ الحاج شیخ الحدیث مفتیٔ اعظم صاحب دامت برکاتہم۔

السلام علیکم و رحمۃ و برکاتہٗ:۔

نمبر ۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

نمبر ۲:۔ اور کیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنہم سے صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا فعلاً یا قولاً ثابت ہے؟

نمبر ۳:- کسی حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ فقط ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے سے ایک نماز کا اور ٹوپی مع عمامہ باندھ کر ادا کرنے سے ستر گنا زیادہ ثواب ملتا ہے؟ نیز یہ حدیث صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔
امید ہے کہ آپ تفصیلی حل فرما کر بندہ کی تسلی و تشفی فرمائیں گے۔

السائل:- حضرت مولانا حافظ الحاج محمد شفیع صاحب اوکاڑوی ثم کراچوی مدظلہم بمعرفت محمد رحمت علی البیہقی مدنی مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ۸/۶۳-۱۰



الحمد للہ وحدہ و الصلوٰۃ و السلام علیٰ من لا نبی بعدہ

(۱) قرآنِ کریم و حدیثِ پاک اور فقہِ حنفی سے روزِ روشن کی طرح واضح کہ اہلِ اسلام کی ٹوپی (مثلاً قادری ٹوپی) پہن کر نماز پڑھنا ہرگز ہرگز مکروہ نہیں بلکہ نسبۃً پسندیدہ و مستحسن ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے یٰبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (اے ابنائے آدم لو زینت اپنی نزدیک ہر مسجد کے)۔ اربابِ تفسیر و فقہ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ پاک میں "زینت" سے مراد وہ لباس ہے جو جسمِ انسانی کے ضروری پوشیدنی حصوں کا ستر کر سکے اور "مسجد" سے مراد نماز ہے لہٰذا نمازی پر فرض ہے کہ لباسِ ستر پہن کر نماز پڑھے مگر جبکہ قرآنِ کریم نے "لباس" یا "ثیاب" نہیں فرمایا بلکہ "زینت" فرمایا اور "زینت" لغوی معنے کے لحاظ سے آرائش و زیبائش پر دال ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ خصوصی حاضری میں زیبائش ہونی چاہیئے لہٰذا لباسِ ستر سے زائد ہر وہ لباس جو شرعاً جائز ہو اور باعثِ زینت بنے (مثلاً قمیص، عمامہ وغیرہ) مسنون و مستحب و مستحسن ہوا۔ تفسیراتِ احمدیہ صہ ۲۷۳، الاکلیل ۱۱ جلد میں ہے ان المراد من الزینۃ الثیاب المواری للعورۃ

---

(۱) جن کو عورتیں "عورت" کہا جاتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

والمراد من المسجد هو الصلوٰۃ الخ نیز انہی میں ہے من السنۃ ان یأخذ احسن ہیئتہ للصلوٰۃ۔ پھر انہی میں ہے فلم یعممہ بلفظ الزینۃ دون اللباس فقال للاشعار باخذ اللباس الحسنۃ فی الصلوٰۃ۔ مدارک ص۳۹ جلد۲ میں ہے لان الصلوٰۃ مناجاۃ الرب فیستحب لھا التزین۔ صحیح بخاری ص۳۴۹ جلد۲ کی حدیث پاک میں ہے فان اللہ احق من تزین لہ۔ تو واضح ہوا کہ لباسِ زینت کم از کم مستحسن ضرور ہے حالانکہ ننگے سر کی بہ نسبت ٹوپی بھی لباسِ زینت ہے جسے عوام و خواص علماء و اصفیاء کے سب حلقوں میں مقبولیت حاصل ہے تو اس اشارۂ قرآنیہ سے صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا بھی مستحسن ہوا۔ اور حدیثِ پاک میں بھی صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا بھی ارشاد صریح و بیان موجود ہے جس کا ذکر بفضلہٖ تعالیٰ سوال ۲ کے جواب میں آرہا ہے۔ اور فقہ حنفی میں ہے کہ بلا وجہ وجیہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ اس میں زینتِ ماموٗ بہا کا ترک ہے۔ فتح القدیر ص۳۶۵ جلد۱، بحر الرائق ص۲۵ جلد۲، تنویر الابصار، در المختار، شامی ص۵۹۹ جلد۱، مراقی الفلاح ص۲۱۶، منیہ، غنیہ ص۳۳۷ جلد۱ میں ہے و النظم من الفتح وتکرہ الصلوٰۃ ایضاً (الی ان قال) و مکشوف الرأس۔ صغیری ص۱۸۴ میں ہے لان فیہ ترک اخذ الزینۃ الماموربھا مطلقا اور چونکہ ٹوپی سے سترِ سر حاصل ہو جاتا ہے اور ننگا نہیں رہتا تو واضح ہوا کہ ٹوپی پہننے سے ننگے سر والی کراہت دور ہو جاتی ہے اور سترِ سر کی زینت حاصل ہو جاتی ہے نہ یہ کہ الٹے ٹوپی سے کراہت آجائے۔ بلکہ فقہائے کرام نے تو یہاں تک فرما دیا کہ اگر نماز میں ٹوپی گر جائے تو نماز میں ہی اٹھا کر سر پر رکھنا افضل و بہتر ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے سے بچے۔ غنیہ ص۴۱۹ اور صغیری ص۲۳۲ اور در المختار تحریراً شامی تقریراً ص۶۴۱ جلد۱ میں ہے والنظم للحلبی و ذکر فی فتاوی الحجۃ ان رفع العمامۃ او القلنسوۃ بعمل قلیل اذا سقطت افضل من الصلوٰۃ مع



سہ تفسیراتِ احمدیہ میں " فلما " ہے و المعنی واحد ۱۲ منہ غفرلہ

کشف الرأس۔ درر الحکام ص۱۱۱ جلد ا میں ہے رفع القلنسوۃ بید و احدۃ افضل من الصلوۃ بکشف الرأس۔

۲۔ ہاں ثابت ہے۔ امامِ حقانی قطبِ ربانی حضرت سیدی عبد الوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ نے کشف الغمہ شریف ص۸۵ جلد ا میں فرماتے ہیں کان صلی اللہ علیہ وسلم یأمر بستر الرأس بالعمامۃ او القلنسوۃ وینھی عن کشف الرأس فی الصلوۃ یعنی حضور پرنور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں عمامہ یا ٹوپی سے سترِ سر کا حکم دیا کرتے تھے اور نماز میں سر ننگا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔" تو یہ حدیثِ پاک کئی وجوہ سے دلیل ہے سترِ سر کا حکم دینا اور ننگا سر کرنے سے منع فرمانا مکرر پتہ دیتا ہے کہ اکیلی ٹوپی بھی کافی ہے۔ پھر عمامہ یا ٹوپی فرمانا بھی اس کی دلیل ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ حضور نور علے نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو فرماتے تھے خود بھی اس پر عمل کر کے دکھاتے تھے اور صحابہ کرام بھی صدق دلی سے پیروی کرتے تھے اور سب حضرات کے پاس ہر وقت عماموں کا نہ ہونا بھی یقینی چیز ہے، تو مدعا روزِ روشن کی طرح روشن ہوا۔

حضرتِ امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی شہادت سے یہ حدیث ہے بھی حدیثِ صحیح، اسی کتاب مستطاب کے ص۵ جلد ا میں فرماتے ہیں ولم اعز احادیثہ الی من خرجھا من الائمۃ لانی ما ذکرت الا ما استدل بہ الائمۃ المجتھدون لمذاھبھم وکفانا صحۃ لذلک الحدیث استدلال مجتھد بہ۔ نیز ص۹ میں ہے وکفانا صحۃ لذلک الحدیث او الاثر استدلال مجتھد بہ۔ نیز حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم ٹوپی مبارک عمامہ شریف کے نیچے اور اکیلی ٹوپی مبارک اور اکیلا عمامہ شریف پہنا کرتے تھے۔ کنز العمال ص۴۳ جلد۴، جامع صغیر ص۲۳۷ جلد ۲ میں بحوالہ امام رویانی اور امام ابنِ عساکر ہے کان یلبس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القلانس تحت العمائم وبغیر العمائم ویلبس العمائم بغیر القلانس۔ پھر ائمۂ عظام اصحاب سیرت وغیرہم نے بھی وثوق سے تینوں صورتیں عمامہ مع ٹوپی، صرف ٹوپی، صرف عمامہ ذکر کی ہیں۔ السیرۃ الحلبیہ ص۴۶۳ جلد ۲، المدخل للامام



ابن الحاج ص۲۱۵ جلد ۲، زاد المعاد ص۱۳۱ جلد ا، سفر السعادۃ ص۱۳۰ جلد ۲، شرح سفر السعادۃ ص۴۳۶ میں ہے
والنظم من الحلبیۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبس[س] القلانس تحت العمائم و یلبس القلانس بغیر عمائم ویلبس العمائم بغیر قلانس۔ احیاء العلوم ص۳۷۵ جلد ۲ میں ہے کان یلبس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القلانس تحت العمائم و بغیر عمامۃ۔ فتاوٰے عالمگیر ص۹۹ جلد ۴ وجیز کردری سے اور تکملۃ البحر ص۴۸۷ جلد ۸ میں ذخیرہ سے ہے و النظم من التکملۃ روی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان لہ قلانس یلبسھا و قد صح ذٰلک اقول الظاہر ان المراد لبسھا بغیر عمائم او اعم فیطابق النصوص السابقۃ ولا یمکن ان یراد لبس القلانس تحت العمائم فقط لیخالف النصوص لان الاطلاق یابیٰ و لا مخصص شرعًا۔

بہر حال محبوبِ مکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے اکیلی ٹوپی کا پہننا بھی یقیناً ثابت ہے اور چونکہ یہ سب روایات و عبارات مطلق ہیں یعنی ان میں یہ نہیں کہ نماز میں پہنا کرتے تھے یا نماز سے باہر، تو معلوم ہوا کہ یہ پہننا عام ہے تو نماز میں صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہو گیا۔ قرآن کریم فرماتا ہے وثیابک فطھر ہدایہ اور کتبِ تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ اس ارشادِ پاک کا نماز کے ساتھ خصوصی تعلق ہے حالانکہ "ثیاب" جمع ہے تو معلوم ہوا کہ محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جمیع ثیاب (جن میں ٹوپی بلا عمامہ بھی داخل ہے) نماز کے قابل ہیں تو کراہت کہاں سے آئے؟ محبوب کی تو ہر ادا ہی محبوب ہوتی ہے اور زینت، تو لامحالہ صرف ٹوپی پہننا بھی محبوب بنا اور زینت ہوا تو کراہت کا شبہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔



[س] گو یہ حدیث ضعیف ہے مگر اصحابِ سیرت کے باوثوق ذکر اور فتاوٰے ہندیہ وغیرہا کے "قد صح ذٰلک" فرمانے
تائید و تصحیح ہو رہی ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

۳ر آج تک ایسی کوئی حدیث نہ ہی سنی ہے اور نہ ہی نظر آئی۔ اب سوال آنے پر تازہ تتبع مظانِ کتبِ حدیث دفقہ سے بھی کہیں اس کا کوئی نام ونشان نہیں ملا، البتہ جامع صغیر ص۶۰۱ جلد۱، کنز العمال ص۱۹ جلد۸ میں حضرتِ جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بہ رمزِ مسند الفردوس للدیلمی ہے رکعتان بعمامۃ خیر من سبعین رکعۃ بلا عمامۃ یعنی دو رکعتیں عمامہ کے ساتھ ایسی ستر رکعتوں سے بہتر ہیں جو بغیر عمامہ کے ہوں۔" پھر کنز العمال کے اسی صفحہ اور جامع صغیر ص۶ جلد۲ میں حضرتِ عمر سے بہ رمزِ ابن عساکر ہے صلوٰۃ تطوع او فریضۃ بعمامۃ تعدل خمسا وعشرین صلوٰۃ بلا عمامۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بلا عمامۃ۔ یعنی نفلی یا فرضی کوئی ایک نماز جو عمامہ پہن کر پڑھی جائے ایسی پچیس نمازوں کے برابر ہے جو بلا عمامہ ہوں اور ایک جمعہ عمامہ پہن کر ایسے ستر جمعہ کے برابر ہے جو بلا عمامہ ہو۔

اس دوسری حدیث کے متعلق گو علامہ محمد طاہر فتنی صاحب مجمع البحار اپنی کتاب موضوعات کے ص۱۵۵ اور ص۱۵۶ میں اور حضرتِ ملا علی قاری موضوعاتِ کبیر کے ص۴۵ میں بعض ائمہ حدیث سے ناقل کہ یہ موضوع ہے مگر حضرتِ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کے نزدیک موضوع ہرگز نہیں بلکہ صرف ضعیف ہی ہے کہ کنز العمال کے اصل جمع الجوامع میں سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں وہ حدیثیں جو ابنِ عساکر یا دیلمی کی مسند الفردوس سے ہیں، وہ سب ضعیف ہیں۔ کنز العمال ص۳ جلد۱ میں ہے ولابن عساکر (الیٰ ان قال) وللدیلمی فی مسند الفردوس فھو ضعیف فیستغنی بالعزو الیھا او الیٰ بعضھا عن بیان ضعفہ۔ اور جامع صغیر کے خطبہ ص۳ جلد۱ میں فرمایا وصنتہ عما تفرد بہ وضاع او کذاب۔ اور یہیں سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک پہلی حدیث بھی ضعیف ہی ہے۔ کہ بہ رمزِ مسند الفردوس ہے۔

بہرحال یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور فضائلِ اعمال میں اگرچہ حدیثِ ضعیف پر عمل جائز مگر ان میں صرف ٹوپی پہن کر نماز کا قطعاً ذکر نہیں اور نہ ہی ٹوپی مع عمامہ کا مگر چونکہ ان دونوں حدیثوں میں عمامہ نکرہ ہے اور حیز نفی کے بعد بھی ہے تو حسب القاعدہ استغراقی معنے کے لحاظ سے عمامہ مع ٹوپی اور عمامہ بلا ٹوپی دونوں

کو شامل ہوگا اور عمامہ کے ساتھ نماز کی فضیلت بھی ثابت ہوگی مگر پھر بھی یہ دونوں حدیثیں سائل کی پیش کردہ حدیث کا اصل نہیں بن سکتیں وذا ظاهر جدا۔

ضروری تنبیہ،

ترمذی ص۲۲۴ جلد۱ اور ابوداؤد ص۲۰۸ جلد۲ میں بکلماتِ متقاربہ حضرتِ رکانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً ہے ان فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس یعنی ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامے ہیں" اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کئی صاحبان تشدد کرتے ہیں کہ نماز میں سر پر ٹوپی اور عمامہ دونوں ہونے ضروری ہیں۔ صرف عمامہ یا صرف ٹوپی سے نماز پڑھنا سخت ناپسند جانتے ہیں۔ بلکہ بعض تو جھگڑے اور فساد پر اتر آتے ہیں حالانکہ یہ خیال اور استدلال صحیح نہیں،

اوّلاً یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف اور کافی کمزور ہے۔ اس کے دو راوی مجہول ہیں، ترمذی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں و اسناده لیس بالقائم و لا نعرف ابا الحسن العسقلانی و لا ابن رکانۃ۔ یعنی اس حدیث کا اسناد قائم نہیں اور ہم ابوالحسن عسقلانی اور ابنِ رکانہ کو جو اس حدیث کے راوی ہیں، پہچانتے نہیں وقد قرره المولی العلی القاری فی شرح الشمائل ص۱۶۶ جلد۱ والزرقانی علی المواهب ص۱۳ جلد۵ وزاد ومن ثم قال السخاوی هو واه یعنی امام سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت کمزور ہے۔ امام ذہبی میزان الاعتدال ص۳۵۲ جلد۳ میں ابنِ رکانہ اور ابوالحسن عسقلانی کو غیر معروف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں لا یعرف (ابن رکانۃ) تفرد عنہ ابو الحسن العسقلانی فمن ابو الحسن الخ۔ تقریب التہذیب ص۵۸۹ میں ہے ابوجعفر (د ت) بن محمد بن رکانۃ مجهول۔ نیز ص۵۸۳ میں ہے ابو الحسن (د ت) العسقلانی مجهول۔ تو ایسے کمزور اسناد والی حدیث سے اکیلی ٹوپی یا عمامے کا مکروہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ ہاں ٹوپی پر عمامے کا مستحسن ہونا ثابت ہوسکتا ہے مگر ترک



استحسان مستلزم کراہت نہیں۔

ثانیاً یہ حدیث نماز کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ہی اس میں نماز کا ذکر ہے بلکہ مطلقاً لباسِ سر کا بیان ہے لہذا ائمہ حدیث ترمذی و ابو داؤد وغیرہما نے اسے عام لباس کے بیان میں ذکر فرمایا ہے تو خارجِ نماز کے لئے بھی یہ اہتمام ضروری سمجھا جاتا کہ ہر وقت سر پہ عمامہ بمع ٹوپی رہے حالانکہ یوں نہیں تو معلوم ہوا کہ مستحسن ہے۔

ثالثاً ٹوپی پر عمامہ کا ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق بننا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اور کوئی فرق ہے ہی نہیں بلکہ حقیقتِ واقعیہ یہ ہے کہ ہر علامتِ اسلام ہی فرق ہے۔ تو اگر اکیلی ٹوپی بھی کسی زمانے میں علامتِ اسلام بن جائے تو وہ بھی فرق بن جائے گی، چنانچہ کافی مدت سے قادری ٹوپی اور ترکی ٹوپی علامتِ اسلام ہیں اور موجودہ دور میں جناح کیپ، تو ایسی ٹوپی کا پہننا جبکہ علامتِ اسلام ہے اور فرق ہے تو اس حدیث کے منشا کے مخالف کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں گاندھی ٹوپی وغیرہ جو شعارِ کفار ہیں وہ چونکہ علامتِ کفر ہیں لہذا ممنوع ہیں۔

رابعاً فرق و علامتِ اسلام جو اس حدیث کا اصل مقصود ہیں اس کا ہر وقت ظاہر کرنا ضروری نہیں کہ ترک مکروہ ہو، کلمۂ توحید جو بہت بڑا شعارِ اسلام ہے اس کا ہر وقت پڑھنا اور وہ بھی بلند آواز سے ضروری نہیں تو عمامہ بمع ٹوپی جیسا عمومی شعار ہر وقت قائم رکھنا کیونکر ضروری ہو! اور جب ہر وقت ضروری نہیں تو نماز یا ہر نماز میں کیونکر ضروری ہوگا؟

خامساً خود نماز ہی اسلام کی ایسی زبردست علامت ہے کہ نمازی جب نماز پڑھ رہا ہو تو ہر ایک دیکھنے والا اسے مسلمان سمجھتا ہے وذا مما لا یخفی بحکم القراٰن والاحادیث الکریمۃ۔ قرآن کریم فرماتا ہے اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین اور حدیثِ پاک میں آیا بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ۔ تو اگر نمازی کے سر پہ ٹوپی و عمامہ نہ بھی ہو تب بھی روزِ روشن کی طرح وہ فرق واضح ہوتا ہے تو اس لحاظ سے نماز کے باہر تو ٹوپی پہ عمامے کا ہونا فرق کرنے کے لئے ہونا چاہئے کہ نماز تو خود ہی فرق ہے حالانکہ یہ نہیں کہتے۔

سادساً و سابعًا ہوسکتا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہو کہ عمامہ ٹوپی پر پہننے کو جائز سمجھنا فرق ہے تو صرف یہ جائز سمجھنا ہی کافی ہوگا، بالفعل پہننے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یا یہ مراد ہو کہ اس خاص زمانِ اقدس میں فرق ہے۔ اور جب بعد میں اکیلی ٹوپی بھی فرق بن گئی تو وہ بھی کافی ہوگا کما قال مولانا علی القاری فی المرقاۃ ص۲۳۷ جلد۲ تحت حدیث خالفوا الیھود فانھم لایصلون فی نعالھم۔ نصہ او الادب فی زماننا عدم الیھود و النصاریٰ او عدم اعتیادھما الخلع ثم سنح لی ان معنی الحدیث خالفوا الیھود فی تجویز الصلوٰۃ مع النعال والخفاف فانھم لایصلون ای لا یجوزون الصلوٰۃ فیھما و لا یلزم منہ الفعل۔ اور ان وجوہ کی تائید اکید وجہ ثامن سے ہو رہی ہے فاستمع بقلب شھید۔

ثامناً جوابِ دوم میں روزِ روشن کی طرح واضح کیا گیا ہے کہ محبوبِ مکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اکیلا عمامہ شریف اور اکیلی ٹوپی شریف پہنا کرتے تھے، تو یہ بھی سنت بنے حالانکہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت بھی علامت کفر نہیں بن سکتی تو یہ کیسے علامتِ کفر یا ناجائز بن سکتے ہیں۔ ہاں جو خاص ٹوپی یا کسی خاص شکل کا عمامہ شعارِ کفار بن جائے تو اس عارضے کے سبب اس کا استعمال ہمارے لئے ناجائز ہوگا جو اسی کے ساتھ خاص ہوگا لہٰذا ائمہ کرام و فقہائے عظام (جو معانی احادیث اچھی طرح سمجھتے ہیں اور آیات و احادیث سے ہی ہمارے مسائل کا استنباط کیا کرتے ہیں) نے کسی کتاب میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ اکیلی ٹوپی یا اکیلا عمامہ پہن کر نماز مکروہ ہے اور نہ ہی یہ فرمایا ہے کہ نماز میں عمامہ مع ٹوپی پہننا ضروری ہے تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ اگر یہ حدیث حضرتِ رکانہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فی الواقع ثابت ہے تو اس کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہیں جو وہ صاحبان سمجھتے ہیں و ذلک مما لا ریب فیھا اصلاً۔ بلکہ ہمارے ائمہ و مشائخ عظام تصریح فرماتے ہیں کہ نماز کے لئے کامل درجے کا مستحب لباس یہ ہے کہ مرد قمیص، تہبند، عمامہ میں پڑھے جو تین کپڑے ہیں۔ خلاصۃ الفتاوےٰ ص۴۳ جلد۱، بدائع الصنائع ص۲۱۹ جلد۱، بحرالرائق ص۲۵ جلد۲، منیۃ المصلی اور غنیۃ المستملی ص۳۳۷، فتاوےٰ ہندیہ ص۳۱ جلد۱، طحطاوی علی الدر ص۲۷۰ جلد۱



میں بالفاظِ متقاربہ ہے المستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثۃ اثواب قمیص و ازار و عمامۃ۔ بدائع صنائع میں اضافہ فرمایا کذا ذکرہ الفقیہ ابو جعفر الھندوانی فی غریب الروایۃ عن اصحابنا۔ اور یہ تاویل کہ عمامہ سے مراد ٹوپی پر عمامہ ہے محض غلط ہے کہ عمامہ کا معنیٰ عمامہ بمع ٹوپی ہرگز نہیں۔ نیز ٹوپی کے ساتھ کپڑے تین نہیں رہیں گے بلکہ چار بن جائیں گے، تو واضح ہوا کہ اکیلے عمامہ کے ساتھ سترِ سر کمالِ استحباب کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے بھی اور وضاحت ہوتی ہے کہ اس حدیث سے متشددین حضرات کا وہ استدلال محض غلط ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ جب اکیلا عمامہ مکروہ نہیں تو اکیلی ٹوپی بھی مکروہ نہیں ہو سکتی اذ لا فارق بینھما فی عدم کون العمامۃ علی القلنسوۃ۔ بلکہ ننگے سر کی بہ نسبت افضل و مستحسن ہے کما مر التصریح بہ عن الدرر وغیرھا مگر چونکہ عمامہ میں زینت نسبۃً زیادہ ہوتی ہے تو وہ کامل مستحب ہوا، پھر جب اکیلے عمامہ سے استحبابِ کامل حاصل ہو جاتا ہے تو اگر عمامہ ٹوپی پر ہو تو بطریقِ اولیٰ حاصل ہو گا کہ اس میں زینتِ مطلوبہ میں کمی ہرگز نہیں ہوتی اور اس حدیث کے ظاہری معنے پر بھی عمل ہو گا۔ نیز یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ کامل مستحب کی نفی سے مطلق مستحب کی نفی نہیں ہوتی اور یہ کہ مستحب کا انتفاء مستلزمِ کراہت نہیں کہ مکروہ تنزیہی کے لئے بھی دلیلِ خاص کی ضرورت ہوتی ہے چہ جائیکہ تحریمی، شامی صـ۶۱۱ جلد ا میں ہے لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لا بدلھا من دلیل خاص۔ نیز وہیں ہے لان الکراھۃ حکم شرعی فلا بُدّ لہ من دلیل۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ و آلہٖ وصحبہٖ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ تین دعائیں تین بار ہاتھ اٹھا کر جائز ہیں؟ ایک مولوی

صاحب ناجائز کہتے ہیں خصوصاً بعد از نماز؟ بینوا توجروا۔

سائل: حافظ چراغ دین ساکن ملکہ ہانس خاص تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری



قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ سے روزِ روشن کی طرح صاف صاف ثابت کہ دعاء عبادت ہے بلکہ اعظم و افضل واشرف واکرم مغزِ عبادت ہے اور ایماندار کا ہتھیار اور دین کا ستون اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور دعاء نہ کرنا سببِ غضبِ رب تبارک وتعالےٰ ہے۔ بخاری الادب المفرد ص۲۴۹، ترمذی بافادۂ تحسین وتصحیح ص۱۷۸ جلد۲ حاکم مستدرک بافادۂ تصحیح وتقریر ذہبی ص۴۹۱ جلد۱ حضرتِ نعمان بن بشیر سے مرفوعاً راوی ان الدعاء هو العبادة ثم قرأ و قال ربكم ادعونی استجب لكم الأية۔ جمہورِ علماء فرماتے ہیں حصرِ "هو العبادة" بوجہِ عظمیّتِ دعاء ہے۔ فتح الباری ص۷۹ جلد۱۱ میں ہے اجاب الجمهور ان الدعاء من اعظم العبادة۔ مستدرک ص۴۹۱ جلد۱ میں حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوف لفظاً مرفوع حکماً ہے افضل العبادة هو الدعاء۔ بخاری الادب المفرد ص۲۴۹ میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مرفوعاً راوی۔ اشرف العبادة الدعاء۔ بخاری الادب المفرد ص۲۴۹، حاکم بافادۂ تصحیح وتقریر ذہبی ص۴۹۰ جلد۱، ترمذی ص۱۷۸ جلد۲ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مرفوعاً راوی لیس شیئ اکرم علی اللہ من الدعاء۔ ترمذی ص۱۷۸ جلد۲ حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً راوی الدعاء مخ العبادة۔ حاکم ص۱۹۲ جلد۱ میں حضرتِ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بافادۂ تصحیح وتقریر ذہبی رافعاً راوی۔ الدعاء سلاح المؤمن وعماد الدین و نور السموات والارض۔ حاکم ص۴۹۱ جلد۱، ترمذی ص۱۷۸ جلد۲ میں دو دو سندوں سے حضرتِ ابوہریرہ سے رافعاً راوی من لا یدعو اللہ یغضب علیہ ولکن عند الترمذی لم



یسأل بدل لایدعو۔

اور جب دعاء اتنی خوبیوں کی حامل ہے تو اگر حکم نہ بھی ہوتا، تب بھی عقل سلیم اور ایمان قویم کا تقاضا تھا کہ اس میں ہرگز ہرگز کوتاہی نہ کی جائے اور بکثرت کی جائے چہ جائیکہ اس کا حکم احکم الحاکمین جل وعلا نے کئی مرتبہ دیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے وقال ربکم ادعونی استجب لکم اور فرمایا واسئلوا اللہ من فضلہ۔ اور حضرت رحمۃ للعالمین نے بھی فرمایا ادعوا اللہ وانتم موقنون بالاجابۃ "دعاء کرو اللہ سے حالانکہ تم اجابت دعاء کا یقین کرنے والے ہو" رواہ الحاکم عن ابی ھریرۃ مرفوعاً وقال مستقیم الاسناد اور چونکہ رحمت کاملہ کا تقاضا ہے کہ محتاج بندے دعاء بکثرت کریں اور زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہوں تو کسی وقت کی قید نہیں لگائی بلکہ مطلق فرمایا اجیب دعوۃ الداع اذا دعان یعنی دعاء کرنیوالا جب دعاء کرے قبول فرماتا ہوں" بلکہ صراحۃً دعاء زیادہ کرنے کا حکم فرمایا۔ پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکثر الدعاء بالعافیۃ "عافیت کی دعاء بکثرت کیا کرو" رواہ الحاکم ص۵۲۹ جلد ا عن ابن عباس وقال ھذا حدیث صحیح علیٰ شرط البخاری واقرہ الذھبی۔ نیز فرمایا جو یہ چاہے کہ گھبراہٹ اور سختیوں کے وقت اس کی دعاء زیادہ قبول ہو تو آرام کے وقت زیادہ دعاء کرے فلیکثر الدعاء فی الرخاء رواہ الحاکم عن ابی ھریرۃ وقال صحیح الاسناد مع تقریر الذھبی ص۵۴۴ جلد ا۔ اور ان کے ہم معنے بکثرت احادیث ہیں۔ فتح الباری ص۷۹ جلد اا میں فرمایا وقد تواردت الاثار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالترغیب فی الدعاء والحث علیہ اور مواہب لدنیہ میں مع تقریر الزرقانی ص۲۱۸ جلد ۸ ہے۔ وقد تواترت الاخبار عنہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ زرقانی ص۲۱۸ جلد ۸ میں ابو یعلیٰ اور حاکم سے بافادہ تصحیح حدیث مرفوع علی المرتضےٰ میں ہے تدعون اللہ فی لیلکم ونھارکم "اللہ سے دعاء کرو دن اور رات میں" اور جب کثرت دعاء مطلوب ہے تو تین مرتبہ کا جواز و استحباب وضاحت سے ثابت ہو گیا، بلکہ بالتنصیص تین مرتبہ دعاء کا مسنون ہونا صراحۃً بھی ثابت۔ صحیح مسلم ص۱۰۸ جلد ۲ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ



عنہا سے ہے وکان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا ۔سنن ابی داؤد ص۲۱۳ جلد۱ عمل الیوم و اللیلۃ لابن السنی ص۹۹ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعجبہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یدعو ثلاثا و یستغفر ثلاثا "بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیارا لگتا تھا تین مرتبہ دعا کرنا اور تین مرتبہ استغفار کرنا" وفی مسند احمد بن حنبل ص۳۸ جلد۵ ۳۷۴۴ عن ابن مسعود کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعجبہ ان یدعو الحدیث وفی ص۲۹ جلد۵ ۳۷۶۹ عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث و مثلہ ۳۷۷۰ صحیح مسلم ص۲۲۱ جلد۲ میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ہے دعا ثم دعا یعنی حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور دعا فرمائی اور دعا فرمائی" شارح نووی نے فرمایا یہ تکرار دعا کی دلیل ہے نیز انہیں ام المؤمنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ہے کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر استغفار فرمایا۔ صحیح مسلم ص۳۱۳ جلد۱، سنن نسائی ص۲۸۶ جلد۱ رفع صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ثلاث مرات۔ نووی فرماتے ہیں فیہ استحباب اطالۃ الدعاء و تکریرہ و رفع الیدین یعنی اس سے ثابت ہوا کہ دعا کا لمبا کرنا اور بار بار کرنا اور دونوں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ احیاء العلوم ص۳۱۵ جلد۱ آداب دعا میں فرماتے ہیں ان یلح فی الدعاء و یکررہ ثلاثا یعنی دعا میں الحاح کرے اور تین مرتبہ دہرائے"۔ حصن حصین فرمایا واقلہ التثلیث یعنی ادب دعا تکریر کا سب سے کم درجہ تین مرتبہ کرنا ہے۔ اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور منہ پر پھیر لینا بھی آداب دعا سے ہے۔ ابوداؤد ص۲۰۹ جلد۱ مستدرک ص۵۳۶ جلد۱ حضرت ابن عباس سے یہ کلمات متقاربہ مرفوعاً ہے اذا سألتموا اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم و لا تسئلوہ بظہورھا وامسحوا بھا وجوھکم۔ یعنی جب اللہ سے سوال کرو تو ہتھیلیوں کے پیٹوں سے سوال کرو اور ان کی پیٹھوں سے سوال نہ کرو (یعنی سیدھے ہاتھ اٹھا کر سوال کرو) اور اپنے چہروں پر پھیر لو" حصن حصین



۲۳ آداب دعا میں فرمایا و رفعهما ع یعنی صحاح ستہ سے ثابت ہے دعا میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا
اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اطلاقات و عمومات نصوص حجت شرعیہ ہیں کما بین فی
کتب الاصول کافۃ تو امس و شمس کی طرح واضح و ہویدا ہوا کہ تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا
اگرچہ بعد از نماز ہو بلاشبہ جائز و مستحب و مستحسن ہے کہ یہ صورت بھی ایک فرد ہے ان کر ڈرہا افراد و صور ادعیہ
سے جن کو اطلاقات و عمومات نصوص نے جائز و مستحسن و مستحب بنا دیا اور جو ناجائز بتائے تو اس کے ذمہ لازم
کہ دلائل تقیید و تخصیص دکھلائے یا قرآن کریم اور حدیث پاک سے کوئی مانع لائے ورنہ فرمانِ قرآنِ کریم و لا
تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا
حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون
علی اللہ الکذب لا یفلحون ۰ کا امتثال کرتے ہوئے ناجائز کہنے سے بچے۔ تعجب ہے کہ وہ
خصوصاً بعد از نماز ناجائز بتاتا ہے حالانکہ بعد از نماز کے لئے خصوصاً امر عام وارد ، جو تین کو بھی اپنے عموم سے
شامل ہے قرآنِ کریم میں ہے فاذا فرغت فانصب و الی ربک فارغب
اور جب نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش یا محنت کرو۔"
یہ تفسیر رأس المفسرین حضرت ابن عباس اور قتادہ و ضحاک وغیرہ نے فرمائی ہے تفسیر خازن
ص۲۲۰ جلد ۷ ، معالم التنزیل ص۲۲۰ جلد ۷ ، ابن جریر ص۱۵۱ جلد ۳۰ ، ارشاد العقل ص۲۸۶ جلد ۸ ، مدارک
ص۲۷۳ جلد ۴ ، بیضاوی ص۴۳۳ جلد ۲ ، تفسیر کبیر ص۴۳۱ جلد ۸ ، نیشاپوری ص۱۱۸ جلد ۳۰ ، در المنثور ص۳۶۴
ص۳۶۵ جلد ۶ ، تفسیر مظہری ص۲۹۴ جلد ۱۰ ، تفسیر عزیزی ص۲۳۴ جلد ۳ ، تفسیر جلالین ص۵۰۵ ، تفسیر جمل
ص۵۵۶ جلد ۴ میں ہے و النظم للمحلی علیہ الرحمۃ فاذا فرغت
من الصلوٰۃ فارغب اتعب فی الدعاء ۔ حتے کہ غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی
یمانی نے بھی اپنی تفسیر فتح القدیر ص۴۵ جلد ۵ ، ص۴۵۱ جلد ۵ میں نمایاں طور پر یہ تفسیر نقل کی ہے اور
ایسے ہی ان کے ہندوستانی پیشوا نواب صدیق خان بھوپالی نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن ص۳۴۰ ج ۱۶ مجلد
میں بھی لکھا ہے۔ اور یہ اپنے عموم الفاظ کے لحاظ سے بعد از سلام کو بھی شامل ہے۔ بلکہ امام الائمہ امام
اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو فراغت از نماز ، نماز سے باہر آنے کے ساتھ ہی ہوتی ہے کہ خروج

عن الصلوٰۃ فرض ہے ۔

پھر مظہری اور جمل میں یہ تصریح بھی فرمادی و النظم من الجمل قولہ انعب فی الدعاء ای قبل السلام و بعدہ ۔ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے یہ لفظ ہیں :۔ " چوں از نمازِ فرض فارغ شوی دستِ خود را برائے دعا بردار "۔ یعنی جب نمازِ فرض سے فارغ ہو تو دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھاؤ ۔" حالانکہ ہاتھ اٹھا کر دعا بعد از خروج من الصلوٰۃ ہی ہوسکتی ہے ۔ نیز سننِ ترمذی ص۱۹۳ جلد ۲ میں حضرتِ ابوامامہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے بافادہ تحسین ہے کہ عرض کیا گیا یارسول اللہ! کونسی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے ؟ تو فرمایا رات کے پچھلے حصے میں اور فرض نمازوں کے پیچھے ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوف اللیل الاٰخر و دبر الصلوات المکتوبات اور حصنِ حصین اوقاتِ اجابت میں برمزِ سننِ ترمذی و نسائی فرمایا و دبر الصلوات المکتوبات ت س ۔ اور کنز العمال ص۱۷۸ جلد ۱ میں ترمذی ، نسائی اور سعید بن منصور کی رمز سے ہے ۔ نیز احادیثِ مرفوعہ سے بعد از سلام بکثرت کئی دعائیں قولاً اور فعلاً وارد ہیں ۔ چنانچہ سننِ نسائی ص۱۹۶ جلد ۱ باب الاستغفار بعد التسلیم اور ابنِ ماجہ باب ما یقال بعد التسلیم ص۶۷ میں حضرتِ ثوبان رضی اللہ تعالٰے عنہ سے ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا انصرف من صلوٰتہ استغفر ثلاثا و قال اللّٰھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام ۔ اور پھر نسائی نے کئی بابوں میں کئی مسند حدیثیں اسی صفحہ اور ص۱۵۱ میں ذکر کیں ۔ اور ایسے ہی باقی صحاح وغیرہ کتبِ حدیث میں بکثرت مذکور ہیں حالانکہ رفع الیدین کی ممانعت نہیں تو صاف جواز و استحباب ثابت ہوا ۔ بلکہ کنز العمال ص۱۸۱ جلد ۱ میں برمزِ مسندِ امام احمد بن حنبل ، سننِ ترمذی ، نسائی ، مستدرک ، ابن حبان اور ص۱۸۳ جلد ۱ میں برمزِ ترمذی ابو یعلیٰ حضرتِ انس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے ہے و النظم من الثانیۃ یا ام سلیم اذا صلیت المکتوبۃ فقولی سبحان اللہ عشرًا

سے اور فتح البیان ص۳۲۹ ج۱ میں نواب صاحب بھی یونہی فرماتے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ



واللہ اکبر عشراً والحمد للہ عشراً ثم سلی ما شئت فانہ یقول لک نعم ثلاث مرات۔ یعنی اے ام سلیم جب فرض نماز پڑھ چکو تو دس مرتبہ اللہ اکبر، دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ کہو پھر جو چاہو دعا کرو تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں فرمائے گا "نعم" "تین مرتبہ"۔ تو اس میں کھلی اجازت ہے فرض نماز کے بعد جو چاہے دعا کرے۔ بلکہ ص۱۷۵ جلد۱ میں بروایتِ شعب الایمان للبیہقی حضرتِ ابوہریرہ سے ہے کہ جب کوئی تمہارا اپنی نماز سے فارغ ہو تو یہ چار دعائیں کرے پھر جو چاہے دعا کرے۔ اذا فرغ احدکم من صلوتہ فلیدع باربع ثم لیدع بما شاء اللھم انی اعوذ بک من جھنم و عذاب القبر و فتنۃ المحیا والممات و فتنۃ المسیح الدجال۔

بہر حال تین کا جواز ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز سے بھی زیادہ واضح ہوا۔ جو متضمنِ استحباب بھی ہے اور نیتِ صالحہ سے متاکد ہے اور فرضیت و وجوب ہمارا مذہب نہیں اور نہ ہی ہم حرام و ناجائز ہونے کے قائل، تو جو صاحب ناجائز و حرام بتائیں ان پر لازم کہ کوئی دلیل دکھائیں جو تین دعاؤں کو ناجائز بتائے ورنہ بے دلیل رد کرنے سے باز آئیں۔ اور اپنے رب سے زیادہ مانگنا بندوں پر حرام نہ بنائیں رب جل وعلا سے زیادہ مانگنا بہتریٔ دارین کا استحصال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۵ رجب المرجب ۱۳۷۷ھ

الاستفتاء

فرض نمازوں میں امام بڑی لمبی دعائیں مانگتا ہے اور بعد فرض بھی جس سے ضعیف اور کمزور نمازیوں

کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، شرعاً کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔



ہمارے پیارے رؤف ورحیم رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نماز میں مقتدیوں کی رعایت فرمایا کرتے تھے حتے کہ رونے والے بچے کی ماں کی رعایت سے اور زیادہ تخفیف فرما دیتے تھے۔ یہ مضمون نہایت ہی کثرت سے کتبِ صحاح وسنن میں وارد ہے۔ صرف صحیح بخاری ص۹۸ جلد ا صحیح مسلم ص۱۸۸ جلد ا کی حدیث حضرت انس پر اکتفار کیا جاتا ہے والنظم من البخاری ماصلیت[عہ] وراء امام قط اخف صلوٰۃ ولا اتم من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان کان یسمع بکاء الصبی فیخفف مخافۃ ان تفتن امہ۔ اور دوسرے ائمہ کو تخفیفِ نماز کا حکم دیا۔ بخاری ص۹۷ جلد ا مسلم ص۱۸۸ جلد ا میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مرفوع ہے والنظم لمسلم اذا امّ[عہ] احدکم الناس فلیخفف فان فیھم الصغیر والکبیر والضعیف والمریض فاذا صلی وحدہ فلیصل کیف شاء۔

اس مضمون کی بھی بہت ہی زیادہ حدیثیں کتبِ حدیث میں وارد ہیں یہاں تک کہ لمبی نماز

عہ یعنی نہیں نماز پڑھی میں نے کسی امام کے پیچھے جو حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی نماز والا ہو اور زیادہ پوری کرنے والا۔ اور بیشک آپ ضرور سنا کرتے تھے رونا بچے کا تو نماز ہلکی فرما دیتے تھے اس کی ماں کی رعایت کے لئے ۱۲ منہ غفرلہ۔

عہ یعنی جس وقت امام بنے کوئی تمہارا لوگوں کا پس چاہیے کہ تخفیف کرے (یعنی نماز ہلکی پڑھائے) اس لئے کہ ان میں چھوٹا اور بڑا اور ضعیف اور بیمار ہوتا ہے۔ پس جب اکیلا نماز پڑھے تو جس طرح چاہے پڑھے (یعنی لمبی کرسکتا ہے) ۱۲

منہ غفرلہ

پڑھانے والوں کا نام منفرین (یعنی نمازیوں کو بھگانے والے) بڑے ناراض ہو کر رکھا۔ حدیث متفق علیہ میں ہے فما رأیت النبي صلی اللہ علیہ وسلم غضب فی موعظۃ قط اشد مما غضب یومئذ فقال یا ایہا الناس ان منکم منفرین فایکم ام الناس فلیوجز فان من وراءہ الکبیر و الضعیف و ذا الحاجۃ۔ یعنی نہ دیکھا میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کہ کسی وعظ میں اس دن سے زیادہ غضب فرمایا ہو۔ پس فرمایا اے لوگو! بے شک بعض تمہارے نفرت دلانے والے یا بھگانے والے ہیں، تو جو تم سے لوگوں کا امام بنے پس چاہیے کہ اختصار کرے اس لئے کہ بے شک اس کے پیچھے بڑی عمر اور کمزور اور ضرورت مند ہوتا ہے۔"

عینی شرح صحیح بخاری ص۲۴ جلد ۲ میں ہے فهذا یدل علی ان الامام ینبغی لہ ان یراعی حال قومہ وهذا لاخلاف فیہ لاحد۔ یعنی یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ امام کے لئے لائق یہ ہے کہ اپنی قوم کے حالات کی رعایت کرے۔ اور اس مسئلہ میں سب متفق ہیں کسی کا کوئی خلاف نہیں۔" محررِ مذہب مہذب امامِ محمد رحمۃ اللہ علیہ موطا ص۱۱۴ میں احادیث تخفیفِ امام ذکر کر کے فرماتے ہیں قال محمد وبهذا نأخذ وهو قول ابی حنیفۃ یعنی امامِ محمد فرماتے ہیں ہم یہی اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا فرمان بھی یہی ہے۔" ہدایہ ص۱۰۸ جلد ۱، فتاویٰ عالمگیر ص۴۵ جلد ۱، غنیۃ المستملی ص۳۰۸ وغیرہا میں ہے والنظم من الغنیۃ ومتنہا ولا ینبغی للامام ان یطیل التسبیح او غیرہ علی وجہ یمل بہ القوم اذا اتی بقدر السنۃ لانہ ای التطویل المذکور سبب التنفیر من الجماعۃ وانہ ای التنفیر عن الجماعۃ مکروہ۔ یعنی امام کے لئے لائق نہیں کہ تسبیح یا کسی اور ذکر یا فعل کو قدرِ سنت پورا ادا کرنے کے بعد اتنا لمبا کرے کہ قوم اکتا جائے۔ کیونکہ اس لمبا کرنا جماعت سے نفرت دلانے کا

سبب ہے اور بے شک یہ نفرت دلانا جماعت سے مکروہ تحریمہ ہے۔" نیز غنیہ میں ہی ہے واعلم ان التطویل المکروہ وھو الزیادۃ علی قدر ادنی السنۃ عند ملل القوم "یعنی بے شک یہ تطویل مکروہ جو سنت کے کم از کم قدر سے زیادہ کرنا ہے قوم کے اکتا جانے کے وقت ہے"۔ تو ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز سے بھی زیادہ نمایاں و عیاں ہوا کہ لمبی لمبی دعاؤں کے ساتھ نماز کو لمبا بنا کر مقتدیوں کمزوروں، بیماروں، ضرورت مندوں، مسافروں کو اکتانا اور ستانا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اس مضمون پر صحیح حدیثوں اور کتبِ فقہیہ کے مستند حوالجات اتنے زیادہ ہیں کہ ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے مگر بقدرِ ضرورت اسی پر اکتفا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہٖ و اصحابہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ ماہِ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ



الاستفتاء

بخدمت حضرتِ محتشم ذی المجد والکرم مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعدازسلامِ مسنون گزارش ہے کہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گھڑی کا زنجیر یعنی چین سٹیل اور رولڈ گولڈ وغیرہ کسی دھات کا پہننا کیسا ہے؟ اور پہن کر نماز پڑھنے کا حکم بحوالہ کتبِ فقہیہ معتبرہ واضح فرمائیں اور عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔ فقط والسلام

آپ کا خادم ؛۔ فقیر قادری ابوالارشاد غلام رسول اشرفی برکاتی خطیب جامع مسجد غلہ منڈی

یکے از خدام دارالعلوم جامعہ حنفیہ رجسٹرڈ قصور مورخہ ۶۷-۱۲-۱

(نوٹ، بعدازاں مورخہ ۷۰-۶-۱۶ کا مسئلہ استفتاء مولانا ابوالوفا منظور احمد صاحب مدرسہ اسلامیہ عربیہ غوثیہ کھرڑیانوالہ

کا آیا تو یہی سوال و جواب لکھ کر جواب دیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

سونے اور چاندی کے علاوہ تمام دھاتوں کا چین زنجیری چھچ وغیرہ استعمالی اشیاء جائز ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد مبین ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا (پ۱ ع) بلکہ ہر وہ چیز جس سے شریعِ مطہر میں ممانعت نہیں آئی دھات ہو یا کوئی اور چیز، اس کا استعمال جائز و حلال ہے۔ قرآن کریم میں ہے عفا اللہ عنھا (پ۷ ع)، سننِ ترمذی ص۲۱۹ جلد۱، ابنِ ماجہ ص۲۴۹ میں حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الحلال ما احل اللہ فی کتابہ و الحرام ما حرم اللہ فی کتابہ و ما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ سننِ بیہقی ص۳۲۰ جلد۹ میں ہے فقد عفا عنہ۔ اور جلد۱۰ ص۱۲ میں ہے فھو عفو۔ نیز مستدرک ص۳۷۵ جلد۲، سننِ بیہقی ص۱۲ جلد۱۰ میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مرفوع میں ہے و ما سکت عنہ فھو عافیۃ فاقبلوا من اللہ العافیۃ فان اللہ لم یکن نسیا۔ پھر یہ آیہ تلاوت فرمائی و ما کان ربک نسیا۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد فرمایا جسے ذہبی نے برقرار رکھا۔ اور یہی اہل السنت والجماعت کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

شامی ص۹ جلد۱ میں "تحریر" سے ہے المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیۃ و الشافعیۃ۔ فتاوائے قاضی خان ص۷۸۴ وغیرہا میں بھی یہ تصریح ہے اور اسی سے گیارہویں شریف، میلاد مبارک، اولیائے کرام کے عرس، تیجہ، ساتواں، چہلم وغیرہ صدہا مسائل ثابت ہوتے ہیں، تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ چین وغیرہ بھی جائز الاستعمال ہیں کیونکہ کسی آیت یا حدیث میں یا کسی ہمارے مجتہد امام کے قول میں انگوٹھی کے ماسوا کسی چیز سے ممانعت نہیں آئی



رہا یہ خیال کہ جب لوہے وغیرہ کی انگوٹھی کا استعمال جائز نہیں تو کوئی چیز بھی جائز نہیں رہے گی، یہ ہرگز صحیح نہیں۔ آیات واحادیثِ مذکورہ اور قاعدۂ مسلمہ کا یہی تقاضا ہے کہ باقی چیزیں جائز الاستعمال ہیں۔ قرآنِ کریم سے صراحۃً ثابت کہ شرائعِ سابقہ میں بھی لوہا، تانبا جائز الاستعمال تھے (دیکھو سورۂ کہف وسورۂ سبا) اور قرآنِ کریم نے یہ بھی تصریح فرمائی کہ لوہے میں ہمارے لئے بہت سے فائدے ہیں۔ سورۃ الحدید میں ہے و انزلنا الحدید فیہ بأس شدید و منافع للناس۔ اسی بنا پر تلوار، تیر، خود، زرہیں، بندوقیں، توپیں، توا، چھری، قلم، دوات، گھڑی، بٹن وغیرہ ہزارہا قسم کی اشیاءِ مستعملہ بلا روک ٹوک ہر ایک دھات کی استعمال ہو رہی ہیں۔ اور یہ خیال کہ کڑا سکھوں کا شعار ہے لہٰذا چھلا منع ہے، یہ محض بیجا ہے اگر یوں ہوتا تو سکھوں کا شعار کرپان بھی ہے لہٰذا مسلمان تلوار اور خنجر استعمال نہ کر سکتا بلکہ صرف کڑا اور کرپان جو ان کا شعار ہیں ان ہی سے بچنا ضروری ہے جیسے چاندی کی انگوٹھی مرد کے لئے جائز ہے مگر زنانہ یا فاسقانہ طرز کی ہو تو ناجائز ہے بلکہ کپڑا، جوتا وغیرہ مردانہ طرز کے عورت استعمال نہ کرے اور زنانہ طرز کے ہوں تو مرد پرہیز کرے یہی کافی ہے اور یہ نہیں کہ مرد مردانہ انگوٹھی یا مردانہ جوتا بھی نہ پہنے جب کہ فاسقانہ نہ ہوں۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دھات کے چھلے زیور اور زینت کا سامان ہیں لہٰذا ناجائز ہیں حالانکہ یہ کہنا بھی ظلم ہے۔ ہمارا رب جل وعلا ارشاد فرماتا ہے قل من حرم زینۃ اللّٰہ التی اخرج لعبادہ (سورۃ الاعراف) "اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کے لئے زینت کی چیزیں پیدا فرمائیں تو اور کون ہے جو ان کو حرام بنا سکے!" ایسی خام خیالیوں سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ شامی ص ۳۱۷ جلد ۵ میں ہے لیس کل حلی حراما علی الرجال بدلیل حل الخاتم و العلم و الثوب المنسوج بالذھب اربعۃ اصابع وحلیۃ السیف و المنطقۃ اور قرآنِ کریم میں بھی سورۃ النحل اور سورۃ الفاطر میں ہے حلیۃ تلبسونھا۔ بہرحال مردانہ طرز



؎ یہ جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

کی کوئی چیز بھی اگرچہ اس میں زیب و زینت ہو صرف زیب و زینت کی وجہ سے مرد پر ہرگز ہرگز حرام نہیں ہو سکتی چین ہو یا گھڑی، عینک ہو یا چھڑی، مایا لگائی ہوئی دستار یا اچکن وغیرہ جن میں زیب و زینت پایا جاتا ہے، سب جائز الاستعمال ہیں۔ ہاں سونے اور چاندی کا حکم معلوم ہی ہے کہ ان کا پہننا حرام ہے تو ان کے برتن قلم، دوات وغیرہ اشیاء کا استعمال بھی حرام ہے اور یہ نہیں کہ پہننا حرام ہو اور باقی استعمال جائز ہوں، یونہی اگر دھاتوں کا پہننا حرام ہوتا تو ان کی سب استعمالی چیزیں جو پہنی نہیں جاتیں حرام ہوتیں۔ لاری گاڑی، کرسی، صوفے، حقے، چمٹے وغیرہ سب چیزیں حرام ہوتیں، جو صاحب سب چیزوں کو حرام بتائے یا پہننے اور دوسرے استعمال میں تفریق کرے تو اس پر لازم کہ اپنے اس مدعا پر قرآن پاک اور حدیث پاک یا تصریحات ائمہ مجتہدین سے کوئی دلیل قائم کرے ورنہ اس آیت پاک پر نظر کرے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب (سورۃ النحل) اور جب چین جائز ہوا تو نماز میں جائز کی وجہ سے کیا حرج پیدا ہو سکتا ہے، لہذا نماز بھی جائز ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

(۵ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ ۸-۱۲-۶۷)

الاستفتاء

نمبرا: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ آیا امام لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

نمبر۲: گھڑی کا چین لوہے، تانبے، پیتل یا کسی دوسری دھات کا پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

بینوا توجروا۔

(نوٹ) سائل نے استفتاء پر اپنا نام نہیں لکھا۔ البتہ جوابی لفافہ پر ابو الکمال صاحبزادہ محمد بشیر الدین مصطفیٰ مرالوی خطیب جامعہ غوثیہ پاکستان چوک گجرات لکھا ہے۔



۱: ہاں پڑھ سکتا ہے تفصیل کے لئے رسالہ "مکبر الصوت" کافی ہے جو مکتبہ اسلامیہ گنج بخش روڈ لاہور سے مل سکتا ہے۔

۲: ہاں جائز ہے۔ قرآن کریم میں ہے وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید ومنافع للناس نیز ارشاد ہوا واسلنا لہ عین القطر نیز ارشاد پاک ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔ ان ارشاداتِ عالیہ سے جواز روزِ روشن کی طرح واضح وعیاں ہے ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان ھذا والتفصیل فی الفتاوی النوریۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔



حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۴ جمادی الاخری ۱۳۹۰ھ ۲۸-۸-۷۰


قرات

بابُ القراءۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بیں کہ ایک مولوی صاحب کا قول ہے کہ نماز فرض کی رکعتین میں بعد فاتحہ کے ایک سورۃ کا پڑھنا مکروہ و ناجائز ہے کہ کچھ ایک رکعت میں پڑھے اور باقی دوسری میں اگرچہ سورۃ الرحمٰن یا اس کی مثل ہو بلکہ ہر ایک رکعت میں علیحدہ علیحدہ سورتیں پڑھے یا پہلی میں بعض سورت اور دوسری رکعت میں کوئی اور سورت پڑھے اور یہ جائز نہیں کہ اسی پہلی سورت کا بقیہ پڑھے۔ آیا یہ قول صحیح ہے یا غلط!

السائل: اللہ بخش امام مسجد چک ۳۴۳/ایس پی مورخہ ۱۸/صفر المظفر ۱۳۶۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

قولِ مذکور محض غلط و قبیح و غیر صحیح ہے جس کے بطلان پر قرآنِ کریم اور احادیثِ طیبہ و روایاتِ فقہیہ شاہد عدل ہیں۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہوتا ہے فاقرءوا ما تیسر من القراٰن اور یہ نہیں کہ فاقرءوا السورتین من القراٰن

كلا او بعضا۔ سنن نسائی شریف و ترمذی شریف میں ہے و النظم من المجتبی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأ فی صلوٰۃ المغرب بسورۃ الاعراف فرقہا فی الرکعتین۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے و عن عروۃ قال ان ابابکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی الصبح وقرأ فیہما سورۃ البقرۃ فی الرکعتین کلتیہما۔ اشعۃ اللمعات میں ہے کہ "ظاہر در ینجا این است کہ تفریق کرد سورت را پارہ در رکعت اولیٰ خواند و پارہ در رکعتِ اخرٰے"۔ صحیح بخاری شریف میں ہے قال قتادۃ فی من یقرأ بسورۃ واحدۃ فی رکعتین او یردد سورۃ واحدۃ فی رکعتین کل کتاب اللہ۔ سنن نسائی و ابن ماجہ و صحیح مسلم میں حضرت ابوبرزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقرأ فی صلوٰۃ الغداۃ من الستین الی المائۃ۔ منیۃ المصلی، قدوری، ہدایہ، غنیۃ المستملی، تنویر الابصار، درالمختار، کنز الدقائق، بحرالرائق، عالمگیری میں ہے والنظم من الھندیۃ ثم یضم الی الفاتحۃ سورۃ او ثلث اٰیات ھٰکذا فی شرح المنیۃ لابن امیر الحاج۔ غنیۃ المستملی، تنویر الابصار، درالمختار، بحرالرائق، ہندیہ میں ہے و النظم منہا الاٰیۃ الطویلۃ تقوم مقامہا۔ نیز پُر ظاہر کہ مکروہ مذکور سے مکروہ تحریمی مراد ہے کہ وہی ناجائز ہو سکتا ہے۔ اور کتب مذہب میں مبین کہ ترکِ واجب یا خلافِ نہی ظنی ہی مکروہ تحریمی ہے اور قراءتِ مذکورہ میں دونوں منتفی کہ کتبِ فقہ میں مصرح کہ بعد فاتحہ، سورت یا آیاتِ ثلاثہ کا پڑھنا واجب ہے۔ منیۃ المصلی، غنیۃ المستملی، بحرالرائق، درالمختار، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے و النص منہا و تجب قراءۃ الفاتحۃ وضم السورۃ او ما یقوم مقامہا من ثلاث اٰیات قصار او اٰیۃ طویلۃ فی الاولیین بعد الفاتحۃ کذا فی النھر الفائق



لہذا منیۃ المصلی و غنیۃ المستملی و بحر الرائق و در المختار و رد المحتار میں ہے والنظم منها وان قرأ ثلث آيات قصار او كانت الآية او آيتان تعدل ثلث آيات قصار خرج عن حد الكراهة المذكورة يعنى كراهة التحريم۔ فوائد غنیۃ المستملی ص۳۶۳ میں ہے لو قرأ بعض السورة فى ركعة و باقيها فى ركعة قيل يكره والصحيح لا يكره لما روى النسائى من حديث عائشة رضى الله تعالى عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ فى المغرب سورة الاعراف فرقها فى الركعتين۔ پس امس و شمس کی طرح واضح و لائح ہوا کہ قولِ مذکور سراسر باطل و خطا ہے۔ ہاں اگر سورت چھ آیات سے کم ہو تو ہر رکعت میں تین آیاتِ قصار کا مقدار پورا کرنا واجب ہے۔ والله ورسوله اعلم وعلمهما اتم واحكم جل علاله ربنا و صلى على المحبوب المصطفى و آله وصحبه البررة التقى۔



حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

سنة ستين بعد الالف وثلثمائة لثمانية عشر الصفر المظفر۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ جماعت میں خصوصًا فجر کی جماعت میں ہر ایک رکعت میں سورتِ قرآن مجید ختم کرنی سنتِ نبویہ ہے اور ضروری ہے؟ ایک مولوی صاحب یہ دعوٰے کرتے ہیں۔ بينوا اماجورين من رب العلمين۔

السائل:

غلام رسول از پھلروان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

واقعی ہرایک رکعت نوافل وسنن وواجبات اور اُولیین فرائض میں امام کے لئے سورۂ قرآنِ کریم کا پڑھنا اور ختم کرنا ضروری اور سنتِ نبویہ اور واجب اصطلاحی ہے اور وہ سورہ ام الکتاب ہے کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب مگر اطلاقِ سوال مقتدی کو بھی شامل حالانکہ وہ ممنوع عن القراءۃ ہے بحکم و اذا قرئ القرآن الأیۃ اور ایسے ہی عموم ہرایک رکعت اخریاتِ فرائض پر بھی مشتمل، حالانکہ ان میں قراءۃ غیر ضروری ہے کما بین فی محلہ. اور اگر یہ مراد کہ ام الکتاب کے بعد ادر سورۃ کا پڑھنا اور ختم کرنا ضروری اور سنت ہے، تب بھی اس کا یہ ادعا حقیقت کے خلاف ہے کہ یہ عموم نماز تراویح پر بھی حاوی حالانکہ اس میں ختمِ قرآنِ کریم کی کئی صورتیں معمول بہا امتِ مرحومہ اس کے خلاف ہیں اور شاید مدعی صاحب اس سے متغافل ہیں کہ رکوع کو رکوع اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کو پورا کر کے رکوع کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح اطلاق سوال مقتدی پر بھی محتوی۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ اولیینِ فرائض کی ہر رکعت میں امام پر بعد الفاتحہ پوری سورت تلاوت کرنی ضروری اور سنت ہے تو یہ ادعا ضرورت بھی غیر مقبول کہ گو یہ صورت بھی سنت ہے مگر سنیتِ تلاوت اس ایک صورت میں منحصر نہیں بلکہ اور صورتیں بھی مسنون ہیں۔



حضرتِ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سننِ نسائی ص۱۵۴ جلد ا، سننِ بیہقی ص۳۹۲ جلد ۲، صحیح بخاری ص۴۳۳ جلد ۲ میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأ فی صلوٰۃ المغرب بسورۃ الاعراف و فرقھا فی رکعتین و نحوہ عند الترمذی ص۳۹ جلد ا۔ حضرتِ عبداللہ بن السائب سے صحیح مسلم ص۱۸۶ جلد ا، سننِ نسائی ص۱۵۶ جلد ا، ابنِ ماجہ ص۵۹، سننِ بیہقی ص۶۰ جلد ۲، ص $\frac{389}{2}$ صحیح بخاری ص۴۳۸ جلد ۲، مشکل الآثار طحاوی ص۱۰۵ جلد ا، صحیح بخاری ص۱۰۶ جلد ا میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم

لیسلم صلی لنا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الصبح
بمکۃ فاستفتح سورۃ المؤمنین حتی جاء ذکر موسیٰ
وھارون علیہما السلام او ذکر عیسیٰ محمد بن عباد یشک
او اختلفوا علیہ اخذت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
سلم سعلۃ فرکع۔ امام نسائی، امام بیہقی اور امام اجل طحاوی علیہم الرحمۃ نے اس حدیث سے
"جواز قراءۃ لبعض السورۃ فی الرکعۃ" کے لئے استدلال فرمایا ہے۔ اور امام نووی علیہ الرحمۃ شرح صحیح مسلم میں
فرماتے ہیں وفی ھذا الحدیث جواز قطع القراءۃ والقراءۃ ببعض
السورۃ وھذا جائز بلا خلاف ولا کراھیۃ ان کان القطع
لعذر وان لم یکن لہ عذر فلا کراھیۃ فیہ ایضا ولکنہ
خلاف الاولیٰ ھذا مذھبنا ومذھب الجمھور۔ علامہ
عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں فیہ جواز قطع القراءۃ ولا خلاف
فیہ ولا کراھۃ ان کان القطع لعذر وان لم یکن لعذر
فلا کراھۃ ایضاً عند الجمھور نیز اسی میں ہے وفیہ جواز القراءۃ
ببعض السورۃ۔ زاد المعاد ص۱۹۶ جلد ۱ میں ابن قیم فرماتے ہیں وکان من ھدیہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم قراءۃ السورۃ الکاملۃ وربما قرأھا فی
الرکعتین وربما قرأ اول السورۃ۔ صحیح بخاری ص۴۳۶ جلد ۲ میں ہے کہ حضرت
اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ شریف اور مدینہ شریف کے درمیان اپنے ساتھیوں کو نماز عشاء پڑھائی اور
دونوں رکعتوں میں سورۃ النساء اور البقرہ کی سو آیتیں تلاوت فرمائیں تو آپ سے عرض کیا گیا یہ کیا؟ فرمایا
میں نے اس میں کچھ کوتاہی نہیں کی کہ اپنا قدم وہاں رکھوں جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
اپنا قدم مبارک رکھا اور اس میں بھی کوتاہی نہیں کی کہ اس طرح کروں جس طرح حضور نے کیا قرأ
فیھما بمائۃ من النساء والبقرۃ فقیل لہ ما ھذا؟ قال ما
الوت، ان اضع قدمی حیث وضع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ



وسلم قد صد و ان اصنع مثل ما صنع۔

دیکھا صراحۃً فرمار ہے ہیں کہ بعض سورۃ کا پڑھنا سنت میں داخل ہے۔ مؤطا امام مالک ص۱۰۰ جلد۱، صحیح بہاری ص۴۲۹ جلد۲، سنن بیہقی ص۳۸۹ جلد۲ میں حضرت عروہ۔۔ سے ہے ان ابا بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی الصبح فقرأ فیہما سورۃ البقرۃ فی الرکعتین کلتیہما۔ طحاوی شریف ص۱۰۷ جلد۱ میں عبداللہ بن الحارث بن جزء سے ہے کہ صلی بنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلوۃ الصبح فقرأ بسورۃ البقرۃ فی الرکعتین جمیعا۔ سنن بیہقی ص۴۰ جلد۲ میں قیس بن الحازم سے ہے کہ صلیت خلف ابن عباس بالبصرۃ فقرأ فی اول الرکعۃ بالحمد للہ واول آیۃ من البقرۃ ثم رکع ثم قام فی الثانیۃ فقرأ الحمد للہ والآیۃ الثانیۃ من البقرۃ ثم رکع فلما انصرف اقبل علینا فقال ان اللہ یقول فاقرأوا ما تیسر منہ۔ صحیح بخاری ص۱۰۷ جلد۱ میں ہے قرأ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الرکعۃ الاولیٰ بمائۃ وعشرین آیۃ من البقرۃ وفی الثانیۃ بسورۃ من المثانی۔ علامہ عینی نے شرح میں فرمایا: وصلہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن عبد الاعلیٰ عن الحریری عن ابی العلاء عن ابی رافع قال کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقرأ فی الصبح بمائۃ من البقرۃ ویتبعہا بسورۃ من المثانی او من صدور المفصل ویقرأ بمائۃ من آل عمران ویتبعہا بسورۃ من المثانی او من صدور المفصل وھکذا فی صحیح البہاری ص۴۳۰ جلد۲، شرح معانی الآثار ص۲۰۵ جلد۲ میں ہے صلی بنا عمر بن الخطاب بمکۃ الفجر فقرأ فی الرکعۃ الاولیٰ بسورۃ یوسف حتی بلغ وابیضت عیناہ



من الحزن فهو كظيم ثم ركع ۔ نیز اسی صفحہ میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خصلتِ مبارکہ کا ذکر بایں الفاظ ہے کان یقسم السورۃ الطویلۃ فی الرکعتین من المکتوبۃ۔ عینی صـ۱۰۱ جلد ۳ میں ہے و قرأ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بآل عمران فی الرکعتین الاولیین من العشاء قطعہا فیہما و نحوہ عن سعید بن جبیر و ابن عمر و الشعبی و عطاء۔ صحیح بخاری صـ۴۳۵ جلد ۲ میں ہے قرأ بنا سیدنا عمر آل عمران فی الرکعتین ای من العشاء۔ صحیح بخاری صـ۱۰۷ جلد ۱ میں ہے و قرأ ابن مسعود باربعین آیۃ من الانفال (ای فی الرکعۃ الاولیٰ کما سیجیٔ ان شاء اللہ تعالیٰ) و قرأ فی الثانیۃ بسورۃ من المفصل شرح عینی میں ہے ھٰذا الاثر رواہ سعید بن منصور (الیٰ ان قال) ھٰذا التعلیق وصلہ عبد الرزاق بلفظہ من روایۃ عبد الرحمٰن بن یزید النخعی عنہ و اخرجہ ھو و سعید بن منصور من وجہ آخر عن عبد الرحمٰن بلفظ فافتتح الانفال حتی بلغ و نعم النصیر انتہیٰ و ھٰذا الموضع ھو رأس اربعین آیۃ۔ صحیح بخاری صـ۴۲۹ جلد ۲ میں ہے عن ابن مسعود انہ قرأ فی الاولیٰ من الصبح باربعین آیۃ من الانفال و فی الثانیۃ بسورۃ من المفصل۔ طحاوی شریف صـ۲۰۵ جلد ۱ میں عبد الرحمٰن بن یزید سے ہے کہ صلیت مع عبد اللہ العشاء الآخرۃ فافتتح الانفال حتی انتہیٰ الیٰ نعم المولیٰ و نعم النصیر ثم رکع۔ حدیث شریف میں ہے علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین اور اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم۔ بنا بریں افعالِ صحابہ کرام سے سنیت ثابت ہوئی اور چونکہ زمانِ اقدس صحابہ کرام مذکورین میں بالخصوص زمانہ صدیقِ اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہما میں وفورِ صحابہ کرام تھا لہٰذا



یہ مسئلہ اجماعِ سکوتی صحابہ کرام سے ثابت ہوگیا اور اجماعِ امت خصوصاً اجماعِ صحابہ کرام اصل شرعی اور دلیل قوی ہے۔

مواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ص۳۰۶ جلد ۷ میں ہے (وأمّ ابوبکر) الصدیق (بالصحابۃ فی صلوٰۃ الصبح بسورۃ البقرۃ قرأھا فی الرکعتین) اخرجہ عبدالرزاق باسناد صحیح عن ابی بکر (وھذا اجماع منھم) ای الصحابۃ۔ حضرتِ انس بن مالک سے سننِ بیہقی ص۳۹۳ جلد۲، ص۱۱۸ جلد ۳، ابنِ ماجہ ص۷۱، کنز العمال ص۹۵ جلد۴، ص۱۲۷ جلد۴، سننِ ترمذی ص۵۹ جلد۱، صحیح مسلم ص۱۸۸ جلد۱، صحیح بخاری ص۹۸ جلد۱، اور حضرتِ ابوقتادہ سے سننِ ابوداؤد ص۱۳۶ جلد۱، سنن نسائی ص۱۳۲ جلد۱، سنن بیہقی ص۱۱۸ جلد۳، کنز العمال ص۱۲۷ جلد۴، صحیح بہاری ص۴۷۲ جلد۲، اور حضرتِ عثمان بن العاص سے ابنِ ماجہ ص۷۱، کنز العمال ص۱۲۷ جلد۴، ص۱۲۸ جلد۴، اور حضرت ابوہریرہ سے کنز العمال ص۱۲۸ جلد۴ میں بالفاظِ متقاربہ مرفوعاً ہے والنظم للبخاری لابی قتادۃ انی لاقوم فی الصلوٰۃ ارید ان اطول فیھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلوٰتی کراھیۃ ان اشق علی امہ یعنی حضرتِ رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اس ارادہ سے کہ اس میں تطویل کروں گا پس بچے کا رونا سنتا ہوں تو نماز میں تخفیف کردیتا ہوں کہ بچے کی ماں کو مشقت میں ڈالنا مجھے پسند نہیں۔ پس اگر پہلی رکعت کی ثناء یا فاتحہ میں بچے کا رونا ہو تب تو دو چھوٹی سورتوں یا چند آیتوں سے نماز میں تخفیف ہوسکتی ہے جیسے کنز العمال ص۱۲۸ جلد۴ میں حضرتِ انس اور صحیح بہاری ص۴۷۳ جلد۲ میں حضرتِ ابوسعید سے ہے والنظم عن الکنز صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الفجر باقصر سورتین ثم قال انما اسرعت لتفزع ام الصبی الی صبیھا۔ اور اگر سورتِ طویلہ پہلی یا دوسری رکعت میں شروع ہوچکی ہو تو پھر لامحالہ تخفیف کی یہی صورت



؎ امام ترمذی فرماتے ہیں وفی الباب عن ابی قتادۃ وابی سعید وابی ھریرۃ ۱۲ منہ غفرلہ

سمتین کی سورت پر اکتفا کیا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری ص۲۷۲ جلد۲ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سابط سے ہے قرأ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الفجر فی الرکعۃ الاولیٰ بستین آیۃ ثم قام فی الرکعۃ الثانیۃ فسمع صوت صبی فقرأ فیہا ثلاث آیات۔

اور جس طرح حضور سید عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تخفیف فرماتے تھے اسی طرح ہمیں بھی حکم ہے کہ یہ امر ان احادیث شریفہ کے سیاق وسباق سے بخوبی روشن ہے اور بعض روایات میں مصرح بھی ہے۔ صحیح بخاری ص۲۷۲ جلد۲، جامع المسانید للامام الاعظم ص۴۳۴ جلد۱ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فخفف فسألتہ عن ذلک فقال سمعت بکاء الصبی فکرھت ان اشق علی امہ فایکم صلی بالناس فلیخفف و یتم فان فیہم الضعیف و الکبیر و ذاالحاجۃ۔

اور اس رعایت ضعیف وکبیر وذوالحاجۃ وغیرہم کی تاکیدیں تو احادیث صریحہ صحیحہ مرفوعہ میں بکثرت وافرہ میں جو ادنیٰ خادم حدیث سے نہاں نہیں ہیں۔ نیز قاعدہ علیکم بسنتی اور صلوا کما رأیتمونی اصلی اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ وغیرہا آیات صریحہ کا یہی تقاضا ہے کہ ضعفاء واصحاب الحوائج والامراض کا خیال رکھیں۔ اور اگر خاص نماز میں کوئی ایسا عارضہ پیش آجائے جو بعض مقتدیوں کے لئے باعث پریشانی ہو تو نماز میں تخفیف کردیں۔ اب اگر ایسے عارضے کا احساس امام کو اس وقت ہو کہ سورۂ طویلہ شروع کرچکا ہے تو اس پر دلائل مذکورہ کی رو سے ضروری ہوگا کہ بعض سورت پر اکتفا کرے کہ یہی سنت ہے۔ اور ایسی حدیثیں جو جماعت کی ہر رکعت میں اتمام سورۃ کی نصوص ہیں، بہت ہی کم دستیاب ہیں۔ اکثر احادیث قراءۃ فی صلوٰۃ الجماعۃ قبیلہ محتملات سے ہیں۔ بعض میں احتمال بعضیۃ راجح اور بعض میں احتمال اتمام لائح۔

علامہ عینی شرح بخاری ص۱۰۸ جلد۳ میں فرماتے ہیں قال الکرمانی یحتمل ان

یراد بالسورۃ بعضہا قلت و الیٰ ھٰذا الوجہ مال الطحاوی امام طحاوی شرح معانی الآثار صـ۱۲۵ جلد ا میں اس احتمال کے استدلال میں فرماتے ہیں و ذٰلک جائز فی اللغۃ یقال ھٰذا فلان یقرأ القراٰن اذ کان یقرأ شیئا منہ۔ امام مالک علیہ الرحمۃ نے موطا باب یقرأ فی اولی المغرب و العشاء الخ میں حدیث حضرت جبیر بن مطعم سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأ بالطور فی المغرب اور اس کی ہم مثل احادیث سے استدلال فرمایا ہے کہ مغرب وعشاء اور ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں ایک سورۃِ طویلہ پڑھی جائے، تو امام کی نظرِ انور میں احتمالِ بعضیت راجح ہوا اور چونکہ اس قدر دلائلِ وافرہ سے مدعا ثابت ہے لہذا جمہور ائمۂ عظام وعلمائے کرام اس کے جواز کے قائل ہیں جیسے عینی اور نووی سے گزر چکا۔

سنن ترمذی صـ۴۹ جلد ا میں ہے کان الامر عندھم (ای الصحابۃ و التابعین) واسع فی ھٰذا۔ منیۃ المصلی مع شرح غنیۃ المستملی صـ۳۰۳، بحر الرائق صـ۳۴۰ جلد ا، ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ، عنایہ صـ۲۹۱ جلد ا، خلاصۃ الفتاویٰ صـ۹۳ جلد ا، مبسوط صـ۱۶۲ جلد ا میں مقیم واسع الوقت کے لئے ہے و النظم من المنیۃ مع الشرح فالسنۃ فی حقہ ان یقرأ فی صلوٰۃ الفجر فی الرکعتین باربعین اٰیۃ وسطا و ھو الادنیٰ وخمسین او ستین وھو الاوسط والاعلیٰ الزیادۃ علی الستین الی المائۃ. خلاصہ کے سوا باقی تمام کتبِ مذکورہ متصلہ میں ہے و النظم من الغنیۃ ان المقادیر المذکورۃ التی اقلھا الاربعون و اکثرھا المائۃ ھی الغالب من فعلہ علیہ الصلوٰۃ و السلام۔ اور ایسے ہی دوسری نمازوں کے لئے بھی تفصیل

سہ زرقانی شرح مواہب شریف صـ۳۰۶ جلد ۷ میں ہے و ادلۃ الجواز کثیرۃ ۱۲ منہ غفرلہ



ہے۔ غنیۃ صـ۴۶۲ ، فتاوے عالمگیری صـ۴۰ جلد۱ میں ہے و النظم من الغنیۃ و لو قرأ بعض السورۃ فی رکعۃ و باقیھا فی رکعۃ قیل یکرہ و الصحیح انہ لا یکرہ لما روی النسائی من حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأ فی المغرب سورۃ الاعراف فرقھا فی الرکعتین۔

بفضلہٖ وکرمہٖ تعالےٰ ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح روشن و ہویدا ہوا کہ امام ہر ایک رکعت میں پوری سورت نہ پڑھنے کی صورت میں بھی دائرہ سنتِ محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اندر رہ سکتا ہے و من ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبرھان۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ ہر ایک رکعتِ فرض میں پوری سورت پڑھنی افضل ہے کہ اس میں ارتباطِ کلامِ پاک علےٰ وجہ الکمال رہتا ہے۔ غنیۃ صـ۴۶۲ ، ردالمحتار صـ۵۰۵ جلد۱ ، خلاصہ صـ۹۷ جلد۱ ، فتاویٰ عالمگیر صـ۴۰ جلد۱ میں ہے والنظم من الھندیۃ والافضل ان یقرأ فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃ کاملۃ فی المکتوبۃ

شرح نووی صـ۱۸۵ جلد۱ میں ہے لان المستحب للقاری ان یبتدیٔ من اول الکلام المرتبط و یقف عند انتھاء المرتبط۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۳/رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

الاستفتاء

علمائے دین دریں مسئلہ کہ بیان فرماتے ہیں کہ مثلاً نمازِ تراویح میں حافظ صاحب منزل



سنا رہا ہے اور قرآنِ مبارک تلاوت کرتے ہوئے جبکہ اس مقام پر پہنچا کہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین میں جو کہ محمد کا لفظ ہے اس میں قرآن کی تلاوت کے اندر صلے اللہ علیہ وسلم" پڑھا گیا۔ کیا نماز صحیح ہوئی یا کہ صحیح نہیں ہوئی ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: حاجی کرم الٰہی زرگر بمقام کچا کھوہ ڈاکخانہ خاص تحصیل خانیوال ضلع ملتان





بلاشک وشبہ نماز صحیح ہوئی کہ درود شریف ایسا کلام نہیں کہ نماز کا نقصان کر دے۔ بدائع صنائع ص۱۶۴ جلد۱، بحر الرائق ص۹۷ جلد۲ میں ہے و النظم من البدائع و لا یعقل تمکن النقصان فی الصلوٰۃ بالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم۔ غنیۃ ص۴۳۲، شامی ص۵۸۱ جلد۱ میں ہے لان نفس تعظیم اللہ تعالیٰ والصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام لا ینافی الصلوٰۃ فلا یفسدھا بلکہ آیۂ کریمہ صلوا علیہ و سلموا کا اطلاق مجوز ہے اور رعایتِ ترتیبِ کلمات قرآنِ کریم کا تقاضا ہے کہ یہاں نہ پڑھا جائے، تو نہ پڑھنا افضل ہوا۔ فتاویٰ عالمگیر ص۹ جلد۴، شامی ص۴۸۴ جلد۱ میں ہے و لو قرأ القرآن فمر علی اسم نبی فقراءۃ القرآن علی تالیفہ و نظمہ افضل من الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم فی ذٰلک الوقت۔ تو حافظ صاحب کا یہ درود شریف پڑھنا ارادہ سے ہوتا تب بھی حرام یا مکروہ تحریمہ نہ بنتا بلکہ صرف خلافِ اولیٰ ہی ہوتا چہ جائیکہ یہ تو بلا قصد ہی پڑھا گیا۔ بہر حال یہ نماز باتفاقِ ائمۂ دین صحیح ہوئی۔

در المختار شامی ص۵۸۱ جلد۱، غنیہ ص۴۳۲، خلاصۃ الفتاویٰ ص۱۳۲، ص۱۳۳ جلد۱، فتاو۔

عالمگیریہ ص۵۲ جلد ۱ میں ہے و النظم من الهندية ولو قال اللهم صل على محمد او قال الله اكبر لا تفسد صلوته بالاجماع ان لم يرد به الجواب۔ اور فتاویٰ عالمگیر ص۵۲ جلد ۱ میں تو یہ مسئلہ بافادۂ تعمیم موجود ہے۔ صاف صاف فرما دیا و لو قرأ ما كان محمد ابا احد من رجالكم وصلى رجل في الصلوٰة لا تفسد صلوته۔ اور چونکہ تشہدِ اول فرائض کی طرح تاخیرِ رکن نہیں تو سجدۂ سہو بھی نہیں، ولهذا لم يصرح به احد و من ادعى الخلاف فعليه البيان بالبرهان۔

والله تعالى اعلم وصلى الله تعالى على حبيبه وآله وصحبه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک حافظ صاحب نے نماز تراویح پڑھاتے ہوئے بعد از فاتحہ قراءت میں بھول کر ایک ہی آیت کو دو بارہ پڑھ گئے اور نماز پوری کر لی اور سجدۂ سہو ادا نہیں کیا تو ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ نماز نہیں ہوئی، سجدۂ سہو ضروری تھا، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ نماز جائز ہو گئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو پڑتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

لہ بل صرح ابن القيم الجوزية بانه من مواطن الصلوٰة وذكره في فصل مستقل من جلاء الافهام ص۲۹۸، ۲۹۹ وذكر النص عن الامام احمد بن حنبل رضي الله تعالى عنه ۱۲ ابوالخیر النعیمی غفرلہ

اگر صورتِ سوال درست ہے تو نماز بلا کراہت درست اور صحیح ادا ہوئی اور سجدۂ سہو بالکل واجب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

نہیں ہوا کہ اس میں کسی واجب کی ترک نہیں پائی گئی بلکہ نوافل و سنن میں تو بہت زیادہ وسعت ہے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت کہ ایک رات صبح تک نماز پڑھتے رہے اور ہر رکعت میں ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہے۔ سننِ بیہقی ص ۱۳ جلد ۳ میں باقاعدہ اسناد سے حضرتِ ابوذر سے ہے قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو یصلی ذات لیلۃ وھو یردد اٰیۃ حتی اصبح بھا یرکع و بھا یسجد (ان تعذبھم فانھم عبادک) قلت یارسول اللہ ما زلت تردد ھٰذہ الاٰیۃ حتی اصبحت قال انی سألت ربی الشفاعۃ لامتی وھی نائلۃ لمن لایشرک باللہ شیئا۔ اور اسی کے ص ۱۴ میں دوسری حدیث مسند ہے اور اس میں ہے ان تعذبھم فانھم عبادک و ان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم تو جوازِ نماز اور سجدۂ سہو کا لازم نہ ہونا آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہوا مولانا صاحب خود[1] بھول گئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۳۰ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ

---

[1] جنہوں نے یہ فتوے دیا کہ سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

(نوٹ) اگر مولانا صاحب نہ مانیں تو کسی مستند کتاب کا حوالہ تحریر فرمائیں کہ قرارت بعد از فاتحہ میں ایک آیت دو مرتبہ بھول کر پڑھی جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید نے جماعت کراتے ہوئے پہلی رکعت میں وقال الظلمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا کی جگہ وقال الظلمون ان ھذہ الا رجلا مسحورا پڑھ دیا کیا نماز شرع کی رُو سے ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی:- محمد بشیر سوہنا نوری متعلم دار العلوم ہذا ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۰۷ھ



صورتِ مذکورہ میں جب کہ امام نے یوں بدلا کہ ملا کر پڑھ دیا تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک نماز فاسد ہوگئی، اس کی قضاء لازم ہے۔ یہاں تو معنی بالکل ہی متغیر ہوگیا کہ "ھذہ" میں اتباع کا معنٰی نہیں اور یہ بھی مؤنث، حالانکہ صرف معنٰے کے بُعد پر حکمِ فساد ہے۔ شامی ص۵۹۰ جلد ا، کبیری ص۴۲۷ میں ہے۔ والنظم من الشامی وان کان مثلہ فی القراٰن والمعنی بعید ولم یکن متغیرا فاحشا تفسد ایضا عند ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ وھو الاحوط۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی

اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

عبدہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

نمبر ۱:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک امام نے تیسری رکعت میں اول کی سورت پڑھ دی اور پہلی دو رکعت میں اخیر کی یہ صورت نفل اور وتر میں ہی ہو سکتی ہے کیونکہ فرض میں تو تیسری رکعت میں سورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مثلاً ایک امام نے وتر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں معوذتین کو پڑھا اور تیسری میں قل شریف، کیا یہ جائز ہے؟

نمبر ۲:۔ کئی کتابوں میں دیکھا ہے کہ جس وقت امام نے ایک طویل آیت یا تین چھوٹی آیتیں جن سے واجب ادا ہو جاتا ہے اور اس سے آگے اور زیادہ قرأت پڑھ رہا ہو۔ اور کوئی آیت غلط پڑھے یا چھوڑ دے اور اگلی آیت کیطرف منتقل ہو جائے تو لقمہ دینے والا لقمہ دے اور امام لقمے کو نہ پکڑے تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اگر امام لقمہ پکڑے تو تمام جماعت کی نماز فاسد ہو جائیگی کیا یہ صحیح ہے اور کونسی نماز کی بات ہے؟ کیونکہ عام تراویح میں حافظ صاحب اس طرح کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں کتبِ معتبرہ کے کچھ حوالے بھی لکھ دیں۔

السائل: مولوی محمد عظیم صاحب امام مسجد چوہدری محلہ ربیانہ خورد تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری ۲۱/۱/۶۳



نمبر ۱ یہ مسئلہ فرائض میں پہلی اور دوسری رکعت کا مسئلہ ہے کہ فرائض میں قصداً یوں پڑھنا مکروہ ہے اور نوافل بلکہ سنن میں فرماتے ہیں مکروہ نہیں۔ بحرالرائق ص۳۳ جلد ۲، درالمختار شامی ص۵۱۱،۵۱۰ جلد ۱،

طحطاوی علی الدر ص۲۳۸ جلد ا، طحطاوی علی المراقی ص۲۱۲، خلاصۃ الفتاویٰ ص۹۷ جلد ا وغیرہا میں ہے
والنظم من الخلاصۃ وان قرأ فی رکعۃ سورۃ وفی
رکعۃ اخرٰی سورۃ فوق تلک السورۃ اوفعل ذٰلک
فی رکعۃ مکروہ (الٰی ان قال) وھٰذہ کلھا فی الفرائض
اما فی النوافل لایکرہ اور فتاوٰے عالمگیر ص۷۱ جلد ا میں ہے ھٰذا کلہ
فی الفرائض واما فی السنن فلایکرہ ھٰکذا فی المحیط
اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ " رکعۃ اخرٰی " کا اطلاق تیسری اور چوتھی رکعت کو بھی شامل ہے کہ
سب پر " رکعۃ اخرٰی " صادق ہے اور یہ بھی خدامِ فقہ سے مخفی نہیں کہ قرارت میں سنن اور نوافل
کا حکم ایک ہی ہے۔ رہے وتر تو گو وہ بھی قرارت میں نوافل کے حکم میں ہیں مگر اس حکمِ قرارت میں
احتیاطاً فرض کا حکم ہی ہونا چاہئے کہ وتر عملاً فرض کے حکم میں ہیں۔ درالمختار شامی ص۶۲۱ جلد ا میں ہے
ھو فرض عملاً، شامی فرماتے ہیں بمعنی انہ یعامل معاملۃ
الفرائض فی العمل بلکہ لبعض فضلاء تو نوافل میں بھی یوں پڑھنا مکروہ جانتے ہیں۔
طحطاوی علی المراقی ص۲۱۲ میں ہے قال بعض الفضلاء وفیہ تأمل لان
التنکس اذا کرہ خارج الصلوٰۃ الخ پس اس لحاظ سے بھی وتر میں کراہت بطریقِ
اولیٰ ہوگی۔ ہاں بھول کر بلا ارادہ یوں پڑھا جائے تو معاف ہے اور سجدہ سہو بھی لازم نہیں ہوتا۔
فتاوٰے عالمگیر ص۶۵ جلد ا میں ہے واذا قرء فی الرکعۃ الاولٰی سورۃ وقرأ
فی الرکعۃ الثانیۃ سورۃ قبلھا فلا سھو علیہ کذا فی
المحیط اور جب دوسری رکعت میں یوں پڑھنے سے سجدہ سہو نہیں تو تیسری میں بھی بداہۃً یہی حکم ہوگا
البتہ جب تراویح وغیرہا میں تمام قرآنِ کریم ختم کرے تو دوسری رکعت میں فاتحہ شریفہ کے بعد سورۃ
البقرہ کی پہلی آیتیں تلاوت کرے، غنیۃ المستملی ص۴۶۳، فتاوٰے عالمگیریہ ص۷۱ جلد ا، مراقی و طحطاوی
علے المراقی ص۲۱۲، درالمختار شامی ص۵۰۱ جلد ا میں ہے والنظم من الشامی علیہ
الرحمۃ قال فی شرح المنیۃ وفی الولوالجیۃ من یختم



القرآن فی الصلوٰۃ اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعۃ الاولیٰ یرکع ثم یقرأ فی الثانیۃ بالفاتحۃ وشیٔ من سورۃ البقرۃ لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح۔ طحطاوی علیہ الرحمۃ حاشیہ در ص۲۳۸ جلد۱ میں فرماتے ہیں لیس ھٰذا تنکیسا۔

۲۔ صرف یوں کسی ایک کتاب میں بھی نہیں کہ غلط پڑھے تو لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے البتہ ہدایہ وغیرہا میں یہ ضرور ہے کہ امام اگر دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے تو لقمہ دینے سے ایسا ہو جاتا ہے مگر محققین فقہائے کرام کے نزدیک یہی اصح و صحیح ہے کہ کسی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوتی اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی مذہب ہے۔ اسی پر اکثریت مشائخ کرام ہے۔ قول فساد تو محض بعض کا قول ہے۔ ملتقی الابحر مع شرح در المنتقیٰ ص۱۱۹ جلد۱، غنیہ علی الدرر ص۱۰۳ جلد۱، شامی ص۵۸۲ جلد۱ وغیرہا میں ہے والنظم لہ (قولہ بکل حال[1]) ای سواء قرأ الامام قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ ام لا انتقل الیٰ اٰیۃ اخریٰ ام لا تکرر منہ الفتح ام لا ھو الاصح۔ نہر، فتاوے عالمگیر ص۵۱ جلد۱، غنیۃ المستملی ص۴۱۷، صغیری ص۲۳، مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص۲۰۱، بحر الرائق ص۶ جلد۲ میں ہے والنظم من البحر والصحیح عدم الفساد۔ نیز اسی میں ہے فصار الحاصل ان الصحیح من المذهب ان الفتح علیٰ امامہ لا یوجب فساد صلوٰۃ احد لا الفاتح ولا الاٰخذ مطلقا فی کل حال۔ نیز اسی میں ہے وھو قول عامۃ المشائخ۔ مجمع الانہر ص۱۱۹ جلد۱ میں ہے وعلیہ الفتویٰ احترازا عن قول بعض المشائخ الخ تنویر الابصار، در المختار علیٰ ہامش الطحطاوی ص۲۶۳ جلد۱ میں ہے

---

[1] اور "قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ" پڑھنے کے بعد لقمہ دینے کے متعلق یونہی ہندیہ وغیرہا میں ایک قول کا ذکر ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ للعمہ ای لا یفسد بکل حال ۱۲ حـ ونحوہ بالمعنیٰ فی الفتح ۱۲



(بخلاف فتحه علی امامه) فانه لایفسد (مطلقا) لفاتح واخذ بکل حال۔ اور طحطاوی علیہ الرحمۃ نے بھی وہی تقریر تفصیل فرمائی جو شامی علیہ الرحمۃ سے گزری ۔ اور اس کی ایک دلیل علمائے کرام نے وہ بیان فرمائی جو غنیۃ شرح منیہ ص ۴۱۷ وغیرہا میں ہے ،

ووجهه الحدیث المذکور حیث قال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لابی هلا فتحت علی مع انه لا یعلم ترک الاٰیة الابعد الانتقال الی اٰیة اخری۔ بہرحال نماز فاسد نہیں ہوتی فرض ہو یا نفل۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه واٰله واصحابه وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ر ماہِ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ ۷ر فروری ۱۹۶۳ء

الاستفتاء

نوٹ : ایک خط میں یہ سوال آیا۔

اگر امام عشاء کی نماز میں سورتِ یوسف کے تیسرے رکوع کی آیت میں قال معاذ اللہ انه ربی احسن مثوای کی بجائے قال معاذ اللہ ربی انه احسن مثوای پڑھدے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

السائل : محمد شریف الضیائی المتعلم بجامعۃ العلوم المدرسۃ الغوثیۃ الواقعۃ علی جبل وڑچھہ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا ۱۴ر محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

عزیزی حکیم ضیائی صاحب !

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :- یاد آوری کا شکریہ ! آپ کے لئے بمشکل وقت نکال کر لکھ رہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

قواعد و تصریحات و جزئیات مذہب مہذب سے روز روشن کی طرح واضح کہ یوں پڑھنا بھول کر ہے تو نماز بلاشبہ ہوگئی کیونکہ معنے حقیقۃً متغیر نہیں ہوا۔ آیت میں "ربی" کا محل "انہ" کی ضمیر ہے اور اس کے مرجع میں مفسرین نے تین احتمال بتائے (۱) اللہ تعالیٰ۔ وھو الاظہر الاقرب المختار عندی و قد صرح بہ الصاوی فی ھامش الجلالین۔

(۲) زوج المرأۃ (۳) شان۔

پہلی صورت میں "ربی" معنے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو "معاذ اللہ ربی" پڑھنے میں بھی صادق ہے اور دوسری صورت میں "زوج المرأۃ" کی معنویہ صفت ہے جو صورت سوال میں مبتدا مقدر "ھو" کی خبر بن کر برقرار رہ سکتی ہے اور تیسری صورت میں "ربی احسن مثوای" کے ساتھ جملہ بن کر محمول ہے اور معنے "زوج المرأۃ" یا اللہ کی صفت ہے جو تقدیم میں بھی ہے حالانکہ عدم الفساد کی مدار حضرت امام اول و ثالث کے نزدیک موافقت معنی (یعنی معنائے خطا معنائے صحیح کے موافق و متقارب ہو) پر ہے۔ اور امام ثانی ابو یوسف کے نزدیک اس کلمہ کا اس کی مثل قرآن کریم میں ہو غنیۃ المستملی ص۴۴۷، شامی ص۵۹۰ جلد۱ میں ہے فالمعتبر فی عدم الفساد عند عدم تغیر المعنی کثیرا وجود المثل فی القرآن عندہ (ای ابی یوسف) و الموافقۃ فی المعنی عندھما (ای الطرفین علیھما الرحمۃ) اور جب "ربی" قرآن کریم کا کلمہ ہے اور معنی بھی برقرار ہے تو نماز کا بالاتفاق برقرار رہنا واضح ہوگیا اور مسئلہ زیر بحث میں ایک اور صورت بھی ہوسکتی ہے کہ تقدیم و تاخیر نہ ہو بلکہ زیادت کلمہ و نقصان کلمہ کا مسئلہ ہو یعنی "معاذ اللہ" کے بعد امام نے "ربی" زیادہ کر دیا اور "انہ" کے بعد کم کر دیا تو اس صورت میں بھی نماز جائز ہے لما

مر من الغنیة و الشامیة و قد صرحا فی صدر العبارة فقالا ان الخطأ اما ان یکون فی الاعراب (الی ان قال) او فی الحروف بوضع حرف مکان اخر او زیادته او نقصه او تقدیمه او تاخیره او فی الکلمات او فی الجمل کذلک۔ اس "کذلک" نے واضح کر دیا کہ کلمات کی تقدیم و تاخیر زیادت و نقص کا بھی یہی حکم ہے۔ اب اس کی چند مثالیں بھی دیکھ لیں :۔

۱۔ فتاویٰ قاضی خان ص۷ جلد ۱ میں ہے کہ وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ میں "ناضرہ" کو "ناظرۃ" اور "ناظرۃ" کو "ناضرۃ" پڑھے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔



۲۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص۱۱۶ جلد ۱، فتح القدیر ص۲۸۳ جلد ۱ میں ہے و النظم من الخلاصۃ اما لو قرأ اذ الاعناق فی اغلالہم لا تفسد حالانکہ قرآن مجید میں اذ الاغلال فی اعناقہم ہے۔ نیز خلاصۃ ص۱۱۵ جلد ۱، فتح القدیر ص۲۸۲ جلد ۱ میں ہے و النظم منہ اما الکلمۃ مکان الکلمۃ فان تقاربا معنی و مثلہ فی القرآن کالحکیم مکان العلیم لم تفسد اتفاقاً۔ زاد الفقیر میں ہے ولیفہم من ھذا معنی الموافقۃ شامی ص۵۹۱ جلد ۱ میں زیادتی کلمہ کی ایک یہ مثال ہے فان کان فی القرآن نحو و بالوالدین احسانا و برا لم تفسد فی قولہم۔ اور نقص کلمہ کی مثال یہ ہے وجزاء سیئۃ مثلہا بترک سیئۃ الثانیۃ لم تفسد۔ موافقۃ المعنی تو ایک وجہ سے بھی کافی ہے اور یہاں چار وجوہ سے ہے کما قد سمعت۔ فتاوےٰ ہندیہ ص۴۳ جلد ۱ میں ظہیریہ سے ہے ان الصلوٰۃ اذا جازت من وجوہ و فسدت من وجہ یحکم بالفساد الا فی باب القراءۃ لان للناس عموم البلویٰ۔ اور اگر امام نے دانستہ یوں پڑھا ہے یعنی "معاذ اللہ" کے بعد بطور ثناء "ربی" اور "انہ" کے بعد "ربی" نہ پڑھا تو چونکہ وہ ثناء ہے اور یہاں نہ پڑھنے سے معنیٰ میں بھی زیادہ تغیر نہیں ہوتا

لہٰذا اس صورت میں بھی نماز جائز ہے مگر اچھا نہیں کیا کہ قرآن کریم کی قرارت مسلسل پڑھنی چاہیے طحطاوی علی المراقی صـ۲۰۳ میں ہے اما فی العمد فتفسد به مطلقا بالاتفاق اذا کان مما یفسد الصلوٰۃ اما اذا کان ثناء فلا یفسد ولو تعمد ذلک افادہ ابن امیر حاج۔ بہرحال نماز صحیح ہے وھذا ما عندی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ ۱۵ 5/66

الاستفتاء



قبلہ وکعبہ استاذ العلماء والفقہاء محبوبِ ربانی قطبِ سبحانی مرشدِ کامل فقیہ اعظم دام ظلکم دام برکاتکم و فیوضکم غلامانہ السلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ حضورِ والا جاہ کی خیر و عافیت بارگاہِ لم یزل سے ہر وقت بھی خواہ ہے۔ اس ناچیز کی بحرِ بیکنار کی خدمتِ گرامی میں عرض یہ ہے کہ ایک امام صاحب صبح کی نماز باجماعت میں الحمد شریف کے بعد سورہ مزمل شریف کی قرات شروع کرتا ہے اور پہلی رکعت میں تمام سورۂ مزمل شریف تلاوت کرتا ہوا جب "خیرا تجدوہ" پر پہنچتا ہے تو "خیرا تجدوہ" سے اس سورت کو چھوڑ کر سورۂ الجمعہ شریف کی آخری آیتِ مبارک کے یہ کلمات مبارک "خیر من اللھو ومن التجارۃ واللہ خیر الرازقین" پڑھ کر سورہ مزمل شریف کے صحیح کلمات دہرائے بغیر ہی رکوع کر دیتا ہے اور پھر دیگر رکعت میں چھوٹی سی سورہ شریف پڑھ کر جماعت کو مکمل کرا کہ سلام پھیر دیتا ہے۔ آیا اس صورت میں نماز درست ہوگئی یا نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی؟ رہبری فرما کر نوازش فرمائیں۔

سائل: سگِ دربارِ عالیہ عاجز محمد رحمت علی نوری عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ:-

آپ نے سوال مفصل نہیں لکھا کہ کیا صورت پیش آئی۔ کیا "لانفسکم من" پڑھ کر "خیر من اللھو" پڑھا، یا "لانفسکم من خیر تجدوہ" پڑھ کر "خیر من اللھو" پڑھا۔ پھر ان دونوں صورتوں میں سورہ مزمل شریف کے کلمات پر وقف کر کے یعنی ٹھہر کر "خیر من اللھو" شروع کیا، یا وقف نہیں کیا بلکہ ملا کر پڑھا ہے۔ یہ چار صورتیں ہیں اور ہر ایک صورت میں "خیر من اللھو" کی را پر پیش پڑھا ہے یا زبر پڑھی ہے تو کل صورتیں آٹھ ہیں اور حسب الارشاد کتب فقہ حنفی میں ان سب صورتوں میں نماز درست ہوگئی۔ فتاویٰ قاضی خان ص۷۴ جلد۱، خلاصۃ الفتاوے ص۱۱۷ جلد۱، فتاوے عالمگیر ص۸۲ جلد۱، فتح القدیر ص۲۸۳ جلد۱ میں ہے والنظم من ل انفصارہ و لو بنی بعض آیۃ علیٰ اخری ان لم یغیر نحو ان الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت فلھم جزاء الحسنیٰ مکان کانت لھم جنّٰت الفردوس نزلا لا تفسد وان غیر فان وقف وقفا تاما بینھما فکذلک اور یہاں ان آٹھ صورتوں میں اصل معنیٰ نہیں بدلتا لہٰذا نماز درست ہوگئی۔ ترجمے بھی لکھ کر بتاتا اگر آپ وہ ایک صورت جو آپ کے پیش آئی ہے معین کر کے سوال کرتے مگر اب آٹھ صورتوں کے ترجمے لکھنے کا وقت نہیں۔ سوال ہمیشہ صاف اور سلجھا ہوا ہونا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم الاعظم و آلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ ۱۱-۸-۶۷

الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ و کعبہ استاذ العلماء والفضلاء قبلہ مفتی اعظم مد ظلکم العالی

قبلہ صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کے بعد مؤدبانہ گزارش ہے :

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام شرع متین اندریں مسئلہ ایک رنڈی جو بدمعاشی کا پیشہ یعنی چکلا میں رہتی ہے وہ فوت ہو گئی ہے تو اس کے جنازہ کے متعلق کیا احکام ہیں ؟ کیا اس کا جنازہ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اور اس کی قبر کے متعلق بھی فرمائیں کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ اس کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں۔

۲۔ دوسرا مسئلہ کہ طوائف جس کو بیوہ ہونا آتا ہے اس کے جنازے اور قبر کے متعلق بھی فرمائیں۔

۳۔ تیسرا مسئلہ : ایک امام مسجد نے پہلی رکعت میں سورۂ صف پڑھ دی اور دوسری رکعت میں سورۂ بقرہ کا ایک رکوع ، کیا یہ جائز ہے ؟

۴۔ چوتھا مسئلہ : ایک آدمی نے حج کا ارادہ کر لیا ہے اور وہ صاحب نصاب بھی ہے لیکن پورا حج کا خرچ نہیں رکھتا ۔ کیا ایسے آدمی کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز ہے ؟ امید ہے کہ آپ ایک گنہگار کو جلد ان مسئلوں سے واقف فرمائیں گے ۔ واپسی لفافہ حاضر خدمت ہے ۔ رنڈی بدکاری کو جائز بھی سمجھتی ہے ۔ والسلام

سائل : خاکسار غلام جعدار ملک محمد صادق الوان آرمی ایونٹ اصطبل تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری رسیاز خورد ۲۷-۱۱-۶۳



محبت ملت جناب جمعدار صاحب زادت عنایتہ

وعلیکم السلام ورحمۃ - مزاجِ گرامی! جناب کے مرسلہ سوالات کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:

نمبر ۱: قاعدہ یہ ہے کہ ہر مسلمان نیک ہو یا بد اس کا جنازہ پڑھنا لازم ہے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے البتہ ڈاکو اور باغی جو ڈکیتی اور بغاوت کے دوران قتل ہو جائے یا اپنے باپ یا ماں کو کوئی سنگدل قتل کر دے تو ان کا جنازہ نہیں ہاں اگر کوئی ایسا بدکار ہو کہ بدکاری زنا یا چوری یا شراب وغیرہ کو جائز وحلال جانتا ہو تو وہ مسلمان ہی نہیں بلکہ کافر و مرتد ہوتا ہے تو ایسے کا نہ جنازہ ہے اور نہ ہی اہلِ اسلام کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے مرد ہو یا عورت رنڈی ہو یا پارسا۔ یہ احکام فتاویٰ عالمگیری، تنویر الابصار، در المختار، شامی وغیرہا کتبِ معتبرہ مذہب حنفیہ میں ہیں۔



نمبر ۲: خسرا جو بدفعلی جیسے گندے جرم کو جائز نہ جانتا ہوا ور کلمہ گو ہو تو اس کا جنازہ لازم ہے اور اہلِ اسلام کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ خسرا حقیقۃً یا مرد ہوتا ہے یا عورت! اگر مردوں والی ایک یا دو علامتیں غالب ہوں تو شرعاً مرد ہوتا ہے اور اس کا حکم غسل، جنازہ وغیرہ میں مردوں والا ہوتا ہے۔ اور اگر عورتوں والی ایک یا زیادہ علامتیں غالب ہوں تو شرعاً عورت ہے، اس کے ساتھ عورت کا معاملہ کیا جائے۔ اور اگر کوئی ایک علامت بھی غالب نہ ہو تو اس کو خنثیٰ مشکل کہا جاتا ہے اور اس کا حکم غسل میں یہ ہے کہ اسے غسل نہیں دیا جاتا بلکہ تیمم کرایا جاتا ہے۔ اگر اس کا کوئی محرم مرد یا عورت مثلاً باپ یا بھائی، ماں یا بہن ہو تو وہ اسے ہاتھ لگا کر تیمم کرا سکتا ہے اور اگر کوئی محرم نہ ہو تو اپنا ہاتھ کپڑے میں لپیٹ کر تیمم کرائے اور اس کا کفن اور دفن عورتوں کی طرح ہوتا ہے۔ یہ سب اس وقت ہے کہ بالغ یا مراہق ہو۔ اور اگر بالکل چھوٹا بچہ ہے تو اسے بچوں کی طرح غسل دیا جاتا ہے۔ یہ مسائل بھی فتاویٰ عالمگیری، در المختار، شامی وغیرہا میں ہیں۔ عبارتیں اس لئے نہیں لکھیں کہ فتوے بڑے لمبے ہو جائیں گے لہٰذا بہتر یہی ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ دریافت کیا جائے۔ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ حقیقۃً مرد ہوتے ہیں مگر مصنوعی خسرا بن جاتے ہیں تو وہ غسل، جنازہ وغیرہ میں شرعاً مرد ہی ہیں۔

نمبر ۳: فرض نماز میں یوں پڑھنا اگر بھول کر ہے تو کوئی حرج نہیں اور سجدہ سہو بھی نہیں اور

اگر عمداً پڑھا تو مکروہ ہے مگر نماز ہو جائے گی۔ فتاوےٰ عالمگیر ص۴۰ جلد ۱ میں ہے و اذا قرأ فی رکعۃ سورۃ و فی الرکعۃ الاخریٰ او فی تلک الرکعۃ سورۃ فوق تلک السورۃ یکرہ الخ نیز ص۶۵ جلد ۱ میں ہے و اذا قرأ فی الرکعۃ الاولیٰ سورۃ و قرأ فی الرکعۃ الثانیۃ سورۃ قبلہا فلا سہو علیہ۔ کذا فی المحیط۔

۲۔ اگر واقعی اس کے پاس پورا خرچ نہیں اور اس کے پاس کسی نصاب سے بھی کوئی ایسی چیز نہیں کہ اسے فروخت کر کے خرچ پورا بنا لے تو اس کو سفرِ حج کے لئے زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز ہے مگر اسے سوال کرنا جائز نہیں، زکوٰۃ دینے والا خود بخود دے سکتا ہے۔ شامی ص۸۳ جلد ۲ میں ہے وقد قال فی البدائع فی سبیل اللہ جمیع القرب (الیٰ ان قال) اذا کان محتاجا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہٖ و اصحابہٖ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۶ رجب المرجب ۱۳۸۲ھ ۶۲-۱۲-۴ء




وِتر و نوافل

بَابُ الوِترِ وَالنِّوافل

الاستفتاء

ہذا سوالات کے متعلق علمائے دین والمتین وفقہائے عظام وعلمائے عظام والکرام کیا فرماتے ہیں

نمبرا :۔ سائل کہتا ہے کہ خمسہ ترویحات کیا ترویحہ کو ترویحہ کر کے پڑھا جائے یا کہ دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے ؟

نمبر۲ :۔ اگر ترویحہ کو دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے تو ہر شفعہ کے سلام کے بعد بیٹھ کر تسبیح تلاوت کی جاتے یا کہ نہ ؟

نمبر۳ :۔ اگر تسبیح تلاوت کی جائے تو کیا حرج ہے اور اگر نہ کی جائے تو فرمائیں ؟

نمبر۴ :۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ترویحہ کو ترویحہ کر کے پڑھا جائے اور دو سلاموں کے ساتھ نہ پڑھا جائے۔ اگر ترویحہ کو شفعہ کے ساتھ پڑھا جاتے تو بعد ہر شفعہ کے تسبیح تلاوت کی جائے اگر نہ کی جائے تو ترویحہ پورا پڑھیں ؟ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

السائل : محمد صدیق ولد مولوی نورالدین



نمبرا مستحب یہ ہے کہ ترویحہ کو دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے۔ فتاوٰے عالمگیر، فتاوٰے قاضی خان،

فتاوٰے سراجیہ، بحرالرائق، ہدایہ، درالمختار، نورالایضاح، مراقی الفلاح وغیرہا اسفارِ مذہب مہذب میں ہے والنظم من الھندیۃ کل ترویحۃ اربع رکعات

بتسلیمتین کذا فی السراجیۃ یعنی ہر ترویحہ چار رکعت دو سلاموں کے ساتھ

ہے۔" نورالایضاح اور بحرالرائق میں یہ اور افادہ فرمایا کما ھو المتوارث یسلم

علٰی رأس کل رکعتین کہ یہی متوارث ہے ہر دو رکعتوں کے سر پر سلام کہے۔"

مبسوطِ سرخسی میں ہے قدر المسنون وھو رکعتان بتسلیمۃ واحدۃ

یعنی قدرِ مسنون اور وہ دو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں۔" بلکہ ہر دو شفعہ جسے ترویحہ کہتے

ہیں، کے بعد چار رکعت کے مقدار ٹھہرنا اور انتظار کرنا مستحب ہے۔ فتاوٰے عالمگیر، فتاوٰی قاضیخان،

بحرالرائق، ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، درالمختار، ردالمحتار، نورالایضاح، مراقی الفلاح،

غنیۃ المستملی، مبسوط وغیرہا میں ہے والنظم من قاضی خان وکلما

صلی الامام ترویحۃ ینتظر قاعدا بین الترویحتین

مقدار ترویحۃ وینتظر بین الترویحۃ الخامسۃ

والوتر مقدار ترویحۃ ثم یوتر ھٰکذا روی

الحسن عن ابی حنیفۃ علیہ الرحمۃ۔ سننِ بیہقی، صحیح بہاری،

کنزالعمال کی حدیث میں ہے کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی

عنہ یروحنا فی رمضان یعنی بین ترویحتین۔

اور اس انتظار میں مختار ہے کہ تسبیح پڑھے یا قرآنِ کریم یا نفل یا چپکے رہے۔ فتاوٰے عالمگیر، فتاوٰے

قاضی خان، بحرالرائق، عنایہ، کفایہ، درالمختار، شامی، مراقی الفلاح، غنیہ وغیرہا میں ہے والنظم

من مراقی الفلاح وھم یخیرون فی الجلوس بین

التسبیح والقراءۃ والصلوٰۃ فرادٰی والسکوت۔

۳: مکروہ ہے کہ خود نام ترویحہ کا تقاضا اور متوارث سلف صالحین یہ ہے کہ یہ انتظار چار



رکعت پر ہی ہونی چاہیے۔ فتاویٰ قاضی خان، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، مبسوط میں ہے والنظم من العنایۃ وانما یستحب الانتظار بین کل ترویحتین لان الترویحۃ ماخوذۃ من الراحۃ فیفعل ما قلنا تحقیقا للمسمی۔ مراقی الفلاح میں ہے لان المتوارث عن السلف وھذا روی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ولان اسم الترویح ینبئ عنہ۔

دیکھا حصرِ "انما" اور "ان المتوارث" بھی صراحۃً چار رکعتوں یعنی ترویحہ کے درمیان انتظار سے منع کر رہا ہے۔ غنیہ، درمختار، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے والنظم من الدر وتکرہ رکعتان بعد کل رکعتین۔ اور صلوٰۃ و تسبیح کا ایک حکم ہے جیسے معتبرات سے گزر چکا تو تسبیح بھی مکروہ ہوگی اور مدارِ کار دلیل کا تقاضا بلکہ تصریح بھی ہے۔ شامی میں ہے لان الاستراحۃ مشروعۃ بین کل ترویحتین لا بین کل شفعتین۔



۴۔ دلائل و تصریحاتِ بالا سے روزِ روشن کی طرح مسائلِ مذکورہ ثابت و واضح ہوگئے لہٰذا ان کے خلاف جو کہے اس کا کہنا صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ر رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ چار رکعتوں والی سنتوں کے پہلے

قعدہ میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثناء اور اعوذ پڑھا جائے یا نہ ؟ اور اسی طرح چار رکعت اکٹھے نفلوں کا کیا حکم ہے ؟

السائل :۔ قائم الدین بقلم خود



ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں میں پہلے قعدہ میں درود شریف اور تیسری رکعت کی ابتداء میں ثناء اور اعوذ نہ پڑھا جائے اور باقی تمام سنتوں اور نفلوں کے درمیانی قعدہ میں درود شریف اور ابتداء ہر شفعہ پر ثناء اور اعوذ پڑھا جاتے ۔ در المختار میں ہے وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلوٰۃ وقرہ السید الشامی علیہ الرحمۃ الا انہ نقل الحاق الاربع بعد الجمعۃ بالبواقی وحکم النوافل مستفاد من التعلیل۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۰ ؍ شوال المکرم ۱۳۶۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ عشاء کی پہلی چار سنتوں

میں اور ایسے ہی اگر تراویح کی اکٹھی چار چار رکعتیں پڑھی جائیں تو پہلے التحیات پر درود شریف اور تیسری رکعت کے اول میں سبحانک اللھم پڑھے جائیں یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب معتبرہ دیا جائے۔

بینوا توجروا۔

السائل: مولوی نذر محمد متعلم دار العلوم ہذا ۱۵ ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ



ظہر و جمعہ کی پہلی چار سنتوں کے علاوہ جتنے نفل اور سنتیں چار چار پڑھے جائیں ان کے دونوں التحیات پر درود شریف اور پہلی اور تیسری رکعت کے اول میں ثناء پڑھی جائے۔ منیۃ المصلی، غنیۃ المستملی ص ۳۲۲، ۳۲۸، ص ۳۷۷، بحر الرائق ص ۳۲۷ جلد ۱، ص ۴۹ جلد ۲، تنویر الابصار، در المختار، شامی ص ۶۲۳ جلد ۱، غایۃ الاوطار ص ۳۱۵ جلد ۱، نور الایضاح، مراقی الفلاح، حاشیۃ الطحطاوی ص ۲۳۵ میں ہے والنظم من البحر بخلاف النوافل سنۃ کانت او غیرھا فانہ یأتی بالثناء والتعوذ فیہ کالاول لان کل شفع صلوٰۃ علحدۃ ولذا یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی القعود الاول الخ نیز تراویح کا ذکر بالتخصیص بھی فقہائے کرام نے وضاحت سے فرمادیا۔ نور الایضاح، مراقی الفلاح، حاشیۃ الطحطاوی ص ۲۴۹، کبیری ص ۳۸۹، تنویر الابصار، در المختار، شامی ص ۶۶۲، ۶۶۳ جلد ۱، بحر الرائق ص ۶۹ جلد ۲، غایۃ الاوطار ص ۳۲۶ جلد ۱ میں ہے والنظم من التنویر ویأتی الامام والقوم بالثناء فی کل شفع ویزید علی التشہد الاان یمل القوم فیأتی بالصلوات۔ فتح القدیر ص ۴۰۹ جلد ۱، کبیری ص ۳۸۹، بحر الرائق ص ۶۹ جلد ۲، طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۴۹ میں ہے والنظم من الفتح لان کلہا ای الصلوٰۃ

لانها فرض او سنۃ ولا یترک السنن للجماعات کالتسبیحات
فتاوے قاضی خان میں ہے و یاتی بالثناء فی کل شفع ۔ تو شمس وامس کی طرح ثابت ہوا کہ ہر تشہد پر درود شریف اور ہر شفع کے اول میں ثناء پڑھے البتہ جمعہ کی پچھلی چار سنتوں کا بھی بعض نے استثناء فرمادیا جو محققین نے رد فرمادیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ بعد ادائے جمعہ کے دو سنتیں پہلے پڑھی جائیں یا چار پہلے پڑھی جائیں؟ ایک دو حوالہ بھی، زیادہ جھگڑا نہیں۔

السائل: مولانا علی محمد خطیب جامع مسجد چک نمبر ۲۱ فوجیا نوالہ ضلع ساہیوال



بعد از جمعہ ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک چار رکعتیں سنت ہیں جو ایک سلام کیساتھ یعنی چار اکٹھی پڑھی جائیں اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے چھ رکعتیں آئی ہیں لہٰذا چھ پڑھنی اچھی ہیں کہ چھ میں چار بھی آجائیں گی مگر یوں پڑھے کہ چار پہلے ایک سلام کے ساتھ پڑھ لے اور بعد ازاں دو پڑھے۔ غنیہ شرح منیہ ص ۳۴۲ میں ہے والافضل ان یصلی اربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف۔ بدائع صنائع ص ۲۸۵ جلد ۱ میں ہے قال ابو یوسف

ینبغی ان یصلی اربعا ثم رکعتین الخ

یہ دو حوالے ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ فتوائے کے لئے لفافہ ہو کہ سوال کے ساتھ جواب لکھا جائے اور حدیث شریف بھی لکھی جاسکتی ہے اور مہریں بھی ثبت ہوسکتی ہیں۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک مسجد میں، باقاعدہ فرض عشاء اور تراویح ادا کرنے کے بعد اہالیان مسجد وتر باجماعت ادا کر رہے ہوں تو کیا وہ شخص جو فرض عشاء باجماعت ادا نہیں کرسکا بلکہ اکیلا فرض پڑھ چکا ہے اس جماعتِ وتر میں شامل ہوسکتا ہے؟ ایک مولوی صاحب ناجائز بتاتے ہیں۔ میں نے صغیری میں نکال دیا تھا اور ساتھ ہی عالمگیری اور کبیری کا حوالہ دے دیا تھا لیکن وہ اسی عبارت کو جو آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے فقیر کو حرکت دے کہ دکھائی تھی یعنی قہستانی والی، پیش کرتے تھے تو میں نے کہہ دیا تھا کہ ان کی بات معتبر ہی نہیں، لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان کی تائید علامہ شامی خود کر رہے ہیں، تو حضور آپ ذرا بالوضاحت تحریر فرمادیں کہ واقعی وہاں علامہ شامی نے تائید کی ہے۔ بندہ یہاں شامی میں دیکھ لے گا۔ صرف اتنی ہی بات کی ضرورت ہے۔

سائل: مولوی محمد محسن قصوری ۲۳ ماہِ رمضان المبارک ۷۷ ۱۳ھ





بلاشک وشبہ وریب شامل ہوسکتا ہے کہ ایسی جماعتِ وتر بالاتفاق جائز ومشروع ہے اور جماعتِ جائز ومشروع کے ساتھ نماز ادا کرنا بحکمِ قرآن کریم جائز ہے کہ اس جماعت کے نمازی رکعین

ہیں اور اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے واركعوا مع الراكعين اور حدیث صحیح میں ہے

انما جعل الامام ليؤتم به اور یہ بھی ہے وما ادركتم فصلوا

وما فاتكم فاتموا (رواهما البخاری) لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے فرمایا الصلوٰة احسن ما يعمل الناس و اذا احسن

الناس فاحسن معهم (صحیح بخاری ص۹۶ جلد۱) اور اسی بنا پر معتبرات مذہب

مہذب حنفیہ متون و شروح و فتاوی و حواشی بالاتفاق ماہِ رمضان المبارک میں علی الاطلاق وتر با جماعت

ادا کرنے کے جواز و استحباب سے گونج رہے ہیں حالانکہ اگر صرف متون میں ہی ہوتا اور شروح و فتاوی میں

اس کے خلاف ہوتا تب بھی جائز رہتا کہ محققین نے تصریح فرمائی کہ مسئلہ متون مسئلہ شروح و فتاوی

سے مقدم ہوتا ہے، علامہ شامی ہی کی متعدد تصریحات سے ایک یہ ہے ان ما فی المتون

مقدم علی ما فی الشروح و ما فی الشروح مقدم علی ما

فی الفتاوی (شامی ص۶۶ جلد۱) چہ جائیکہ سب یہاں جواز پر متفق ہیں اور مقابلہ میں صرف

قہستانی ہے جس کے متعلق علامہ شامی نے فرمایا و القهستانی كجارف سيل و

حاطب ليل۔ العقود الدریہ ص۳۵۶ جلد۲ اور رد المحتار کے رسم المفتی جلد۱ میں ص۶۵ شرح قہستانی

کو غیر مستند قرار دیا اور تصریح فرمائی کہ اس سے فتوٰے دینا جائز ہی نہیں جبتک کہ منقول عنہ کا علم نہ ہو۔ اور

ایسے ہی ثلاثین ص۱۳ جلد۱ میں ہے و النظم منها و من الكتب الغريبة

منلا مسكين شرح الكنز و القهستانی لعدم الاطلاع على

حال مؤلفيها (الی ان قال) لا يجوز الافتاء من هذه الكتب

الا اذا علم المنقول عنه الخ اور العقود الدریہ کے صفحہ مذکورہ میں یہ بھی تصریح فرماتے



عہ یعنی یہ قید نہیں لگائی کہ ہر ایک نمازی فرض عشار با جماعت ادا کر چکا ہو تو وتر با جماعت پڑھے ورنہ نہیں ہاں بلکہ اطلاق معتبر ہے اور قاعدہ المطلق يجری علی اطلاقه نہایت مضبوط قاعدہ ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

عہ اور منقول عنہ کا علم جو کم از کم ظنِ غالب کے درجہ میں ہو نہیں ہو سکا گو قہستانی نے كما فی المنیۃ لکھا ہے مگر منیۃ المصلے میں تو یہ مسئلہ ہے نہیں، شاید منیۃ الفقہاء یا منیۃ المفتی میں ہو تو یہ نقل کا مجہول ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ

ہیں کہ وہ زاہدی معتزلی کی کتابوں سے استناد کرتا ہے خصوصا و استناده الی
کتب الزاھدی المعتزلی۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ زاہدی کی نقل معتبرات کی نقل کا
معارضہ نہیں کرسکتی جب تک کسی اور مستند نقل سے مضبوط نہ ہو و نقل الزاھدی
لایعارض نقل المعتبرات النعمانیۃ (الی ان قال)
مالم یعضده نقل من غیره تو اکیلے قہستانی کا قول سب اکابر کے
مقابلہ میں کیسے معتبر ہوسکتا ہے اور چونکہ شامی اس کے متعلق صراحۃً یہ وضاحتیں کر چکے ہیں تو صراحۃً
رد نہیں فرماتے کہ ان وضاحتوں کے بعد اس کی طرف نسبت ہی کافی رد ہے۔ اور یہ یوں بھی مردود
ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ قہستانی کی ایک بحث بنے گی جو اطلاق و تصریحِ منقول کے خلاف ہے
حالانکہ شامی علیہ الرحمۃ کو تسلیم ہے کہ ایسی بحث اگرچہ کسی بہت بڑے معتمد کی ہو غیر معتبر ہے۔ شامی ص۲۵۵
جلد ا میں فرماتے ہیں و قد قال العلامۃ قاسم لاعبرۃ
بابحاث شیخنا یعنی ابن الھمام اذا خالفت المنقول۔

تعجب ہے کہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ علامہ خود تائید کر رہے ہیں۔ آپ نے دریافت
کرنا تھا کہ وہ کونسا تائیدی جملہ ہے۔ میری نظر میں شامی علیہ الرحمۃ نے ذرہ بھر بھی تائید نہیں کی بلکہ علامہ
شامی علیہ الرحمۃ کی تحریرات و تقریرات جو (قولہ لانہا تبع) سے (قولہ اھ
یکرہ ذلک) تک ہیں، ان پر نظر کی جائے تو مسئلہ زیرِ بحث خود واضح ہوجاتا ہے کہ وہ فرماتے
ہیں کہ جماعتِ تراویح جماعتِ فرض کے تابع ہے تو اگر فرض جماعت کے ساتھ ادا نہ کئے جائیں
تو تراویح جماعت کے ساتھ مشروع نہیں اور اگر فرض جماعت سے ادا کئے جائیں اور تراویح بھی
جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں تو اکیلا فرض پڑھنے والا جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ سکتا ہے۔ اور
ایسے ہی جماعتِ وتر کے متعلق فرمایا کہ جماعتِ تراویح کے تابع ہے یعنی اگر جماعتِ تراویح ہو تو جماعتِ
وتر جائز ہے اور جو جماعت کے ساتھ تراویح نہیں پڑھ سکا وہ اس جماعتِ وتر میں شامل ہوسکتا ہے اور
اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ جماعت سے پڑھنے والوں کی جماعت مشروع ہے تو یہ بھی اس مشروع
میں داخل ہوسکتا ہے کہ کوئی مانع نہیں، فرماتے ہیں لان جماعتہم مشروعۃ
فلہ الدخول فیہا معہم لعدم المحذور۔ تو اس سے



صاف صاف نمایاں ہے کہ صورتِ سوال میں اکیلا فرض پڑھنے والا جماعتِ وتر میں شامل ہو سکتا ہے کہ وہ جماعت والے فرضِ عشاء بھی جماعت سے پڑھ چکے ہیں اور ان کی یہ جماعتِ وتر مشروع ہے تو یہ بھی شروع میں داخل ہو سکتا ہے لعدم المحذور بلکہ یہ قاعدہ لان جماعتھم مشروعة فله الدخول فیھا بغیر کسی تفرقہ کے صورتِ سوال پر بچا آرہا ہے نیز علامہ شامی کی اس تقریر سے واضح کہ جماعتِ تراویح میں جو بلا واسطہ جماعتِ فرض کے تابع ہے، اکیلا فرض پڑھنے والا شامل ہو سکتا ہے اور جماعتِ وتر میں جو جماعتِ تراویح کے بلا واسطہ تابع ہے جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھنے والا شامل ہو سکتا ہے تو جماعتِ وتر جو جماعتِ فرض کے بالواسطہ تابع ہے اس میں اکیلا فرض پڑھنے والا کیوں نہیں شامل ہو سکتا؟ کیا تابع کا تابع خود تابع سے جو اس کا متبوع ہے بڑھ جائے گا، ھل ھذا الا تحکم۔

اور اگر بالفرض مولوی صاحب کی بات مان لی جائے تو اس سے بھی قہستانی کی بات صغیری کبیری وغیرہما کی تصریح اور معتمداتِ مذہبیہ کے اطلاق پر راجح نہیں ہو سکتی و ذا واضح جداً۔ نیز صغیری، کبیری میں جوازِ شمولیت کی صریح تصحیح ہے جو علاماتِ افتاء سے ہے۔ صغیری ص۲۱۲ طبع مجتبائی کے لفظ یہ ہیں واذا لم یصل الفرض معه قیل لا یتبعه فیھا ولا فی الوتر وکذا اذا لم یصل معه التراویح لا یتبعه فی الوتر والصحیح انه یجوز ان یتبعه فی ذلك كله۔ اور ایسے ہی کبیری میں بھی ہے تو ثابت ہوا کہ شمولیت جائز ہے اور اسی پر فتوے ہے۔ بلکہ اگر بطریقِ تنزل سب سے چشم پوشی کرتے ہوئے دیکھا جائے تب بھی صرف "لا" عدمِ جواز کی تصریح نہیں کتبِ فقہیہ میں "لا" جیسے حرام و مکروہ تحریمی کے لئے آتا ہے ایسی ہی مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں اسی صفحہ کے حاشیہ پر ولا یصلی الوتر والتطوع بجماعة خارج رمضان۔ اس "لا" سے صاحبِ درالمختار اور شامی حرام نہیں سمجھ رہے بلکہ شامی علیہ الرحمۃ اس کو صرف خلافِ اولیٰ اور مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہوئے ص۶۶۴ جلد ا میں فرماتے ہیں وھو کالصریح فی انھا کراھة تنزیھیة تو قولِ قہستانی میں بھی یہ "لا" خلافِ اولیٰ کے لئے ہو سکتا ہے تو



یہ معنے نسبۃً قہستانی کے حق میں اولیٰ ہے کہ و ارکعوا مع الراکعین اور دوسرے دلائلِ جواز کے صریح مصادم نہ بنے ۔

بفضلہٖ وکرمہٖ اسی مختصر تقریر سے ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی مانند واضح ہوگیا کہ صورتِ مذکورہ میں وہ شخص جماعتِ وتر میں شامل ہو سکتا ہے اور یہ شمول جائز و روا ہے ۔ مجھے زیادہ فرصت نہیں ورنہ اس مسئلہ کی بکثرتِ کتبِ معتبرۂ مذہبیہ سے اور بھی وضاحت کی جاتی ۔ بہر حال طالبِ حق کے لئے یہی کافی اور عناد کی صورت میں دفتر بھی نادانی ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم و احکم
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۴ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ رمضانِ پاک میں ایک آدمی فرضوں کی جماعت سے رہ جاتا ہے ۔ بعد ازاں کیا وہ جماعتِ وتر میں شریک ہو سکتا ہے؟ بہارِ شریعت میں ناجائز لکھا گیا ہے ۔ بہارِ شریعت کے یہ لفظ ہیں ونصہٗ "اگر عشاء جماعت سے پڑھی اور تراویح تنہا تو وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے ۔ اگر عشاء تنہا پڑھ لی اگرچہ تراویح باجماعت پڑھی تو وتر تنہا پڑھے (درالمختار، ردالمحتار)"

مستفتی : حضرت مولانا سید محمد اصغر شاہ صاحب جیکب لائن صدر کراچی

مؤرخہ ۱۴ر ماہِ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

---

۵ وصرح فی احکام الشریعۃ ص۱۲۹ جلد ۳ بجواز الوتر بلا کراھۃ تحریم ۱۲ ابو الخیر غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ہاں شامل ہو جائے۔ قرآنِ کریم میں ہے واركعوا مع الراكعين "یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو" اس حکم سے ہر جماعتِ مشروعہ میں شامل ہونا صراحۃً ثابت ہے اور جب کہ باجماعت وتر بھی یقیناً اجماعاً ماہِ رمضان المبارک میں مشروع ہے، متون و شروح و فتاوے و حواشیِ مذہب مذہبِ مھذب میں صراحۃً روزِ روشن کی طرح موجود ہے۔ فتاوے عالمگیر صفحہ ۱۱۶ جلد ۱ وغیرہا میں ہے ويوتر بجماعة فى رمضان فقط عليه اجماع المسلمين كذا فى التبيين۔ توآیتِ مذکورہ کی رو سے مطلقاً شامل ہونا جائز ہو گیا اور یونہی فقہائے کرام کی تصریحاتِ ادائے وتر باجماعت بھی مطلق ہی ہیں اور مطلق اپنے اطلاق سے تمام افراد کا حکم ثابت کر دیتا ہے۔ بلا دلیلِ خاص تخصیص کوئی فرد مخصوص نہیں ہو سکتا كما بين فى اسفار المذهب المهذب باتم بيان۔

تحریر المختار لرد المحتار صفحہ ۹۴ جلد ۱ میں جماعتِ وتر میں شامل ہونے کے بیان میں فرمایا فيعمل بعمومه حتى يوجد ما يقتضى تخصيصه۔ اور شامی علیہ الرحمہ نے قاعدہ عامہ کی صورت میں فرمایا ان جماعتهم مشروعة فله الدخول معهم لعدم المحذور۔ اور کبیری و صغیری میں بالخصوص تصریح جواز بھی ہے۔ صغیری کے یہ لفظ ہیں واذا لم يصل الفرض معه قيل لا يتبعه فيها وكذا اذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه فى الوتر۔ یعنی جس وقت فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے تو کہا گیا ہے کہ تراویح اور وتر بھی امام کے ساتھ نہ پڑھے" اس کو "قیل" کے ساتھ بیان کر کے ضعیف بتا کر فرماتے ہیں والصحيح انه يجوز ان يتبعه فى ذلك كله۔ یعنی صحیح یہ ہے کہ مقتدی ان دونوں صورتوں



ہی امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔"

اس عبارت سے مدعا صاف طور پر ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ امام کے ساتھ شامل نہ ہونے کا قول ضعیف و مردود ہے اور درالمختار میں تو وہ قطعاً ہے ہی نہیں اور شامی میں بھی قطعاً نہیں ہاں شامی میں قہستانی سے اتنا ہے اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر یعنی جب فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے تو وتر بھی نہ پڑھے" مگر خود شامی اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ تراویح بھی نہ پڑھے تو یہ حکم ہے اور اگر تراویح جماعت کے ساتھ پڑھ لے تو پھر وتر پڑھنے میں کراہت نہیں اگرچہ تراویح و وتر کا امام ایک نہ ہو و نصہ ینبغی ان یکون قول القہستانی معہ احترازا عن صلٰوتہا منفردا اما لو صلاھا جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ لا کراھۃ۔

بفضلہٖ وکرمہٖ تعالےٰ مسئلہ کی واضح تصریحیں موجود ہیں لہٰذا شامی علیہ الرحمۃ کی طرح قولِ قہستانی کی تاویل کرنی چاہئے اور یا حلبی علیہ الرحمۃ کی طرح ضعیف کہہ کے صحیح کے مقابلہ میں رد کیا جائے ورنہ بیچارے قہستانی میں یہ تاب و تواں کہاں کہ ایسی تصریحات کے مقابلہ میں اس کی بات قابلِ التفات بنے؟ علامہ شامی عقود الدریہ ص۳۵۶ جلد۲ میں فرماتے ہیں والقہستانی کجارف سیل و حاطب لیل بلکہ ردالمحتار ص۶۵ جلد۱ اور ثلاثین ص۱۳ جلد۱ میں تصریح فرماتے ہیں کہ قہستانی سے فتوٰے دینا جائز ہی نہیں جب تک کہ منقول عنہ کا علم نہ ہو۔ فرماتے ہیں لا یجوز الافتاء من ھذہ الکتب الا اذا علم المنقول عنہ الخ

تعجب تو یہ ہے کہ شامی علیہ الرحمۃ تو عبارتِ قہستانی کی تاویل فرمائیں اور حکمِ جواز بلا کراہت لگائیں مگر بعض حضرات ان کی طرف بھی نسبتِ عدمِ جوازِ شمول فرمائیں۔ یہ جواب نہایت مختصر ہے والتفصیل فی الفتاوی النوریۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

ایک نمازی نے عشاء کے فرض کی جماعت میں شمولیت نہیں کی اور دیر کے بعد آیا ہے جس کی وجہ سے اس کی بیس تراویح نہ پوری ہوئیں، بعد میں نمازِ وتر شروع ہوگئی۔ وہ وتر کی جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا کہ نہیں؛ تراویح باقی ماندہ وتر کی جماعت سے پہلے پڑھے یا باجماعت نمازِ وتر پڑھ کر تراویح پڑھے؟

مستفتی: میاں محمد رمضان از حجرہ شاہ مقیم

مورخہ ۲۶-۳-۵۹





جو نمازی فرضِ عشاء ادا کر چکا ہے اور تراویح بیس رکعتیں پوری نہ کیں تو وہ جماعتِ وتر میں شامل ہو سکتا ہے کسی دلیل شرعی سے اس کی ممانعت نہیں بلکہ قرآنِ کریم اور حدیثِ پاک سے جواز ثابت ہے کما سیأتی فی الجواب الثانی ان شاء اللہ تعالیٰ اور کتبِ فقہ حنفی سے بھی صاف صاف ثابت ہے نورالایضاح مطبوع مع الشرح ص۲۴۸ میں ہے یصح تقدیم الوتر علی التراویح فتاوٰے عالمگیر ص۱۶ جلد ا، خلاصۃ الفتاوٰے ص۶۳ جلد ا میں ہے و اذا فاتتہ ترویحۃ او ترویحتان فلو اشتغل بھا یفوتہ الوتر بالجماعۃ یشتغل بالوتر ثم یصلی ما فاتہ من التراویح و بہ کان یفتی الشیخ الامام الاستاذ ظھیرالدین۔ یعنی جب نمازی سے ایک ترویحہ (چار رکعت تراویح) یا دو ترویحے جماعت سے رہ جائیں۔ پس اگر وہ پورے کرنے لگے

توجماعتِ وتر سے رہتا ہے تو وہ وتر با جماعت پڑھ لے۔ بعدازاں رہے ہوئے تراویح پورے کرے۔ شیخ امام ظہیر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی فتویٰ تھا۔"

فتاوائے عالمگیر صا۱۱۶ جلد ا، طحطاوی صـ۲۴۹، بحر الرائق صـ۷ جلد ۲، تنویر، در، شامی صـ۶۶۳ میں ہے والنظم من الھندیۃ واذا صلی مع شیئا من التراویح اولم یدرک شیئا منھا او صلّٰھا مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معہ ھو الصحیح کذا فی القنیۃ۔

یعنی جس وقت امام معین کے ساتھ کچھ تراویح پڑھ لے یا کوئی تراویح بھی نہیں پڑھ سکا یا کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھ آیا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس امام معین کے ساتھ وتر پڑھ لے، یہی صحیح ہے

غنیۃ المستملی صـ۳۹۱ میں ہے وھو الصحیح ذکرہ ابو اللیث وکذا قال ظہیر الدین المرغینانی۔ یعنی یہی صحیح ہے حضرت امام ابو اللیث نے یہ ذکر فرمایا ہے اور یونہی حضرت ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا ہے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔"



اور جب جماعتِ وتر میں شامل ہو گیا تو باقی ماندہ تراویح فارغ ہو کر ہی پڑھے گا۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ تراویح کا وقت فرضِ عشاء کے بعد صبحِ صادق تک وتر کے پہلے اور پیچھے ہے۔ کنز الدقائق صـ۴۰، ملتقی الابحر صـ۱۳۶ جلد ا، بحر الرائق صـ۶۷ جلد ۲ میں ہے والنظم من الکنز بعد العشاء قبل الوتر و بعدہ، یہی صحیح ہے۔ تبیین الحقائق صـ۱۷۸ جلد ا، ہندیہ صـ۱۱۶ جلد ا، کفایہ صـ۴۰۸ جلد ا، قاضی خان صـ۱۱۰ میں ہے والنظم من الھندیۃ والصحیح ان وقتھا ما بعد العشاء الی طلوع الفجر قبل الوتر و بعدہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ صـ۴۰۸ جلد ا، در المختار، شامی صـ۶۵۹ جلد ا، عینی علی الکنز صـ۴۰ میں ہے والنظم من الھدایۃ والاصح ان وقتھا بعد العشاء الی اٰخر اللیل قبل الوتر و بعدہ۔

فیہ و غنیہ صـ۳۸۹ میں ہے وھو المختار کہ یہی پسندیدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

جونمازی فرضِ عشاء کی جماعت کے ساتھ فرض نہ پڑھے آیا وہ وتر کی جماعت کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟

مستفتی: محمد رمضان دوکاندار حجرہ شاہ مقیم ۵۹-۳-۲۶



جب امام حسبِ دستور جماعتِ فرضِ عشاء اور تراویح کرانے کے بعد وتر باجماعت پڑھانے لگے تو وہ نمازی جو فرضِ عشاء کی جماعت میں شامل نہیں ہو سکا اور اکیلا پڑھ چکا ہے جماعتِ وتر میں شامل ہو سکتا ہے۔ کسی آیت یا حدیث یا ہمارے کسی امام کے قول میں اس سے ممانعت نہیں آئی اور بلا ممانعتِ شرعی کوئی شے ممنوع نہیں ہو سکتی بلکہ ایسی جماعتِ وتر بالاجماع جائز و مشروع ہے اور جماعتِ مشروع میں شامل ہونا جبکہ کوئی دلیلِ خاص منع نہ کرے یقیناً جائز ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے واركعوا مع الراكعين یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ اور حدیثِ پاک میں ہے اذا اتيتم الصلوٰة فعليكم السكينة فما ادركتم فصلوا وما سبقكم فاتموا یعنی جس وقت جماعتِ نماز کے لئے آؤ تو آرام سے آؤ (یعنی دوڑ کر نہ آؤ) پس جس قدر امام کے ساتھ پالو پڑھ لو اور جس قدر رہ گئی وہ بعد میں پوری کر لو۔ (بخاری ص۸۸ جلد۱، مسلم ص۲۲۰ جلد۱ عن ابی قتادة مرفوعاً) علامہ نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں سواء فيه صلوٰة الجمعة وغيرها

عہ کما فی جمیع کتب المذہب متونا و شروحا و فتاوی و حواشی ۱۲ منہ غفرلہ

تو اس حکم میں جمعہ اور دوسری سب نمازیں برابر ہیں" نیز حدیث پاک میں ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ۔ یعنی امام شرعاً بنایا ہی اس لئے گیا اگر اسکی پیروی کی جائے (رواہ البخاری مرفوعا ۹۶/۹۵ جلدا ومسلم ص۱۷۷ جلدا عن ام المومنین الصدیقۃ بنت الصدیق وانس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

نیز جب حضرت سیدنا ذی النورین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال گیا کہ بلوائیوں کی جماعت نماز میں شامل ہوں یا نہ، تو کلیۃً فرمایا الصلوۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معہم "یعنی نماز لوگوں کے سب کاموں سے اچھی ہے تو جب لوگ اچھا کام کریں تو تم بھی شامل ہو جاؤ" (رواہ البخاری ص۹۶ جلد ا عن عبید اللہ بن عدی)

یہ آیت وحدیث اپنے عموم واطلاق سے سب نمازوں کی جماعتوں میں سب صورتوں میں جبکہ مشروع وجائز ہوں اجازتِ شمول دے رہی ہیں۔ یہیں سے علامہ شامی ص۶۶۳ جلدا میں فرماتے ہیں (ان جماعتہم مشروعۃ فلہ الدخول فیہا معہم لعدم المحذور۔ یعنی بے شک ان (جو پہلے فرض جماعت کے ساتھ پڑھ چکے ہیں) کی یہ (جماعتِ تراویح) جماعتِ مشروع ہے تو وہ (جو پہلی جماعت میں شامل نہیں ہو سکا) اس جماعت میں ان کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں کوئی خرابی نہیں۔

انہی آیت واحادیث کی اجازت سے جب ایک ہی نماز کی پہلی رکعت یا رکعتوں کے رہ جانے کی صورت میں دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں جماعت کے ساتھ شامل ہونا جائز ہے حالانکہ ایک نماز کی رکعتوں میں ترتیب نہایت ضروری ہوتی ہے تو دوسری یا تیسری نماز میں شامل ہونا کیوں نہ جائز ہوگا؟ لہذا تمام متون و شروح وفتاوٰے وحواشی مذہب مہذب میں مطلقاً ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں وتر با جماعت ادا کئے جائیں بلکہ ہدایہ، ہندیہ، بحر الرائق وغیرہا میں بالاجماع کی تصریح جلیل ہے اور یہی تقاضائے اطلاقاتِ عباراتِ ہندیہ وغیرہا سے جو جواب اول میں گزریں کہ جو ساری یا بعض تراویح جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکے وہ جماعتِ وتر میں مل سکتا ہے کہ یہ سب تصریحات اپنے اطلاق سے اکیلے فرض والے کو بھی شامل ہیں اور المطلق یجری



علیٰ اطلاقہ تو قاعدۂ متفقہ ہے ہی، تو ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح واضح و ہویدا ہوا کہ وہ شخص جماعت وتر میں شامل ہو سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوا کہ استدراکِ قہستانی و لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر کی کوئی وقعت ہی نہیں بلکہ اسکا استدراک بعد از تصحیح عبارتِ مذکورہ مجوزہ علے الاطلاق (کما نقلہ الشامی) ہی بتا رہا ہے کہ خود اس کی نظر میں بھی وہ اطلاقِ مفیدِ جواز ہے تب ہی تو تصحیح کے بعد "لکن" سے ضرورتِ استدراک محسوس کی مگر اتنے دلائلِ قاہرہ و باہرہ مذکورہ کے سامنے ایک استدراکِ بے دلیل اور وہ بھی قہستانی[عہ] جیسے غیر معتمد کا کیسے قابلِ التفات بن سکتا ہے؟ لہٰذا شامی علیہ الرحمۃ نے اس کی قطعاً کوئی تائید نہیں کی بلکہ نسبت الی القہستانی سے تضعیف فرمادی کہ شامی ان کے متعلق عقود الدریہ ص۳۵۶ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ ان سے فتوےٰ دینا جائز ہی نہیں۔ فرماتے ہیں لا یجوز الافتاء من ھذہ الکتب الا اذا علم المنقول عنہ۔

پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ قہستانی میں عدمِ جواز یا کراہتِ تحریمی کی تصریح نہیں بلکہ صرف "لا یتبعہ" ہی ہے حالانکہ ایسی عبارتیں فقہائے کرام کے کلام میں جائز بلکہ مستحب شے تک بھی موجود ہیں۔ دیکھئے نماز میں فاتحہ شریف کے بعد سورت کے اول میں بسم اللہ شریف کا پڑھنا یقیناً جائز بلکہ مستحب ہے مگر فقہائے کرام کی عبارات میں "لا یسمی" اور "لا یاتی" آیا ہے تو واضح ہوا کہ یہ عبارت عدمِ جواز یا کراہت کی نص نہیں (و التفصیل فی الفتاوی الرضویۃ ص۵۰۳۔۵۰۴ جلد ۳) تو اس کی وجہ سے آیت و حدیث و کتبِ مذہب کے اطلاقات جو مفیدِ جواز ہیں کیوں ترک کئے جائیں؟ پھر تعجب ہے کہ امام اہلسنت اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے احکامِ شریعت ص۱۷۹ جلد ۳ میں تصریح فرمادی کہ اس میں کراہتِ تحریم کی کوئی وجہ نہیں ظاہرا کراہتِ تنزیہ ہے تو اتنا شور کیوں برپا کیا جاتا ہے؟ اور عدمِ جواز کے فتوے دئے جاتے ہیں۔ رہی کراہتِ تنزیہ تو وہ بھی اعلیٰحضرت کے نزدیک بقولِ شامی ہی ہے حالانکہ شامی ہی تصریح کرتے ہیں جسے اعلیٰ حضرت بھی پسند کرتے ہیں کہ کراہتِ تنزیہ بھی دلیلِ خاص کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی اور وہ جواز کے خلاف بھی نہیں کما ھو مبین فی الشامیۃ والفتاوی[عہ] الرضویۃ تو معلوم

عہ فتاوٰے رضویہ ص۱۶۲ جلد ۱ میں ہے "کراہت کے لئے اگرچہ تنزیہی ضرور دلیل کی حاجت ہے"۔ نیز ص۲۵ جلد ۱ میں معلوم ان ترک المستحب لا یوجب کراھۃ التنزیہ کما حققہ فی البحر والشامیۃ وغیرھما ۱۲ منہ غفرلہ



ہوا کہ جس سے فرضِ عشاء کی جماعت رہ گئی اور اکیلے ادا کئے وہ جماعتِ وتر میں شامل ہو سکتا ہے اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ آیت وحدیث اور احکامِ فقہیہ کی پیروی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک شخص عشاء کے فرضوں کی جماعت سے رہ جاتا ہے پھر اکیلا فرض پڑھ کر نمازِ تراویح میں امام کے ساتھ شامل ہوجاتا ہے۔ چند رکعت تراویح بھی رہ جاتی ہیں، آیا وہ امام کے ساتھ نماز باجماعتِ وتر ادا کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اس کی مکمل نوعیت سے مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

آپ کا خادم: مولوی محمد حسین امام مسجد موضع قادر آباد



ہاں وتر باجماعت ادا کر سکتا ہے۔ قرآن کریم کے پہلے ہی پارے میں ہے واركعوا مع الراكعين یعنی نماز ادا کرنے والوں کے ساتھ نماز ادا کرو۔" اور یہی نماز باجماعت ادا کرنا ہے تو وتر باجماعت ادا کرنے والوں امام اور مقتدیوں کے ساتھ یہ بعد میں آنے والا بھی اس آیتِ پاک کے لحاظ سے اس جماعت میں شامل ہو سکتا ہے اور فقہائے کرام نے بھی یہ لکھا ہے۔ صغیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۲۱۱ میں ہے والصحيح انه يجوز ان يتبعه في ذلك

حـلہ یعنی جس نے فرض یا تراویح امام کے ساتھ ادا نہ کئے وہ امام کے ساتھ وتر ادا کر سکتا ہے۔ اور تفصیل فتاوےٰ نوریہ میں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۵ / ماہِ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ ۶۷-۱-۷

الاستفتاء

بخدمت جناب حضرتِ قبلہ فقیہِ اعظم ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی صاحب

جناب عرض یہ ہے، ایک شخص نے فرض کی نماز باجماعت نہیں پڑھی مگر تراویح جماعت کیساتھ ادا کی، آیا وہ شخص وتر کی نماز باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ آپ اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کتاب کا نام اور صفحہ بھی لکھ دیں تاکہ اگر کسی شخص کو ضرورت ہو کتاب منگوا کر دیکھ سکیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔ اس مسئلہ کا جواب مہربانی سے ماہِ رمضان شریف میں پہنچ جائے ضرور تاکید ہے۔

میرا پتہ: بمقام چک ۹۱/۱۴۷ ایل تحصیل و ضلع ساہیوال ڈاک خانہ چک ۹/۱۴۸ ایل بنگلا نائی والا

محمد عبداللہ قوم جٹ جویا کے جادے۔



ہاں وہ شخص بھی وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے قرآن کریم کے پہلے ہی پارے میں ہے "و ارکعوا مع الراکعین یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو"۔ اس آیت سے

نماز باجماعت پڑھنا ثابت ہے تو وتر باجماعت پڑھنے والوں کے ساتھ بھی وتر پڑھنا مطلقًا ثابت ہو گیا اور صغیری ص۲۱۰ میں ہے والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ فی ذلک کلہ۔ یعنی جس نے فرض یا تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھے وہ امام کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے، اور تفصیل فتاوٰی نوریہ میں ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ الاعظم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ ۶۷-۱-۴



الاستفتاء

(نوٹ، حضرت مولانا الحافظ القاری محمد رحمت علی صاحب المدنی نے والانامہ مدینہ طیبہ سے ارسال فرمایا جس میں سوالِ ذیل بھی تھا:۔

قبلہ ایک چیز دریافت کرنی ہے وہ یہ ہے کہ تحیۃ المسجد اور طہارت الوضو، ظہر یا عصر یا عشاء کی سنتوں میں اکٹھی نیت کر کے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی پڑھے چار اور نیت آٹھ کی کر لے اور پڑھے چار یا علیحدہ علیحدہ پڑھے اور وضو اور مسجد کے تو چار کی نیت سے دو پڑھ لے۔ شاید آپ نے ایک دفعہ فرمایا تھا اب ذرا اس کی وضاحت طلب ہے۔ کسی سے کوئی بات اور جھگڑا نہیں ہوا صرف اپنے فائدہ کے لئے پوچھتا ہوں کیونکہ یہاں تو بہت بڑا فائدہ تحیۃ المسجد اور طہارت الوضو پڑھنے میں ہے۔ فقیر تو مِلا کے پڑھ لیتا ہے مگر بعض لوگ علیحدہ پڑھتے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ شائد میں غلطی پر ہوں تو بہت بڑا نقصان ہے۔

سائل:

مولانا حافظ محمد رحمت علی صاحب المدنی

۲۶ جمادی الاخرٰی ۱۳۸۲ھ ۲۵/۱۰/۶۲

الجواب
اللهم اجعل لی النور والصواب

بلاشبہ نماز تحیۃ المسجد مامور بہا ہے حضرتِ ابوقتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے کہ بے شک رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس (رواہ مسلم ص۲۴۸ جلد۱) والاحادیث فی ھذا المعنی شھیرۃ مگر یہ امر جمہور کے نزدیک وجوب کے لئے نہیں۔ فتح الباری شرح بخاری ص۴۳۶ جلد۱، عینی علے البخاری ص۳۸۵ جلد۲ میں ہے و النظم لابن حجر علیہ الرحمۃ اتفق ائمۃ الفتوی علیٰ ان الامر فی ذلک للندب۔ تو تحیۃ المسجد واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ نووی علیہ الرحمۃ شرح مسلم ص۲۴۸ جلد۱ میں فرماتے ہیں سنۃ باجماع المسلمین۔ ہمارے سب فقہائے کرام معتمداتِ کتبِ مذہبیہ میں فرماتے ہیں کہ سنت ہے۔ شامی ص۶۳۵ جلد۱ میں ہے قد حکی الاجماع علیٰ سنیتھا۔ پھر یہ سنت بھی یوں مستقل سنت نہیں کہ اس کا علیحدہ بہ نیتِ سنت پڑھنا ضروری ہو یا صرف مطلق نماز کی نیت سے استقلالاً ضروری ہو بلکہ حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "رکعتین" کا حکم فرمایا ہے اور "رکعتین" نکرہ ہے تو ہر وہ نماز جو دو رکعت پر مشتمل ہو فرض ہو یا سنت، ادا ہو یا قضا، اس کے پڑھنے سے "رکعتین" کا پڑھنا صادق آجائے گا اور تعمیلِ ارشاد ہوجائے گی اگرچہ تحیۃ المسجد کی بھی نیت نہ کرے۔ نووی شرح صحیح مسلم قسطلانی شرح بخاری ص۵۰۶ جلد۱ میں ہے و النظم للنووی و لا یشترط ان ینوی التحیۃ بل تکفیہ رکعتان من فرض او سنۃ راتبۃ وغیرھا۔ کتاب الفقہ علے المذاہب الاربعہ ص۳۴۵ جلد۱ میں ہے و ینوب عن تحیۃ المسجد عـہ

عـہ الاشباہ والنظائر ص۱۵۴ قاعدہ ثامنہ میں ہے لو دخل المسجد وصلی الفرض او الراتبۃ دخلت فیہ التحیۃ ۱۲ منہ غفرلہٗ



مطلق صلوٰۃ ذات رکوع و سجود یصلیہا عند دخولہ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۱۹۸ جلد۲ میں ہے تحیۃ المسجد او ما یقوم مقامہما من صلوٰۃ فرض او سنۃ۔ بحر الرائق ص۳۶ جلد۲، طحطاوی، مراقی الفلاح، نور الایضاح ص۲۳۷، شامی، در المختار، تنویر الابصار ص۶۳۵ جلد۱ وغیرہا میں ہے و النظم من البحر وقد قالوا ان کل صلوٰۃ صلاہا عند دخولہ فرضا او سنۃ فانہا تقوم مقام التحیۃ بلا نیۃ کما فی البدائع وغیرہ۔ نیز اس کی ایک وجہ محققینِ عظام نے یہ بیان فرمائی کہ تحیۃ المسجد سے مطلوب تعظیمِ مسجد ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی مسجد کے رب جل وعلا کی وہ خاص عبادت ادا کی جائے جس کے لئے مسجد بنائی گئی۔ نووی، شامی اور صاحبِ بحر الرائق، صاحبِ نور الایضاح وغیرہم حضرات نے اپنے اپنے انداز میں اس کو بیان فرمایا مگر مجھے حضرتِ امامِ غزالی کے وہ کلمات بہت پسند ہیں جو احیاء العلوم ص۲۱۱ جلد۱ میں فرماتے وان اشتغل بفرض او قضاء تأدی بہ التحیۃ وحصل الفضل اذ المقصود ان لا یخلو ابتداء دخولہ عن العبادۃ الخاصۃ بالمسجد قیاما بحق المسجد۔ تو جب ہر نماز ادا کرنے کے ساتھ بلا نیتِ تحیۃ المسجد ادا ہو جاتا ہے تو اگر اس نماز کی نیت کے ساتھ تحیۃ المسجد کی نیت بھی کرلے تو بطریقِ اولیٰ ادا ہو جائے گا۔ امام نووی اور قسطلانی فرماتے ہیں و النظم للقسطلانی وتحصل بفرض او بنفل اخر سواء نویت معہ ام لا لان المقصود وجود صلوٰۃ قبل الجلوس و قد وجدت بما ذکر و لا یضرہ نیۃ التحیۃ لانہا سنۃ غیر مقصودۃ بخلاف نیۃ فرض وسنۃ مقصودۃ فلا تصح۔ شامی میں ہے لان الفریضۃ اذا قامت مقام التحیۃ وحصل المقصود بہا لم تبق التحیۃ مطلوبۃ لان المقصود تعظیم[1] المسجد بای صلوٰۃ کانت ولا یؤمر



---

[1] اقول اس تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ اسے مطلقاً مستقل امر ہے ... فنیۃ التحیۃ بمعنی التعظیم لا تضر ۱۲ منہ غفرلہ

بتحیۃ مستقلۃ الا اذا دخل لغیر الصلٰوۃ کما نوی حینئذ فاذا نواہما مع الفریضۃ یکون قد نوی ما تضمنتہ الفریضۃ وسقط بہا فلم یکن تاویًا جنسًا اٰخر۔ اور جب فرض میں جائز ہے حالانکہ فرض کے لئے نیتِ فرض ضروری ہے تو سنتوں میں بطریقِ اولٰی جائز ہوگی کہ سنت کے لئے نیتِ سنت ضروری نہیں بلکہ مطلق نماز کی نیت ہی کافی ہے کما فی الفتح والغنیۃ والدر وغیرہا اور پھر سنت بھی سنت اور یہ بھی سنت۔ بہرحال فرض اور سنت ادا کرتے وقت ساتھ ہی تحیۃ المسجد کی بھی نیت کرسکتا ہے اور مثلاً قبل الفجر دو رکعت پڑھنے سے سنۃ الفجر اور تحیۃ المسجد دونوں ادا ہوجائیں گے۔

اور فقیر کی نظرِ قاصر میں بفضلہٖ وکرمہٖ تعالٰی یہ ہے کہ فرض یا واجب یا سنت کی نیت کرتے ہوئے اتنا ارادہ کرلینا کہ اس فرض یا واجب یا سنت کی ادائیگی کے ساتھ محبوب پیارے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو "رکعتین" نکرہ کی طلب فرمائی ہے وہ بھی ادا کر رہا ہوں، صرف مختصر سا تصور کافی ہے اور بفضلہٖ وکرمہٖ تعالٰی قطعاً ایسا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا جو شامی علیہ الرحمۃ کی نظر میں آیا اور اس کا جواب دیا۔ فرق یہ ہے کہ وہ نیتِ فرض کے ساتھ نیتِ تحیۃ المسجد سنت کے متعلق فرماتے ہیں اور فقیر نے حسبِ ارشادِ حدیثِ پاک "رکعتین" کی نیت رکھی اور ان "رکعتین" کا سنت ہونا ضروری نہیں بلکہ فرض، واجب، سنت سب کی رکعتین پر "رکعتین" سچا آرہا ہے یعنی یہ نماز کوئی علیحدہ نماز نہیں ہوگی بلکہ وہی فرض یا واجب یا سنت ہی یہ نماز بھی بن جائیں گے دو رکعتوں کے لحاظ سے۔ قسطلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں فان صلی اکثر من رکعتین بتسلیمۃ واحدۃ جاز وکانت کلہا تحیۃ لاشتمالہا علی الرکعتین[عہ] وتحصل بفرض

[عہ] اور وہ جو فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ سنت ہے اس کا یہ مطلب کہ جب تحیۃ المسجد من حیث ہی ہی ہو یعنی کسی اور نماز فرض یا سنت کے ضمن میں ادا نہ کرے بلکہ استقلالاً پڑھے کہ فرض و سنت کا وقت ہی نہیں، یا پڑھ کر داخل ہوا تو وہ سنت ہے ورنہ مطلقاً سنت ہے" منہ غفرلہ [عہ] اللام للعہد تشیر الی رکعتین نکرۃ التی طلبہما منا محبوبنا الاکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ غفرلہ



او نفل الخ۔ یعنی اس فرض، واجب وغیرہ کی سب رکعتیں ہی تحیۃ المسجد بھی بن جاتی ہیں، یہ اس لئے کہ حدیثِ پاک میں "حتی یصلی رکعتین" فرمایا ہے تو یہ کم کی حد ہے یعنی تحیۃ المسجد رکعتین سے کم نہیں ہو سکتا کہ صرف ایک رکعت، نماز نہیں اور زیادتی کی جانب میں حد نہیں کہ تین یا چار تحیۃ المسجد نہ بن سکیں۔ فتح الباری ص۴۲۶ جلد۱، عینی علی البخاری ص۳۸۵ جلد۲ میں ہے والنظم لہ و لا یتادّٰی ھٰذا باقل من رکعتین لان ھٰذا العدد لا مفہوم لاکثرہ و اختلف فی اقلہ و الصحیح اعتبارہ۔

بہرحال داخلِ مسجد جو نماز بھی پہلے پڑھے اس سے تحیۃ المسجد ادا ہو جاتا ہے نیت کرے یا نہ، مگر ظاہر یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کی ادائیگی کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ اگر نیتِ تحیۃ المسجد کرے تو اس حدیث پاک پر بھی عمل کا ثواب ملے گا اور اگر نیت نہ کرے تو فقط نماز کا ثواب ہوگا اور اس حدیث پر عمل کا ثواب نہیں ہوگا کیونکہ حدیثِ صحیح میں ہے انما الاعمال بالنیات اور یہ بھی ہے انما لامرئ ما نوی۔ شامی ص۶۳۶ جلد۱ میں ابنِ حجر علیہ الرحمۃ سے مع التقریر ہے یسقط طلبہا بذلک اما حصول ثوابہ فالوجہ توقفہ علی النیۃ لحدیث انما الاعمال بالنیات۔ کتاب الفقہ ص۲۴۵ جلد۱ میں ہے و یحصل ثوابہا ان نواہا مع تلک الصلوٰۃ و الا فلا۔

رہا یہ سوال کہ تحیۃ المسجد صلوٰۃِ مسنونہ ہے تو ادائے فرض سے کس طرح ادا ہو گی تو اس[ع] کی وجہ بیان ہو چکی

ع قال مولانا العلی القاری علیہ رحمۃ اللہ الباری فی شرح الحصن الحصین ص۲۲۶ فی شرح "حتی یصلی رکعتین" (من حدیث صلوٰۃ تحیۃ المسجد) اما فرضا اداءً او قضاء او سنۃ او نفلا ولیس للمسجد صلوٰۃ علی حدۃ تسمی تحیۃ المسجد علی ما یتوہمہ العامۃ بل المقصود انہ لا یقع دخولہ عبثا فی المسجد و لہذا لو توضأ فی بیتہ و دخل المسجد فصلی رکعتین سنۃ الفجر مثلاً فقد اتی بشکر الوضوء و تحیۃ المسجد و اداء سنۃ الصبح فلو کان وقت المکروہ التنزیہی فلیصل قضاء ان کان علیہ و الا فلیقل سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر عملا بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا و ایضا قد قال فی المرقات ص۳۲۵ جلد۱ فی کتاب الطہارۃ لو صلی عقب الوضوء فریضۃ حصلت لہ ہذہ الفضیلۃ کما تحصل تحیۃ المسجد بذلک ۱۲

ابو الخیر النعیمی غفر لہ۔ ۳۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ

اور اس کی کئی نظیریں ہیں کہ سنت فرض کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے۔ زید بھوک سے جاں بلب تھا اور سحری کے وقت اسے کھانا ملا، حفظِ جان کے لئے یہ کھانا اس پر فرض ہے اور سحری سنت ہے تو اگر دونوں کی نیت کرلے تو فرض کے ساتھ سنت بھی ادا ہو جائے گی الیٰ غیر ذٰلک من نظائر۔

تنبیہ

اگر ایسے وقت مسجد میں جائے کہ مطلق نماز ممنوع ہے یا صرف نفلی نماز ممنوع ہے مگر فرض پڑھ چکا یا جماعت کی انتظار ہے اور دیر ہے یا بے وضو ہو گیا یا ظالم نے ممانعت کردی تو اس وقت بوجہ عذرِ شرعی تحیۃ المسجد ساقط ہے تو مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ تسبیح اور کلمہ شریف اور درود پاک پڑھے تو حقِ مسجد ادا ہو جاتا ہے۔ شامی میں ہے اذا دخل فیہ بعد الفجر او العصر فانہ یسبح و یھلل و یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ حینئذٍ یؤدی حق المسجد۔ طحطاوی علی المراقی ص۲۳۶ میں عبارتِ سابقہ کے بعد ہے وفی الدر عن الضیاء عن القوت من لم یتمکن منھا لحدث او غیرہ یقول کلمات التسبیح الاربع اربعا اھ وھی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ مرقات ص۱۹۸، ص۱۹۹ جلد۲ میں ہے و من دخلہ وقت کراھۃ الصلوۃ او و ھو محدث قال اربع مرات سبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر زاد بعضھم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم فقد روی عن بعض السلف ان ذٰلک یعدل رکعتین فی الفضل و یؤیدہ ما صح عن جابر ابن زید الامام الکبیر التابعی انہ قال اذا دخلت المسجد فصل فیہ فان لم تصل فاذکر اللہ فکانک قد صلیت۔ اور جب تحیۃ المسجد فرض، واجب، سنت کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے تو نمازِ شکر الوضو



بطریقِ اولیٰ ادا ہو جائے گی کیونکہ وہ مسنون ہے اور صحیح حدیثوں میں اس کا حکم آیا ہے، اور جب وہ تبعاً ادا ہو جاتی ہے تو یہ بطریقِ اولیٰ ادا ہو جائے گی کہ یہ نماز مستحب ہے کما صرح بہ الفقہاء الکرام، اور اس کا حکم کسی حدیث میں فقیر کی نظرِ قاصر میں نہیں آیا بلکہ احادیثِ مبارکہ میں صرف ترغیب آئی ہے یعنی شوق دلایا گیا ہے مگر حکم نہیں فرمایا اور رہے بھی تحیۃ المسجد کیطرح صلوٰۃِ غیر مستقلہ، بلکہ اس کی حدیثوں میں صراحۃً بعد الوضوء نمازِ فرض کا ذکر بھی آیا ہے۔ صحیح مسلم ص۱۲۲ جلد امیں حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیثِ مرفوع ہے من توضأ للصلوٰۃ فاسبغ الوضوء ثم مشی الی الصلوٰۃ المکتوبۃ فصلاها مع الناس او مع الجماعۃ او فی المسجد غفر اللہ لہ ذنوبہ۔ نیز اسی صفحہ میں انہی کی دوسری حدیث مرفوع میں ہے ما من مسلم یتطہر فیتم الطهور الذی کتب اللہ علیہ فیصلی هذہ الصلوات الخمس الا کانت کفارات لما بینهن۔ طحطاوی علی المراقی ص۲۳۷، مرقات شرح مشکوٰۃ ص۳۲۵، ص۳۲۶ جلد امیں ہے لو صلی عقب الوضوء فریضۃ حصلت لہ هذہ الفضیلۃ کما تحصل تحیۃ المسجد بذلک۔ شامی ص۶۳۹ جلد امیں ہے وانظر هل تنوب عنها ای رکعتین بعد الوضوء صلوٰۃ غیرها کالتحیۃ ام لا ثم رأیت فی شرح لباب المناسک ان رکعتی الاحرام سنۃ مستقلۃ کصلوٰۃ استخارۃ وغیرهما مما لا تنوب الفریضۃ منابها بخلاف تحیۃ المسجد و شکر الوضوء فانہ لیس لهما صلوٰۃ

عہ بلکہ کنز العمال ص۔ جلد۵ میں حضرتِ ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے برمزِ مسند امام احمد بن حنبل حدیثِ وضو میں ہے فاذا قام الی الصلوٰۃ ملعد اللہ عز وجل بها درجۃ وان قعد قعد سالما ۱۲ منہ غفرلہ



علحدة كما حقق فى الحجة۔ اور فرض کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے تو
سنت کے ساتھ بطریق اولیٰ ادا ہو جائے گی کما هو فى التحية۔ اور اس کی وضاحت
حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث متعلق نمازِ شکر الوضوء میں بھی ہے۔ قسطلانی شرح بخاری صفحہ ۳۰
جلد ۲ میں حدیثِ بخاری کے کلمات الاصليت بذلك الطهور ما كتب
لى ان اصلى کی شرح میں ہے اى ما قدر على اعم من النوافل
و الفرائض۔ اور یہیں سے واضح ہو گیا کہ اگر تحیۃ المسجد کے ساتھ شکر الوضوء کی نیت بھی کرے
اور دو رکعت پڑھے تو یقیناً جائز ہے اور دونوں نمازیں ادا ہو جائیں گی اور دونوں کا ثواب ملے گا
بلکہ اگر شکر الوضوء کی نیت نہ بھی کرے تب بھی وہ ثواب جس کا احادیثِ مبارکہ میں ذکر ہے، ضرور
مرتب ہو جائے گا کہ اس ثواب کا نماز پر مرتب ہونا محبوبِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے
حالانکہ ان کا فرمانا "کن" کے حکم میں ہے اور اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ ہاں نیت کرنے سے عمل بالاحادیث
کا ثواب اور زیادہ بڑھ جائے گا۔



الحاصل وضوء یا غسل یا تیمم کرنے والا جب مسجد میں داخل ہو اور فرض نماز یا واجب ادا کرے یا قضاء
پڑھے یا سنت یا نفل پڑھے تو نمازِ شکر الوضوء اور تحیۃ المسجد ساتھ ہی ادا ہو جائیں گی ہاں عمل بالاحادیث کا ثواب
نیت پر موقوف ہے۔ نیت تحیۃ اور شکر کی کرے تو ثواب بڑھ جائے گا۔ اور یہ اللہ رب العالمین کے فضلِ عمیم
بجاہ الحبیب الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے کچھ بعید نہیں كمثل حبة انبتت سبع
سنابل فى كل سنبلة مائة حبة ۰ والله يضاعف لمن
يشاء ۰ والله واسع عليم ۰ اور اگر مسجد میں داخل ہونے والا کوئی فرض، واجب وغیرہ
نہیں پڑھتا کہ وقت ہی مثلاً فرض وغیرہ کا نہیں یا ادا کر چکا ہے تو تحیۃ المسجد استقلالاً کم از کم دو رکعت
پڑھے اور شکر الوضوء ساتھ ہی ادا ہو جائے گا مگر نیت کرے تو بہتر کہ ثواب بڑھ جائے گا۔ اور اگر
وقت مکروہ ہے تو ظاہر یہ ہے کہ جس طرح درودِ پاک اور تسبیح تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جاتے ہیں یونہی
شکر الوضوء کے قائم مقام بھی ہو جائیں گے۔ مرقاۃ سے حضرتِ جابر بن زید تابعی کا قول گزر چکا فان
لم تصل فاذكر الله كانك قد صليت تو ذکر اللہ کو صلوٰۃ کا حکم دے رہے

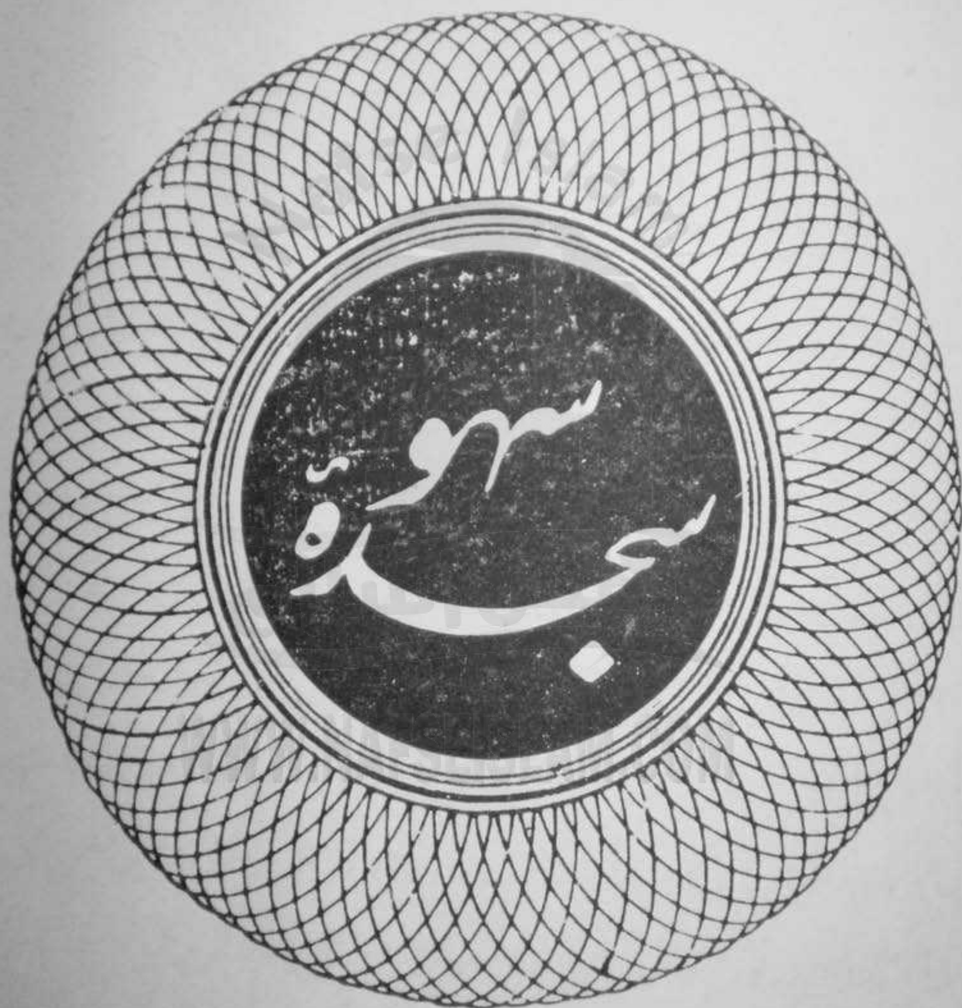
ہیں۔ نیز یہ بھی احادیثِ مسلم سے واضح ہو چکا کہ وضوء کے ماسوا غسل و تیمم کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ بھی تطہر ہیں۔ شامی ۶۳۹ جلد اہیں ہے ومثل الوضوء الغسل کما نقلہ عن الشرنبلالی اور تیمم بھی طہارت ہے خصوصاً ہمارے نزدیک تو طہارتِ کاملہ ہے۔ اور اگر مسجد میں داخل ہونیوالا نمازِ شکرِ طہارت ادا کر کے داخل ہوا ہے تو تحیۃ المسجد کے لئے پھر بھی وہ سب صورتیں ہیں جو مذکور ہوئیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعلم الاکرم واصحابہ واحبابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ جمادی الاخری ۱۳۸۲ھ ۱۱/۶۲




سجدۂ سہو

بَابُ سُجُدَةِ السَّهْوِ

الاستفتاء

نمبرا: عید الفطر کی نماز میں امام صاحب (مولوی حضرت عبد العزیز صاحب) دوسری رکعت میں تکبیریں (تین تکبیریں) کہنا بھول گئے اور اسی طرح نماز ختم کر کے خطبہ پڑھنے لگے تو لوگوں نے عرض کیا کہ واجب تکبیریں نہیں کہی گئیں اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا تو کیا نماز ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نماز جمعہ وعیدین میں سجدہ سہو نہیں ہوتا اس لئے نماز ہو گئی ہے۔ رسالہ رکن دین میں مولوی رکن دین صاحب نے بحوالہ فتویٰ دے کر تحریر فرمایا ہے کہ اگر تکبیریں رہ جائیں تو لازمی ہیں کہ تکبیریں رکوع میں کہی جائیں۔ دوسری جگہ مذکورہ رسالہ میں "باب سہو" میں تحریر فرمایا کہ عیدین کی نماز میں اگر تکبیریں کم یا زیادہ وغیرہ ہو جائیں تو بھی سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔ پھر اخبار امروز میں عید کے مسائل میں بھی تحریر تھا کہ اگر تکبیریں رہ جائیں تو تکبیریں کہہ لی جائیں لیکن رکوع سے لوٹ کر تکبیریں نہ کہیں اور دونوں حالتوں میں سجدۂ سہو بکثرتِ اژدہام نہ کریں۔

آپ ارشاد فرمائیں کہ اس کے بارہ میں شریعتِ پاک کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اگر یہ درست ہو کہ تکبیریں رکوع میں پوری کر لینے یا رکوع سے لوٹ کر تکبیریں پوری کر لینے سے سجدۂ سہو نہیں ہوتا مگر جب تکبیریں پوری ہی نہ کی جائیں۔

نمبر۲: دعاء قنوت میں جو وعدہ اللہ تعالیٰ سے کیا جاتا ہے کہ الٰہی جو تیری نافرمانی کرتا ہے اسے چھوڑ دیں گے اس حالت میں اگر روزے نہ رکھنے والوں اور نماز نہ پڑھنے والوں سے قطع تعلق نہ کریں

توحکم کی خلاف ورزی میں شمار ہوتا ہے کہ نہیں ! ارشادِ گرامی تحریر فرما کر ارسال فرمائیں ۔

السائل : صوفی رحمت علی صاحب نوری کلرک این ۔ ای ۔ سی

بورلیوالہ ضلع ملتان



۱ بلاشک وشبہ وگنجائش ریب نمازِ جمعہ وعیدین میں ترکِ واجب سے سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے ۔ تنویرالابصار مطبوع مع الشامی ص۷۰۵ جلد۱ ، اور فتاوٰی ہندیہ ص۶۶ جلد۱ میں ہے السھو فی الجمعۃ والعیدین والمکتوبۃ والتطوع واحد ۔ ہمارے ائمہ متقدمین کا متفقہ فیصلہ یہی ہے مگر متاخرین مشائخ نے جمعہ وعیدین کے بہت بڑے اجتماعات میں عوام کی پریشانی کی بناء پر سجدۂ سہو کے ترک کی اجازت دے دی ہے ۔ بحرالرائق ص۱۵۴ جلد۲ ، نورالایضاح ، مراقی الفلاح ، حاشیہ طحطاوی ص۲۷۹ ، درالمختار ، شامی ص۷۰۵ جلد۱ ، ہندیہ ص۶۶ جلد۱ میں ہے والنظم من الدر والمختار عند المتأخرین عدمہ ۔ شامی میں ہے لیس المراد عدم جوازہ بل اولی ترکہ نیز شامی وطحطاوی نے فرمایا ان عدم السجود مقید بما اذا حضر جمع کثیر ۔ اور جب بڑے اجتماع نہ ہوں تو سجدۂ سہو ضرور ادا کیا جائے کہ تلافی نقصان (بوجہ ترکِ واجب یا واجبات) ہوجائے ، اور اصل بھی یہی ہے اور چونکہ کم اجتماع کی صورت میں تشویشِ عوام جو مبنائے ترکِ اجازت تھی ، نہیں پائی جاتی لہٰذا اجازتِ ترک بھی نہیں رہے گی ۔ شامی وطحطاوی میں ہے والنظم للطحطاوی اما اذا لم یحضروا (ای جمع کثیر) فالظاھر السجود لعدم الداعی الی الترک وھو التشویش ۔ بلکہ عقلِ سلیم سے کام لیا جائے تو چونکہ ہمارے زمانہ میں ترکِ سجدۂ سہو کی صورت میں تشویش پائی جاتی ہے اور عوام حیران وششدر رہ جاتے

ہیں کہ باوجود یکہ تکبیراتِ واجبہ رہ گئیں اور سجدہ سہو بھی نہ کیا گیا تو نماز کیسے پوری ہوئی، تو انصاف دہی تشویش عوام جو متأخرینِ کرام کے وقت میں وجہِ ترکِ سجدہ تھی اب وجہِ اداءِ سجدہ بن گئی ہے حالانکہ اصل بھی یہی ہے، تو سجدہ ضرور ادا کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ اصل اور کامل چھوڑنا تو یہ ہے کہ بالکل قطع تعلق کیا جائے مگر بوقتِ ضرورت و مجبوری صرف دلی طور پر قطع تعلق بھی کافی ہے جب کہ میل جول بقدرِ ضرورت صرف ظاہر تک محدود رہے۔ قرآنِ کریم میں ہے الا ان تتقوا منھم تقٰۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ واٰلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۵ ذلقعدۃ المبارکہ ۱۳۷۵ھ بروز جمعرات

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اگر امام ہو یا تنہا نماز پڑھ رہا ہو الحمد کے بعد بھول کر نہ کوئی سورت پڑھے اور نہ تین آیتیں خورد اور نہ ایک طویل آیت پڑھے، کیا اس کی نماز جائز ہو جائے گی؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوگی بوجہ ترکِ فرضِ قرارت اور الحمد کے پڑھنے سے فرضِ قرارت ادا نہیں ہوگا کہ الحمد عند الاحناف واجبات سے ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: سید وزیر علی شاہ بسنت پورہ ضلع منٹگمری



بلاشک و شبہ و گنجائش ریب مذہبِ حنفی میں سہواً سورت اور آیتوں کے چھوڑنے کی صورت

میں نماز جائز ہوگئی البتہ سجدۂ سہو واجب ہوگا کہ ترکِ واجب پایا گیا۔ فتح القدیر صفحہ ۴۳۸ جلد ۱، بحرالرائق صفحہ ۹۰ جلد ۲، فتاوٰی عالمگیر صفحہ ۶۵ جلد ۱ میں ہے و النظم من الھندیۃ ولو قرأ الفاتحۃ وحدھا و ترك السورۃ یجب علیہ سجود السھو وکذا لو قرأ اکثر الفاتحۃ آیۃ قصیرۃ کذا فی التبیین۔

باقی مولوی صاحب کا فرمانا کہ فرضِ قرأت ادا نہ ہوا یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ فرضِ قرأت صرف کسی ایک آیت کا پڑھنا ہے جو فاتحہ شریف کی آیت ہو یا کسی دوسری سورت کی، رہا ان کا یہ کہنا کہ الحمد شریف کا پڑھنا واجب ہے تو یہ دلیلِ عدمِ ادائیگیٔ فرض نہیں بلکہ اس واجب کے ضمن میں فرض ادا ہو جائیگا کہ مطلق آیت کا اطلاق یقیناً سب کو شامل ہے ورنہ اگر فاتحہ شریف کے ساتھ سورت بھی ملا کر پڑھے تو مولوی صاحب کی دلیل سے پھر بھی یہی ثابت ہوگا کہ نماز نہ ہوئی کہ ہمارے مذہب میں سورت کا پڑھنا بھی واجب ہی ہے حالانکہ اس صورت میں مولوی صاحب بھی ضرور ہی جائز کہتے ہونگے ورنہ جوازِ نماز کی ایسی صورت ذکر فرمائیں کہ فاتحہ و سورتِ واجبہ پڑھنے کے ساتھ فرضِ قرأت علٰحدہ ادا ہو ولا یقول بہ احد من اولی المتون والشروح والحواشی والفتاوٰی و من ادعی الخلاف فعلیہ البیان۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۷ شوال المکرم ۱۳۷۵ بروز جمعرات



الاستفتاء

جنابِ چشمۂ نورمآب حضرت مولانا مولوی محمد نوراللہ صاحب سلامت باشد

مخدوم و محترم السلام علیکم ورحمۃ و برکاتہ:۔ مزاج شریف! آپ کی حضرتِ عالیہ میں حاملِ رقعہ ہذا شرف الدین

بیجا ہے مندرجہ ذیل مسئلہ حل کر دیں ۔ مشکور ہوں گا ۔

نمبرا : جماعت ہونے پر امام کو شبہ گزر گیا اس نے ایک طرف سلام کہہ دیا ۔

نمبر۲ : ایک شخص نماز گزار رہا تھا اس کو سجدہ کا شبہ ہو گیا ۔ اس کی نماز ایک طرف سلام کہنے سے ہو سکتی ہے یا دونوں طرف سلام کہنے سے ہو سکتی ہے ۔ مسمیٰ قطب الدین و حاجی جان محمد کی زبانی معلوم ہوا کہ جس شخص نے ہر دو طرف سلام کہہ دیا اس کی نماز نہیں ہو سکتی ، سامنا سجدہ کی بابت آپ مکمل مسئلہ حل کر دیں والسلام ۔

السائل : حاجی اللہ دین سکنہ مہر دک ضلع منٹگمری



وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :

مذہب امام اعظم علیہ الرحمۃ میں سلام کے بعد سجدہ سہو کیا جائے ۔ فقہائے کرام اور مشائخ عظام کا اختلاف ہے کہ سلام سے ایک سلام مراد ہے یا دو ۔ بہت سے حضرات فرماتے ہیں ایک کے بعد کرے اور بہت سے فرماتے ہیں دو کے بعد ، لہٰذا یہ تو نہ کہنا چاہیئے کہ دو سلام کہہ دے تو نماز نہیں ہو سکتی ۔ ہاں بہتر اور افضل ایک سلام ہے ۔ فتاویٰ شامی ص۶۹۱ جلدا ، فتاویٰ عالمگیر ص۶۵ جلدا میں ہے والنظم من الهندية

ویأتی بتسلیمتین هو الصحیح کذا فی الهدایة والصواب ان یسلم تسلیمة واحدة وعلیه الجمهور والیه اشار فی الاصل کذا فی الکافی ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارك وسلم ۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶ ر ذی القعدۃ ۱۳۷۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید امام ہے اس نے قرأت قرآن مجید کی پہلی رکعت میں چار آیت کا مقدار پڑھ کر بھول گیا اور مقتدی نے لقمہ بھی دیا لیکن لقمہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا اور ایک آیت سہواً چھوڑ گیا۔ بعدہٗ ایک آیت پڑھ کر رکوع کر دیا اور سجدۂ سہو بھی ادا نہیں کیا۔ کیا سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اور نماز کا اعادہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ جواب صحیح مدلل بحوالہ صفحہ فرما دیں۔ بینوا توجروا۔

السائل : احقر العباد بشیر احمد عفی اللہ عنہ از ملکہ ہانس





سائل نے وضاحت نہیں کی مگر ظاہر یہ ہے کہ سورتِ فاتحہ پوری کر کے چار آیت کا مقدار پڑھنے کے بعد بھولا اور ٹھہرا پھر سہواً ایک آیت چھوڑ کر اگلی آیت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا اور وہ نماز بھی عشا یا فجر تھی۔ ایسی صورتوں میں سجدۂ سہو قطعاً واجب نہیں ہوتا کہ کوئی واجب ترک نہیں ہوا حالانکہ سجدۂ سہو ترکِ واجب سے ہی واجب ہوتا ہے۔ فتاوٰے عالمگیر ص۶۵ جلد ا وغیرہا کتبِ معتبرہ میں ہے ولا یجب السجود الا بترک واجب او تاخیرہ (الی ان قالوا) وفی الحقیقۃ وجوبہ بشیئ واحد وھو ترک الواجب کذا فی الکافی۔ اور امام کا دوسری آیت پڑھنا بھی ناجائز نہیں بلکہ ایسی بھول کی صورت میں یہی لائق ہے کہ جو آیت یاد نہیں آتی چھوڑ کر دوسری آیت شروع کر دے یا رکوع کر دے۔ مبسوط ص۱۹۴ جلد ا، بدائع صنائع ص۲۳۶ جلد ا، فتاوٰے قاضی خان ص۶۶ جلد ا، خلاصۃ الفتاوٰے ص۱۲۱ جلد ا، فتاوٰے ہندیہ ص۵۲ جلد ا، تبیین الحقائق ص۱۵۷ جلد ا، بحر الرائق ص۶ جلد ۲، مجمع الانہر ص۱۱۹ جلد ا، ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ ص۳۴۹ جلد ا، غنیۃ المستملی ص۴۱۷

ص۲۱۰، شامی ص۵۸۲ جلد۱، طحطاوی علی المراقی ص۲۰۱ وغیرہا میں ہے والنظم لشمس الائمة السرخسی علیہ الرحمۃ بل یرکع او یتجاوز الی آیۃ او سورۃ اخری (والانتقال الی سورۃ اخری ایضاً انتقال الی آیۃ اخری لکن من غیر سورۃ الآیۃ الاولی کما لا یخفیٰ) بلکہ اس کا جواز ایسا واضح و مضبوط ہے کہ بعض مشائخ کے نزدیک تو اس وقت لقمہ دینا مفسدِ نماز ہے علی التفصیل گو تحقیق یہ ہے کہ مفسد نہیں۔ اکثر کتبِ مذکورہ میں ہے والنظم من البحر لوفتح علی امامہ بعد ما انتقل الی آیۃ اخری الخ اور یونہی اس کا رکوع کرنا بھی جائز ہے کہ قدرِ ضرورت سے زیادہ پڑھ چکا ہے تو اعادہ نماز کی بھی ضرورت نہیں، نماز بلا کراہت درست ہوگئی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۱۳/ شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

حضرتِ محترم دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، مزاجِ گرامی۔ المرام آنکہ چند صورتیں درپیش ہیں ان کے بارے میں اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیے:۔

نمبر۱: چوپائے مثلاً بھیڑ کے ساتھ وطی کے اثبات کے لئے آیا چار گواہ ضروری ہیں یا کہ دو ہی کافی ہیں؟ اور کیا یہ فعل ایک گواہ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے؟ اور اگر کسی جنگل میں کوئی ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کے اس فعل کو دیکھ کر چیخے چلائے اور ادھر سے چند آدمی آجائیں اور آنے والوں نے بعینہٖ فعلِ مذکور نہ دیکھا ہو تو کیا ان کی

شہادت بھی معتبر ہو سکتی ہے؟

نمبر۲ : امام نماز کی دوسری رکعت میں جہری نماز کے اندر بھول کر قرارت آہستہ کرے اور پھر یاد آجانے پر شروع فاتحہ سے شروع کردے تو کیا حکم ہے؟ اگر بمقدار تین تسبیح کے آہستہ پڑھا ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوگا؟

نمبر۳ : بکری یا کوئی اور مادہ جانور اپنے وقتِ مقررہ سے پہلے ہی بچہ گرادے تو اس کے دودھ کا کیا حکم ہے؟ از راہِ کرم ذرا جلدی جواب سے مطلع کریں۔

السائل : غلام محمود از دار العلوم اہلِ سنت جہلم ، المرقوم ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ





۱۔ یہ فعل بد زنا نہیں اور چار گواہ صرف زنا کے لئے ضروری ہیں مگر نصابِ شہادت دو ہیں لہٰذا ایک کافی نہیں، اور گواہ وہ ہے جو مشاہدہ مشہود بہ کرے بعد میں آنے والے قرآن کا مشاہدہ کر سکتے ہیں مگر اصل فعل جس پر شہادت دینی ہے اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تو شہادت کیسی؟ فتاویٰ عالمگیر ص۲۰۳ جلد ۳ میں ہے ان یکون التحمل بمعاینۃ المشھود بہ بنفسہ لا بغیرہ الخ نیز ص۲۰۳ میں ہے اما اقسام الشھادۃ فمنھا الشھادۃ علی الزنا وتعتبر فیھا اربعۃ من الرجال الخ

۲۔ ہاں سجدۂ سہو لازم ہوگا کہ ظاہر الروایت کے حکم سے تو قلیل پر بھی سجدہ ہے اور دوسری مصحح روایت کے لحاظ سے ایک آیت آہستہ پڑھنے پر لازم ہوتا ہے اور تین تسبیح تو زیادہ ہیں لہٰذا دونوں روایتوں کے لحاظ سے سجدہ لازم ہوگا۔ تنویر الابصار ، درالمختار میں ہے (و الجھر فیما یخافت فیہ) للامام (وعکسہ) لکل مصل فی الاصح تقدیرہ (بقدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ فی الفصلین وقیل) قائلہ قاضی خان (یجب) السھو (بھما) ای بالجھر والمخافتۃ (مطلقا)

الی قل او کثر (وھو ظاھر الروایۃ) شامی صفحہ ۶۹۴ جلد ا میں فرمایا صححہ فی الھدایۃ والفتح والتبیین والمنیۃ لان الیسیر من الجھر لا یمکن الاحتراز عنہ وعن الکثیر یمکن وما تصح بہ الصلوٰۃ کثیر غیران ذلک عندہ اٰیۃ الخ وھذا بعمومہ واطلاقہ شامل لصورۃ الاعادۃ ایضا والاستدلال بالعموم والاطلاق شائع بین الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم وبین من بعدھم۔

نمبر۳ ہاں حلال ہے اگرچہ حمل ہی نہ ہوا ہو کہ قرآنِ کریم یا حدیث پاک میں حمل وغیرہ کی قید نہیں اور نہ ہی ائمہ کرام رضے اللہ تعالےٰ عنھم نے ایسی قید لگائی۔ قرآنِ کریم پ۱۴ ع ۱۵ میں ہے وان لکم فی الانعام لعبرۃ ط نسقیکم مما فی بطونھا من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین ۰ نیز پ۱۸ ع ۱ میں ہے نسقیکم مما فی بطونھا۔ بہرحال اس اطلاق وعموم سے انعام (بکری، گائے وغیرہ اجناس) کے دودھ کے تمام اقسام حلال ہو گئے۔ حتیٰ کہ فتاوٰے خیریہ صفحہ ۲ جلد ا میں فرمایا کہ اگر بکرے یا بیڈھے کے دودھ اتر آئے تو وہ بھی ظاہر یہی ہے کہ حلال ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم والہٖ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۳۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ (۲۶/۱۰/۶۵)

الاستفتاء

مکرمی ومحترمی جناب مولانا مولوی محمد نوراللہ صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :- امید ہے کہ جناب بفضلِ خدا بخیریت ہوں گے۔ باقی عرض آنکہ براہ کرم مندرجہ ذیل سوالات کا جواب شرعی حدود کے اندر دے کر ممنون فرمادیں جس سے ہماری پوری طرح تسلی ہو جاوے کیونکہ اس کی وجہ سے امام مسجد کے بارے میں ہمارے دل میں کچھ شبہ پیدا ہو چکا ہے :-

نمبر ۱ : ایک امام مسجد نے عید الفطر کے روز صرف نمازِ عید کا خطبہ پڑھا اور نماز پڑھادی۔ دورانِ نماز میں پہلی رکعت کے ساتھ تکبیریں بھول گیا لیکن سجدہ سہو کروا دیا، آیا نماز مکمل ہو گئی یا کہ نہیں؟

نمبر ۲ : اسی دن جمعۃ المبارکہ کی نماز کیسا تھا اس دن کوئی خطبہ نہیں پڑھا صرف نماز با جماعت پڑھادی حالانکہ جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور نمازِ عید کا خطبہ واجب ہے۔ آیا کہ ہماری نمازِ جمعہ ہو گئی ہے یا نہیں! براہ کرم مکمل جواب دیں آیا آئندہ اس امام کے پیچھے ہماری نماز جائز ہے یا کہ نہیں؟ برائے کرم جواب جلدی دیں۔ زیادہ خیریت۔ والسلام وآداب۔

از طرف آپ کا نیاز کیش : اصغر علی زرگر کچا کھوہ ضلع ملتان

(نوٹ) دوسرے روز سائل نے یہ ترمیم بھی بھیجی کہ مولوی صاحب جمعہ کی اذان کہلوانے کے بعد خود ایک رکوع قرآنِ پاک کی تلاوت کی اور اس کی تشریح و تقریر کے فوراً بعد جمعہ کی جماعت کرادی۔ آیا مولانا صاحب کا خطبہ پڑھنا ہو گیا یا کہ نہیں؟ اور ہماری نمازِ جمعہ بھی ہو گئی یا کہ نہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس طریقہ سے خطبہ پڑھا ہے۔



۱۔ عید کی تکبیریں بھول جائیں تو سجدۂ سہو سے کمی پوری اور نماز کامل ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ عالمگیر صلا جلد ۱ میں ہے ومنها (واجبات الصلوٰۃ) تکبیرات العیدین قال فی البدائع اذا ترکها او نقص منها او زاد علیها او اتی بها فی غیر موضعها فانه یجب علیه

السجود کذا فی البحر الرائق۔ اور عید کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے۔ سائل کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ خطبہ پہلے پڑھا گیا ہے۔ اگر پہلے پڑھا گیا ہے تو یہ سنتِ مستمرہ کا خلاف ہے فتاوٰے عالمگیر مٹ جلد ا میں ہے ثم یخطب بعد الصلوٰۃ خطبتین کذا فی الجوھرۃ المنیرۃ۔

۲۔ واقعی خطبۂ جمعہ فرض اور شرطِ جواز ہے اگر بلا خطبہ پڑھا جائے تو جائز نہیں۔ فتاوٰے عالمگیر ص۵ جلد ا میں ہے لو صلوا بلا خطبۃ او خطب قبل الوقت لم یجز کذا فی الکافی۔ مگر نماز کی طرح خطبہ میں بھی فرض اور سنتیں ہیں ترکِ فرض سے جس طرح نماز نہیں ہوتی یونہی خطبہ نہیں ہوتا اور اگر سنتیں رہ جائیں تو نماز اور خطبہ ہو جاتے ہیں مگر ناقص ہوتے ہیں ایسا کرنا بُرا ہے اور عادت بنانا بہت بُرا ہے۔ فرضِ خطبہ اللہ تعالےٰ کا ذکر ہے۔ فتاوٰے عالمگیر میں ہے والثانی ذکر اللہ تعالیٰ کذا فی البحر الرائق بلکہ قرآنِ کریم میں ہے فاسعوا الیٰ ذکر اللہ۔ تو آپ کے مولوی صاحب نے جب نیتِ خطبہ سے رکوع پڑھا اور اس کی تشریح و تقریر کی تو فرضِ خطبہ ادا ہو گیا اور نماز بھی ہو گئی مگر کئی سنتیں ترک ہو گئیں اور کئی مستحب رہ گئے مثلاً دوسرا خطبہ اور دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرنا اور حمد و ثنا، اور درود پاک اور حمد کے ساتھ شروع کرنا، اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کا ذکر ہونا، کما فی الھندیۃ وغیرھا اور پھر خطبہ میں پنجابی یا اردو کا استعمال کرنا بھی سنتِ متوارثہ کے خلاف اور بُرا ہے۔ ہدایہ ص۸۶ جلد ا میں ہے الا انہ یصیر مسیئاً لمخالفۃ السنۃ المتوارثۃ (الیٰ ان قال) والخطبۃ والتشھد علیٰ ھٰذا۔ فتاوٰے مولانا عبدالحی ص۲۱۹ جلد ا سے ص۲۳۳ تک چودہ صفحوں میں وہ تحقیق جو مولانا مذکور کے نزدیک محقق ہے، یہی ہے کہ خلافِ سنتِ متوارثہ اور مکروہ و بدعت ہے۔ باوجودیکہ اسلام پھیلتا گیا اور ایسے ایسے ملک دائرۂ اسلام میں آتے گئے کہ وہاں کے باشندے عربی زبان سے قطعاً واقف نہیں تھے مگر پھر بھی صحابہ کرام اور تابعین، تبع تابعین، مشائخ و علمائے کاملین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب کے سب عربی زبان میں خطبے پڑھتے آئے تو لامحالہ غیر عربی میں بدعت و مکروہ بنا۔

ص ۲۳۳ میں مصفّٰی شرح مؤطا شاہ ولی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں "در عربی بودن خطبہ عمل مستمر مسلمین در مشارق و مغارب بوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبات عجمی بودند" تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ گو نماز و خطبہ ہو گئے مگر کراہت و بدعت سے خالی نہیں لہٰذا آئندہ کیلئے بالکل پرہیز کریں اور خطبہ و نماز مکمل ادا کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۷ ماہِ شوال المکرم ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرعِ متین اس مسئلہ کے بارہ میں:

نمبر ۱ : نمازِ عید الفطر کی پہلی رکعت میں تکبیرات کے بجائے قراءت شروع کر دینا بعد از لقمہ تکبیرات ادا کرنا قراءت صرف الحمد کہا گیا۔

نمبر ۲ : دوسری رکعت میں تین کی بجائے چار تکبیرات نادانستہ کہنا، بعد میں سجدہ ادا کیا جانا آیا، نماز ہو گئی یا دوبارہ پڑھی جائے!

سائل : از منچرباں





اگر کوئی اور مانع نہیں پایا گیا تو صرف ان دو وجوہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی بلکہ ہو گئی۔ بدائع

صنائع میں ہے لوسہی عن تکبیرات العید حتی اشتغل بالقراءۃ ثم تذکر انہ لم یکبر یعود الی التکبیرات و یقرأ بعدھا۔ ہندیہ میں ہے اذا ترکھا او نقص منھا او زاد علیھا اواتی بھا فی غیر موضعھا فانہ یجب علیہ السجود کذا فی البحر۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
یکم شوال المکرم ۱۳۸۶ھ ۴/۲/۶۵


نمازِ مسافر

بَابُ صَلٰوةِ الْمُسَافِرِ

الاستفتاء

ایک مسافر نے عشاء کی جماعت کرائی۔ قعدۂ اولیٰ کرنے کے بعد بھول کر چار رکعتیں نماز پوری کرلی۔ کیا مسافر کی نماز ہوگئی یا کہ نہیں؟ دیگر مقتدی جو کہ مقیم ہیں ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کتبِ معتبرہ سے تحریر فرمائیں، مین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا۔ فقط



مسافر کا فرض ادا ہوگیا اور پچھلی دو رکعتیں نفل ہیں۔ مبسوط ص ۲۳۹/۱ میں ہے مسافر صلی فی سفرہ اربعًا اربعًا فان کان قعد فی کل رکعتین قدر التشہد فصلوٰتہ تامۃ والاخریان تطوع لہ وکذا فی عامۃ المعتبرات ایضًا۔ اور جس مقتدی مقیم نے امام کی متابعت میں نماز پوری کی اس کی نماز فاسد ہوگئی کہ پچھلی رکعتوں میں امام متنفل ہے اور مقیم مفترض اور مفترض متنفل کی اقتدا نہیں کرسکتا وکل

ذلک مصرح متونا و شروحا وحواشی و فتاوی و ابین من ان یبین و اتقن من ان یبرھن ، بلکہ ردالمحتار ص۵۴۳ جلد۱ میں جزئیہ صریحہ ہے لو اقتدی مقیمون بمسافر و اتم بہم بلا نیۃ اقامۃ و تابعوہ فسدت صلوتہم لکونہ متنفلا فی الاخریین (الی ان قال) و قد نقلہا الرملی فی باب المسافر عن الظہیریۃ و کذا فی المنحۃ ص۱۳۵ جلد۲ و فی اخرہ لان ھذا اقتداء المفترض بالمتنفل ولا یصح۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۷۰ھ

الاستفتاء

عزیزم مولانا ابوالفضل[1] صاحب شرفہ ربہ تعالےٰ بالشرف والفضل

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ : بعد از دعوات آنکہ آپ کا خط آیا اور چونکہ آپ کے کاغذ پر جگہ نہیں تھی اور یہاں بھی کاغذ کی قلت ہے تو اپنے پر ہی استفتاء نقل کر کے جواب دیا جاتا ہے :۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسافر مقتدی نے امام مقیم کی اقتداء کی ---------- بعد سلام امام کے مقتدی نے بھی سلام پھیر کر کلام کر لی اور نماز باطل کر لی ، نماز چہارگانہ تھی ۔ اب مقتدی چار رکعت قضاء کرے یا دو ؟ والسلام ۔ بینوا توجروا

---

[1] غالباً یہ ابوالفضل مولوی محمد شریف ہیں جو صاحبزادہ غلام رسول صاحب نوری حویلوی کے رشتہ دار ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر وہ اقتدا بطورِ ادائے فرض تھی اور اس کے وقت فوت ہونے تک مسافر تھا یا آخر وقت بھی مسافر تھا تو صرف دو رکعت ہی قضاء کرے اور ایسے ہی اگر وقت کے اندر ادا کرے اور اکیلا پڑھے یا مسافر کی اقتدا کرے تو دو ہی پڑھے کہ مسافر پر دو ہی لازم ہیں اور متابعتِ مقیم کی وجہ سے چار لازم ہوتی ہیں اور جب نماز توڑ دی تو متابعت چھوڑ دی تو وہ لزوم بھی مرتفع ہو گیا۔ اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ اب جو پڑھ رہا ہے اس میں اس امام کی متابعت کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ مبسوط صـ۲۴۳ جلد ۱، نیز صـ۱۰۵ جلد ۲، بدائع صنائع صـ۹۳ جلد ۱، بحر الرائق صـ۱۳۴ جلد ۱، سراجیہ صـ۱۲، فتح القدیر صـ۱۲ جلد ۲، کفایہ صـ۱۲ جلد ۲، غنیۃ المستملی صـ۵۰۴، خلاصۃ الفتاویٰ صـ۲۰۱ جلد ۱، ہندیہ صـ۷۳ جلد ۱، شامی صـ۷۴۱ میں ہے والنظم لہ۔ ولو افسدہ صلی رکعتین لزوال المغیر

بطورِ ادائے فرض کی قید اس لئے کہ خود فرض ادا کرنے کے بعد بطور نفل اقتدا کرے تو چار کی قضا ہی لازم ہے جس طرح بھی پڑھے۔ معتمداتِ مذہبیہ میں ہے واللفظ لہ بخلاف ما لو اقتدی بہ متنفلا حیث یصلی اربعا اذا افسدہ۔ وقت کے فوت ہونے تک یا صرف آخر وقت میں بھی مسافر ہونے کی قید اس لئے کہ اگر اس وقت نیتِ اقامت ہوتی تو اتمام لازم ہو جاتا ہے۔ انفراد یا اقتداء مسافر کی قید یوں کہ اگر مقیم کی اقتدا کرے تو پھر بھی اتمام لازم ہو گا۔ اور ادا کا اضافہ اس لئے کیا کہ یہ بھی استفتاء میں نہیں آیا تھا۔ اور یہ تو واضح ہی ہے کہ یہ سوال چہار گانہ فرض کے متعلق ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ شعبان المعظم ۱۳۷۳ھ

الاستفتاء

قبلہ وکعبہ حضرت صاحب مدظلہ العالی جناب مولانا نور اللہ صاحب

السلام علیکم - جناب عالی گذارش یہ ہے کہ ہم انڈیا کی قید میں ہیں اور ہمارے لئے کونسی نماز کا حکم ہے؟ ہمیں بہت ساری جگہوں سے فتوے اور مسئلے وصول ہوئے ہیں۔ کسی فتوے پر نوٹ ہوتا ہے نمازِ قصر پڑھیں اور کسی پر ہوتا ہے کہ نماز پوری پڑھیں - بندہ آپ کے ہاں بصیر پور غلہ منڈی ہے۔ قبلہ حافظ صاحب محمد عبد اللہ صاحب سے قرآنِ پاک ختم کرکے فوج میں بھرتی ہوا ہے۔ بندہ مولوی محمد عظیم کا بھتیجا ہے اور نور محمد ڈولا کھبیانوالی والا، اُس کا دوہتا ہے اور بندہ اس جگہ پر قیدیوں کو نماز پڑھاتا تھا پوری - دو تین فتوے پوری کے آچکے ہیں اور دو تین قصر نماز کے۔ بندہ پہلے تو پوری نماز پڑھاتا رہا مگر جب یہ فتوےٰ آیا تو امامِ اعظم کے قول کے مطابق قیدی آدمی اپنی پندرہ یا بیس دن یا کم یا زیادہ کی نیت نہیں کرسکتا تو بندہ نے نماز پڑھانا چھوڑ دی - ابھی ہمارے کیمپ میں دو نمازیں ہوتی ہیں اور بندہ کا دل مطمئن نہیں۔ جب تک آپ کا فتوےٰ نہیں آئے گا ہم چند آدمی نہ تو پوری نماز باجماعت پڑھیں گے اور نہ ہی قصر باجماعت پڑھیں گے۔ اگر آپ کا فتوےٰ آگیا تو انشاء اللہ اس پر ضرور عمل کریں گے۔ برائے مہربانی آپ جتنا بھی جلد ہو سکے اس کا جواب جلدی دیں کیونکہ یہ آپ پر لازم ہے۔ باقی برائے مہربانی آپ پورا پورا حوالہ دیں اور واضح طور پر بتا دیں مہربانی ہوگی۔ باقی جوابی خط کیونکہ یہاں قید میں میسّر نہیں اس لئے تکلیف گوارا کریں مہربانی ہوگی باقی تمام قیدیوں کے حق دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ جلد ہمیں پاکستان لاوے اور انڈیا کی قید سے رہائی دے (آمین) باقی اگر قبلہ حافظ عبد اللہ صاحب اور حافظ منظور حسین اور مولانا محمد عظیم صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو ان کو میرا اسلام کہہ دینا ہوگا مہربانی، باقی ہمیں یہاں پر تقریباً دینی معاملے میں ہر قسم کی آزادی ہے جماعتیں ہوتی ہیں، قرآن خوانی ہوتی ہے۔ مذہبی بارے ہمیں یہاں پر کوئی تکلیف نہیں۔ اور یہ بھی بتا دیں کہ ہم پر روزے فرض ہیں یا نہیں؟ اور عیدین کے متعلق بھی بتا دیں مہربانی ہوگی۔ دار العلوم حنفیہ کی مُہر فتوےٰ پر لگا دیں۔ باقی یہاں کیمپوں میں نمازِ قصر زیادہ پڑھی جاتی ہے اور میں نے بھی قصر نماز شروع کی ہوئی ہے اس لئے بندہ کو جلد آگاہ کریں کہ کونسی پڑھنی چاہیے۔



باقی جنگی قیدیوں کی طرف سے تمام اساتذہ اور طالب علموں کو سلام۔ اچھا اجازت دیں۔

آپ کا: بندہ خاکسار محمد اسلم ولد محمد یار منچریاں، حال جنگی قیدی انڈیا (۱۳۔۳۔۷۳)

۸۶ / ۹۲

عزیز القدر حافظ محمد اسلم صاحب یسّر اللہ تعالیٰ خلاصہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:۔ بعد از دعواتِ خلاص و عافیتِ دارین آنکہ آپ کا خط مورخہ ۷۳/۳/۱۳ کا لکھا ہوا موصول ہوا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العالمین جلد از جلد آپ سب کو خیریت سے رہائی نصیب فرمائے اور جلد از جلد وطن واپس لائے۔ آپ کے سلام حافظ صاحبان کو پہنچا دیئے ہیں۔ اتفاقاً آپ کے والد صاحب اور صوفی پہلوان صاحب ملنے آئے تو ان کو بھی آپ کا خط دکھایا ہے۔ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ ہمیں یہاں پر تقریباً دینی معاملے میں آزادی ہے اور کوئی تکلیف نہیں، تو اس سے بہت خوشی ہوئی۔ میں اس سال بفضلہ تعالیٰ حج کر کے آیا ہوں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ آپ سب کی رہائی کے لئے بہت ہی زیادہ دعائیں ہوئی ہیں اور اب بھی ہو رہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ جلدی ہی رہائی ہونے والی ہے۔ سب احباب سے سلام محبت۔ آپ کے دریافت کردہ سوالات کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:۔



آپ سب جنگی قیدی شرعاً مسافر ہیں اور چونکہ حکومتِ پاکستان اور بھارت دونوں کی خواہش ہے کہ آپ جلد از جلد رہا ہو جائیں صرف چند معاملات کے تصفیہ کی انتظار ہے جس وقت بھی تصفیہ ہو گیا آپ رہا ہو جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ تو ایسے حالات میں آپ حضرات کی نیتِ اقامت کا شرعاً اعتبار نہیں لہٰذا آپ پر نمازِ قصر واجب ہے، اکیلے پڑھیں یا جماعت کے ساتھ پڑھیں جبکہ امام بھی آپ جیسا ہی ہو۔ ہاں اگر ہندوستان کا مقیم امام نماز پڑھائے تو اس کی اقتداء میں آپ بھی پوری نماز پڑھیں۔ اور قصر صرف چار رکعتوں والے فرض میں ہے باقی فجر اور مغرب اور وتر پورے پڑھیں اور سنتیں بھی پڑھا کریں اور ان میں بھی قصر نہیں۔ نمازِ عیدین آپ لوگوں پر لازم نہیں اس لئے کہ آپ مسافر ہیں اور رمضانِ پاک کے روزے آپ پر ضرور فرض ہیں البتہ رخصت ہے کہ تکلیفِ سفر کی وجہ سے اگر چند روز کی رخصت کریں تو جائز ہے مگر عذر

زائل ہونے پر قضاء لازم ہے اور بہتر یہی ہے کہ وقت پر ہی ادا کرتے رہیں خصوصاً جبکہ آپ کو مذہبی معاملات میں بالکل آزادی ہے اور کوئی تکلیف نہیں تو وقت پر ہی فرض ادا کرنا بہتر ہے بلکہ قابلِ برداشت تکلیف ہو تب بھی وقت پر ہی ادا کرنا بہتر ہے۔ یہ قرآنِ مجید کا ارشاد ہے۔ یہ مسائل فتاویٰ عالمگیر، ہدایہ، فتح القدیر، بحر الرائق، بدائع صنائع، مبسوط وغیرہا کتبِ فقہ حنفیہ سے لکھے گئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و علی آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۸ ربیع الاول شریف ۱۳۹۳ھ ۱۲/۴/۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ مسافر مؤکدہ سنتیں ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ادا نہیں کرتے۔

السائل : مولانا محمد نصیر الدین صاحب رکن پورہ





سفر میں ادائے سنن بلاشبہ جائز و مستحسن و مسنون ہے اس پر جمہور علمائے کرام کا اتفاق اور ائمہ اربعہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اطباق ہے اور خود قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ سے ثابت و مبرہن ہے۔ آیات و احادیث مثبتہ مدعائے مذکور بکثرت ہیں کہ ان کا استقصار محالِ عادی ہے اور حسب المقدور تحریر کے لئے بھی وقتِ وافی ضروری و لابدی ہے لہٰذا بطورِ اجمال دلائلِ کثیرہ کی طرف اشارہ اور بعض قلیل قدرے تفصیل سے دکھایا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشادِ مبین ہے وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم





عنہ۔ فانتھوا۔ اب حضور پُر نور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرامین بالتمکین گوش ہوش سے سنیں

حضرت سیدتنا ام المؤمنین ام حبیبہ رضے اللہ تعالے عنہا روایت فرماتی ہیں مسلم شریف ص۲۵۱ جلد۱، ترمذی شریف ص۶۶ جلد۱، نسائی ص۲۵۶ جلد۱، ص۲۵۷ جلد۱، صحیح مستدرک ص۳۱۱ جلد۱، سنن ابی داؤد ص۱۷۸ جلد۱، مسند ابی داؤد طیالسی ص۲۲۳، ابنِ ماجہ ص۸۱، سننِ بیہقی ص۴۷۲ جلد۲، کنز العمال ص۱۶۶ جلد۴ اور ایسے ہی حضرت سیدتنا ام المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق رضے اللہ تعالے عنہما سے ترمذی ص۶۵ جلد۱، سنن نسائی ص۲۵۶ جلد۱، سنن ابنِ ماجہ ص۸۱، کنز العمال ص۱۶۶ جلد۴ میں بالفاظِ متقاربہ ہے و النظم من الترمذی عن الصدیقة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ثابر علی ثنتی عشرة رکعة من السنة بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة اربع رکعات قبل الظہر و رکعتین بعدہا و رکعتین بعد المغرب و رکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل الفجر و نحوہ عن ام المؤمنین ام حبیبة رضی اللہ تعالیٰ عنہا و فی بعض روایاتہم رکعتین قبل العصر بدل رکعتین بعد العشاء و فی بعض الروایات رکعتین بعد العشاء نحو الروایة المارة و فی صدر روایتہا ما من عبد یصلی عند مسلم فمن صلی ایضاً عند مسلم وغیرہ و فی بعض الروایات من رکع (ترجمہ یعنی فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ شخص جو پابندی کرے بارہ رکعتوں پر سنت سے، بنا کرتا ہے اللہ تبارک وتعالے اس کے لئے بہشت میں مکان، چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو اس کے پیچھے اور دو مغرب کے پیچھے اور دو عشاء کے پیچھے اور دو فجر سے پہلے صرف بعض احادیثِ قولیہ مثبتہ جمیع سنن رواتب پر ہی اختصاراً اقتصار کیا جاتا ہے ورنہ وہ احادیثِ جلیلہ بکثرت صحاح ستہ وغیرہا میں جلوہ فرما ہیں جن سے سنن رواتب فعلاً عموماً اور قولاً وفعلاً فرادیٰ فرادیٰ روزِ روشن کی طرح واضح طور پر ثابت ہیں بلکہ فجر و مغرب



کی سنتیں بالخصوص قرآنِ کریم سے ثابت ہیں۔ معالم التنزیل ص۱۹۹ جلد ۶ کریمہ و سبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب ومن اللیل فسبحہ وادبار السجود کی تفسیر میں ہے قال عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب والحسن والشعبی والنخعی والاوزاعی ادبار السجود الرکعتان بعد صلوۃ المغرب وادبار النجوم الرکعتان قبل صلوۃ الفجر وھی روایۃ العوفی عن ابن عباس وروی عنہ مرفوعا ھذا قول اکثر المفسرین ونحوہ فی الخازن اور ایسے ہی وسبح بحمد ربک حین تقوم ومن اللیل فسبحہ و ادبار النجوم کی تفسیر معالم التنزیل ص۲۱۲ جلد۶ میں ہے یعنی رکعتین قبل صلوۃ الفجر وذلک حین تدبر النجوم ای تغیب بضوء الصبح ھذا قول اکثر المفسرین ونحوہ فی الخازن وزاد یدل علیہ ماروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ادبار النجوم الرکعتان قبل الفجر وادبار السجود الرکعتان بعد المغرب اخرجہ الترمذی وقال حدیث غریب۔



بہر حال احادیثِ مبارکہ کا اطلاق وعموم حاضر ومسافر دونوں کو شامل اور احادیث دونوں کے لئے وعدۂ ثواب کی حامل اور عمومات قطعاً یقیناً بلا گنجائش شکوک وشبہات استدلال واثبات کے لئے وافی وکافی ہیں ورنہ ایک ایک جزئیہ شرائع کے لئے زید وبکر وعمرو کروڑہا افراد مکلفین کے اسمائے خاصہ دکھانے لازم ہوں گے یا ترکِ امر ونہی کا ارتکاب اور ایک عام طوفانِ بدتمیزی کا ایسا زبردست ہیجان وانقلاب برپا ہوگا جس کا علاج بجز اسی استدلال بالعمومات کے محال وممتنع ہے البتہ اگر بشروطِ معتبرہ کوئی ایسی حدیث قولی یا فعلی ثابت ہو جس سے یہ متیقن ہو کہ مسافر احادیث مذکورہ پر عمل نہیں

رسکتا تو گنجائش عدم جواز تھی مگر ایسی کوئی حدیث نہیں دکھائی جاسکتی ہے۔ ائمہ کرام ومحدثین عظام نے اسی عموم کو جواز بلکہ استحباب ادائے مسافر کے لئے دلیل بنایا ہے۔ علامہ محی السنۃ نودی علیہ الرحمۃ شرح صحیح مسلم ص۲۴۲ جلد اس میں فرماتے ہیں و استحبہا الشافعی و اصحاب والجمہور و دلیلہ الاحادیث العامۃ المطلقۃ فی ندب الرواتب۔ بلکہ سیدتنا ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث مروی کے صدد میں ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، کنز العمال سے ہے من ثابر علی ثنتی عشرۃ رکعۃ اور مثابرت کا معنی مداومت و ملازمت ہے۔ اگر انسان سفر کی حالت میں ترک کرے اور صرف حضر ہی میں ادا کرے تو مداومت ہو ہی نہیں سکتی اور ایسے ہی سیدتنا ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث مذکور کے صدد میں صحیح مسلم اور سنن بیہقی و کنز العمال میں ہے ما من عبد مسلم یصلی للہ کل یوم تو اگر مسافر ترک کرے تو "کل یوم" یعنے ہر ایک دن میں ادا کرنا کیسے متصور ہو سکتا ہے اور قاعدہ مسلمہ ہے زیادۃ الثقۃ مقبولۃ فالروایات الخالیۃ عن قید کل یوم مملوّۃ عنہ حکما و تدل علیہ تتمتہا[لعہ] کما لا یخفی۔

باقی رہی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی وہ حدیث جو صحاح میں مذکور ہے جسے تارکین سنن دلیل بناتے ہیں وہ قطعاً دلیل تخصیص نہیں بن سکتی کہ اس سے عند التحقیق صرف عدم رؤیت ہی ثابت ہے جس سے عموم عدم رؤیت بھی ثابت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ترک یا دوام ثابت ہو وکم لہ من نظائر عند من لہ نظر۔ بلکہ اگر بالفرض دوام ترک بھی ثابت ہو جائے تب بھی احادیث مذکورہ قولیہ کی یہ حدیث فعلی قطعاً نسخ نہیں کر سکتی کہ فعل رافع قول نہیں و ذا ابین من ان یبین عند من لہ بصر و بصیرۃ فی الفن بحمدہ و منہ تبارک و تعالٰی۔ صرف اتنے ہی بیان سے مدعٰی

سنن للمسافر ۱۲ منہ غفرلہ

[لعہ] من الاستدلال علی العمل بالحدیث من الرواۃ کما فی صحیح مسلم والنسائی والمستدرک ۱۲ منہ غفرلہ

نہایت پُرنور طریق پر مبرہن ہو چکا اور فقیر فرائضِ منصبیہ سے فارغ ہوا مگر افہامِ قاصرین و اقحامِ خاسرین کیلئے خود حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سفر میں سنن ادا فرمانا روز روشن کی طرح ثابت کیا جاتا ہے، سنئے اور غور سے سُنئے:

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ترمذی ص ۸۳ جلد ۱، سنن ابوداؤد ص ۱۷۲ جلد ۱، صحیح مستدرک ص ۳۱۵ جلد ۱، سنن بیہقی ص ۱۵۸ جلد ۳، کنز العمال ص ۱۸۹ جلد ۴ میں ہے صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمانیۃ عشر سفرًا فما رأیتہ ترک الرکعتین اذا زاغت الشمس قبل الظہر یعنی میں حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھارہ سفروں میں حاضر رہا تو میں نے نہ دیکھا کہ آپ نے ظہر سے پہلی دو رکعتوں کو ترک فرمایا ہو۔" اس حدیث سے سنّتِ قبلیہ ظہر کا صاف ثبوت ملا۔ اور سننِ ترمذی ص ۸۳ جلد ۱ میں انہی حضرتِ عبداللہ بن عمر سے ہے صلیت مع النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی الحضر والسفر فصلیت معہ فی الحضر الظہر اربعا وبعدھا رکعتین وصلیت معہ فی السفر الظہر رکعتین وبعدھا رکعتین والعصر رکعتین ولم یصل بعدھا شیئا والمغرب فی الحضر والسفر سواء ثلاث رکعات لاینقص فی حضر ولا سفر وھی وتر النہار وبعدھا رکعتین قال ابوعیسی ھذا حدیث حسن سمعت محمدا یقول ما روی ابن ابی لیلی حدیثا اعجب الیّ من ھذا۔ اور طحاوی ص ۲۴۳ جلد ۱ میں روایتِ مذکورہ بایں نظم ہے وصلی فی السفر الظہر رکعتین وبعدھا رکعتین وصلی العصر رکعتین ولیس بعدھا شئ وصلی المغرب ثلاثا وبعدھا رکعتین وصلی العشاء



سہ اور سنتِ قبلیہ ظہر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے نزدیک وہی رکعتیں ہیں کما فی الصحاح ۱۲ منہ غفرلہ

رکعتین و بعدھا رکعتین ۔ یعنے حضرت عبداللہ بن عمر رضے اللہ تعالے عنہما اپنا چشم دید بیان فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر کے بعد دو رکعتیں ادا فرمائیں اور ایسے ہی مغرب کے بعد دو رکعتیں ادا فرمائیں اور خود اپنا بھی ادا کرنا بیان فرماتے ہیں۔ اور حضرت ابو عیسے ترمذی اس حدیث کی تحسین فرماتے ہیں اور امام بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ انہیں امام ابن ابی لیلے کی سب حدیثوں سے یہ حدیث زیادہ پسندیدہ ہے اور امام طحاوی نے اسی روایت میں عشاء کے بعد دو رکعتیں ادا فرمانا بھی زیادہ کیا ہے۔

اس حدیث سے ظہر اور مغرب اور عشاء کے بعد سنن کا ادا فرمانا صراحۃً ثابت ہوا اور سنت فجر کا سفر میں ادا فرمانا تو احادیث کثیرہ لیلۃ التعریس سے ثابت ہے۔ حضرت ابو قتادہ سے صحیح مسلم ص۲۳۹ جلد ۱، سنن بیہقی ص۲۱۶ جلد ۲، طحاوی شریف ص۲۳۳ جلد ۱ میں بالفاظ متقاربہ ہے فلما ارتفعت الشمس صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتی الفجر ثم صلی الفجر۔ حضرت عمران بن حصین سے سنن ابی داؤد ص۶۴ جلد ۱، صحیح مستدرک ص۲۷۴ جلد ۱ میں ہے فصلی رکعتین قبل الفجر ثم اقام ثم صلی الفجر حضرت ابی ہریرہ سے صحیح مسلم ص۲۳۸ جلد ۱، نسائی ص۱۰۲ جلد ۱، بیہقی ص۲۱۸ جلد ۲، کنز العمال ص۲۳۸ جلد ۴ میں ہے صلی سجدتین۔ حضرت ذی مخبر سے ابوداؤد ص۶۴ جلد ۱ میں ہے فرکع رکعتین غیر عجل۔ حضرت ابی مریم سے کنز العمال ص۲۳۸ جلد ۴ میں ہے صلی رکعتین۔

ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں فجر کی سنتیں پڑھی ہیں، نیز حضرت ابو قتادہ سے سنن ابوداؤد ص۶۳ جلد ۱ میں ہے فصلوا رکعتی الفجر ثم صلوا الفجر۔ طحاوی ص۲۳۴ جلد ۱ میں حضرت جبیر سے ہے ثم صلوا رکعتی الفجر، حضرت عمرو بن امیہ سے ابوداؤد ص۶۴ جلد ۱ میں ہے وصلوا رکعتی الفجر۔ حضرت عمران بن حصین سے طحاوی ص۲۳۳ جلد ۱ میں ہے فصلینا رکعتین۔ ان سب روایتوں کا محصول

سے صحیح بخاری ص۱۴۹ جلد ۱ میں ہے رکع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر رکعتی الفجر ۱۲ ابو الخیر النعیمی غفرلہ

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر انور کے سامنے صحابہ کرام نے سفر میں فجر کی سنتیں پڑھیں۔ حضرت جبیر سے نسائی ص۱۰۳ میں ہے فصلی رکعتین وصلوا رکعتی الفجر یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے فجر کی سنتیں سفر میں ادا فرمائیں۔

بالجملہ سنن رواتب قبلیہ و بعدیہ کا تخصیص سفر بھی نمایاں طور پر ثبوت موجود ہے نیز سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے ابن ماجہ ص۷۶، صحیح بہاری جلد ثانی قسم اول ص۱۳۷ میں بصیغہ استمرار ہے فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الحضر وصلوٰۃ السفر فکنا نصلی فی الحضر قبلها و بعدها وكنا نصلى فى السفر قبلها وبعدها۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضر کی نماز اور سفر کی نماز کو فرض فرمایا تو ہم حضر میں فرض نماز سے پہلے بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور پیچھے بھی اور سفر میں فرض نماز سے پہلے بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور پیچھے بھی۔ اور صحابی کا کنا نفعل فرمانا حکم حدیث مرفوع میں ہے کما ثبت فی اصول الحدیث۔ نیز سیدنا عبداللہ بن عباس رضے اللہ تعالےٰ عنہما کا فتوائے مبارکہ بھی یہی ہے۔ طحاوی ص۲۴۵ جلد۱، بیہقی ص۱۵۸ جلد۳ میں ہے والنظم من البیہقی فکما الصلوٰۃ قبل صلوٰۃ الحضر وبعدها حسن فکذلك الصلوٰۃ فی السفر قبلها و بعدها۔ یعنی جیسے نماز حضر کے پہلے اور پیچھے نماز بہتر ہے ایسے ہی سفر میں فرض نماز کے پہلے اور پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے سیدنا فاروق اعظم حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضے اللہ تعالےٰ عنہما سفر میں سنن قبلیہ و بعدیہ ادا فرمایا کرتے تھے۔ کنز العمال ص۲۴۳ جلد۴ میں ہے ان عمر وابن مسعود کانا یصلیان فی السفر قبل المکتوبۃ و بعدها۔ حضرت انس رضے اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی سفر میں ادا کرنا ثابت ہے۔ طحاوی ص۲۴۴ جلد۱ فصلی الظهر رکعتین ثم بعدها رکعتین۔ اور خود حضرت عبداللہ بن عمر رضے اللہ تعالےٰ عنہما اپنے صاحبزادے عبیداللہ کو ادا کرتے دیکھا کرتے تھے اور منع نہ فرمایا کرتے تھے۔ موطا امام مالک مع الشرح ص۱۳۶ جلد۱ میں بلاغاً ہے ان عبداللہ بن عمر کان یری ابنه عبید اللہ بن عبداللہ



يتنفل فى السفر فلا ينكر ذٰلك عليہ ۔ اور منع کیسے فرما سکتے تھے!
جب کہ خود بھی ادا کر چکے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ادا فرماتے دیکھ چکے تھے جیسے سننِ ترمذی اور طحاوی
سے مذکور ہوا۔ اور حرمت و کراہت کا تو کوئی بھی قائل نہیں جیسے امام ابو عیسےٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے
ہیں۔ سننِ ترمذی ص ۸۳ جلد ا میں ہے و معنی من لم یتطوع فی السفر قبول
الرخصۃ ومن تطوع فلہ فی ذٰلک فضل کثیر و ھو قول اکثر
اھل العلم یختارون التطوع فی السفر۔ یعنی جو سنتیں ادا نہیں کرتے ان کا
مقصود رخصت قبول کرنا ہے (یعنے عزیمت ادا ہے) اور جو ادا کرے تو اس کے لئے ادا میں بہت فضیلت ہے
اور یہی قول اکثر اہلِ علم کا ہے کہ وہ سفر میں سنتیں ادا کرنا اختیار فرماتے ہیں بلکہ جمہورِ اہلِ اسلام اور ائمہ اربعہ
رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا یہی مشرب ہے جیسے شرح صحیح مسلم سے منقول ہو چکا۔ اور کتاب "رحمۃ الامہ
فی اختلاف الائمہ" ص ۵۷ میں ہے ولا یکرہ لمن یقصر التنفل ف
السفر عند ابی حنیفۃ و مالک والشافعی و احمد و
جماھیر العلماء سواء الرواتب وغیرھا۔ اور ایسے ہی میزانِ شعرانی ص ۱۸۲ جلد ا
میں ہے اور یہی ہمارے حضراتِ احناف کا مختار ہے کہ مسافر سننِ مؤکدہ ادا کرے مگر خوف و اضطرار
کی حالت میں کہ مجبوراً ترک ہوں گی اور یہی روایت عبداللہ بن عمر کا بہترین محمل ہے و بہ یتسق
الدلائل۔

فتاوٰے امام فقیہ النفس قاضی خان ص ۸۳ جلد ا میں ہے قال الشیخ الامام
ابو بکر لا یرخص لہ فی ترک السنن۔ فتاوٰے سراجیہ ص ۲ میں ہے المسافر
یاتی بالسنن ولا یترکھا الا بعذر بہ افتی شمس
الائمۃ السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ فتاوٰے ہندیہ ص ۱۰۱ جلد ا میں وجیز
کردری سے اور بحر الرائق ص ۱۳۰ جلد ۲ میں ہے و المختار انہ ان کان حال
امن و قرار یاتی بھا فانھا شرعت مکملات و المسافر
محتاج الیہ وان کان حال خوف لا یاتی لانہ ترک بعذر

ان تمام فرامین کا خلاصہ یہ ہے کہ مسافر کو سنتوں کے ترک کرنے کی رخصت نہیں۔ مسافر سنتوں کو ادا کرے اور بلا عذر ترک نہ کرے اور مختار یہ ہے کہ مسافر اگر امن و قرار کے حال میں ہے تو سنتیں ادا کرے اس لئے کہ فرائض کے لئے تکمیل کرنے والی بنائی گئی ہیں اور مسافر تکمیل کا محتاج ہے۔ اور اگر حالتِ خوف میں ہو تو ترک کر سکتا ہے۔ یہ ترک عذر سے ہے۔ سبحان اللہ! ہمارے مشائخ کرام کا نظریہ کس قدر بلند ہے۔ نہایت ہی بہترین طریق سے روایاتِ اثبات کے ساتھ روایتِ ترک کو منطبق بنا دیا اور نہایت ہی لطیف ترین استدلال کی طرف اشارہ فرما دیا۔ یعنے سنن جب مکملاتِ فرائض ہیں اور مسافر کو بھی ضرورتِ تکمیل مقیم کے برابر ہے تو وہ بھی ادا کرے کہ سخت ترین اوقات یوم القیامہ میں کامیابی حاصل کرے اور یہ استدلال مرفوع حدیثِ سننِ ترمذی ص ۶۵ جلد ۱ میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول ان اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیٰمۃ من عملہ صلوٰتہ فان صلحت فقد افلح و انجح و ان فسدت فقد خاب وخسر فان انتقص من فریضتہ شیئ قال الرب تبارک و تعالیٰ انظروا ھل لعبدی من تطوع فیکمل بھا ما انتقص من عملہ ثم یکون سائر عملہ علیٰ ذٰلک و فی الباب عن تمیم الداری قال ابو عیسیٰ حدیث ابی ھریرۃ حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ و قد روی ھذا الحدیث من غیر ھذا الوجہ الخ تنقیح الرواۃ ربع اول ص ۲۳۸ میں ہے رواہ ایضًا ابن ماجۃ وحسن الحدیث الترمذی و قال غریب من ھٰذا الوجہ وسکت علیہ ابوداؤد و المنذری فھو صالح للاحتجاج بہٖ عندھما و رواہ ایضًا ابوداؤد من روایۃ تمیم الداری معناہ باسناد صحیح و فی الباب



عن انس عند الطبرانی فی الاوسط والضیاء فی المختارۃ فی السراج قال الشیخ حدیث صحیح و عن عبد اللہ بن قرظ عند الطبرانی فی الاوسط قال المنذری لاباس باسنادہ ان شاء اللہ۔ یعنی حضرتِ ابوہریرۃ و تمیم داری و حضرتِ انس و حضرت عبد اللہ بن قرظ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک قیامت کے دن بندے کے عملوں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اگر صحیح نکلی تو ضرور کامیاب ہوا اور نجات پائی اور اگر غلط نکلی تو ضرور ناکامیاب ہوگا اور نامراد ہوگا۔ پس اگر فرائض میں کمی ہوئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا کہ نظر کرو کہ کیا میرے بندے کے پاس سنن و نوافل ہیں پس مکمل کیا جائیگا ان سے کمی والا عمل اس کا پھر باقی عمل بھی اسی اندازے پر ہوں گے"۔

جانِ برادر! خدارا ایمان سے کہنا کہ کیا یہ ایک ہی دلیل ایسی نہیں کہ زندہ دل انسان کو سنتوں کا سفر و حضر میں پابند بنائے کہ اس سخت دن میں سخت نامرادی سے نجات پائے اور بارگاہِ الٰہیہ میں عزت و آبرو حاصل کرے، چہ جائیکہ اس دلیل کے علاوہ دلائل کثیرہ موجود و ثبت ہیں اور جانبِ ترک میں دلیلِ حرمت و کراہت نہیں۔ واللہ الهادی الی الحق و الصواب و الیہ المرجع والمآب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ من وعد علی السنن بالثواب لکل مؤمن اواب و علیٰ آلہ وکل الاصحاب ما حرر جواب وقری کتاب۔ وقد بقی الخبایا فی زوایا الکلام طوینا الکشح عنہا لضیق المقام وانجلاء المرام لاولی النہی من الانام والاشارۃ تکفی ذوی البصائر والغبی لا تغنیہ الدفاتر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

تحصیل دیپالپور کے معروف گاؤں پکّا ڈولہ سے آمدہ ۱۲۵ سوالات کا جواب



جمعہ، عرس، گیارہویں شریف، کھانا سامنے رکھ کر
فاتحہ دینے، ساتواں، چالیسواں کرنے، قبروں پر قبے
بنانے، استعانت و استمداد بالمخلوق بعد از وصال، قبر پر
دیے جلانے اور فاتحہ خلف الامام وغیرہ مسائل پر تحقیقی رسالہ


جمعہ و عیدین

بَابُ صَلٰوۃِ الْجُمُعَۃِ وَالْعِیْدَیْنِ

(رسالہ انوار الفقہ الدولہ فی اجوبۃ اسئلۃ فکا دولہ)

الاستفتاء

بخدمت جناب مولانا مولوی نوراللہ صاحب علمائے دین

السلام علیکم کے بعد آپ کی خدمت میں چند مسائل کی بابت دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں التماس ہے کہ :۔

نمبر۱ جمعہ شریف چھوٹے گاؤں میں جائز ہے یا نہیں ؟ قرآنِ مجید کی آیات سے ثابت تحریر کریں۔

نمبر۲ عرس کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۳ فاتحہ کا پڑھنا امام کے مگر جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۴ ختم طعام حاضر رکھ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۵ وفات پر ساتواں یا چہلم[6] کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۷ قبر پختہ کا بنانا ، گنبد[8] بنانا ،

ان مسائل کا آیات قرآن کے ساتھ پوری تصدیق کرکے تحریر کردیں جناب کی مہربانی ہوگی ، نیز گیارہویں[9] کرنا ، عرس پر مدد[10] مانگنا ، قبروں پر چراغ[11] جلانا جائز ہے یا نہیں ؟ داڑھی[12] مونڈ کی امامت جائز ہے یا نہیں ؟ اگر مقتدی[13]

وامام کل داڑھی مونڈ ہوں تو کس کی امامت جائز ہے ؟

آپ کا تابعدار

حافظ عبدالوہاب موضع پختہ ڈوڈلہ تحصیل دیپالپور

ضلع منٹگمری



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ ذی الامر والنہی والعفو العافی وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی النور المفسر کلماتہ الکافی وعلیٰ الہ التقی الوفی الوافی واصحابہ کلھم میسرین غیر معسرین بترک عفو الشرع الصافی وان رغم انف الجاھل الجافی النافی لرخص الشفیع الشافی لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ وسلم تسلیما کثیرًا کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون، اما بعد:

سب سے پہلے ایک مقدمہ ضروری الصدق والضبط سمجھنا ضروری ہے کہ جمیع اجوبہ میں ان شاء اللہ العزیز نافع ومفید ہوگا وھی ھذہ :۔

سرورِ دوسرا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ارشادِ قرآن کریم ہے حضور پرنور کے فرمان پر عمل کرنا فرمانِ الٰہی پر عمل کرنا ہے کہ خود خداوند کریم نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا۔ پ۵

ع ۸۔ بلکہ یہیں قرآنِ پاک کا قرآن ہونا فرمانِ مصطفائی سے ہی معلوم ہوا (صلے اللہ تعالے علیہ وسلم)

وھا انا اشرع فی الاجوبۃ :۔

۱ مذہبِ مہذبِ حنفیہ میں نہ چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ ہے نہ بڑے میں بلکہ بڑے شہر میں بھی نہیں جب تک جامع نہ ہو۔ اس مدعا پر شہود عدول نصوصِ قرآن و حدیث ہیں فالق السمع بقلب شہید۔ نمازِ ظہر فرضِ قطعی ثابت بہ قرآن و حدیث ہے اور اس کی فرضیت قطعاً فرضیتِ جمعہ سے پہلے کی ہے۔ تو جن جن خصوصیات سے نماز جمعہ وارد عن الشارع صلے اللہ تعالے علیہ وسلم ہے ان کا لحاظ ازحد ضروری ہے کہ یقیناً جمعہ مسقطِ ظہر ہو۔ اسی واسطے تمام اہلِ اسلام وائمہ کرام کے نزدیک آیتِ جمعہ میں امر جمعہ کا عموم مخصوص عنہ البعض ہے۔ وقتِ خاص وطنِ اقامت ایسے مکانات جن میں لوگ بستے ہوں مرد تندرست وغیرہا کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں گو تعداد جماعت و تعیینِ وقت و خصوصیتِ مکانات وغیرہا میں اختلاف ہے مگر نفسِ جماعت و وقت و مکانات کے شرط ہونے میں ہرگز اختلاف نہیں اور جو عدمِ مراعاۃِ خصوصیات کا مدعی ہو وہ جھوٹا ہے۔ اولاً تو ہر ایک مذہب والا خصوصیات کے ساتھ ہی ادا کرتا ہے کہ جماعت و وقتِ خاص و توطن تو وہابی بھی مانتے ہیں تو انکار کاہے کا ہے؟ ثانیاً بفرضِ غلط اگر یوں کہے تو اس پر لازم کہ کسی دلیلِ مستند سے سقوطِ ظہر کا ثبوت دے اور جو احتیاط کی آڑ لیتے ہیں وہ سقوطِ جماعت کا روشن ثبوت دیں۔ قرآنِ کریم تو جہاد جیسی نازک حالت میں بھی تعلیمِ جماعت دیتا ہے اور یہ مسجد میں مجتمع جماعت پر قادر ہوتے ہوئے بلا عذر ترکِ جماعت کرتے ہیں بلکہ جائز و ضروری سمجھتے ہیں قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین۔ آخر یہ آیہ جمعہ میں تو نہیں آیا کہ نمازِ ظہر معاف ہے یا ترک کی اجازت ہے۔ کسی حدیثِ صریح قابلِ استدلال سے ثبوت دے سکتے ہیں تو دیں۔ بہر حال قطعاً یقیناً آیۂ جمعہ مکان کے حق میں اپنے عموم پر ہرگز ہرگز نہیں۔ امام دار الہجرۃ مالک علیہ الرحمۃ وغیرہ تمام کے نزدیک عوالی میں جمعہ نہیں کما سیأتی من الصحیحین ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام مطلبی شافعی واحمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ ایسی آبادی ہو جس میں چالیس مرد آزاد، عاقل، بالغ، مقیم ہوں جو نہ سردیوں میں کوچ کریں نہ گرمیوں میں۔ یہ تفسیر معالم التنزیل ص ۷۶ جلد ۷، وخازن ص ۷۶ جلد ۷، میں ہے جن کے مؤلف شافعی المذہب ہیں۔ اور امامِ انام امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ



کے نزدیک مصرِ جامع شرط ہے تو معلوم ہوا کہ چھوٹے گاؤں میں جو عوالی کی مانند ہوں جمعہ تمام ائمہ کے نزدیک نہیں۔ ہاں دورِ حاضر کے نئے مجتہد جائز کرلیں تو کوئی تعجب نہیں وہ تو جنگلوں میں بھی پڑھتے ہیں۔ اور فتح القدیر صہ۲۳ جلد۲ میں ہے لایجوز اقامتہا فی البراری اجماعا ومثلہ فی الغنیۃ شرح المنیۃ۔ تو جس جگہ ہمارے ہاں صحیح ہوگا وہاں ہر ایک کے نزدیک صحیح ہوگا، تو ہم فرضِ ظہرِ قطعی سے یقیناً سبکدوش ہوئے۔ اور جہاں صرف ان کے نزدیک جائز ہے وہاں کلیاً اجماعاً جواز نہیں تو سبکدوشی فرضِ قطعی ظہر سے اجماعاً کیسے ہوئی! اور ہم جمعہ کے فرضِ قطعی ہونے کے ضرور قائل ہیں مگر صرف امصارِ جامعہ میں، نہ ہر جگہ فلا یسع لاحد تعکیس السوال علینا۔



بحمدہ تعالےٰ یہاں سے یہ کھل گیا کہ احناف اس قدر زبردست احتیاط کرنے والے ہیں اور ان کی شرطِ مکان یقینی ہے کہ سب کے نزدیک عموم مکان مخصوص اور شہروں میں پڑھنا اور امر کرنا یقینی طور پر ثابت ہے اور بعض دیہات مثلاً عوالی میں جمعہ کا نہ ہونا یقینی اور دیگر بعض دیہات میں جو ان کے ہاں ثابت ہے وہ ظنی ہے اور ظنی سے فرضِ قطعی کی ترک ان کے ہاں آرہی ہے تو یہ مخالف جو آج تک کہا کرتے تھے کہ آیۂ جمعہ قطعی ہے اور تم شرطِ ظنی سے اس کی تخصیص کرتے ہو، وہ الٹا سوال ان پر پلٹا والحمد للہ علی التوفیق والافہام و بنعمتہ تتم الصالحات۔

اور جب تمام اہلِ اسلام کے نزدیک مکانِ خاص اجماعاً شرط ہے تو احناف پر یہ سوال کہ قرآنِ کریم کے حکمِ عام سے تم تخصیص کیوں کرتے ہو باجماعِ امت نہ رہا کہ اجماعاً ثابت کہ آیت اپنے عموم پر باقی نہیں۔ دوسروں نے قریہ خاصہ سے تخصیص کی اور ہم نے مصرِ جامع سے اور ہمارا قول الیق بالقبول ہے کہ وہی مذہب حضرت مولےٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الاسنی ہے جو آپ کی حدیثِ موقوف صحیح سے ثابت ہے اور اس حدیثِ موقوف کو حکم مرفوع کا ہے کہ وہ اپنی طرف سے قرآن کریم کے اس عموم کی تخصیص کس طرح کرسکتے ہیں؟ تفسیر معالم التنزیل صہ۶ جلد۷ میں ہے وقال علی بن ابی طالب لاجمعۃ الا فی مصر جامع۔ فتح القدیر صہ۲۲ جلد۲، غنیۃ المستملی صہ۵۱۰، البحر الرائق صہ۱۳۰ جلد۲ میں ہے والنظم من الغنیۃ روی ابن ابی شیبۃ عن علی بن

ولا صلوٰة فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة وصححه ابن حزم فی المحلی وروی مرفوعا وھو ضعیف ولکن الموقوف فی مثل ھذا کالمرفوع لانہ من شروط العبادة وھی من احکام الوضع ولا مدخل للرأی فیھا۔ اور فتح القدیر میں یہ بھی ہے ورواہ عبد الرزاق من حدیث عبد الرزاق السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع۔ اور اس حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے معارض کوئی اور حدیث ہے نہیں۔

مخالفین کی سب سے بڑی دلیل حدیث جواثی ہے جو عند التامل اصلاً ان کا مدعیٰ ثابت نہیں کر سکتی اس حدیث کا محصل یہ کہ مسجد نبوی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں جو جمعہ پڑھا گیا اس کے پیچھے پہلا جمعہ جواثی کی مسجد عبد القیس میں پڑھا گیا۔ اس حدیث کے صحیح بخاری میں یہ لفظ ہیں ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین اور چونکہ بعض روایتوں میں جواثی کو قریہ کہا گیا ہے چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں ہے قریة من قری البحرین لہذا وہ اس سے استناد کرتے ہیں کہ حدیث شریف سے ثابت ہو گیا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔ بلکہ حافظ محمد لکھوی نے تو اس قدر غلو کیا کہ کہہ دیا کہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواثی میں جمعہ پڑھا حالانکہ یہ بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ جمعہ حضور پُر نور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ارشاد والا سے شروع ہوا تھا اور نہ ہی یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حضور جواثی تشریف لے گئے۔ بہر حال یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ جواثی شہر تھا کہ اس میں عامل بھی تھا، قلعہ بھی، مکانات بھی تھے، غرض شہر کی تعریف اس پر صادق تھی۔ صراح میں ہے جواثی قلعہ تھا، نووی علیہ الرحمۃ نے شرح صحیح مسلم ص۳۸ جلد ۱ میں نقل کیا ہے، ع قعود فی جواثی محصرینا، اور قریہ کہنے سے اس کا گاؤں ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس زمانہ میں قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوا کرتا تھا قرآن کریم میں مکہ مکرمہ کو قریہ فرمایا گیا ہے الذین یقولون ربنا

اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها الآية پ ۵ ع ۸،
من قريتك التي اخرجتك پ ۲۶ ، دونوں جگہ میں قریہ سے مراد مکہ مکرمہ
ہے اور قرآنِ کریم میں مکہ مکرمہ کو شہر بھی فرمایا گیا ہے لا اقسم بهذا البلد وانت
حل بهذا البلد ان دو کلمہ "بلد" سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اور سورہ یٰسین میں شہر انطاکیہ
کو قریہ فرمایا گیا کہ اصحاب القرية آیا ہے۔ اور اسی رکوع میں اس کو مدینہ بھی فرمایا ہے کہ
جاء من اقصى المدينة الآية اور مدینہ وبلد کا معنے شہر ہے تو معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں
شہر کو قریہ کہا جاتا تھا تو شہر جواثی کو قریہ کہنا ان کا مدعٰی ثابت نہیں کر سکتا۔

قطع نظر ازیں اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو ہماری زبردست دلیل بنے گی اور مخالفین کا رد
کرے گی کہ مدینہ منورہ اور جواثی کے درمیان مسافت دراز ہے چنانچہ خود وفدِ عبد القیس نے جب مسلمان ہو کر
آیا تھا عرض کی یا رسول اللہ! انا نأتيك من شقة بعيدة وان بيننا و
بينك هذا الحي من كفار مضر وانا لا نستطيع ان
نأتيك الا في شهر الحرام رواه مسلم في صحيحه ص۳۲ جلد ۱ پھر جب مدینہ
منورہ میں جمعہ شروع ہوا تو بعد میں سب سے پہلے جواثی میں پڑھا گیا اور جو قرب وجوار میں آبادیاں تھیں ان میں
نہ پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ اگر جواثی بھی گاؤں ہوتا تو اس کا کیا معنے کہ ایک گاؤں میں پڑھا گیا اور دوسروں میں
نہ، مگر حاشا وکلا اس حدیث کا بایں معنے ہونا بہت ہی مشکل ہے کہ جواثی والے مسلمان ہو کر ۸ھ میں حاضر
ہوئے تھے۔ نووی علیہ الرحمۃ شرح صحیح مسلم ص۳۲ جلد ۱ میں فرماتے ہیں قال القاضی عياض
وكانت وفادة عبد القيس عام الفتح قبل خروج النبي
صلى الله عليه وسلم الى مكة ونزلت فريضة الحج
سنة تسع بعدها على الأشهر. اور فتح مکہ سے پہلے خیبر وغیرہ شہر فتح ہو چکے
تھے، بلکہ مجمع البحار ص۳۴۲ جلد ۵ میں ہے کہ سنہ ۸ھ میں آئے تھے تو مکہ مکرمہ بھی فتح ہو چکا تھا تو کیا ان بلادِ مفتوحہ
میں جمعہ قائم نہ کیا گیا؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اس حدیث کے چار اسناد میری نظر میں ہیں اور ہر چار میں ابراہیم
بن طہمان ہے جس کی نسبت تقریب میں ہے تكلم فيه للارجاء. بہر نہج یہ ثابت ہوا کہ حدیث حضرت



علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ معارض سے سالم ہے۔

اب قرآنِ کریم سے دریافت کریں کہ آیا متابعتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جائز ہے؟ تو ارشاد ہوتا ہے یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین ۰ پ ۱۱ ۴۶، اور یہ حنفی و غیر حنفی کا جھگڑا ہے اور قرآنِ کریم فیصلہ کرتا ہے فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۰ (ترجمہ) تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے جھگڑوں میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔"

اب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیصلہ سنئے ارشاد فرماتے ہیں وسترون اختلافا شدیدا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ رواہ ابن ماجۃ ص۵ والترمذی ص ۹۲/۲ ونحوہ یعنی قریب ہے کہ تم سخت اختلاف دیکھو گے تو لازم پکڑنا میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو نہایت مضبوط پکڑنا اس کو"۔ اور حضرتِ علی رضے اللہ تعالیٰ عنہ خلفاءِ راشدین مہدیین سے ہیں۔ نیز اہلِ قبا جمعہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ سنن ابنِ ماجہ میں حضرتِ عبداللہ بن عمر رضے اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے ان اھل قباء کانوا یجمعون مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ، اور اہلِ عوالی بھی، صحیح بخاری ص ۱۲۳ جلد ا میں حضرتِ عائشہ صدیقہ رضے اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم ومن العوالی۔ اور صحیح مسلم میں یہ کلمات ہیں کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم ومن العوالی نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں قولہ ینتابون الجمعۃ ای یأتونھا قولہ من العوالی ھی القری التی حول المدینۃ۔ تو معلوم ہوا کہ دیہات میں جمعہ نہیں ورنہ یہ حضرات دوسری نمازوں کی طرح جمعہ بھی اپنے دیہات میں قائم کرتے۔ خصوصاً ابنِ ماجہ کا باب

ماجاء من این توتی الجمعة، بخاری علیہ الرحمۃ کا باب ماجاء من این توتی الجمعة وعلیٰ من تجب میں درج کرنا اس پر مطابقۃً دال ہے۔ صحیح بخاری شریف ص ۸۳۵ جلد ۲ میں ہے کہ حضرت ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید پڑھائی اور وہ دن جمعہ کا تھا تو آپ نے فرمایا یا ایھا الناس ان ھذا یوم قد اجتمع لکم فیہ عیدان فمن احب ان ینتظر الجمعۃ من اھل العوالی فلینتظر ومن احب ان یرجع فقد اذنت لہ۔
یعنے اے لوگو! بے شک یہ ایسا دن ہے کہ اس میں تمہاری دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں تو جو اہلِ عوالی سے انتظارِ جمعہ پسند رکھے وہ انتظار کرے اور جو واپس ہونا پسند کرے تو میں نے اجازت دی اسے۔

اس حدیث شریف سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ عوالی زمانہ خلفائے راشدین میں بھی جمعہ مدینہ مکرمہ میں پڑھا کرتے تھے اور عید بھی، تو اگر ان کے عوالی میں جائز ہوتا تو وہاں بھی اس فریضۃ اللہ کو ضرور قائم کرتے اور اتنا تو وَذَرُوا الْبَیْعَ سے بھی سمجھ آتا ہے کہ جمعہ وہاں ہے جہاں عام طور پر بیع ہوتی ہو۔ اور عام طور پر بیع شہروں میں ہوا کرتی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب جو بیان ہوا وہی مذہب حضرت حذیفہ صحابی وعطاء وحسن ونخعی ومجاہد، ابن سیرین وسحنون رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے کما فی الغنیۃ۔



۳ مقتدی پر مطلقاً قرآنِ پاک کا پڑھنا منع ہے، نہ فاتحہ پڑھ سکتا ہے نہ دوسری سورت۔ قرآن کریم میں صاف طور پر اس سے منع کیا گیا ہے۔ حکم ہوتا ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ہ "اور جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگاؤ اس کی طرف اور چپ رہو تاکہ رحم کیا جائے تم پر"۔ جب جہر کرتا ہے امام تو استماع ہوگا اور جب آہستہ پڑھتا ہے تو انصات سکوت ہوگا۔ سننِ نسائی کی حدیثِ ابوہریرہ مرفوع میں ہے واذا قرأ فانصتوا "اور جب قرآن پڑھے امام تو چپ رہو"۔ یہ حکم عام ہے اور یہ حدیث مرفوعاً ابن ماجہ میں بھی بروایتِ ابوہریرہ وابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے۔ باقی رہی وہ حدیث جس میں آیا ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن اس کا جواب بالکل واضح اور بے غبار ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ تو جب امام نے الحمد شریف پڑھا تو مقتدی کا پڑھنا شرعاً حکماً ثابت ہو گیا۔ نسائی شریف میں حدیثِ ابو درداء

کے آخر میں ہے ما اری الامام اذا ام القوم الا قد کفاھم اور قولِ صحابی مقبول ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل و ابنِ ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ۔ وفی ابن ماجۃ لہ قراءۃ بتقدیم لہ۔" شرح معانی الآثار میں طحاوی علیہ الرحمۃ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو زید بن ثابت و جابر بن عبد اللہ کا فرمان روایت فرمایا ہے لا تقرأ خلف الامام فی شیئ من الصلوٰۃ۔

ج ۲۰۲ اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جب تک دلیلِ حرمت و کراہت نہ آئے کوئی چیز حرام و مکروہ نہیں ہو سکتی۔ اس مدعا پر دلائل واضحہ آیات و احادیث سے صرف چند پر اختصاراً اقتصار کیا جاتا ہے۔ سنئے :-

مولےٰ تبارک و تعالےٰ فرماتا ہے لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القراٰن تبد لکم عفا اللہ عنھا واللہ غفور رحیم ۰ (ترجمہ) اے ایمان والو! ایسی چیزیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے جب قرآن اتر رہا ہو تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔ اللہ انہیں معاف کرچکا ہے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔" تو معلوم ہوا کہ ایسی چیزیں جن کی حرمت کسی نص سے ثابت نہیں وہ معاف ہیں یہی ہمارا مدعا ہے۔

تفسیر خازن صہ جلد ۲ میں ہے عن سلمان قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اشیاء فقال الحلال ما احل اللہ فی کتابہ و الحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما قد عفا عنہ فلا تتکلفوا وعن ابی ثعلبۃ الخشنی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوھا و حد حدودا فلا تعتدوھا وحرم اشیاء فلا تقربوھا و ترک اشیاء من غیر نسیان

فلا تبحثوا عنها هٰذان الحدیثان اخرجهما فی جامع الاصول و لم یعزهما الی الکتب الستۃ۔

سنن ابن ماجہ ص۲۴۹ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث اول بایں نظم ہے الحلال ما احل اللہ فی کتابہ و الحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ و روی نحوہ الترمذی عنہ مرفوعا ایضاً۔ مشکوٰۃ شریف ص۳۶۲ میں ابوداؤد سے بروایت ابن عباس ہے قال کان اھل الجاھلیۃ یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذرا فبعث اللہ نبیہ و انزل کتابہ و احل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو و تلا قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ الاٰیۃ تفسیر کبیر ص۴۵۹ جلد۳ وکان عبید بن عمیر یقول ان اللہ احل وحرم فما احل فاستحلوہ وما حرم فاجتنبوہ وترک بین ذٰلک اشیاء لم یحللھا ولم یحرمھا فذٰلک عفو من اللہ تعالیٰ ثم یتلو ھٰذہ الاٰیۃ وقال ابوثعلبۃ الخشنی ان اللہ تعالیٰ فرض الحدیث نحو ما مر من المشکوٰۃ والخازن و نحوہ (معالم ص۸۲)۔

ان تمام احادیث اور عباراتِ تفسیر کا ماحصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو قرآنِ کریم میں حلال فرمایا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام فرمایا ہے وہ حرام ہے اور جن چیزوں کا بیان نہ فرمایا وہ معاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر فرمائے تو ان کو ضائع نہ کرو، اور کئی چیزوں کو حرام کیا ہے تو ان کے قریب نہ جاؤ اور حدود مقرر فرمائے ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو اور کئی چیزوں کے بیان کو ترک کیا تو ان سے بحث نہ کرو یعنی اس لئے کہ وہ معاف ہیں، ان کا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ بدلالۃ ھذہ الاحادیث و





ما فی معناھا کثیرًا ۔ اور حضرت نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا بیان بیانِ الٰہی در تفسیرِ قرآنِ کریم ہے کما نص علیہ الائمۃ ۔ نیز ارشادِ رؤف و رحیم ہے وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھدٰھم حتی یبین لھم ما یتقون ۵ ان اللہ بکل شیئ علیم ۵ (ترجمہ) اور شانِ الٰہی نہیں کہ کسی قوم کو گمراہ فرمائے اور ان پر گمراہی کا حکم لگائے پیچھے ہدایت فرمانے ان کے یہاں تک کہ بیان فرمائے ان کے لئے ان چیزوں کو جن سے بچنا ضروری ہے ان پر ، بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۔

تو بیّن طور پر ثابت ہوا کہ جس چیز کا عدمِ جواز شرعِ مطہر سے ثابت نہیں وہ ممنوع نہیں ہے جائز ہے ۔ اور کوئی یہ وہم نہ کرے کہ وہاں فلاں حادثہ فلاں صورت زمانۂ نزولِ قرآن میں نہ تھی لہذا اس کا حکم بیان نہ فرمایا کہ ان اللہ بکل شیئ علیم "بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے" واقعات و حوادث آئندہ تمام کے تمام اسے معلوم ہیں اور سہو و بھول کو اس کی بارگاہِ اقدس تک ہرگز ہرگز رسائی و نسبت نہیں ہو سکتی ، تو جس چیز سے منع نہیں فرمایا اسے جائز و مباح قرار دیا ۔ تفسیر کبیر ص ۱۳ جلد ۴ میں ہے و بین انہ تعالیٰ لا یواخذھم بعمل الا بعد ان یبین لھم انہ یجب علیھم ان یتقوہ و یحترزوا عنہ و نحوہ فی الخازن ص ۱۲۸ جلد ۳ ۔ نیز خازن ص ۱۲۸ جلد ۲ میں ہے و ھو ان یقدم الیھم النھی عن ذلک الفعل فاما قبل النھی فلا حرج علیھم فی فعلہ و مثلہ فی المعالم ص ۱۲۸ جلد ۳ ۔ صاوی علی الجلالین ص ۱۲۶ جلد ۲ میں ہے فبین اللہ تعالیٰ انہ لا یواخذ احدا بذنب الا بعد ان یبین حکمہ فیہ ۔

خداوند قدوس کا فرمان تو سن چکے کہ وہ معاف فرما چکا ہے ، گرفت نہیں فرماتا ، گمراہی کا حکم نہیں لگاتا جب تک نہی نہ آئے مگر عجب کہ وہابیہ اتنے دلیر ہیں کہ بات بات پر مسلمانوں کو گمراہ بلکہ مشرک و کافر کہہ دیتے ہیں اور ہر ہر چیز میں یہی مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا جواز دکھاؤ حالانکہ جس سے منع کرتے ہیں اس چیز کے منع ہونے کا اثبات ان پر لازم کہ جب تک نہی ثابت نہ ہو منع نہیں ہو سکتا کہ شرع میں غیر منہی عنہ جائز ہے

ایسے کے حق میں قرآنِ کریم کا یہ فتویٰ ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال و ھٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۰ متاع قلیل و لھم عذاب الیم ۰ پ ۱۴ع ۲۱۶۔

نیز جس طرح جواز بدون اجازتِ شرع نہیں، اسی طرح منع بھی بدون منعِ شرع نہیں تو یہ ان کی بے انصافی کہ اپنی دلیل بیان نہیں کرتے، الٹا مطالبہ ہم سے کرتے ہیں۔ شرعِ مطہر سے اباحتِ اصلیہ کا ثبوت نہایت خوش اسلوبی سے ہم نے پیش کر دیا، مانع پر لازم کہ دلیلِ منع بیان کرے۔ جب یہ قاعدہ ممہّد ہو چکا تو اب اشیائے مسئولہ میں سے ہر ایک کا تفصیلی جواب سنیں۔

الیاعرس اہل اللہ جو منہیاتِ شرعیہ سے مُبرّا ہو اس میں عموماً یہ امور ہوتے ہیں :۔

(۱) زیارتِ قبرِ ولی اللہ و دیگر قبور کہ اس جگہ عموماً ہوتے ہیں۔

(۲) استفاضہ از صاحبِ عرس۔

(۳) اجتماعِ عامۂ مسلمین و صلحاء و علماء۔

(۴) ملاقاتِ برادرانِ اسلام و سلام و مصافحہ۔

(۵) زیارتِ صوفیاء و صلحاء و علماء۔

(۶) وعظ و ہدایتِ عوام۔

(۷) اطعامِ طعام اور ان چیزوں سے شریعتِ مطہرہ میں ممانعت نہیں تو جائز ہوئیں بحکمِ قاعدۂ ممہّدہ ہاں ہاں صرف یہی نہیں کہ شرع نے منع نہیں فرمایا بلکہ جائز فرمایا۔ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب و مندوب و مامور بہا بنایا ہے۔

(۱) امام مسلم اپنی صحیح ص ۳۱۴ جلد ا میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا زوروا القبور فانھا تذکرکم الموت و نحوہ ابن ماجۃ عنہ و فی اٰخرہ بدل الموت الاٰخرۃ و نحوہ الترمذی عن سلیمان بن بریدۃ ۔ امامِ مسلم حضرتِ بریدہ



ہے راوی کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا و نحوہ النسائی عنہ ص۲۸۵ جلد ا و ابن ماجۃ ص۱۱۲ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزیادۃ فانہا تزھد فی الدنیا و تذکر الاٰخرۃ۔

(۲) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ہ صاوی علے الجلالین ص۲۴۵ جلد ا میں ہے ومن جملۃ ذٰلک محبۃ انبیاء اللہ و اولیاءہ والصدقات وزیارۃ احباب اللہ وکثرۃ الدعاء وصلۃ الرحم وکثرۃ الذکر۔

شیخ محقق عبد الحق رحمۃ اللہ تعالے علیہ اشعۃ اللمعات میں حضرتِ امام غزالی سے ناقل کہ وہ فرماتے ہیں " ہرکہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ میشود بوے بعد از وفات " اور انشاء اللہ استغاثہ واستمداد کا بیانِ شافی جوابِ سوالِ دوم میں آئے گا۔



(۳) مشکوٰۃ شریف ص۴۲۶ میں حضرتِ معاذ بن جبل رضے اللہ تعالے عنہ سے ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فیّ والمتجالسین فیّ والمتزاورین والمتباذلین فیّ۔ یعنے فرمایا اللہ تعالے نے ثابت ہوئی محبت میری ان کے لئے جو ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں میرے لئے اور ان کے لئے جو ایک دوسرے کے لئے خرچ کرتے ہیں میرے لئے رواہ مالک۔ نیز اسی میں بروایتِ ابی موسےٰ اشعری رضے اللہ تعالے عنہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے مثل الجلیس الصالح والسوء کحامل المسک ونافخ الکیر فحامل المسک اما ان یحذیک واما ان تبتاع منہ واما ان تجد منہ ریحا طیبۃ ونافخ الکیر اما ان یحرق ثیابک واما ان تجد



من يحبها خبيثة متفق عليه۔ مشکوٰۃ شریف ص۳۴ میں بروایت احمد و ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و دارمی ایک حدیث طویل میں ہے ان العلماء ورثۃ الانبیاء کہ بے شک علماء وارث انبیاء کے ہیں۔"

(۴) مشکوٰۃ شریف ص۴۲۷ میں بیہقی سے ہے کہ فرمایا ابوہریرہ نے کہ میں حاضر تھا خدمت اقدس رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے بے شک بہشت میں یاقوت کے ستون ہیں جن پر زبرجد کے بالا خانے ہیں، ان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، چمکتے ہیں جیسے ستارہ روشن چمکتا ہے۔ پس صحابہ نے عرض کی کہ ان میں کون لوگ بسیں گے؟ تو فرمایا آپ نے المتحابون فی اللہ و المتجالسون فی اللہ و المتلاقون فی اللہ یعنی وہ لوگ بسیں گے جو اللہ عزوجل کے واسطے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کی ملاقات کرتے ہیں اللہ عزوجل کے لئے۔"

مشکوٰۃ شریف ص۳۹۷ میں بروایت امام مسلم ابوہریرہ سے ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کہ تم بہشت میں داخل نہ ہو گے اس حد تک کہ ایماندار ہو اور کامل ایماندار نہ بن سکو گے اس حد تک کہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستی رکھو۔ اور کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں کہ جب اس کو کرو تو ایک دوسرے کے دوست بن جاؤ، آپس میں عام کرو سلام کو۔" مشکوٰۃ شریف ص۴۰۱ میں بروایت احمد و ترمذی و ابن ماجہ براء بن عازب سے ہے کہ فرمایا نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لہما قبل ان یتفرقا کہ جب دو مسلمان ملاقات کریں اور مصافحہ کریں تو جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ ضرور معاف ہو جاتے ہیں۔"

(۵) ثبوت گزر چکا۔

(۶) قرآنِ کریم میں ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنہون عن المنکر و تؤمنون باللہ پ۴ ع۳۔ مشکوٰۃ شریف ص۳۲ میں صحیح بخاری سے بروایت عبداللہ بن عمر کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے بلغوا عنی ولو اٰیۃ "میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی۔"



(۷) قرآن کریم میں ہے ومما رزقنھم ینفقون پ ۱ ع ۲ "اور ہمارے دیئے گئے رزق سے خرچ کرتے ہیں" نیز ہے ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا ویتیما واسیرا پ ۲۹ ع ۱۹ "اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین، یتیم، اسیر کو" مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۷ میں صحیح مسلم سے بروایت عبداللہ بن عمرو ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا اسلام (اعمال اسلام) بہتر ہے؟ فرمایا کہ کھلائے تو کھانا اور کہے تو سلام جس کو پہچانے اور جس کو نہ پہچانے" تو جب عرس کے اجزاء وافراد کی مشروعیت انفراداً ثابت ہوئی تو اجتماعاً ضرور ثابت ہوگی کہ عبادات ایک دوسرے کے شامل ہو کر گناہ نہیں بن سکتیں۔ ہاں ایک اور چیز بھی مانعین کو دھوکا دے رہی ہے یعنی عدم جواز تعیین، کہ وہ کہتے ہیں معین کر کے مستحب کام کا ادا کرنا جائز نہیں، ممنوع ہے۔ اور عرس معین کر کے کیا جاتا ہے لہٰذا منع ہوا۔ مگر ان کا یہ قاعدہ عدم جواز تعیین محض کھوکھلا اور بے بنیاد ہے۔ جن اشیاء کی مشروعیت مطلقاً شرع مطہر سے ثابت ہے وہاں تعیین مضرت رساں نہ ہوگی کہ مطلق معین وغیر معین دونوں کو شامل ہے تو دونوں صورتوں میں مشروعیت ثابت ہوگی ورنہ لازم آئے گا کہ وہ مطلق مطلق نہ رہے بلکہ مقید بعدم التعیین بن جائے۔ اور یہ جائز نہیں کہ مطلق کو اپنی طرف سے مقید کیا جائے۔ اتقان ج ۲ ص ۳۱ میں ہے یبقی المطلق علی اطلاقہ افسوس کہ معبود حقیقی جو اپنے فضل وکرم سے ثواب دینے والا ہے وہ تو مطلق کام پر وعدہ ثواب کرے اور یہ لوگ اپنی طرف سے حاشیہ آرائی کریں کہ ثواب تب ہوگا اگر مقرر کر کے نہ کرے۔ اور مقرر کر کے کرنے میں ثواب نہیں بلکہ الٹا گناہ وعذاب ہے ان ھٰذا الا اختلاق۔

خداوند سبوح وقدوس ارشاد فرماتا ہے وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ان اللہ بما تعملون بصیرۃ "یعنی جو بھلا کام اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے نزدیک پاؤ گے، اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے" نیز فرماتا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہٗ "یعنی جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا" تو عدم تعیین کی قید کہاں سے لاتے ہیں؟

یہاں تک مدعیٰ تو ثابت ہو چکا مگر ہم قرآن وحدیث سے بالخصوص جواز تعیین کا ثبوت بھی دکھاتے ہیں کہ مخالفین کی سسکی بھی بند ہو جائے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ اپنے خاص بندوں کی تعریف میں ارشاد فرماتا ہے

والذین فی اموالھم حق معلوم ﭖ۲۹ع۶، یعنی وہ لوگ جن کے مالوں میں حق معلوم ہے۔" تفسیر کبیر ص ۲۱۳ جلد ۸۔ تفسیر خازن ص ۱۲۶ جلد ۷ میں ہے و النظم من الخازن وقیل ھی صدقة التطوع و ذلك بان یوظف الرجل علی نفسه شیئا من الصدقة یخرجه علی سبیل الندب فی اوقات معلومة یعنی ایک قول یہ ہے کہ "حق معلوم" سے مراد صدقۂ نفلی ہے اور بایں طور کہ مقرر کرے بندہ اپنے اوپر صدقہ جو استحبابی طور پر کرے مقررہ وقتوں میں۔" صحیح بخاری ص ۳۰۷ جلد امیں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر روز صبح و شام صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت سرا میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے ان عائشة رضی اللہ تعالی عنھا قالت لم اعقل ابوی الا وھما یدینان الدین و لم یمر علینا یوم الا یأتینا فیه رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم طرفی النھار بکرة و عشیا۔ نیز صحیح بخاری شریف ص ۴۱۴ جلد امیں حضرت کعب بن مالک سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی سفر میں تشریف لے جاتے تو عموماً خمیس کے دن تشریف لے جاتے ان کعب بن مالك یقول لقلما کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا خرج فی سفر الا یوم الخمیس۔ نیز اسی میں انہی سے مروی کہ آپ خمیس کے دن تشریف لے جانا پسند فرمایا کرتے تھے و کان یحب ان یخرج یوم الخمیس۔ ترمذی شریف ص ۲۳۳ ج ۲ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی کہ جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کبھی خدمت اقدس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوتیں تو آپ ان کے لئے قیام فرماتے اور بوسۂ محبت دیتے اور بٹھاتے ان کو اپنی مجلس پاک میں اور جب کبھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لیجاتے تو کھڑی ہو جاتیں اپنی مجلس سے اور ادب سے چوم کر اپنی مجلس میں بٹھاتیں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔" قالت وکانت اذا دخلت علی النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم قام الیھا فقبلھا و اجلسھا فی مجلسه وکان النبی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخل علیہا قامت من مجلسہا فقبلتہ و اجلستہ فی مجلسہا۔ صحیح بخاری شریف ص۱۵۹ جلد ا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد قبا میں ہر سنیچر تشریف فرما ہوا کرتے تھے اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی، کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یأتی مسجد قباء کل سبت ماشیا او راکبا و کان عبد اللہ بن عمر یفعلہ۔ صحیح بخاری شریف ص۱۶ جلد ا میں ابی وائل سے مروی کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر خمیس کو وعظ فرمایا کرتے تھے کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس۔ صحیح بخاری شریف ص۱۲۸ جلد ا میں حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ ایک صحابیہ ہر جمعہ کے روز صحابہ کرام کو بعد از نماز جمعہ مختصر سی دعوت کھلاتی تھی کہ چقندر کو ہانڈی میں ڈالتی اور مٹھی بھر جو کا آٹا اوپر سے ڈالتی تو یہ ہمیں کھلایا کرتی تھی اور ہم اس طعام کے لئے روز جمعہ کی آرزو کیا کرتے تھے فکانت اذا کان یوم الجمعۃ تنزع اصول السلق فتجعلہ فی قدر ثم تجعل علیہ قبضۃ من شعیر تطحنہا فتکون اصول السلق عرقہ و کنا ننصرف من صلوۃ الجمعۃ فنسلم علیہا فتقرب ذلک الطعام الینا فنلعقہ و کنا نتمنی یوم الجمعۃ لطعامہا ذلک۔

یہ حدیث صحیح بخاری کے ص۳۱۶ جلد ا اور ص۸۱۳ جلد ۲ میں بھی ہے اور ان دونوں جگہوں میں "نزورہا" زیادہ ہے تو اس حدیث نفیس سے دعوت بتعیین الیوم اور تعیین قسم طعام اور تعیین زیارت و سلام بھی ثابت ہے۔ صحابیہ دعوت کرنے والی تھی اور صحابہ کرام کھانے والے تھے اور ان کو شبہ عدم جواز کا وہم بھی نہ ہوا۔ تفسیر کبیر ص۲۰۰ جلد ۵، تفسیر ارشاد العقل ص۱۵۰ جلد ا میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال بنفس نفیس قبور شہداء کی طرف تشریف لے جاتے اور خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہر سال تشریف لے جایا کرتے تھے و النظم للامام فخر الدین الرازی و عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ یأتی قبور



الشہداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعۃ ھٰکذا کانوا یفعلون

جذب القلوب شریف ص۱۹۳ میں ہے " درخبر است کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بر سر ہر سال بر قبور شہدائے احد می آمدو می فرمود سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار"

غور سے دیکھا جائے تو یہ عرس کا خاص جزئیہ ہے۔ یہاں تک جوازِ تعیین اجزائے عرس کا بیان تھا ہے مگر دلیلِ عام اول کی طرح ایک اور دلیل بھی سنئے کہ صدہا مسائل کا فیصلہ بوجہ واضح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ عباداتِ مستحبہ کو اوقاتِ معینہ میں بالتعیین کرنا مطلقاً جائز و مستحبِ مستقل ہے جسے اللہ جل جلالہ خود اور اللہ کے رسول صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم بہت پسند فرماتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف ص۱۱ جلد۱، ابنِ ماجہ ص۳۲۲، نسائی شریف میں ام المؤمنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ان کے پاس ایک بی بی تھی تو آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ عرض کیا فلاں، جو سوتی نہیں اپنی نماز کا ذکر کرتی ہے پس فرمایا آپ نے چپ رہو، عمل میں سے اپنے مقدور کو لازم پکڑو کہ اللہ کی قسم کہ اللہ عزوجل ثواب دینا بند نہیں کرتا جب تک تم اکتا نہ جاؤ۔ اور بہت پیارا اعمالِ دین سے حضور کو وہ عمل تھا جس پر دوام ہو۔ نسائی شریف میں یہ کلمات ہیں ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دخل علیھا وعندھا امرأۃ فقال من ھٰذہ قالت فلانۃ لاتنام تذکر من صلوٰتھا فقال مہ علیکم من العمل ما تطیعون فو اللہ لایمل اللہ عزوجل حتی تملوا و کان احب الدین الیہ ما دام علیہ صاحبہ۔

صحیح بخاری شریف ص۵۲ جلد۱ میں ہے کہ حضرتِ صدیقہ رضے اللہ تعالٰے عنہا سے مسروق علیہ الرحمۃ نے سوال کیا کہ کونسا عمل نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو بہت پیارا تھا، فرمایا ہمیشگی والا" قال سألت عائشۃ ای العمل کان احب الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قالت الدائم۔ اور یونہی بخاری کے ص۹۵۰ جلد۲ میں بھی ہے۔ صحیح مسلم شریف ص۲۶۶ جلد۱ میں ہے کہ ام المؤمنین صدیقہ رضے اللہ تعالٰے عنہا نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے





عرض کی گئی کہ کونسا عمل اللہ تعالٰے کو بہت پیارا ہے؟ فرمایا ہمیشگی والا اگرچہ تھوڑا ہو۔ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سئل ای العمل احب الی اللہ قال ادومہ وان قل ومثلہ فی صحیح البخاری ص۹۵۶ جلد ۲ نیز صحیح مسلم شریف ص۳۶۵ جلد ا میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے مروی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ اعمال میں سے مقدور بھر اختیار کرو کہ بے شک اللہ تعالٰے ثواب دینا ہرگز بند نہیں کرتا یہاں تک کہ تم خود اکتا جاؤ۔" اور فرمایا کرتے تھے کہ بہت پیارا عملوں کا اللہ تعالٰے کے نزدیک وہ عمل ہے جس پر عمل کرنے والا ہمیشگی کرے احب العمل الی اللہ تعالٰی ما دوم علیہ صاحبہ وان قل ونحوہ فی ص۲۶۶ وفیہ زیادۃ وکان[سہ] اٰل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذا عملوا عملا اثبتوہ۔ ابن ماجہ ص۳۲۲ میں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے مروی ہے کہ سب عملوں سے پیارا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ نیک عمل تھا جس پر ہمیشگی کرے بندہ اگرچہ تھوڑا ہو وکان احب الاعمال الیہ العمل الصالح الذی یدوم علیہ العبد وان کان یسیرا۔ نیز ابن ماجہ ص۳۲۳ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ایسے عمل کی خواہش کرو جس پر دوام کی طاقت ہو تمہیں اس لئے کہ بہتر عملوں کا ہمیشگی والا ہے اگرچہ تھوڑا ہو اکلفوا من العمل ما تطیقون فان خیر العمل ادومہ وان قل۔ اور یہ ارشادات اعمالِ مندوبہ یا واجبہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مطلق ہیں اور مطلق اپنے اطلاق پر رہا کرتا ہے۔ نیز ام المؤمنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا نمازِ نافلہ کے متعلق یہی فرما رہی ہیں کہ صحیح مسلم ص۲۷۷ جلد ا میں ہے کہ حضرتِ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے سوال کیا گیا ان دو رکعتوں سے جو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم عصر سے پہلے پڑھا کرتے، پھر کسی عارضے سے رہ گئیں تو آپ نے ان کو عصر کے پیچھے پڑھا، پھر ہمیشگی فرمائی ان پر اور جب آپ کسی نماز کو پڑھتے تو ہمیشگی فرماتے تھے فقالت کان یصلیھما قبل العصر

سہ اور آل رسول صلے اللہ علیہ وسلم جب عمل کرتے تھے ثابت کر لیتے تھے ۱۲ منہ غفرلہ

ثم انہ شغل عنہما او نسیہما فصلاہما بعد العصر
ثم اثبتہما وکان اذا صلی صلوٰۃ اثبتہا قال یحیی بن
ایوب قال اسماعیل یعنی الدوام علیہا ونحوہ فی
النسائی ص۶۹ جلد ۱۔

دیکھو صراحۃً ثابت ہو گیا کہ نماز نافلہ پر دوام فرمایا کہ وہ رکعتیں پہلی دفعہ گو قضائے سنت تھیں مگر صرف ایک دن اور آئندہ نفل تھیں۔ بلکہ حضور پُر نور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے نفل کا نام ہی سنت ہے تو یہ نفلی عبادت پر دوام تھا۔ اور سنیئے! صحیح بخاری شریف ص۱۵۲ جلد ۱ میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ضرور چھوڑا کرتے تھے کسی عمل کو حالانکہ آپ دوست رکھتے تھے اس کے کرنے کو بہ سبب خوف اس بات کے کہ عمل کریں ساتھ اس کے لوگ پس فرض کیا جائے ان پر قالت ان کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیدع العمل وہو یحب ان یعمل بہ خشیۃ ان یعمل بہ الناس فیفرض علیہم۔ اور یہ بھی یقیناً نوافل ہی میں تھا کہ ترکِ واجب غیر متصور بلکہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام کی طرف قیامِ رمضان کے لئے تشریف آوری ترک فرمائی تو یہ عذر فرمایا کہ میں نے تشریف لانا اس لئے ترک کیا کہ تم پر فرض کا خطرہ تھا۔

صحیح بخاری شریف ص۱۵۲ جلد ۱، اور صحیح مسلم شریف ص۲۵۹ جلد ۱ میں ہے ثم اجتمعوا من اللیلۃ الثالثۃ او الرابعۃ فلم یخرج الیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما اصبح قال قد رأیت الذی صنعتم فلم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان یفرض علیکم قال وذلک فی رمضان۔ پس امس و شمس کی طرح واضح و لائح ہوا کہ عباداتِ مستحبہ بالتعیین بہت محبوب ہیں اللہ تعالےٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو تو مانعین پر لازم کہ محبوب ترین خدا اور رسولِ خدا کو ممنوع و حرام نہ کہیں واللہ الہادی۔ ہاں اگر کسی ایک عبادت کے کسی خاص وقت میں کرنے سے شرع منع کرے تو اس عبادت کو اس وقت میں کرنا جائز نہیں نہ مطلقاً نہ معین، جیسے نماز



طلوع و استواء و غروب کے وقت اور اگر کسی عرس کے موقع پر کوئی کام غیر مشروع کوئی شخص کرے جیسے ناجائز کشتیاں کھلے بندوں قوالی وغیرہ تو اس کام کا ازالہ از حد ضروری ہے مگر اس کی وجہ سے عرس حرام و ممنوع نہیں ہو سکتا چنانچہ بیاہ شادی جسے عربی میں عرس کہا جاتا ہے اس میں بھی لوگوں نے کئی ناجائز کام گھر مولی وغیرہ داخل کر لئے ہیں تو ان کی وجہ سے نفسِ شادی حرام نہیں ہو سکتی بلکہ ان کا ازالہ از حد ضروری ہے اور اس کی نظائر بہت ہیں۔

ہاں اگر کوئی عرس محض اس غرض سے شروع کیا جائے کہ افعالِ محرمہ کا وسیلہ بنایا جائے چنانچہ آجکل کئی بھنگڑ چرس نوش زندیق ملنگوں نے محض پیٹ پروری کی غرض سے کئی مصنوعی عرس بنائے ہوئے ہیں جن میں اعمالِ صالحہ مذکورہ سے کوئی ایک برائے نام ہی ہوتا ہے اور وہ بھی ناجائز طریق پہ، اور علمائے کرام کے پکے دشمن ہوتے ہیں، تو ایسا مصنوعی عرس یقیناً ممنوع اور واجب الازالہ ہے کہ یہ عرس ہے ہی نہیں، محض فریب و مکر او بہانہ بہر چرس نوشی و حرام کوشی ہے مگر حاشا و کلّا ایسے مصنوعی عرسوں کی وجہ سے اعراس مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہرگز ناجائز و ممنوع نہیں ہو سکتے۔ مولیٰ عزوجل ارشاد فرماتا ہے لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی۔ لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت۔

مسئلہ طعام حاضر رکھ کر پڑھنا شرعاً جائز ہے جس کے جواز میں اصلاً شک و شبہ و ریب کو راہ نہیں کہ جب شرعِ مطہر نے منع نہیں فرمایا تو بحکم اباحتِ اصلیہ کم از کم مباح ضرور ہوگا اور مباح نیتِ صالحہ سے مستحب و عبادت بن جایا کرتا ہے کہ انما الاعمال بالنیات و صرح بہ محی الدین النووی فی شرح صحیح مسلم و القاضی عیاض فی کتاب الشفاء و غیرھما فی غیرھما۔ سوال میں تخصیص حضورِ طعام سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر طعام حاضر نہ ہو تو سائل کو اس کے جواز میں شک و شبہ نہیں لہٰذا ہم اطمینانِ سائل کے لئے طعام کو حاضر رکھ کر پڑھنا ثابت کرتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف ص ۳۲۴ جلد ا میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے شہادت پائی حالانکہ ان پر قرض تھا میں نے ان کے تمام قرض خواہوں

پر کہ تمام تازہ کھجوریں تمام قرضوں کے بدلے لیں تو انہوں نے انکار کیا کہ ان کو کھجور کم معلوم ہوئی تو میں نے نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب کھجوروں کو کاٹ کر کھلیان میں رکھو تو رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اطلاع کرنا تو آپ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر بھی تھے تو حضور کھجوروں پر بیٹھے اور دعائے برکت فرمائی۔ پھر فرمایا قرضداروں کو بلاکر پورا پورا ادا کرو تو میں نے ہر ایک کا قرض ادا کر دیا جو میرے باپ پر تھا اور تیرہ وسق بچے (الحدیث) کلمات استدلالیہ یہ ہیں

فجلس علیہ فدعا بالبرکۃ۔

صحیح بخاری شریف ص۳۳۸ جلد۱ میں ہے کہ ایک غزوہ میں صحابہ کرام کے خرچ کم ہوگئے اور محتاج ہو گئے پس نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اونٹوں کے نحر کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے دی، پس ملے ان کو حضرت عمر پس خبر دی انہوں نے ان کو تو فرمایا کہ کیا باقی رہنا تمہارا ہے تمہارے اونٹوں کے بعد، پس خدمت اقدس نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ کیا باقی رہنا ان کا ہے ان کے اونٹوں کے بعد تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کہ لوگوں میں منادی کر دو کہ بچے ہوئے خرچ لائیں پس بچھایا گیا اس کے لئے چام اور وہ بچی ہوئی چیزیں اس پر رکھی گئیں پھر کھڑے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم، پس دعا فرمائی اور برکت ڈالدی اس پر، پھر منگوائے ان کے توشہ دان تو لوگوں نے پُر کئے حتےٰ کہ فارغ ہوئے پھر فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کہ گواہی دیتا ہوں میں اس کی کہ لا الٰہ الا اللہ و انی رسول اللہ۔ کلمات استدلالیہ یہ ہیں فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعا وبرک علیہ۔ اور اسی طرح ہے ص۴۱۹ جلد۱ پر بھی؛



اور صحیح مسلم شریف ص۱۷۹ جلد۲ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے کہ ابوطلحہ نے ام سلیم کو فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو طعام کی ضرورت ہے تو کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے تو عرض کی ہاں، پس نکالا جَو کی روٹیوں کو اور اپنے کپڑے کے ایک حصے میں لپیٹ کر میرے کپڑے کے نیچے دبا دیا اور باقی کپڑا مجھے اوڑھا دیا۔ پھر بھیجا مجھے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف، کہا پس میں لے گیا اس طعام کو تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقدس میں تشریف فرما پایا اور آپ کے ساتھ

صحابہ بھی تھے تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے۔ تو میں نے عرض کی جی ہاں تو فرمایا
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو جو آپ کے ساتھ تھے اٹھو کہا پس چلے حضور اور چلا میں ان کے
آگے آگے حتے کہ ابوطلحہ کو اگر خبر دی تو ابوطلحہ نے کہا اے ام سلیم! ضرور تشریف لائے ہیں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں کہ تمام کو کھلائیں تو ام سلیم نے عرض کیا اللہ اور اللہ کا
رسول بہتر جانتا ہے، کہا پس استقبال ابوطلحہ آگے سے جا کر ملے پس تشریف لائے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ
علیہ وسلم ساتھ اس کے حتی کہ داخل ہوئے آپ اور ابوطلحہ تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لاؤ جو کچھ تمہارے
پاس ہے اے ام سلیم! تو وہ لائیں انہی روٹیوں کو تو حکم فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے ریزہ ریزہ
کرنے کا تو ریزہ ریزہ کی گئیں اور نچوڑا ام سلیم نے اوپر کپے کو تو سالن ڈالا اس نے پھر پڑھا اس میں رسول اللہ صلی
اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جو چاہا اللہ تعالےٰ نے کہ پڑھیں پھر فرمایا دس کو اجازت دے تو اجازت دی اور پیٹ
بھر کر کھا کر نکلے پھر فرمایا اجازت دو دس کو تو اجازت دی پس سیر ہو کر نکلے پھر فرمایا اجازت دو دس کو حتے
کہ تمام قوم نے پیٹ بھر کر کھایا اور وہ قوم ستر یا اسی مرد تھے۔ اس میں یہ کلمات مبارکہ ہیں ثم قال
فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما شاء اللہ ان یقول۔

اور اسی طرح اور پانچ سندوں سے بھی اسی صفحہ میں ہے اور سنن ترمذی صنا۲۱ جلد ۲ میں بھی ہے
تو رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا کھجور و طعام حاضر پر دعا و برکت فرمانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ طعام حاضر
رکھ کر دعا مانگ سکتا ہے اور ہر فاتحہ کے بعد ضرور دعا ہوا کرتی ہے لہذا کھانا بھی رکھا جاتا ہے۔ تو یہ سنتِ رسول
اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ثابت ہوا بلکہ حدیثِ انس مذکورہ سے طعام پر پڑھنا صراحۃً ثابت ہے
ومن ادعی الفرق فی ھذا بین کلام و کلام فعلیہ البیان
ببرھان تام۔

نیز طعامِ پاک کے پاس قرآن کریم پڑھنا کیونکر منع ہو سکتا ہے حالانکہ قرآنِ کریم شفاء و رحمت ہے
سورہ بنی اسرائیل میں ہے و ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ
للمؤمنین تو اگر اس شفاء و رحمت کا اثر اس طعام پر ہوا اور ہو گا ضرور تو فبہا ورنہ یہ تو متیقن کہ باعث
مضرت نہیں۔ بلکہ احادیث سے ثابت کہ قرآنِ پاک پانی پر استشفاء کے لئے پڑھا جائے۔ اتقان جلد ثانی ۱۶۳

میں ہے و اخرج ابن حاتم عن لیث قال بلغنی ان هؤلاء الآیات شفاء من السحر تقرأ علی اناء فیہ ماء

توجب پانی پر پڑھنا ثابت ہوا تو کونسا فارق طعام پر پڑھنے سے منع کرتا ہے؟ بلکہ لکھ کر پینا بھی احادیث سے ثابت ہے۔ اسی میں صفحہ ۱۶۵ میں ہے و فی المستدرک عن ابی جعفر محمد بن علی من وجد فی قلبہ قسوة فلیکتب یٰس فی جام بماء ورد و زعفران ثم یشرب۔ نیز اسی میں ہے و اخرج البیہقی فی الدعوات عن ابن عباس موقوفا فی المرأة تعسر علیها ولادتها قال یکتب فی قرطاس ثم تسقی۔ نیز اسی کے صـ ۱۶۶ میں ہے مسئلة قال النووی فی شرح المهذب لو کتب القرآن فی اناء ثم غسل وسقاه المریض فقال الحسن ومجاهد و ابو قلابة والاوزاعی لا بأس به، تو طعام پر پڑھنا بطریق اولیٰ ثابت ہوا بلکہ اسی میں ہے فقد قال القاضی حسین و البغوی و غیرهما لو کتب القرآن علی حلوی او طعام فلا بأس باکلہ۔

سب سے بڑی دلیل جو معاندین پر جبل قاہرہ سے بھی صعب تر ہے وہ یہ ہے کہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی جو وہابیوں کے چوٹی کے امام ہیں، اپنی کتاب "الداء والدواء" کے صـ ۸۹ پر تحریر کر گئے ہیں کہ کسی شیرینی پر فاتحہ حضرات مشائخ کرام پڑھ کر تقسیم کر دے۔" نیز اسی میں ہے کہ "پھر شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر اور ثواب اس کا روح پرفتوح آنحضرت و مشائخ طریقت کو دے کر تقسیم کر دے۔" یہ بھی اسی میں ہے "پھر شیرینی پر فاتحہ شیخ جیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھ کر تقسیم کر دے۔" تو پھر یہ لوگ انکار کاہے کا کر رہے ہیں خصوصاً جبکہ وہ اپنی اسی کتاب میں اپنے اذناب و اتباع کو یہ تنبیہ بھی کر گئے ہیں کہ میں نے اس رسالے میں انہی اعمال کو ضبط کیا ہے جو نہایت صحت و قبول و شہرت کے ساتھ ماثور ہیں اور اکثر اعمال کی بنیاد آیات کتاب اللہ و احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اور وہ اعمال جو مشائخ طریقت سے منقول و معمول بہا ہیں ان میں سے چند اعمال صحیح و مجرب کو اخذ کر کے لکھا ہے صـ ۱۰۱، بلکہ ان ختموں کے متعلق یہ



افادہ ص۵۰ پر کیا ہے کہ یہ اعمال بھی مجرب ہیں اور لائقِ اعتماد ہیں۔

ص۶۰۵ ساتواں، چہلم اگر ورثاء بطیبِ خاطر اپنی رضا و رغبت سے کریں اور ان میں سے کوئی یتیم یا غیر حاضر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ وہ مندوب و مستحب ہے کہ وہ کھانا ایصالِ ثواب کے لئے پکایا جاتا ہے اور اس پر ختم پڑھ کر فقراء و مساکین کو دیا جاتا ہے اور یہ ایصال بدنی و مالی دونوں عبادتوں کا جمع کرنا ہے اور یہ دونوں ایصال اہلِ سنت کے نزدیک جائز و ثابت ہیں اور اطعامِ طعام و ختم پڑھنے کا ثبوت ماسبق سے معلوم ہو چکا اور جوازِ تعیین بھی بخوبی روشن ہو چکا۔ اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تفسیر فتح العزیز پارہ عم تیسار لون ص۹۰ میں ارشاد فرماتے ہیں" وارد ہے کہ مردہ اس حالت میں غریق کی مانند ہے کہ انتظار فریاد پہنچنے کا رکھتا ہے اور صدقے اور فاتحہ اس وقت اس کے بہت کام آتے ہیں۔ اسی واسطے اکثر لوگ ایک سال تک علی الخصوص ایک چلے تک موت کے بعد اس قسم کے کاموں میں کوشش اور سعی کرتے ہیں۔

ص۷ قبر کا اوپر سے پختہ بنانا اگر نیتِ صالحہ سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ایسے ہی روضہ بنانا نیتِ صالحہ سے۔ اور مشکوٰۃ شریف میں جو حدیث ہے نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ۔ یعنے منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے بچ کرنے سے اور ان پر بناء کرنے سے اور بیٹھنے سے "۔ یہ حدیث اور اس کے ہم معنٰے جو اور ہوں ان سے قبر کو نیتِ صالحہ سے اوپر سے مطلقاً پکا کرنا اور روضہ بنانا ممنوع نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ معنٰے مراد ہوتا تو روضۂ انور محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تعمیر نہ کیا جاتا اور ایسے ہی صحابہ کرام اور سلف صالحین ہرگز ہرگز صلحاء کے روضے بناء نہ کرتے اور قبورِ مطہر کو کنکریوں اور پانی سے پختہ نہ کیا جاتا جن کا ثبوت آگے آتا ہے ان شاء اللہ تعالےٰ، تو معلوم ہوا کہ یہ معنے مراد نہیں۔ اور دوسری احادیث سے پتہ ملتا ہے کہ یہود و نصاریٰ قبر کے میں اوپر بناء بنایا کرتے تھے اور پرستش کیا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ میں بخاری سے ہے الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاءھم و صالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انھاکم عن ذلک یعنے آگاہ ہو کہ بے شک وہ جو تم سے پہلے تھے قبورِ انبیاء و صالحین کو مسجدیں بنایا کرتے تھے۔ آگاہ ہو پس

نہ بنانا تم قبروں کو مسجدیں، بے شک میں روکتا ہوں تمہیں اس سے " تو نہی تجصیص و بناء مذکور کا محمل اس معنے پر کہ قبور پر مساجد بنانا ممنوع ہے بقرینۂ حدیث مذکور و ہم معنی اس کے اولی ہے کہ احادیث ایک دوسری کی تفسیر کیا کرتی ہیں۔ یا یہ مراد ہو کہ جب تجصیص و بناء میں فائدہ نہ ہو تو نہ کرو کہ عبث ممنوع ہے، یا اس بناء پر نہی ہو کہ قصد تکبر و مفاخرت وغیرہا اغراض فاسدہ سے ہو تو ممنوع ہے۔ یا قبرستان موقوف ہو کہ اس میں تجصیص و بناء سے زمین موقوف رکتی ہے۔ مشکوٰۃ شریف ص۱۴۸ میں ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرتِ ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا اور کنکریوں کو رکھا وان رش علی قبر ابنہ ابراھیم و وضع علیہ حصباء رواہ فی شرح السنۃ و روی الشافعی من قولہ رش۔

اس سے آگے صاحبِ مشکوٰۃ نے حدیثِ نہی تجصیص جابر رضے اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کر کے آگے یہ حدیث لکھی ہے کہ حضرتِ جابر سے مروی کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی قبرِ مطہر پر پانی چھڑکا گیا اور چھڑکنے والے بلال بن رباح تھے کہ مشک کے ساتھ چھڑکا تھا وعنہ قال رش قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و کان الذی رش الماء علی قبرہ بلال بن رباح بقربۃ الحدیث و رواہ البیہقی۔ نیز اسی میں ہے کہ قبرِ انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و صدیقِ اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہما کی قبروں پر کنکریاں چنی ہوئی تھیں، سرخ عرصہ کی کنکریوں سے مبطوحۃ ببطحاء العرصۃ الحمراء۔ تو خود نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے ایک قسم کا پختہ بنانا ثابت ہوا اور صحابہ کرام سے بھی گویا کہ صاحبِ مشکوٰۃ بھی اسی طرف اشارہ فرما رہے ہیں بتقدیم حدیث وضع الحصباء و رش الماء و تاخیرہ۔

جذب القلوب شریف ص۱۲۱ میں شیخ الہند شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضے اللہ تعالٰے عنہ نے حجرہ شریف نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو کچی اینٹوں سے بنا کیا۔ بعد ازاں عمر بن عبدالعزیز نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے اس کو منہدم کر کے منقوش پتھروں سے بنا کیا " و بعد ازاں کہ امیر المؤمنین عمر در مسجد زیادت کرد حجرہ را از خشت خام بنا کرد و تا زمان حدوث عمارت ولید ایں حجرہ ظاہر بود عمر بن عبدالعزیز بحکم ولید بن عبدالملک آں را ہدم کرد و بحجارہ منقوشہ برآورد و برظاہر آں



حظیرہ دیگر بنا کردہ۔

مشکوٰۃ شریف ص۱۵۲ میں بخاری شریف سے ہے۔ جب حضرت حسن بن امام حسن بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال شریف ہوا تو آپ کی زوجہ شریفہ نے آپ کی قبر پر قبہ بنایا اور سال تک رکھا اور بعد ازاں اٹھایا و عن البخاری تعلیقا قال لما مات الحسن بن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضربت امرأتہ القبۃ علی قبرہ سنۃ ثم رفعت۔ تو وہ بی بی صاحبہ تابعیہ تھیں، اہل بیت کرام سے تھیں، زمانہ تابعین میں یہ کام کیا اور کسی نے منع نہ کیا۔ صرف ایک دو دن نہیں ایک سال تک غرض صحیح سے رکھا اتنی مدت مدینہ میں کسی کی نظر سے اوجھل رہ سکتا ہے؟ اور بعد کو اٹھانا ہمیں مضر نہیں کہ جب وہ غرض منتفی ہوئی تو اٹھالیا۔ اور مدار نیت وغرض پر ہے کما سمعت۔

جذب القلوب شریف ص۱ میں ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب برادر حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روضہ بنایا" قبور ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہن نیز قریب دار عقیل است کہ چوں عقیل بن ابی طالب چاہی در دار خود حفر کرد از آنجا سنگے برآمد کہ در وے نوشتہ اند قبر ام حبیبہ بنت صخر بن حرب عقیل آں چاہ را باز انباشت وعمارتے بر بالا قبر بنا کرد" تو جب صحابہ کرام وتابعین عظام سے روضے بنانا ثابت ہوا تو اس میں کونسا خدشہ رہا؟ حالانکہ حدیث صحیح ہے انما الاعمال بالنیات۔ اس کے بہت نظائر ملیں گے کہ کام نیت صالحہ سے صالح ہو جاتا ہے مثلاً سجدے وقت حد رکوع تک جھکنا ممنوع اور ہاتھ پاؤں چومنے معظم شرعی کے جائز واحادیث سے ثابت حالانکہ چومنے میں جھکنا ضرور پایا جاتا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ الادب المفرد ص۳۳۹ میں وازع بن عامر سے راوی کہ فرماتے ہیں جب ہم حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ مبارک اور پاؤں مبارک پکڑ کر چومے قال قدمنا فقیل ذاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذنا بیدیہ و رجلیہ نقبلھا۔ وہیں روایت کہ حضرت علی نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پاؤں چومے عن صہیب قال رأیت علیا یقبل ید العباس و رجلیہ۔ مسلمان روضے بنانے مستحسن سمجھتے ہیں اور حدیث میں وارد کہ ما راٰہ المومنون حسنا فھو عند اللہ



حسن۔ تو روضے بنانے مستحسن عند اللہ ہوئے۔ اور نیتِ صالحہ کئی وجہوں سے ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ عوام دیکھ کر پہچانیں گے کہ یہاں کوئی اہل اللہ آرام فرما ہیں، فاتحہ پڑھیں گے، فیض اٹھائیں گے تو یہ نشان عرفانِ قبور اہل اللہ کا ہے۔ اور آنے والے سایہ میں فاتحہ پڑھ لیں گے، گرمی و سردی، آندھی وغیرہ سے محفوظ رہیں گے، قرآن شریف پڑھنا چاہیں تو وہ بھی بآرام پڑھ سکیں گے۔

حضرتِ شیخ الہند شاہ عبد الحق محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوۃ شریف ص۳۴۳ جلد۱ میں فرماتے ہیں " ودر مطالب المؤمنین گفتہ اند کہ مباح داشتہ اند سلف کہ بنا کردہ شود بر قبور مشائخ و علماء مشہور تا زیارت کنند ایشاں را مردم و استراحت یابند دراں و نشینند در سایۂ آں۔ نقل کردہ است آں را از مفاتیح شرح مصابیح الخ " اور اسی طرح مجمع البحار شریف میں ہے۔

اسواط العذاب کے آخر میں حضرتِ ابنِ حجر کی شرح صحیح بخاری، فتح الباری سے منقول ہے ضرب الفسطاط ان کان لغرض صحیح کالتستر من الشمس للحیہ لا لاظلال المیت فقد جاز۔ اور ایک نیت یہ بھی صحیح ہے کہ عوام قبروں کی بے حرمتی کے خوگر ہو رہے ہیں تو یہ صاحبِ روضہ جو شرعاً معظم ہیں ان کی تربتِ اطہر کی بے حرمتی بھی نہ کریں۔ اسواط العذاب کے آخر میں تفسیر روح البیان سے ہے بناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز اذا قصد بذلک التعظم فی اعین العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب ھذا القبر۔

گیارہویں شریف کا ثبوت ثبوتِ عرس کے ضمن میں گزر چکا کہ گیارہویں بھی خیرات وصدقۂ معینہ ہی ہے۔

۱ سائل نے یہ بیان نہیں کیا کہ کس سے مدد مانگنے کے متعلق سوال ہے؟ یہاں کئی احتمال ہیں، مولیٰ تعالیٰ سے مدد مانگنا مراد ہے یا مسلمانوں سے علی العموم یا صاحبِ روضہ سے؟ اور یہ تمام استمداد جائز ہیں جن کا جواز قرآنِ کریم واحادیث وتفاسیر سے ثابت ہے۔ استمداد باللہ تعالیٰ کے جواز کے تو مخالفین بھی قائل ہیں رہی تعیین، اس کا ثبوت کامل گزر چکا اور استمداد واستعانت بالمخلوق بھی کامل طور پر ثابت ہے۔ قرآن پاک میں ہے استعینوا بالصبر والصلوۃ پ۱ ع۶۔ یاایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ پ۲ ع۳۔ تو استعانت بالصبر والصلوۃ استعانت بالمخلوق ہے کہ صبر وصلوٰۃ اعمال ہیں اور تمام اعمال مخلوق ہیں۔ قرآن کریم میں ہے واللہ



خلقکم و ما تعملون پ ۲۳ ع ۴ یعنے اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت ذوالقرنین علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے سدِ سکندری بنانے کے وقت متعلقہ لوگوں سے مدد طلب کی فاعینونی بقوۃ اجعل بینکم و بینھم ردما پ ۱۶ ع ۱ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ مکے والے مسلمان جنہوں نے ہجرت نہیں کی ان کا ترکہ تم کو نہیں ملتا جب تک ہجرت نہ کریں اور اگر وہ دین کے بارے میں مدد طلب کریں تم سے تو تم پر ان کی مدد ضروری ہے و الذین اٰمنوا ولم یھاجروا ما لکم من ولایتھم من شیئ حتی یھاجروا و ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق و اللہ بما تعملون بصیر ۔ پ ۱۰ ع ۶۔ قرآن کریم میں ہے کہ سیدنا عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حواریوں سے مدد طلب فرمائی یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسی بن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ پ ۲۸ ع ۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو علے العموم حکم دیا ہے کہ میری طرف وسیلہ طلب کرو یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ۔ پ ۶ ع ۱۰ اور وسیلہ الی اللہ سے مراد وہ چیز ہے جو بارگاہِ الٰہی کے قریب کرے۔ تفسیر جلالین وصاوی علے الجلالین صہ ۲۴۵ جلد ۱، تفسیر کبیر صہ ۳۹۹ جلد ۳، تفسیر ارشاد العقل صہ ۴۴ جلد ۳، تفسیر خازن صہ ۳۹ جلد ۲، تفسیر معالم التنزیل صہ ۳۹ جلد ۲ و النظم من الجلالین مایقربکم الیہ ۔ اور اولیاء اللہ یقیناً اللہ کا مقرب بنانے والے ہیں۔ وہ تو وہ ہیں کہ جب نظر آجائیں اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے تفسیر کبیر صہ ۱ جلد ۵، خازن صہ ۱۶ جلد ۳، معالم التنزیل صہ ۱۶ جلد ۳، صاوی صہ ۱۶۶ جلد ۲ میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اولیاء کے متعلق ہے ھم الذین اذا رأوا ذکر اللہ و النظم من الخازن ۔ مشکوٰۃ شریف صہ ۴۲۷ میں ہے خیارکم اذا رأوا ذکر اللہ رواہ ابن ماجۃ ۔

سبحان اللہ! معنیٰ وسیلہ ان کی ذاتِ بابرکات پر کیسا چسپاں ہوا! رہا بعض کا اقتصار طاعت پر تو وہ بطور تمثیل ہے کہ مفسرین کرام بعض افراد پر تمثیلاً اقتصار فرمایا کرتے ہیں چنانچہ اتقان صہ ۱۷۷ جلد ۲ میں ہے

الثانی ان یذکر کل منهم من الاسم العام بعض انواعه علی سبیل التمثیل و تنبیه المستمع علی النوع لا علی سبیل الحد المطابق للمحدود فی عمومه وخصوصه الخ

اور احادیثِ شفاعتِ کبریٰ وغیرہا سے روزِ روشن کی طرح جوازِ توسل واستمداد واضح ولائح ہے اور اس کا شرک نہ ہونا بھی کہ اس میدانِ جاں گداز میں شرک ومشرکیات کے بطلان پر وقوف کفار تک کو بھی ثابت ہو گا و للہ الحجۃ البالغۃ۔ اب معاندین بتائیں کہ ان کے امام کا قول تقویۃ الایمانی ص۸ (پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے) کیا معنے رکھتا ہے؟ کیا جو چیز قرآن و حدیث سے ثابت ہو اور دنیا و آخرت میں موجود و متحقق و متکرر و متقرر و مقرر ہو وہ شرک ہو سکتی ہے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اب خاص استمداد و امداد بعد از انتقال کا ثبوت سنیئے!

پہلے سمجھنا چاہئے کہ امداد روح کرتا ہے اور روح ہر ایک کا زندہ ہوتا ہے کہ موت جسم پر واقع ہوتی ہے اور موت قبضِ روح از جسم کا نام ہے تو جو اولیا قبل از وصال امداد کر سکتے ہیں وہ بعد از انتقال بھی کر سکتے ہیں شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات ص۷۱۶ ج۱ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں " بتحقیق ثابت شدہ است بآیات واحادیث کہ روح باقی است واو را علم وشعور بزائراں واحوالِ ایشاں ثابت است وارواحِ کاملاں را قربی ومکانتی درجنابِ حق ثابت است چنانچہ درحیات بود یا بیشتر از اں واولیاء را کرامات وتصرف در اکوان حاصل است وآں نیست مگر ارواحِ ایشاں را وارواح باقی ست"

صاوی علی الجلالین ص۳۰۱ جلد۳ میں ہے ارواح المطیعین مطلقۃ غیر محبوسۃ

تفسیر کبیر ص۴۹۸ جلد۴ میں ہے الارواح المفارقۃ عن ابدانها المشاکلۃ لهذه الارواح فی الصفات و الطبیعۃ و الخاصیۃ یحصل لها نوع تعلق بهذا البدن بسبب المشاکلۃ والمجانسۃ وتصیر کالمعاونۃ لهذه الروح علی اعمالها الی ان قال انعکس انوارها بعضها علی بعض علی مثال المرآۃ المشرقۃ





المتقابلۃ وکذا عن الغزالی فی التفسیر الکبیر ص۳۱۶ جلد ۸

بلکہ قوی ہوجاتا ہے۔ تفسیر کبیر ص۲۳۴ جلد ۵ میں ہے وہو ان النفوس البشریۃ والارواح الانسانیۃ اذا فارقت ابدانہا قویت فی تلک الصفات التی اکتسبتہا فی تلک الابدان وکملت فیہا الی ان قال وتصیر تلک النفس المفارقۃ معاونۃ لہذہ النفس المتعلقۃ بہذا البدن ومعاضدۃ لہا علی افعالہا واحوالہا۔

اشعۃ اللمعات میں ہے کہ سیدی احمد زروق علیہ الرحمۃ نے جو اعاظم فقہاء و علماء مشائخ مغرب سے ہیں فرمایا کہ ایک دن شیخ ابو العباس حضرمی نے مجھ سے دریافت کیا کہ امداد زندے کی زیادہ قوی ہے یا مردے کی تو میں نے کہا کہ ایک گروہ کہتا ہے امداد زندے کی بہت قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ امداد مردے کی زیادہ قوی ہے، تو شیخ نے فرمایا ہاں! اس لئے کہ وہ بارگاہِ حق تعالیٰ میں ہے "پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وے در بساطِ حق ست و در حضرۃِ اوست"

بیضاوی شریف، کبیر، روح البیان وتفسیر عزیزی میں فالمدبرات امرًا کی ایک تفسیر یہ بتائی کہ اس سے مراد ارواح ہیں تو لامحالہ استمداد جائز ہوئی کہ وہ امداد کرسکتے ہیں اور امداد کرنیوالوں سے استمداد کا ثبوت گزرچکا۔ شیخ محقق دہلوی علیہ الرحمۃ جذب القلوب شریف ص۲۲۴ میں فرماتے ہیں "اما تبرک وتوسل در عالمِ برزخ وموطنِ قبر در اختصاصِ او بہ حضراتِ قدسی سماتِ انبیاء و رسل صلوات اللہ علیہم اجمعین تردد است وظاہر جوازِ اوست در غیرِ ایشاں از اولیاء اللہ وعلمائے امت واللہ اعلم از جہتِ عمومِ جوازِ توسل در حالتِ حیات باضمیمۂ بقائے روحِ میت وشعور وادراک (الی ان قال) و ورودِ نصِ صریح در وے حاجت نیست از جہتِ وجود وبقائے ذاتِ متوسل بخلاف موطنِ اول بلکہ عدمِ ورودِ نص بر منعِ آں کافی ست الخ

تفسیر عزیزی ص۱۰۹ پ۳۰ میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں (مترجم سے ہے) اور بعضے خاص اولیاء اللہ جن کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے بندوں کی ہدایت اور ارشاد کے واسطے پیدا کیا ہے ان کو اس حالت میں بھی اس عالم کے تصرف کا حکم ہوتا ہے اور اس طرف متوجہ ہونے سے ان کے استغراق میں کمال وسعت مدارک کے سبب سے کچھ خلل واقع نہیں ہوتا (الی ان قال) اور حاجتمند اور غرض والے اپنے اڑے کاموں کی کشادگی کا سبب ان سے پوچھتے ہیں اور ان کے کہنے پر چلنے سے اپنا مطلب پاتے ہیں الخ اولیائے کرام تو

مظہرِ صفاتِ حق تعالیٰ ہیں۔ ان کی امداد امدادِ حق تعالیٰ ہے تو ان سے استمداد درحقیقت حق تعالیٰ سے استمداد ہے تو یہ ممنوع کیسے ہو سکے؟ صحیح بخاری شریف ص۹۶۳ جلد ۲ حدیثِ قدسی میں ارشادِ حق تعالیٰ ہے کہ میں جب اپنے بندے کو دوست بناؤں تو بن جاتا ہوں اس کا کان جس سے سنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ جو پکڑتا ہے اس سے اور اس کا پاؤں جو چلتا ہے اس سے یعنی وہ بندہ مظہرِ صفاتِ علیہ بن جاتا ہے فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا۔ اور جب ان حضرات کا یہ شان ہے تو قبل از وصال وبعد از وصال ہر حال میں جوازِ استمداد ثابت ہوا کہ درحقیقت یہ استمداد حق تعالیٰ سے ہے اور امداد اس کی طرف سے ہے اور وہ ہر وقت امداد فرما سکتا ہے۔ اور موت سالب ولایت نہیں بلکہ مؤکدِ ولایت ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون بلکہ ان کے ارواحِ طیبہ بعد از وصال مدبّرات بن جاتے ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں آیت فالمدبرات امرًا کی ایک تفسیر یہ بھی فرمائی ہے کہ ثم ان ھذہ الارواح الشریفۃ العالیۃ لا یبعد ان یکون فیہا ما یکون لقوتہا و شرفہا یظہر منہا اٰثار فی احوال ھذا العالم فہی المدبرات امرًا الیس ان الانسان قد یری استاذہ فی المنام و یسئلہ عن مشکلۃ فیرشدہ الیہا الخ اور اس کی مثل تفسیر بیضاوی و تفسیر روح البیان میں بھی ہے۔

شاہ عبد العزیز محدثِ دہلوی علیہ الرحمۃ نے بھی اسے صفتِ نفس بتایا کہ تفسیر عزیزی مترجم ص۲۱ میں ہے " اور پانچواں درجہ وہ ہے کہ کمال کے سبب عدوں کو طے کر کے تکمیل کے رتبے کو پہنچے اور اس کے کام کا پیشوا اور استاد ہو جائے کہ اور لوگ اس سے اپنی مشکل حل کرا دیں اور اس صفت میں بے تدبیر اور مشورے اس شخص کے کام نہ کر سکیں۔ اسی حالت کو اس عبارت سے تعبیر فرمایا ہے :- فالمدبرات امرًا۔ وللہ الحمد۔

مخالفین پر سب سے بھاری شہادت کہ اس کا اصلاً انکار نہیں کر سکتے ان کے امام میاں اسمٰعیل



دہلوی کا قول ہے ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے شہادت تیری - صراطِ مستقیم صـ۱۶۶ میں کہتا ہے کہ جناب غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کے ارواحِ مقدسہ میرے پیر پر جلوہ گر ہوئے اور ایک پہر تک توجہ قوی اور تاثیر زور آور فرماتے رہے۔ اس حد تک کہ دونوں طریقوں کی نسبت اسی ایک پہر میں پوری ہوئی" روزے ہر دو روحِ مقدس بر حضرتِ ایشاں جلوہ گر شدند و تا قریب یک پاس ہر دو امام بر نفسِ نفیس حضرتِ ایشاں توجہ قوی و تاثیرِ زور آور مے فرمودند تا ایں کہ در ہماں یک پاس حصولِ نسبت ہر دو طریقہ نصیبِ حضرتِ ایشاں گردید" اسی ایک قول سے افاضۂ ارواح اور تاثیرِ ارواح ثابت ہوئی اور دور سے جاننا اور توجہ قوی فرمانا بھی ثابت ہو گیا کہ اول تو پیر جی دونوں حضرات کرام کے مزاراتِ طیبہ پر حاضر نہ تھے اور اگر ہوں تو ایک مزار کے پاس حاضر ہو سکتے ہیں نہ کہ دونوں کے پاس، اور توجہ دونوں حضرات نے بیک وقت فرمائی، مان رہا ہے کہ "ہر دو امام" اور "در ہماں یک پاس" کہہ رہا ہے تو اب انکاری کیوں ہیں؟



اس سے بھی سخت تر شہادت سنئے کہ وہی امام مزار پر جا کر فیض لینا بھی مان رہا ہے۔ اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے کہ ایک دن پیر جی حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے مرقدِ منور کی طرف گئے اور مرقدِ منور پر مراقبہ میں بیٹھے اور مراقبہ میں ان کے روحِ پُرفتوح سے ملاقات ہوئی اور آنجناب نے پیر جی پر بڑی قوی توجہ فرمائی اور اس کے سبب ابتداءً حصولِ نسبتِ چشتیہ ہو گیا" روزے حضرتِ ایشاں بسوئے مرقدِ منور حضرتِ خواجہ خواجگان قطب الاقطاب بختیار کاکی علیہ الرحمۃ تشریف فرما شدند و بر مرقدِ مبارک ایشاں نشستند و دریں اثنا بروحِ پُرفتوح ایشاں ملاقات متحقق شد و آنجناب بر حضرتِ ایشاں توجہے بس قوی فرمودند کہ بہ سبب آں توجہ ابتداءً حصولِ نسبتِ چشتیہ متحقق شد" اسی قول سے مزاروں پر حاضر ہونا، مراقبہ میں مزاروں کے پاس بیٹھنا، ملاقاتِ ارواح، علمِ ارواح و تصرفِ ارواح، ارواح کا پُرفتوح ہونا وغیرہ ثابت ہو رہا ہے۔ ہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کوئی جاہل مخلوق کو مستقل بالذات سمجھ کر مدد مانگے یعنی یوں سمجھے کہ وہ خدا تعالیٰ کے محتاج نہیں، اس کی دی ہوئی طاقت کے سوا مدد کر سکتے ہے تو ضرور وبالِ شرک میں گرفتار ہو جاتا ہے مگر اس میں یہ تفرقہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا کہ زید و عمر و عوام کو یوں سمجھے تو کوئی حرج نہیں اور اولیائے کرام کو یوں سمجھے تو شرک ہو جاتا ہے یا بالعکس یا تفرقِ موت و حیات ہو کہ شرک میں تفرقہ محض خبط ہے اور خواہ

خواہ ظن بد بھی مسلمان پر حرام ہے اور سخت حرام ہے۔ مسلم کا اسلام اعلیٰ قرینہ ہے کہ وہ بندگانِ خدا کو وسیلہ و واسطہ مظہرِ قدرت سمجھ کر ہی مدد طلب کر رہا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ مخالف تو یوں بھی مشرک ہی کہتے ہیں کہ تقویت الایمان کے صـ۶ پر ان کا امام صاف صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ (سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے) مگر عاقل خوب سمجھتا ہے کہ یہ شرک نہیں ہو سکتا جس کا ثبوتِ بیّن گزر چکا۔ خود مخالفین حکماء و حکام سے امداد مانگا کرتے ہیں، چندے وغیرہا طلب کرتے ہیں۔ بلکہ خود ان کے امام کے اقوال ابھی سن چکے کہ افاضہ و استفاضۂ ارواح کا اقرار کر چکا تو بحکم اقرار مرد آزار مرد خود اپنے منہ سے اپنے آپ کو مشرک کہہ گیا۔ مگر بحمدہٖ تعالےٰ اس استعانت سے مسلمان ہرگز ہرگز مشرک و مرتکبِ گناہ نہیں ہو سکتے بلکہ مستفیض و مستفیز و مستفید ہیں والحمد للہ علیٰ ذلک۔

یـ۱۱ قبروں پر چراغ جلانا ممنوع ہے کہ قبر حق مقبول ہے۔ اس میں تصرف نہ کیا جائے۔ اور بعض احادیث سے ثابت ہے مگر اس سے یہ سمجھنا کہ قبر کے پاس نیتِ صالحہ سے بھی ممنوع ہے غیر صحیح ہے کیونکہ بعض احادیث میں " علیٰ " آیا ہے اور " علیٰ " کا معنے حقیقی استعلاء ہے نہ کہ " عند و لدیٰ " کہ مخالف دلیل پکڑ سکے اور بلا دلیلِ شرعی عدول عن الحقیقۃ سخت منع ورنہ نصوصِ شرعیہ سے امان اٹھ جائے۔ اور جب اس سے ممانعت نہیں آئی تو بحکم اباحتِ اصلیہ مباح ضرور ہوگا بلکہ بحکم انما الاعمال بالنیات نیتِ حسنہ سے مندوب و مستحسن ہوگا۔ مجمع البحار صـ۱۰۲ جلد ۳ میں ہے وان کان ثم مسجد او غیرہ ینتفع فیہ للتلاوۃ والذکر فلا بأس بالسراج فیہ بلکہ غرضِ صحیح کے ساتھ قبر کے پاس خود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے چراغ جلانا مروی ہے کہ سنن ترمذی شریف صـ۱۳۷ جلد ۱ میں ہے عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دخل قبرا لیلاً فاسرج لہ سراج فاخذہ من قبل القبلۃ وقال رحمک اللہ ان کنت لاواھا تلاءً القرآن وکبر علیہ اربعا۔ اور اس حدیث کی تحسین بایں الفاظ فرمائی ہے قال ابو عیسیٰ حدیث ابن عباس حدیث حسن۔ ہاں بلا غرض یا معاذ اللہ نیتِ تعبد یا اغراضِ فاسدہ سے ہو تو ضرور ممنوع ہے۔ مگر ان صورتوں میں قبر کی کیا تخصیص ہے جہاں ہو ممنوع ہے اور بلا دلیل مسلمانوں پر ظنِ بد بھی حرام ہے کہ ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ



مسئولاً وارد ہے۔

۱۲-۱۳ ڈاڑھی منڈانے والے کی امامت جائز بایں معنی کہ فرض ذمۂ امام ومقتدی سے ساقط ہوجاتا ہے۔
ضرور ثابت ہے مگر مکروہ اور سخت مکروہ ہے کہ ڈاڑھی منڈانے والا گنہگار ہے اور گناہ کو بدلنا اور بُرا جاننا
ہر ایک مسلمان پر بہت ہی ضروری ہے حتّٰی کہ صرف دل سے بُرا جاننے والے کو اضعف الایمان فرمایا گیا،
اور اس کے پیچھے کوئی درجہ نہیں چھوڑا گیا۔ صحیح مسلم شریف ص۵۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم
فرماتے ہیں من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم
یستطع فبقلبہ و ذٰلک اضعف الایمان۔ اس کی شرح میں نووی علیہ الرحمۃ
فرماتے ہیں فقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فبقلبہ معناہ فلیکرہ
بقلبہ۔ تو مسلم من حیث ہو مسلم اس کو ضرور بُرا جانے گا اگرچہ کسی عارضے کی وجہ سے ظاہر نہ کرسکے۔ اسے اس
کے آقا نے بتادیا کہ اس کے ترک کرنے کی اجازت نہیں، اس کے پیچھے درجۂ ایمان نہیں اور اسے یہ کیونکر پسند
آئے کہ تارکِ اسوۂ حسنۂ محبوب صلے اللہ علیہ وسلم مصلائے محبوب صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر کھڑا نظر آئے
اور احادیثِ طیبہ میں وارد کہ ایسے کی نماز قبول نہیں ہوتی کہ امام بنے اس قوم کا کہ اسے ناپسند جان رہے
ہوں۔ مشکوٰۃ شریف ص۱۰۰ میں ابوداؤد وابنِ ماجہ سے ہے کہ ثلاثۃ لاتقبل منھم
صلٰوتھم من تقدم قوما وھم لہ کارھون۔ ہاں اگر مقتدی محض
مجبور ہیں کہ اس کے پیچھے نہ پڑھیں تو سخت خطرہ ہے کہ سلطان یا نائبِ سلطان ہے تو ان مقتدیوں کو اجازت
ہے اور تمام جماعت کا اہلِ جماعت نہ ہونا جائے تعجب نہیں کہ نبی علیم صلی اللہ علیہ وسلم دانائے ماکان وما
یکون اس کی خبر پہلے دے چکے ہیں اور آپ کی ہر خبر یقیناً صحیح وصادق ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)
مشکوٰۃ شریف ص۱۰۱ میں ائمۂ احمد وابوداؤد وابنِ ماجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ قیامت کے نشانوں سے ہے ان یتدافع اھل المسجد لایجدون
اماما یصلی بھم۔ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو توفیق عطا کرے تو توبہ کرنی مشکل نہیں،
کچھ خرچ نہیں آتا، کچھ دیر نہیں لگتی، توبۂ ظاہرہ کرکے اسی وقت امام بلا کراہت بن سکتا ہے کہ التائب
من الذنب کمن لا ذنب لہ اور المھاجر من ھجر ما
نھی اللہ عنہ۔ کیا مسلمانوں کی جماعت میں ایک بھی رجلِ رشید ایسا نہیں کہ تارکِ اسوۂ حسنہ



محبوبِ رب العالمین بنتا ہے اور نافرمانیٔ ارشادِ پُر سدادِ سید الاولین والآخرین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے باز آئے اور جنت کا دروازہ پائے۔ واللہ الموفق وصلی اللہ تعالیٰ علی المحبوب الاعلیٰ و آلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ نمازِ جمعہ گاؤں چھوٹے یا بڑے میں عندالاحناف ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا ماجورین۔

السائل :- غلام حیدر از قلعہ دیوا سنگھ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ





سیدنا حضرتِ مولیٰ مشکلکشا علی المرتضےٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ وحضرتِ حذیفہ وعطاء وحسن بن ابی الحسن ونخعی ومجاہد وابنِ سیرین وثوری وسحنون وامامِ ہمام حضرتِ ابوحنیفہ وابو یوسف ومحمد رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے نزدیک نمازِ جمعہ دیہات میں نہیں ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے لا تجوز فی القری عندنا وھو مذھب علی بن ابی طالب و حذیفۃ و عطاء و الحسن بن ابی الحسن و النخعی و مجاھد و ابن سیرین و الثوری و سحنون خلافا للائمۃ الثلاثۃ لما روی ابن ابی شیبۃ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ انہ قال لا جمعۃ و لا

تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع
او مدینۃ عظیمۃ وصححہ ابن حزم فی المحلی
کتبِ مذہب میں متوناً وشروحاً وفتاوےٰ یہی مصرح ومشرح ہے کہ ادائے جمعہ کے لئے شہر شرط ہے اور
شہر بھی جامع، جب شہر ہونا متحقق ہو لے تو بعدازاں جامع ہونے کی تحقیق ضروری ہے اور مصرِ جامع کی صحیح
تعریف وہ ہے جو غنیہ وغیرہا میں مذکور ہے ان بلدۃ کبیرۃ فیھا سکک
واسواق ولھا رساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف
المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ
یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث وھذا ھو
الاصح (ترجمہ) بے شک وہ (مصرِ جامع) ایسا بڑا شہر ہے جس میں متعدد محلّے اور بازار ہوں اور اس کے
متعلق دیہات ہوں اور اس میں کوئی حاکم بااختیار ہو ایسا کہ مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے سکے اپنے رعب
سے اور علم سے یا اپنے غیر کے علم سے اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہوں اپنے مقدمات میں"
حدیثِ جواثی جسے مجوزین اپنی زبردست دلیل سمجھے ہوئے ہیں وہ دراصل ہماری زبردست دلیل ہے اور
ان کا زبردست رد کرتی ہے۔



بہرنہج احناف کے نزدیک گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا نہیں کر سکتے کما لا یخفی
علی اولی النھی، والتفصیل ذکرناہ فی "انوار اتقن الدولۃ"
من شاء فلیطالع ثمہ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۷ر ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۰ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس شخص کے بارہ میں جو ذیل کی عبارت کے

مطابق عقیدہ رکھے اور اس کو شائع کرے اور لکھ کر دے آیا مسلمان ہے یا کافر؟ عبارت یہ ہے: جمعہ فرض عین ہے دیہاتوں میں، جو شخص دیہاتوں میں جمعہ نہ پڑھے گا یا اب نہیں پڑھتا ہے محمد صاحب (ایک شخص مسمّٰی بامحمد) قرآن و حدیث کی رو سے اسے کافر ثابت کریں گے بینوا ماجورین من رب العالمین۔





بلا شک و شبہ و ریب نمازِ جمعہ فرضِ عین ہے مگر بالشرائط اور چونکہ مصرِ جامع بھی ان شرائط میں سے ہے لہذا دیہات میں نمازِ جمعہ فرض نہیں۔ اس مدّعا پر دلائلِ قاہرہ باہرہ زاہرہ ظاہرہ شہود عدل ہیں جن میں سے چند حوالۂ قلم کئے جاتے ہیں۔

(۱) وہی حدیث جواثی جو طائفہ بھیر کی مایہ ناز اور بہترین دلیل ہے، ہمارے مدّعا کے لئے نہایت ہی واضح و روشن دلیل ہے جو یہ ہے وعن ابن عباس قال ان اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین رواہ البخاری فی صحیحہ (ص۱۲۳ مجتبائی) و البیہقی فی سنن الکبریٰ (ص۱۷۶ جلد ۳ دائرۃ المعارف) وابو داؤد فی سننہ مع زیادۃ فی الاسلام وقریۃ من قری البحرین۔

وجہِ استدلال یہ کہ جب مسجدِ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے نمازِ جمعہ جواثی میں قائم کی گئی حالانکہ احادیث صحاح سے ثابت کہ جواثی مدینہ طیبہ سے بہت ہی دور ہے تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ دیہات میں جمعہ نہیں ورنہ قباء وعوالی وغیرہا بہت سے دیہات جو مدینہ طیبہ سے بہت قریب تھے سب سے پہلے ان میں جمعہ قائم کیا جاتا اور ان سب کو پسِ پشت ڈال کر سب سے پہلے جواثی میں قائم نہ کیا جاتا

اور روایتِ ابوداؤد میں زیادتی قریۃ من قری البحرین ؛ ہمیں مضر اور نہ ہی مخالف کو مفید کہ لفظِ قریہ کا اطلاق لغتِ عرب میں شہر پر بھی ہوا کرتا ہے چنانچہ قرآنِ کریم پ ۲۶ ع ۶ میں مکہ شریف کو قریہ فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وکاین من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتک الآیۃ حالانکہ قرآنِ کریم پ ۳۰ ع ۱۵ میں مکہ شریف کو شہر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد الآیۃ۔ اور اسی طرح قرآنِ کریم میں شواہد کثیرہ موجود ہیں۔ صراح ص ۷۲ مجیدی، مجمع البحار ص ۲۱۷ جلد ا، کشوری و النظم من المجمع ھو حصن بالبحرین اور جس آبادی میں قلعہ ہو اس پر تعریفِ مصر جامع صادق آتی ہے۔

(۲) قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاجمعۃ ولاتشریق الا فی مصر جامع رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ ص ۱۷۹ جلد ۳ والطحاوی فی مشکل الآثار ص ۵۳ جلد ۲۔ اور قاعدۂ مسلّمۂ اصولِ حدیث کی رو سے یہ موقوف حکمِ مرفوع میں ہے۔ مشکل الآثار کے اسی صفحہ میں ہے مما یحیط علمنا ان لم یقلہ رأیا اذ کان مثلہ لا یقال بالرأی و انما لم یقلہ الا توقیفا ولا توقیف یوجد فی ذٰلک الا عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔



(۳) حضرتِ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کان الناس یتنابون الجمعۃ من منازلھم و العوالی رواہ البخاری فی صحیحہ ص ۱۲۳ جلد ا و مسلم فی صحیحہ ص ۲۸۰ جلد ا و البیہقی فی سننہ الکبریٰ ص ۱۷۳ جلد ۳۔ اگر دیہات میں جمعہ فرض ہوتا تو دوسری نمازوں کی طرح وہ حضرات عوالی میں بھی قائم کرتے اور ہمیشہ مدینہ طیبہ میں حاضر نہ ہوتے۔ مجمع البحار ص ۴۰۰ جلد ۳ و فیہ انہ لا یجب الجمعۃ علیٰ من ھو خارج المصر۔

(۴) اور ایسے ہی اہلِ قبا، مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر جمعہ ادا کیا کرتے تھے۔ سننِ ابنِ ماجہ ص ۸۰ فاروقی میں ہے ان اھل قباء کانوا یجمعون مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعۃ۔



(۵) اور باوجودیکہ سرکار دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا دس روز سے زیادہ قبا میں تشریف فرما ہونا اکثر اقوال سے ثابت ہے مگر جمعہ قائم نہ فرمایا تو ثابت ہوا کہ دیہات میں جمعہ نہیں۔ صحیح بخاری کے ص۵۵۵ جلد ۱ میں ہے فلبث رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی بنی عمرو بن عوف بضع عشرۃ لیلۃ۔ اور ص۵۶۰ میں ہے فاقام فیھم اربع عشرۃ لیلۃ اور تفسیر اتقان ص۳۶ جلد ۱ والجمعۃ فرضت بمکۃ۔

(۶) صحیح بخاری شریف ص۸۳۵ جلد ۲ اور مؤطا امام مالک ص۱۵۵ جلد ۱ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عید کے دن فرمایا کہ جو اہلِ عوالی سے جمعہ کے لئے ٹھہرنا چاہے تو ٹھہرے اور جو واپس ہونا چاہے تو میں نے اسے اجازت دے دی و النظم من البخاری قال یا ایھا الناس ان ھذا یوم قد اجتمع لکم فیہ عیدان فمن احب ان ینتظر الجمعۃ من اھل العوالی فلینتظر ومن احب ان یرجع فقد اذنت لہ۔ امام مالک نے اس حدیث کو باب الجمعۃ فی العوالی و من حضر المدینۃ منھم فلہ الرجوع قبل دخول الوقت میں اخراج فرمایا۔



اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اہلِ دیہات پر جمعہ نہیں۔

(۷) بلکہ خود حضور پُر نور سید یوم النشور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ثابت کہ آپ نے اجازت فرمائی چنانچہ مشکل الآثار ص۵۳ جلد ۲، سنن ابوداؤد ص۱۵۳، صحیح مستدرک ص۲۸۸ جلد ۱، مسند ابی داؤد طیالسی ص۹۴ میں ہے و النظم من المسند ثم رخص فی الجمعۃ فقال من شاء ان یصلی فلیصل۔

(۸) اور اس کے ماسوا بہت سے دلائل ہیں جو اختصاراً تحریر نہیں کئے جاتے۔ ہاں اتنا سمجھنا نہایت ہی ضروری کہ نمازِ ظہر فرضِ قطعی اور فرضِ عین ہے۔ غیر مقلدین کے پاس وہ کونسی قطعی دلیل ہے جس سے دیہات میں اس فرضِ قطعی کو جمعہ کے روز بلا عذر ترک کر کے مسلمان بنے رہتے ہیں۔ آیۂ جمعہ بالاجماع مخصوص ہے حتےٰ کہ طائفۂ غیر مقلدین کے نزدیک بھی کہ بیمار اور نابینا، لنگڑا، غلام، مسافر، عورت اور تنہا، بالاجماع مخصوص ہیں حالانکہ ان

تمام پر بھی نمازِ ظہر فرضِ عین ہے۔

صد افسوس کہ برائے نام اور کمزور دلائل کو اپنی رائے قاصر سے دلائل سمجھ کر جہل مرکب میں گرفتار ہو کر علماء وائمہ عظام وصحابہ کرام پر معترض بنتے ہیں۔ صرف معترض نہیں بلکہ کفر وشرک تک پہنچتے ہیں۔ اس کے متعلق ہمیں کسی فتوے تحریر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ عوام اہلِ اسلام بلکہ خواص یعنی ائمہ کرام اور اخص الخواص یعنے صحابہ کرام کو کافر کہا بلکہ خاک بدہانِ گستاخ اس کی یہ گستاخی سرکارِ دو عالم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم تک پہنچی کہ سرکار سے دیہات والوں کے لئے رخصت ثابت جیسے مذکور ہوا حالانکہ صرف کسی عام مومن کو اگر کوئی کافر کہے تو ظاہر حدیث کے لحاظ سے خود کافر ہو جاتا ہے اور ظاہر ہی پر عمل کرنا انکا مذہب ہے۔ صحیح بخاری صہ۹۰۱ جلد۲ میں حضرتِ ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالے عنہم سے ہے و النظم للثانی ان رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بہا احدھما۔ بلکہ عدالتِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم سے ایسے طائفہ بھر کے لئے یہ حکم نافذ ہو چکا کہ دینِ اسلام سے خارج ہے چہ جائیکہ اس کا قول بدتر از بول کہاں سے کہاں تک پہنچا؟ چنانچہ صحیح بخاری صہ۶۲۴، صہ۱۰۲۴ جلد۲ وغیرہ میں ہے یمرقون من الدین اور بے ادبی اولیائے کرام اور انبیائے عظام تو ان کے نزدیک شیرِ مادر ہے جس کی وجہ سے اسلام وایمان سے خارج اور دنیا وآخرت میں ملعون اور عذابِ مہین کے سزاوار بن جاتے ہیں۔ خود قرآنِ کریم سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الأخرۃ و اعد لہم عذابا مھینا ہ اہلِ اسلام پر لازم کہ ان سے ہر حال میں بچے رہیں اور اپنے دین وایمان پر قائم وثابت قدم رہیں اور جلتی آگ سے زیادہ انہیں مضر سمجھیں کہ ذیاب فی ثیاب یہ ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد و
علیٰ الہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ ۸ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ موجودہ زمانہ میں پاکستان کے دیہات میں جہاں پہلے جمعہ نہیں پڑھا جاتا اب جمعہ پڑھا جانا چاہیئے یا نہیں؟ کیا وہ شرائط جو جمعہ کے لئے ہونی لازمی ہیں وہ سلطنتِ پاکستان میں پوری ہو چکی ہیں۔ اور جمعہ اگر پڑھا جاوے تو فرضی پڑھنا چاہیئے یا احتیاطی؟ بینوا توجروا۔

السائل: فضل حق از ڈولو وال تحصیل دیپالپور ۵۸-۷-۲۷





سیدنا حضرت مولیٰ مشکل کشا علی المرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ وحضرتِ حذیفہ وعطاء وحسن بن ابی الحسن ونخعی ومجاہد وابن سیرین وثوری وسحنون وامامِ ہمام حضرتِ ابوحنیفہ وابو یوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالے اجمعین کے نزدیک نمازِ جمعہ دیہات میں نہیں ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے لا تجوز فی القریٰ عندنا وهو مذهب علی بن ابی طالب وحذيفة وعطاء والحسن بن ابی الحسن والنخعی ومجاهد وابن سيرين والثوری وسحنون خلافا للائمة الثلاثة لما روى ابن ابی شيبة عن علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه انه قال لا جمعة ولا تشريق ولا صلوٰة فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدينة عظيمة وصححه ابن حزم فی المحلی۔

کتبِ مذہب میں متوناً و شروحاً و فتاوٰی سے بھی مصرح و مشرح ہے کہ ادائے جمعہ کے لئے شہر شرط ہے اور شہر بھی جامع، جب شہر ہونا متحقق ہو لے تو بعد ازاں جامع ہونے کی تحقیق ضروری ہے اور مصر کی صحیح تعریف وہ ہے جو غنیہ وغیرہا میں مذکور ہے انہ بلدة کبیرة فیہا سکک واسواق و لہا رساتیق و فیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث وھذا ھو الاصح (ترجمہ بیشک وہ (مصرِ جامع) ایسا بڑا شہر ہے جس میں متعدد محلے اور بازار ہوں اور اس کے متعلق دیہات ہوں اور اس میں کوئی حاکمِ با اختیار ایسا ہو کہ مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے سکے اپنے رعب سے اور علم سے یا اپنے غیر کے علم سے، اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہوں اپنے مقدمات میں"

حدیثِ جواثی جسے مجوزین اپنی زبردست دلیل سمجھے ہوئے ہیں وہ دراصل ہماری زبردست دلیل ہے اور ان کا زبردست رد کرتی ہے۔ بہرنہج احناف کے نزدیک گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا نہیں کر سکتے کما لایخفی علی اولی النہی۔ اور سلطنتِ پاکستان کے دیہات بھی دوسرے ممالک اسلامی کی طرح دیہات ہی ہیں اور اگر کوئی بزعمِ خود جمعہ پڑھے تو فرضِ ظہر از روئے مذہبِ مہذب احناف ضرور ادا کرے کہ فرضِ ظہر اس جمعہ کے ساتھ ساقط ہوتا ہے جو حقیقۃً شرائط کے ساتھ جمعہ ہو کما مر۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۷ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

جناب عالی صاحب

السلام علیکم کے بعد گزارش ہے کہ ہمارے گاؤں کی پینتالیس گھر ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جمعہ اس گاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: غلام محمد قلیم خورد ۲ ربیع الاول شریف ۱۴۰۸ھ



ایسے موضع میں حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک نماز جمعہ نہیں پڑھی جاتی، جو دعوے کرے وہ ثبوت دے ورنہ کاذب متصور ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

ربیع الاول شریف ۱۴۰۸ھ



الاستفتاء

مکرمی محترم نور اللہ صاحب

السلام علیکم۔ سب سے پہلے اپنا تعارف پیش کرنا ضروری ہے۔ امید ہے آپ حاجی کرم الٰہی صاحب اور محمد اسحاق رکن پورہ والوں کو جانتے ہی ہوں گے۔ محمد اسحاق کا لڑکا ہوں اور مولوی محمد اکرم صاحب کا ہم جماعت اور دوست ہوں۔ یہاں پر ملازمت کے سلسلہ میں آیا ہوا ہوں۔ یہاں پر ہم ایک ہی گھر بنا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مسجد بنانے کی بھی کوشش شروع کی ہے۔ مجھ ناچیز کو مسجد کمیٹی کا سیکریٹری منتخب کیا گیا ہے اس لئے اپنے فرائض کو انجام دینے کے لئے کبھی کبھی آپ کی رہبری کی ضرورت پیش آتی رہے گی اور میں امید واثق کرتا ہوں کہ

آپ مایوس نہیں فرمائیں گے۔ فی الحال مندرجہ ذیل دو مسئلوں کے متعلق آپ سے دریافت کر رہا ہوں:۔

نمبر ۱ : نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے کم از کم کن شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے؟ جن کے بغیر نمازِ جمعہ ادا نہیں کی جا سکتی؟

نمبر ۲ : ایک شخص نے کسی بزرگ کو اپنا مرشد تسلیم کیا اور مرشد کی وفات ہو گئی۔ اب مذکورہ شخص دوسرے کو مرشد بنا سکتا ہے یا نہیں؟ جوابی لفافہ ارسالِ خدمت ہے جواب دیکر مشکور فرمائیں۔

الراقم : میاں بشیر احمد جاوید کوئٹہ تھرل سکیم شیخ ماندہ بہ اسٹیشن کوئٹہ ۲۵-۵-۶۳



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ : بعد از دعواتِ عافیتِ طرفین آنکہ مرسلہ ملفوف ملا ہیں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں اور آپ کے خط سے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آپ بڑے شوق سے سوال بھیجا کریں میں حاضر ہوں مگر چونکہ کام بہت زیادہ ہے لہذا کبھی جواب ذرا دیر سے دیا جاتا ہے۔ اور اب تو کئی دن مجھے تکلیف رہی ہے۔ امید کہ اسے صحیح عذر پر محمول کریں گے۔

مسئلہ ۱ : جمعہ پڑھنے کے لئے چھ شرطیں ہیں کہ ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو ہوگا ہی نہیں۔ ۱۔ شہر ۲۔ بادشاہِ اسلام حقیقۃً یا حکماً۔ ۳۔ وقتِ ظہر ۴۔ خطبہ، ۵۔ جماعت۔ ۶۔ اذنِ عام، یہ سب شرطیں آسانی سے پائی جاتی ہیں مگر صرف پہلی شرط ہے جو دیہات میں نہیں پائی جاتی لہذا دیہات میں جمعہ نہیں کما فی عامۃ معتبرات المذہب المہذب۔

مسئلہ ۲ : ہاں جب پہلے مرشد کا انتقال ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کہ دوسرے مرشد سے استفادہ کیا جائے مگر یہ ضروری ہے کہ مرشد وہی ہو سکتا ہے جو عالمِ دین، سُنّی، صحیح العقیدہ، پابندِ شریعت ہو۔ یہ شرط ضروری ہے پہلا مرشد ہو یا دوسرا یا تیسرا کیونکہ جو خود ناواقف ہو یا گمراہ ہو تو دوسرے کو وہ معرفت یا ہدایت و رشد کا سبق کیا دے سکتا ہے؟

باقی سب خیریت ہے آپ کی خیریت مطلوب۔ دو تین دن ہوئے آپ کے والدِ ماجد صوفی محمد اسحاق صاحب اسٹیشن

پر ملے تھے، سب خیریت بتاتے تھے۔ والسلام

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸-۶-۶۳

الاستفتاء

بخدمت جناب واجب الاحترام حضرت مولانا مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب شیخ الحدیث دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے بعد گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل فتوٰے تحریر فرمادیں:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری منڈی رائے ونڈ جو ضلع لاہور کی ایک اہم منڈی ہے یہاں ریلوے اسٹیشن، اڈا لاریاں، آڑھتیں، بازار، تھانہ، ڈاک خانہ، شفاخانے، ٹیلیفون، بجلی ٹاؤن، کمیٹی منڈی، محصول چونگی وغیرہ ہر ایک چیز پائی جاتی ہے غرضیکہ ضلع لاہور کا مشہور قصبہ ہے، یہاں کی جامع مسجد اہل السنت والجماعت جو کہ محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے، میں جمعۃ المبارک باحسن وجوہ بروقت ادا کیا جاتا ہے اور جمعہ میں مجمع تقریباً بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں احتیاط الظہر کے متعلق کیا حکم ہے؟ آیا یہاں احتیاط الظہر کا ادا کرنا فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟ آیا ہر خاص وعام کو احتیاط الظہر کے متعلق مجبور کیا جاتے یا نہ: اگر عوام الناس احتیاط الظہر نہ پڑھیں تو کیا حکم ہے؟ نیز واضح فرمادیں کہ جمعہ فرض ہے یا کہ نہیں؟ آیا جمعہ علیحدہ فرض ہے یا ظہر کا نعم البدل ہے؟ آیا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدسہ میں احتیاط الظہر ادا کی جاتی تھی یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا من اللہ اجراً عظیما۔

السائل الخائف:۔ فقیر محمد منظور احمد نقشبندی مرتضائی خطیب جامع مسجد اہل سنت منڈی رائے ونڈ ضلع لاہور

نوٹ: اپنے فتوٰے پر دار العلوم حنفیہ فریدیہ کے مدرسین حضرات کی طرف سے تاکید اور دستخط زیادہ مناسب ہیں، ضرور ہونے چاہئیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ایسے مقام میں جمعہ فرض ہے۔ فتاوٰے عزیزیہ ص۳ میں ہے لا شك فی جواز الجمعۃ فی البلاد و القصبات۔ اور جمعہ فرض محکم ہے۔ فتح القدیر ص۲۱ جلد۲ میں ہے ان الجمعۃ فریضۃ محکمۃ بالکتاب و السنۃ و الاجماع اسی کے صفحہ ۲۲ میں ہے وقد صرح اصحابنا بانہا فرض اٰکد من الظهر۔ اور یہیں سے ظاہر کہ وہ علیحدہ فرض ہے اور ظہر کا بدل نہیں اور صرف استظہار ہی نہیں بلکہ افادِ مذہبِ مہذب اس کی تصریحاتِ جلیلہ سے مملو ہیں۔ اسی کے ص۲۱ میں ہے ھی فرض ابتداء پھر ص۳۳ میں متن وشرح میں تصریح ہے کہ امام زفر علیہ الرحمۃ کے نزدیک ظہر جمعہ کا بدل یا کالبدل ہے اور یہ کسی کا بھی قول نہیں کہ جمعہ ظہر کا بدل ہے فیما روی۔ احتیاط الظہر ایسے مقام میں فرض یا واجب نہیں اور سنت تو کہیں بھی نہیں۔ ہاں بعض وجوہ کی بنا پر مستحب ہے مگر وہ بھی عوام کے لئے نہیں تو مجوز کیوں کئے جائیں؟ اور کیا حکم کیا جائے؟ فتاوٰے رضویہ ص۷۰۵ جلد۳ میں ہے ویفتی بہ الخواص لا العوام۔ اور ظاہر ہے کہ زمانِ اقدس میں احتیاط الظہر ادا نہیں کی جاتی تھی کہ اس کا مبنیٰ وسبب ہی اس وقت نہ تھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الانور واٰلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ رشوال المکرم ۱۳۸۳ھ ۶۴-۲-۲۲

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ گاؤں میں نمازِ جمعہ فرض ہے یا نہیں ؟

سائل : عبدالعزیز بقلم خود ، محمد رمضان بقلم خود ۶۶-۵-۲۸





گاؤں میں نمازِ جمعہ فرض نہیں حسب الارشاد حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سنن بیہقی صـ۱۷۹ جلد ۳ وغیرہا میں ہے قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے رفتاوٰے عالمگیر صـ۲۴ جلد ا میں ہے ولادائھا شرائط فی غیر المصلی منھا المصر۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ صفر المظفر ۱۳۸۶ھ ۶۶-۵-۲۸

الاستفتاء

نمبرا : عرض ہے کہ ایک آدمی نے ریش کے بارے میں تنگ کر رکھا ہے۔ آپ حدیث شریف سے بیان

فرمائیے۔

نمبر ۲ : عید فطر کی نماز عورتوں پر باجماعت جائز ہے تو یہ بھی غریب کو بتا دیجیے۔ نہایت مہربانی ہوگی۔

السائل : صوفی محمد اسماعیل از کماں اسلام پور ۲۶ ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ





حامداً و مصلیاً و مسلماً میرے محترم!

نمبر ۱ : اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ (الی) اطیعوا اللہ و الرسول یعنی رسول اللہ کی پیروی کرو اور اللہ کا حکم مانو۔" اور بخاری شریف ۸۷۵ جلد ۲ میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں و فروا اللحی و احفوا الشوارب " بڑھاؤ ڈاڑھیوں کو اور ترشواؤ مونچھوں کو۔" نیز ارشاد فرماتے ہیں انھکوا الشوارب و اعفوا اللحی " مونچھوں کو ترشواؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ۔" ان دو حدیثوں کے ہم معنے بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں وارد ہیں اور بہت سے دلائل قویہ سے ڈاڑھی کا بڑھانا ثابت ہے مگر میں نے بغرض اختصار صرف دو آیتوں اور دو حدیثوں پر اکتفار کیا کہ ایماندار کو یہی کافی اور بدمذہب تابع نفس و ہوا کو ہزار ہا دفتر بھی ناوافی۔ اور یہ بھی خیال کہ شاید آپ اس فتوے کے پہنچنے سے پہلے ہی یہاں پہنچیں۔

نمبر ۲ : میرے معزز! عورتیں نماز عید میں شریک نہیں ہو سکتیں کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے و قرن فی بیوتکن۔ " اور اپنے گھروں میں ٹھہرو۔" یہ خطاب خواتین کو ہے تو جب گھر میں ٹھہرنے کا حکم ہے تو باہر جانا خود بخود ہی منع ہوا۔ البتہ جہاں دلیل سے ثابت ہو جائز ہے جیسے حج ورنہ اسی حکم میں داخل، جن احادیث سے جواز ثابت، وہ زمانہ اقدس و مقدس محبوب دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ مختص کہ سب زمانوں سے ستھرا اور پاکیزہ اور نیک تھا۔ حدیث شریف میں ہے خیر القرون قرنی " سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔" اسی واسطے حضرت عائشہ صدیقہ رضے اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا

لو ادرك رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد" اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں عورتوں کا یہ حال ہوتا تو آپ ضرور منع فرمادیتے "

دیکھا صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کس طرح تاکید فرما رہی ہیں کہ حضور ضرور منع فرمادیتے اور دراصل یہ اجتہادِ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نفس حدیثِ مرفوع سے ہے کما اشار الیہ مسلم وھو واضح کہ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اذا شھدت احدٰکن المسجد فلا تمس طیبا "کوئی ایک تمہاری جب مسجد میں آنا چاہے تو خوشبو نہ لگائے "

مشکوٰۃ شریف میں ہے لا تقبل صلٰوۃ امرأۃ تطیب للمسجد حتی تغتسل غسلھا من الجنابۃ رواہ ابوداؤد وروی احمد والنسائی نحوہ۔

سبحان اللہ! جب صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا باوجود پرہیزگاری واجتہاد وعلوِشان اپنے زمانہ کی نسبت جو ہمارے زمانے سے ہزارہا مرتبہ بہت بہتر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو اپنے زمانہ سے دوسرے مرتبہ میں رکھا اور صحابہ وصحابیات بکثرت موجود تھے، حدودِ شرعیہ جاری تھیں، احتمالِ بدی بہت ہی کم تھا، صرف اسی وجہ سے کہ اس زمانہ میں بہ نسبت زمانِ محبوب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیادہ زینت وزیب وخوشبو اور اچھے کپڑے پہنے جاتے تھے مگر وہ بھی موافقِ شرع، نہ زمانے کی طرح تب بھی بہ لحاظِ احادیثِ مذکورہ وغیرہ کے یہ فرماہی ہیں تو ہمارے زمانے کا حالِ پرملال تو یقیناً قطعاً منع وعدمِ جواز کا مقتضی، ہوا کہ اس زمانہ میں صحابہ وصحابیات



ل؎ یعنے زینت خوشبو اور اچھے کپڑے ۱۲ من النووی علی صحیح مسلم ۔ ۲؎ حیث اتی بالحدیث الاٰتی وبمعناہ وقول الصدیقۃ بعد الاحادیث المطلقۃ وعادت غیرہ من ائمۃ الحدیث ان یذکروا الاحادیث التی یرونھا منسوخۃ ثم یعقبونھا بالناسخ صرح بہ النووی فی شرح صحیح مسلم وکذا یأتون بعدھا ما یستنبط منھا ۱۲ منہ غفرلہ

موجود اور اب بالکل مفقود اور اس زمانہ میں حدودِ شرعیہ جاری جن سے لوگوں پر سخت رعب طاری تھا اور اب آزادی کا وہ عالم کہ اگر عورت راضی ہو تو زنا پر بھی کوئی تعزیر عائد نہیں کی جاتی۔ زیب و زینت ولباس وخوشبو کا وہ منظر کہ خدا امان دے بانکی ادا بانکی چال شیطان کا پورا پورا جال، تو ثابت ہوا کہ زمانۂ نبوت پر اس زمانہ کا قیاس محض غلط وفاسد ہے اور صحابی ولی سے بھی افضل وبہتر ہے اور جو بعض منافق تھے وہ مجلس مبارک میں نہایت ہی دبے ہوئے ہوتے تھے اور ڈرتے تھے کہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ اپنے محبوب اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ان کی شرارتوں سے مطلع فرما دیا تھا چنانچہ آیت ولقد علمنا المستقدمین منکم و لقد علمنا المستأخرین کا سبب نزول ایک قول پر یہی ہے۔ نیز رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے وہ طاقت عطا فرمائی کہ آپ جیسا آگے دیکھتے تھے ویسا ہی پیچھے دیکھتے تھے چنانچہ آیت واحادیثِ صحاح سے ثابت ہے خصوصاً مجلس مطہر اشرف المجالس تھی کہ شرف المکان بالمکین، ہاں اگر اب بھی تمام حاضرین وحاضرات صحابی اور مجلس مجلسِ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہے تو ضرور حاضر ہوں اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو نہ، اس بنا پر کتبِ فقہ میں مصرح کہ عورتیں کسی جماعت میں حاضر نہ ہوں۔ چنانچہ در المختار، رد المحتار، بحر الرائق وغیرہ میں ہے ونظمہ من البحر (قولہ لایحضرن الجماعات) لقولہ تعالیٰ و قرن فی بیوتکن الخ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک چک (جس میں شرائط جمعہ وعیدین نہیں پائے جاتے)

کا امام مسجد عید کے دن لوگوں کو خود بخود جمع ہو جانے پر دو رکعت نفل محض باجماعت بلا تکبیراتِ عیدین ادا کرتا ہے اور نمازِ عید کو وہاں واجب نہیں سمجھتا کیا یہ نماز جائز ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ چک مذکور کے قریب ایک دوسرے چک کا امام مسجد نور احمد دیوبندی نماز مذکور کو مکروہ تحریمیہ اور نماز پڑھانے والے کو گنہگار کہتا ہے اور اپنی دلیل کی صحت کے لئے فتاوٰے شامی کی عبارت (قولہ بما لایصح) ای علی انہ عید و الا فھو نفل مکروہ لادائہ بالجماعۃ پیش کرتا ہے۔ اور نمازِ عید کو گاؤں میں واجب قرار دیتے ہوئے اس کے تارک کے لئے فتوٰیٔ خوفِ کفر بھی صادر کرتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے اور واقعی نفل محض باجماعت مکروہ تحریمیہ اور پڑھنے پڑھانے والے گناہگار و حرام کار ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو مفتیٔ مذکور کا فتوٰے غلط اور خود کذاب و خطا کار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی : ابوالفیض علی محمد نوری غفرلہٗ چک ۷-۴/۱۳۱ ضلع منٹگمری ۶-۷-۵۲





حسبِ تصریحاتِ جلیلہ حضرتِ امامِ اعظم اور دیگر ائمۂ احناف علیہم الرحمۃ گاؤں میں نمازِ عید نہیں کہ حضرتِ مولیٰ علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم کا یہی فتوٰے ہے جو حقیقۃً حضور پرنور سیدِ عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا فتوٰے ہے اور ان کا فتوٰی ان کے رب اکرم جل وعلا کا فتوٰی ہے۔ اسفارِ مذہبِ مہذب متوناً و شروحاً و حواشی و فتاوٰے اور دفاترِ احادیث و شروح ان تصریحاتِ جلیلہ سے گونج رہے ہیں۔ حنفی بن کر اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو عقل و انصاف کے وجود کا ہی قائل نہ ہو۔ تو امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ امام مسجد اولیں کا نمازِ عید کو واجب نہ سمجھنا اور ادا نہ کرنا اپنے پسندیدہ اور پیارے مذہبِ حنفیہ پر عمل کرنا ہے جو اس کا شرعاً عرفاً عقلاً ہر طرح حق ہے اور نمازِ نفل محض کی ادائیگی اوقاتِ خاصہ میں گو بجماعتِ کثیرہ ہو قطعاً جائز اور آیۂ کریمہ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ



میں یقیناً داخل۔ پھر تکبیراتِ عیدین چونکہ مخصوص بہ عیدین ہیں تو ان کے بغیر ادا کرنا بعید از انصاف نہیں بلکہ عین انصاف ہے۔ رہا باجماعت ادا کرنا تو وہ بھی قابلِ گرفت نہیں بلکہ کریمۂ مذکورہ کا اطلاق مجوز اور ظاہر صیغۂ جمع متقاضئ جواز ہے و اطلاق النصوص حجۃ لایجوز نسخہ بخبر الواحد و القیاس فضلا عن آراء الاغبیاء کما نصوا علیہ فی مظانہ۔



باقی اس دیوبندی امام کا مکروہ تحریمہ کہنا اور نماز پڑھانے والے کو گناہ گار وحرام کار بتانا تو یہ ان بہادروں کا روزانہ مشغلہ ہے کوئی نئی چیز نہیں۔ ان کے نزدیک تو سارا جہان شرک آباد ہے گیارہویں شرک، میلاد شریف شرک، یہ شرک وہ شرک غرض شرک ہی شرک ہے تو اس بیچارے کا شکوہ ہی کیا؟ ہر ایک اپنی عادت سے مجبور ہوتا ہے بلکہ یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ صرف گناہ وحرام وخوفِ کفر پر اکتفاء کیا ورنہ شرک وکفر کہتا۔ اس کا تو عبارتِ شامی کو بطورِ سند پیش کرنا ہی اس کے علم وعقل کا بہترین شاہدِ عدل ہے ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد، کا مصداق جلتی پر تیل بلکہ پیٹرول چھڑکنے کا کارنامہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ درمختار میں ہے کہ نمازِ عید گاؤں میں مکروہ تحریمہ ہے اس لئے کہ یہ غیر صحیح کام میں مشغول ہونا ہے اور شامی نے اسے برقرار رکھتے ہوئے فرمایا کہ غیر صحیح ومکروہ تحریمہ تب ہے کہ عید جان کر ادا کرے ورنہ وہ نفل ہے اور ادا بالجماعت کی وجہ سے مکروہ ہے جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ اگر عید نہ سمجھے تو صحیح ہے اور مکروہ تحریمہ نہیں ہاں جماعت کی وجہ سے مکروہ ہے تو لامحالہ یہ مکروہ تنزیہی بنے گا کہ وہی صحیح ہوتا ہے اور وہی مکروہ تحریمہ کے مقابلہ میں آتا ہے ورنہ شامی علیہ الرحمۃ کا " الخ " بے معنی اور بے جا ہو جائے گا حالانکہ یہی شامی دوسری جگہ تصریح فرماتے ہیں کہ نفل باجماعت مکروہ تنزیہی ہے۔ شامی ص۶۶۳ جلد۱، منحۃ الخالق ص۷ جلد۲ میں ہے وھو کالصریح فی انھا کراھۃ تنزیہ۔ منحۃ الخالق ص۳۴۵ جلد۱ میں ہے وان الکراھۃ کراھۃ تنزیہ تو خود اس کی پیش کردہ عبارت سے ثابت ہو گیا کہ:

(۱) گاؤں میں نمازِ عید مکروہ تحریمہ ہے اور صحیح نہیں۔

(۲) ادائے نفل باجماعت صحیح ہے یہی پہلے امام کا نظریہ وعمل ہے اور دوسرا اس کے مخالف ہے



باقی شامی علیہ الرحمۃ کا مکروہ تنزیہہ کہنا تو یہ بھی امام اولین پر اعتراض نہیں بن سکتا کہ مکروہ تنزیہ حرام نہیں بلکہ حرام کا مقابل اور جائز ہوتا ہے ورنہ مقابل نہیں رہے گا۔ اور اگر مواظبت و ہمیشگی سے باجماعت ادا نہ کرے بلکہ گاہے گاہے ادا باجماعت کرے تو مکروہ تنزیہہ بھی نہیں۔ شامی ص ۶۶۳ جلد ا میں ہے

ان کان احیانا کما فعل عمر کان مباحا غیر مکروہ

اور یہی صورت ہے اس مسئلہ کی کہ کبھی کبھی ہی پڑھتا ہے تو مکروہ تنزیہہ بھی نہ رہا۔ پھر دوسرے امام مسجد کا گاؤں میں نماز عید کو ایسا واجب قرار دیا کہ تارک پر خوف کفر ہو محض نادانی اور خطرناک ظلم ہے۔ اس کا یہ خوف کفر کہاں کہاں جا پہنچا، یہ اوائل جواب سے بخوبی واضح، ظالم اگر ہمارے ائمہ کرام وحضرات عظام کا لحاظ نہیں کرتا تو کم از کم اپنوں ہی کا پاس کرتا۔ اکابر دیوبند بھی گاؤں میں نماز عید کے قائل نہیں۔ بلکہ ظالم کو تو اپنا بھی خیال نہ رہا کہ اسی کی پیش کردہ عبارت سے ثابت کہ گاؤں میں نماز عید مکروہ تحریمہ اور غیر صحیح ہے اور مکروہ تحریمہ سے بچنا واجب، شامی ص ۳۴۳ جلد ا میں ہے کراھۃ التحریم فی رتبۃ الواجب تو الٹے وہ خود تارک واجب بنا، کہ گاؤں میں نماز عید مکروہ تحریمہ کا ارتکاب کیا تو اس کے اپنے اس فتوے سے خود اس پر خوف کفر ثابت ہو گیا۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را　　　چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

كذلك العذاب ولعذاب الأخرة اكبر وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون۔ اس کے اس فتوی و سند مذکور کی اغلاط کثیرہ وجہالات وغیرہ وغیرہ اہل علم سے نہاں نہیں اور متلاشی حق وانصاف کے لئے یہی چند سطور ہی کافی اور معاند و دشمن حق کے لئے صدہا دفتر بھی نادانی، تو اس پر اختصار واقتصار ہوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۶ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۰۳ھ

(نوٹ) حضرت علامہ مولانا الحاج ابوالبیان غلام علی صاحب اوکاڑہ نے اس فتوے کی تائید عبارت



ذیل ہے بیع اپنے دستخطوں کے فرمائی ہے۔

"نفل مع الجماعت علی سبیل التداعی مکروہ تنزیہی ہیں حرام نہیں، معصیت بھی نہیں"

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا آیا سنتِ مؤکدہ ہے، غیر مؤکدہ یا مکروہ؟ اس سلسلہ میں نقل کی جانے والی حدیثِ ابی داؤد استنباطِ مسائل میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ کے متعلق فتوے صادر فرمایا ہے فتاویٰ رضویہ میں "بعض نے سنت لکھا ہے اور بعض نے مکروہ، اگر سنت بھی ہے تو غیر مؤکدہ، بنظرِ اختلاف بچنا ہی بہتر ہے مگر کوئی عذر ہو (۵) الفعل اذا تردد بین السنۃ و الکراھۃ فکان ترکہ اولیٰ۔ نیز احکامِ شریعت میں فرمایا کہ سنت و مکروہ میں تعارض ہو تو ترک اولیٰ ہے کیونکہ جامع الرموز میں محیط سے نقل ہے کہ سنت ہے اور محیط میں مکروہ لکھا ہے۔" زید نے اعلیٰ حضرت کے فتوے کے خلاف "دیوبندی مفتی" سے فتویٰ لیا ہے اور اس نے ان الفاظ میں فتویٰ دیا ہے:

"فی روایۃ ابی داؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام ای فی الخطبۃ متکئا علی عصا او قوس کذا رواہ البراء بن عازب و محمد بن السکن و فی شامی و نقل القہستانی عن عید المحیط ان اخذ العصا سنۃ کالقیام (رد المحتار ص ۶۲)

مندرجہ بالا حدیث اور شامی کے فتوے سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لیا ہے جو کم از کم سنت پر دلالت کرتا ہے اور ان دلائل کی موجودگی میں کسی شخص کا کہنا کہ عصا ہاتھ میں لینے کا ثبوت نہیں اور خطبہ میں غیر مشروع ہے، بہت بڑی جسارت ہے اور اس سے لازم کہ خطیب کو استغفار

---

۵ ص ۶۹۳ جلد ۲۔ ۱۲ ابو الخیر النعیمی غفرلہ للعہ ص ۱۳۵ حصہ دوم مطبوعہ مراد آباد شریف ۱۲ ابو الخیر النعیمی غفرلہ

کرے اور کوئی بات بلا دلیل شرعی نہ کرے۔ قہستانی نے کہا ہے کہ عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے باقی عصا کو ہاتھ میں لازم قرار دینا اور اس کے بغیر خطبہ نہ ہونے کا اعتقاد کرنا درست نہیں۔" "دیوبندی مفتی"

تحقیق سے بیان فرمائیں اس مفتی کا یہ فتوے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اور جامع الرموز اور صاحب محیط اور صاحب خلاصہ و درالمختار و عالمگیری تمام فقہائے کرام اور ان فتاویٰ کے خلاف ہوا یا نہیں! علماء اہلسنت کے نزدیک اعلیٰحضرت مجدد مائۃ حاضرہ کے فتوے کی حیثیت ہے کیا، اعلیٰ حضرت کی تحقیق حقیقت ہے یا کچھ اور! اور زید جو اعلیٰ حضرت کے فتوے کے خلاف دیوبندی مفتی کے فتوے کو ترجیح دیتا ہے۔ کیا یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کی تائید نہیں اور اعلیٰ حضرت نے فرمایا من شک فی کفرہ فہو کافر۔ بینوا بالتحقیق و توجروا

السائل: محمد بشیر مدرس دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ، پنجاب کالونی گزری روڈ کراچی ملا

نوٹ: اوائل ربیع الآخر میں یہ سوال آیا۔ ابوالخیر النعیمی غفرلہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم واٰلہ واصحابہ و بارک وسلم

الجواب
اللھم اجعل لی النور والصواب

خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے مسند امام احمد (المکتب الاسلامی بیروت) صـ۲۱۲ جلد۴، سنن ابی داؤد صـ۱۵۶ جلد۱، سنن بیہقی صـ۲۰۶ جلد۳ میں حضرت حکیم بن حزن کلفی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث طویل میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم عن المسند فلبثنا عند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایاما شھدنا فیھا الجمعۃ فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوکئا علیٰ قوس او قال عصا۔ مواہب اللدنیہ صـ۳۸۴ جلد۷ میں ہے (مطبوعہ مع الشرح الزرقانی) وعند

ابی داؤد باسناد حسن انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قام متوکئا علیٰ قوس او عصی فی خطبۃ الجمعۃ۔ سنن ابن ماجہ ص۷۹، سنن بیہقی ص۲۰۶ جلد۳ میں حضرتِ سعد مؤذن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظِ متقاربہ ہے اذا خطب فی الجمعۃ خطب علیٰ عصی۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے جامع صغیر ص۲۸۰ جلد۲ میں اس حدیث کی تصحیح فرمائی۔ مستدرک حاکم ص۶۰۷ جلد۳ میں انہی حضرتِ سعد سے خطبۂ عیدین کے متعلق ہے و یخطب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیٰ عصا۔ سنن بیہقی ص۳۰۰ جلد۳ میں حضرتِ براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطبۂ اضحیٰ کے متعلق ہے و اعطی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوسا او عصا فاتکأ علیہا اور سننِ ابی داؤد ص۱۶۲ جلد۱ کی ہی حدیث میں ہے نوّل یوم العید قوسا فخطب علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ زرقانی علی المواہب ص۳۸۴ جلد۷، اور ص۳۹۴ جلد۷ میں مکرر ہے وفی ابی داؤد کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام یخطب اخذ عصا فتوکأ علیہا وھو علی المنبر. کتاب الام ص۲۰۰ جلد۱ للامام الشافعی، میں حضرتِ عطاء بن ابی رباح تابعی جلیل القدر کی حدیث مرسل ہے۔ اسناد کے بعد ہے قلت لعطاء اکان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقوم علیٰ عصا اذا خطب قال نعم کان یعتمد علیہا اعتمادا امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے جامع صغیر ص۲۸۰ جلد۲ میں اس حدیث کا ذکر فرماکر تصحیح فرمائی۔ سنن بیہقی ص۲۰۶ جلد۳ میں بھی اس حدیث کو بالاسناد ذکر فرمایا ہے اور المنیر شرح جامع صغیر ص۱۲۴ جلد۳ میں ہے قال الشیخ حدیث صحیح۔ طحطاوی علی المراقی ص۳۰۹ میں محقق ابنِ امیر حاج رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے ؎ انہ ثبت انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قام خطیبا بالمدینۃ متکئا علیٰ عصا او قوس کما فی ابی داؤد



؎ والمرسل حجۃ عندنا ۱۲ منہ غفرلہٗ

وکذا رواہ البراء بن عازب عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصححہ ابن السکن۔ شامی ص۶۲۲ جلد ۱ میں درالمختار کی عبارت وفی الخلاصۃ ویکرہ ان یتکئ علی قوس او عصا کی تضعیف میں فرمایا استشکل فی الحلیۃ بانہ فی روایۃ ابی داؤد انہ صلی اللہ علیہ وسلم قام ای فی الخطبۃ متوکئا علی عصا او قوس اھ ونقل القہستانی عن عبد المحیط ان اخذ العصا سنۃ کالقیام۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ شرح سفر السعادت ص۲۰۹ میں فرماتے ہیں "صحیح آنست کہ مکروہ نیست از جہت ورود سنت" رہی تردد و تعارضِ سنت و کراہت کی بات تو وہ اس مسئلہ میں مشکل ہے کیونکہ تعارض کے لئے شرط ہے کہ دونوں دلیلیں برابر ہوں کما بین فی محلہ۔ اور مسئلہ ہذا کا اثبات صحیح و حسن حدیثوں سے ہے حالانکہ نفی کیلئے کوئی حدیث نہیں لائی گئی۔ رہا خلاصہ وغیرہ میں ذکر کراہت تو وہ کسی شیخ[لعہ] کا قول ہی ہو سکتا ہے جو تفکہات و تفقہاتِ مشائخ سے ہی ہے تو اس میں یہ طاقت کہاں کہ صحیح و حسن حدیثوں کے مقابلے آئے۔ امام اہل السنت والجماعت کے فتاویٰ میں ہونا بظاہر کاتب یا مرتب کی غلطی ہی ہو سکتی ہے۔ خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاویٰ رضویہ شریفہ میں اکابر مشائخ عظام پر بکثرت تطفلات کا ذکر فرمایا حتے کہ پہلے ہی جلد میں انیس صد سے بھی زیادہ ذکر کئے ہیں۔ مثلاً ص۸۳۷ جلد ۱ میں فرمایا سبق قلم من الامام فقیہ النفس رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ورحمنا بہ فی الدنیا والآخرۃ آمین۔ اور پھر نہایت زریں ارشاد فرمایا ولا غرو فلکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولا عصمۃ الا لکلام الالوہیۃ ثم النبوۃ۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ ثلاثین ص۱۳ جلد ۱ میں فرماتے ہیں وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتأخرین ویکون القول



[لعہ] کوئی ایسے صاحب جو بصیرت محمد شانہ سے عاری ہوں ۱۲ منہ غفرلہ

خطأ أخطأ به أول واضع له فيأتي من بعده و ينقله عنه و هكذا ينقل بعضهم عن بعض پھر ص ۱۵ میں فرمایا و لهذا الذی ذکرناه نظائر کثیرة اتفق فیها صاحب البحر والنهر و المنح و الدر المختار و غیرهم و هی سهو منشأها الخطأ فی النقل او سبق النظر اور یہ بھی واضح کر کسی دیوبندی کی کوئی سچی بات صرف اس لئے جھوٹی نہیں ہو سکتی کہ دیوبندی کی بات ہے الکذوب قد یصدق حق ہے هذا ما لدیّ۔

والله تعالیٰ اعلم وصلی الله تعالیٰ علی حبیبه الاعظم وآله واصحابه وبارك وسلم۔

نوٹ: حضرت کا استفتاء صاف نہیں لکھا ہوا ذرا آرام سے صاف لکھا جائے اور پھر تاریخ بھی درج کرنی چاہیئے۔ شکریہ ۱۲ منہ غفرلہٗ

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ ۱۰-۶-۷۱

الاستفتاء

از حجرہ شاہ مقیم ۱۷-۶-۶۳

قبلہ محترم حضرت صاحب

السلام علیکم: اگر ایک شخص جس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی ہو، قوم کا سید ہو، اور سادات گیلانی بروز جمعہ جامع مسجد میں کھڑے ہو کر واقعہ کربلا، فضیلت اہل بیت، مصائب اہل بیت بیان کرے اور خطیب جامع مسجد کی اجازت سے بیان کرے۔ اس سے پہلے بھی وہ خطیب جامع مسجد کی اجازت سے اللہ اور رسول کی باتیں مسجد میں بیان کرتا رہتا ہے، مگر ایک ڈاڑھی والا صرف اس لئے مسجد سے نکل جائے کہ اس ڈاڑھی

مونڈے سید نے مسجد میں تقریر کیوں کی اور وہ ڈاڑھی والا مسجد میں نمازِ جمعہ باجماعت بھی نہ پڑھے اور نماز گھر میں جا کر پڑھے۔ آپ اس پر روشنی ڈالیں کہ کس کا فعل قابلِ مذمت ہے؟ کیا سید صاحب کو آئندہ تقریر نہیں کرنی چاہیے اور ڈاڑھی والے صاحب کی یہ نفرت درست تھی؟ خطبہ خطیب صاحب نے ہی پڑھا، جماعت خطیب صاحب نے ہی کرائی۔ جواب کے لئے علیحدہ لفافہ ارسالِ خدمت ہے۔

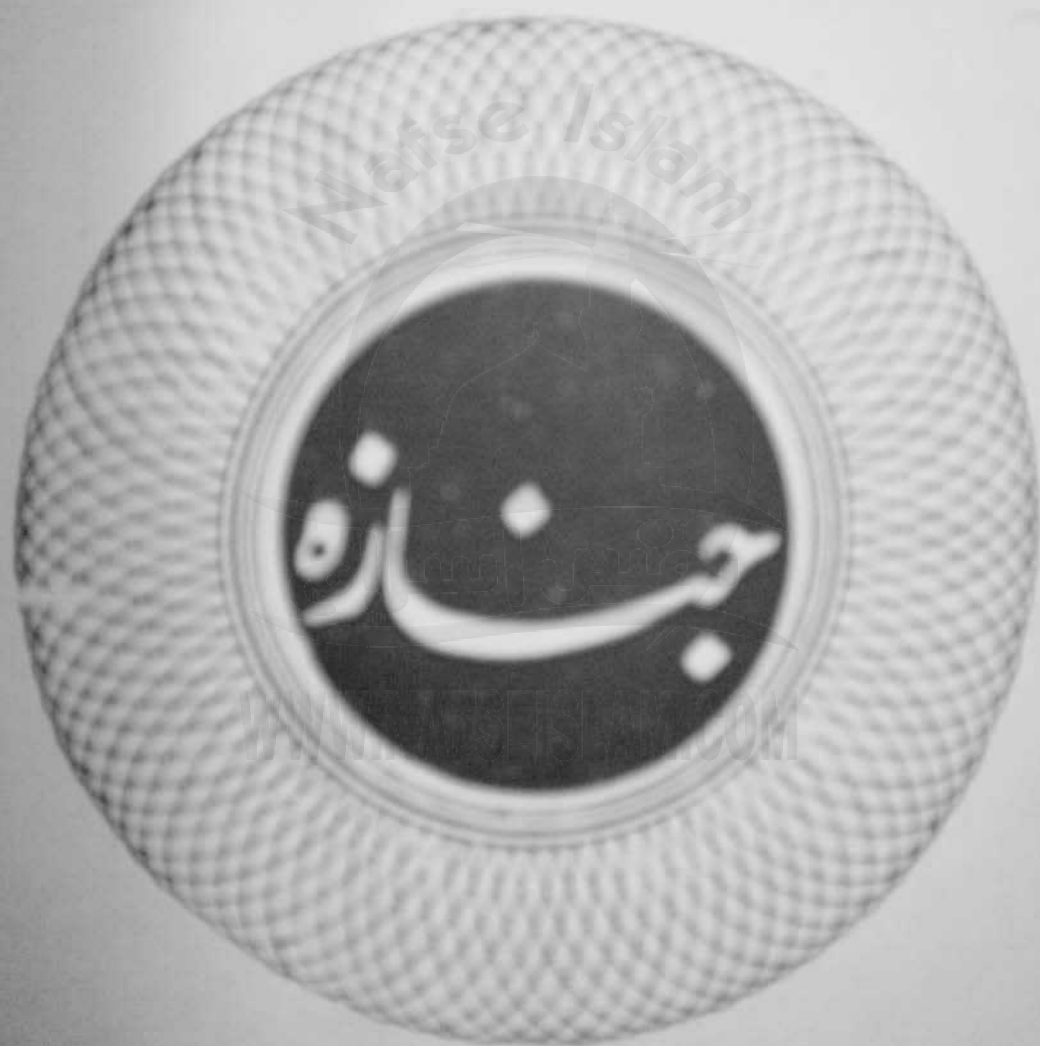




وعلیکم السلام:

آپ نے یہ بیان نہیں کیا کہ وہ مقرر سید صاحب اور ڈاڑھی والا اہل السنت والجماعت میں یا نہیں اور لمبی ڈاڑھی والے کی قومیت نہیں ذکر کی مگر ظاہر یہ ہے کہ وہ گیلانی صاحب سنی ہیں کہ خطیب صاحب کی اجازت سے سنیوں کو فضائلِ اہلِ بیت وغیرہا سناتے ہیں تو اگر گیلانی صاحب کا بیان صحیح روایات سے افراط و تفریط سے پاک ہوا کرتا ہے اور آیات و احادیث کی روشنی میں ہوا کرتا ہے تو ایسے بیان سے نفرت کا کوئی معنیٰ نہیں، خصوصاً جبکہ بیان کرنے والا بھی صحیح النسب ہو ایسے سادات تو اہلِ ایمان کے سروں کے تاج ہیں باقی رہا ڈاڑھی کا معاملہ تو یہ گناہ ضرور ہے مگر کفر نہیں اس سے سید کے سید ہونے میں یا صحتِ بیان میں فرق نہیں پڑتا اور اس باریش شخص کا اتنا نفرت کرنا اور نمازِ جمعہ بھی سرے سے ترک کر دینا کہ گھر میں جمعہ پڑھا ہی نہیں جا سکتا تو اس کا فعل خود قابلِ نفرت ہے۔ میری نظر میں کوئی ایسی حدیث یا آیت نہیں جس سے سید صاحب کو پابند کیا جائے کہ آیات و احادیث اور صحیح مسائل آئندہ کے لئے بیان نہ کریں ہاں انہیں یہ ضرور چاہیئے کہ حضرات حسنین کریمین اور حضور غوثِ اعظم اور حضرت مولیٰ مشکل کشا بلکہ تمام ائمہ اطہار رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی طرح وہ بھی شریعت کے مطابق ڈاڑھی رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ


جنازہ

بابُ الجنائز

الاستفتاء

جناب عالی!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی ایک سال یا دو سال کی فوت ہو جائے، اسے غسل دینے والی عورتیں موجود ہوتے ہوئے بھی اس لڑکی میت کو غسل مرد دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ امام لڑکیوں کو غسل دیتا ہے کیا شریعت اس مسئلہ میں کیا حکم دیتی ہے؟ اور مرد کو کیا شریعت کا حکم ہے؟



بالکل چھوٹا بچہ جو بولتا نہ ہو اسے مرد اور عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ان کان المیت صغیرا لا یشتھی جاز ان یغسله النساء وکذا اذا کانت صغیرة لا تشتھی جاز للرجال غسلھا۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴-۳-۶۳

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین کرام و مفتیان عظام دین متین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ میں زید کی عورت (زوجہ) زید کو چھوڑ کر اختر کے ساتھ بھاگ گئی اور اس عورت نے اختر سے زنا کر کے تین بچے جنے۔ بعد اختر فوت ہو گیا اور دس سال تک یہ عورت یعنی زید کی عورت آوارہ گردی کرتی رہی اور اب زید کی عورت فوت ہو گئی ہے اور زید ابھی زندہ ہے۔ کیا اب اس عورت کا نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جس شخص نے اس کا نماز جنازہ پڑھا ہے اس کے متعلق کیا حکم شرع وارد ہے؟ بحوالہ تحریر فرماویں۔

از: شاہو بلوزح ضلع منٹگمری تحصیل پاکپتن شریف ۱۴ جمادی الثانی



وہ عورت گو بڑی سخت گنہگار تھی مگر جبکہ کلمہ گو اور مسلمان تھی تو اس کا جنازہ پڑھنا ضروری تھا کہ نمازِ جنازہ کی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ص۸۳ جلد۱ میں ہے وشرطھا اسلام المیت نیز اسی میں ہے ویصلی علیٰ کل مسلم مات الخ شرح عقائد ص۱۱۵ میں ہے ویصلی علیٰ کل بر وفاجر اذا مات علی الایمان للاجماع الخ اگر مرنے والے کلمہ گو نے اپنی زندگانی میں اپنے فرائض ادا نہ کئے اور گنہگار رہا تو وہ اس کا اپنا معاملہ ہے اور جب فوت ہوا تو اس کا کفن و دفن اور نماز جنازہ ہمارے فرائض ہیں تو ہم اپنے فرائض ترک کر کے گنہگار کیوں بنیں۔ جس

شخص نے جنازہ پڑھا اس نے اپنا فرض ادا کیا اور نیک کام کیا۔ اس پر اعتراض کرنے والا گنہگار ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بخدمت جناب حضرت فقیہ اعظم مفتی ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب مدرسہ بصیر پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ قصبہ کرم پور میں ایک شخص محمود ماچھی قضاءِ الٰہی سے فوت ہوگیا۔ اس کے جنازہ کے لئے مولوی صاحب امام مسجد کو بلایا گیا تو امام مسجد کو ایک شخص شعبان کمہار نے شہادت دی کہ یہ شخص مسمیٰ محمود شیعہ ہے۔ اس کا جنازہ اہلسنت والجماعت کا کوئی فرد نہ پڑھا سکتا ہے اور نہ پڑھ سکتا ہے۔ مگر شہر کے باقی معززین سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ محمود تو ساری عمر اہل سنت والجماعت کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتا رہا ہے تو شیعہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ جس شخص یعنی شعبان کمہار نے شہادت دی تھی کہ یہ شیعہ ہے اس سے شہر کے چیئرمین صاحب اور دیگر معززین نے بلا کر پوچھا کہ تیرے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ شیعہ ہے تو اس نے کہا کہ جامع مسجد میں میرے ساتھ مسمیٰ محمود نے نماز ادا کی اور بعد میں اس نے دعا مانگتے وقت کہا "اے علی المرتضیٰ علی المرتضیٰ مجھے بخش دے اور تین دفعہ اس نے یہی الفاظ کہے۔ چیئرمین صاحب اور دیگر حضرات نے پوچھا کہ کوئی اور گواہ؟ تو اس نے جواب دیا میرے پاس کوئی اور گواہ نہیں ہے۔ کئی آدمی مع امام مسجد اس اکیلے کی شہادت پر نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر گئے اور جن کے ساتھ وہ ہمیشہ باجماعت ادا کرتا رہا ہے۔ ان لوگوں نے دوسرے امام کو کھڑا کر کے اس کا جنازہ پڑھا دیا۔ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد تقریباً دو اڑھائی سو ہے۔ اب امام مسجد شعبان کمہار اور دوسرے لوگ جنازے میں شریک نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ جن لوگوں نے محمود ماچھی کا جنازہ پڑھا ہے اور جس نے پڑھایا ہے وہ توبہ تائب ہوں اور نکاح دوبارہ پڑھائیں۔

نوٹ :۔ امام مسجد کا نام واحد بخش ہے۔

السائل :۔ فیض محمد چیرمین یونین کونسل کرم پور ۱۶۱ تحصیل میلسی ضلع ملتان ڈاک خانہ کرم پور



اگر مسمّٰی محمود ماچھی عمر بھر اہل السنت والجماعت کے ساتھ نماز پڑھتا رہا ہے اور اس سے کوئی ایسی حرکت شرعی شہادت سے ثابت نہیں ہوئی جو اس کے بد عقیدہ ہونے کی دلیل بنے تو وہ شرعاً مسلمان ہے اور سنّی ہے۔ اس کا جنازہ پڑھنا فرض تھا۔ رہا شعبان کمہار کا کہنا تو وہ شرعی شہادت نہیں، شرعاً شہادت کا نصاب دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں، اور وہ بھی پابندِ شریعت ہوں تو گواہی کے قابل ہوتے ہیں، قرآنِ کریم میں ہے ذواعدل منکم، وغیرہ من الآیات تو اکیلے شعبان کا قول غیر معتبر ہے۔ پھر وہ قول بھی ایسا ہے جو شیعہ ہونا ثابت نہیں کرتا۔ اس "اے علی المرتضٰے مجھے بخش دے" کہنے میں اگر نیت اس کی درست تھی تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ کے مقبول اور پیارے اس کی دی ہوئی طاقت سے برزخ میں سن لیتے ہیں لہذا یا علی یا غوث وغیرہ ندائیں اس بنا پر جائز ہیں اور "بخش" کہنا بھی جائز ہے کیونکہ بندگانِ خدا اپنے حقوق بخش سکتے ہیں۔ دیکھئے قرآنِ کریم پ ۲۵ ع ۵ میں ہے واذا ما غضبوا ھم یغفرون "اور جب ناراض ہو جائیں وہ بخش دیتے ہیں" پھر اسی رکوع میں ہے ولمن صبر وغفر ان ذلك لمن عزم الامور (ترجمہ) اور ضرور جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں سے ہے" نیز اسی پارہ کے رکوع ۱۸ میں ہے قل للذین اٰمنوا یغفروا الاٰیۃ (ترجمہ) فرما دو ایمان داروں کو معاف کریں۔"

بہرحال بخشنا، معاف کرنا مغفرت کا ترجمہ ہے جو قرآنِ کریم کی ان تین آیتوں میں مادہ "مغفرۃ" سے ہے اور اللہ تعالےٰ کے پیاروں کی صفت بن رہا ہے تو حضرت شیرِ خدا مشکل کشا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم کیوں نہیں بخش سکتے؟ ہاں ہاں وہ اللہ رب العالمین کی عطا کردہ طاقت سے نداء غائبانہ سن لیتے



ہیں اور اپنے نیازمندوں کی کوتاہیاں بھی جان لیتے ہیں اور بخش بھی سکتے ہیں، تو بلاوجہ ایک مسلمان سنی نمازی پر بدنیتی کی تہمت کیوں لگائی جائے جبکہ قرآن کریم نے بدگمانی اور افتراء و بہتان کو حرام قرار دیا ہے اور حدیث پاک میں بھی بدگمانی سے سخت منع فرمایا ہے لہذا اگر یہ قول محمود کا ثابت بھی ہو جائے تب بھی وہ اس قول کی بنا پر جب تک نیتِ بد کا شرعی ثبوت نہ ملے، شبیہ نہیں بن سکتا۔ لہذا اس کا جنازہ ادا کرنا فرض تھا شعبان کمہار اور اس کے ساتھیوں نے سخت ترین غلطی کی، صدقِ دل سے توبہ کریں اور عذابِ آخرت سے بچیں اور جن لوگوں نے نمازِ جنازہ ادا کی ان لوگوں نے فرض ادا کیا وہ ثوابِ جزیل اور اجرِ جمیل کے مستحق ہیں ان کو یہ کہنا کہ توبہ کریں اور نکاح دوبارہ کریں محض بیہودہ اور حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ ۶۶-۸-۲۰

الاستفتاء

نمبر۱ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے کہ زید نے نادانستہ والدین کی گواہی پر مسماۃ ہندہ بیوہ کا نکاح قبل از انقضاءِ عدت کر دیا۔ نکاح کرنے کے بعد کافی مدت تقریباً دو ماہ گزرنے کے بعد پتہ چلا کہ مسماۃ مذکورہ کا نکاح قبل از انقضاءِ عدت ہوا ہے۔ اب کیا صورتِ حال ہوگی؟ اور نکاح خوان و حاضرینِ

مجلس وغیرہ کے نکاح میں کوئی شرعاً نقص وارد ہوگا یا نہیں؟

نمبر۲ : مسمّی زید نے مسماۃ ہندہ کا بغیر علم کے نکاح پر نکاح کر دیا۔ آیا از روئے شریعت زید و حاضرینِ مجلس پر کیا جرم عائد ہوگا، آیا ان کے نکاح میں کوئی نقص آئے گا یا نہیں؟

نمبر۳ : مسمّی امان اللہ نے اپنی بیوی مسماۃ رانی کو تحریری طور پر بایں الفاظ طلاق دی الفاظ یہ ہیں: تجھے طلاق، طلاق، طلاق ہے۔ ان الفاظ سے شرعاً کونسی طلاق واقع ہوگی؟

نمبر ۴ زید میں یہ مندرجہ ذیل وصف ہیں۔ کیا زید کا جنازہ اہل السنت والجماعت کو کرنا درست ہے یا نہیں؟ : (۱) نماز میں رکوع و سجود نہیں۔ (۲) کسی کا جنازہ نہیں پڑھتا۔ (۳) قرآن پاک کے ۲۵ پاروں کا قائل ہے۔ بینوا توجروا

نوٹ : صورت اول و دوم میں اگر قصداً یہ عمل کرے تو کیا جرم عائد ہوگا؟

السائل : منیر احمد





۱ : وہ نکاح جو عدت کے اندر کیا گیا فاسد ہے۔ مرد اور عورت پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ نکاح خواں اور حاضرین مجلس کو جب معلوم نہیں اور دھوکا سے نکاح پڑھایا گیا ہے تو ان کا کوئی جرم نہیں۔

۲ : اوپر بیان ہوا کہ اندریں صورت ان کا کوئی جرم نہیں لہٰذا ان کے نکاحوں میں کوئی خلل نہیں۔

۳ : اگر یہ الفاظ مسمّٰی امان اللہ نے مسماۃ رانی کو باقاعدہ خط و کتابت کے طریقہ پر لکھے ہیں تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور یہ طلاق مغلظہ بنے گی کہ بلا حلالہ امان اللہ پر حلال نہیں ہوگی۔

۴ : ایسے شخص کا جنازہ اہل السنت والجماعت کو پڑھنا جائز نہیں۔

۵ : علم ہوتے ہوئے نکاح پر نکاح پڑھانا، ایسے نکاح کا گواہ بننا یا رضاء و رغبت سے اس مجلس میں شامل ہونا حرام اور سخت حرام ہے۔ اگر حلال جان کر ایسا کریں تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں گے تو ان کے نکاح بھی فاسد ہو جائیں گے۔ ان پر فرض و لازم ہے کہ صدقِ دل سے توبہ کریں اور کلمۂ اسلام پڑھ کر مسلمان ہوں اور تجدیدِ نکاح کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

نمبر۱ : کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید نے اسلم کا حق کسی صورت سے کھالیا چاہے ظلم سے کھالیا یا ادھار لے کر، پھر نہ دیا، یا چوری کر کے کھا گیا۔ کیا زید کو شرع شریف اجازت دیتا ہے کہ اسلم کا اسی قدر مال جس طرح ہو سکے کھالے یا نہ؟ مفصل جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

نمبر۲ : ایک شخص لین دین کے معاملہ میں اپنا مقدمہ یونین کونسل میں لے کر آیا ہے۔ کافی جد وجہد کے بعد چیئرمین صاحب اور ممبرانِ کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ فریقین میں سے ایک قرآنِ پاک کی قسم اٹھائے اور دوسرا نقدی ادا کرے۔ قرآن کا فیصلہ فریقین کو منظور ہونا چاہیے۔ اس فیصلہ پر مسمّٰی سلطان جو ایک فریق کا امدادی تھا اس نے کہا کہ ہمیں قرآن کا فیصلہ منظور نہیں ہے۔ ہمارا فیصلہ جج صاحب کریں گے۔ ہر چند کوشش کی گئی کہ مسلمان ہو، قرآن کے فیصلے سے انکار نہ کرو مگر مسمّٰی مذکور نے ہرگز ہرگز منظور نہ کیا۔ بینوا توجروا

نمبر۳ : اہلِ شیعہ کو اہلِ سنت والجماعت والے اپنے جنازہ میں شامل ہونے دیں یا نہ؟ کیا شامل کرنے سے شرعاً کوئی سقم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا



۱ ہاں حسبِ مختار فقہائے کرام متاخرین اجازت ہے کہ وہ شخص جس کا مالِ ناحق چوری وغیرہ سے کسی نے کھالیا ہو اور دیتا نہ ہو تو حق والا اپنے حق کا قدر اس ظالم کے مال سے لے سکتا ہے کما فی التنویر والدر والشامیة۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ مسمّٰی سلطان یونین کونسل کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا مگر مخالف فریق بوجہ مخالفت اس کو قرآن

کریم کے فیصلہ کا منکر کہتا ہے حالانکہ جیز مین کے اس کر دینے سے تو ایک حرف قرآن پاک کی قسم اٹھائے "یہ فیصلہ قرآن کا فیصلہ نہیں بن جاتا۔ ایسی باتوں پر ہر مسلمان کو منکر قرآن کریم اور کافر و مرتد نہیں کہنا چاہیے وھذا معلوم من الشرع الشریف ضرورۃ۔

۳۔ نماز جنازہ بارگاہ ربانیہ میں میت کی شفاعت ہے تاکہ اس کی مغفرت ہو اور مورد رحمت بنے اور شفاعت اس شخص کی معتبر ہو سکتی ہے جو پسندیدہ بارگاہ ربانیہ ہو لہذا جنازہ میں ہر ایسے شخص کو شامل کیا جاتا ہے جو پسندیدہ بارگاہ حقیقی ہو اور ہر وہ شخص جو شرعاً پسندیدہ نہیں بلکہ مردود و مغضوب ہے اس سے بچنا کیا جائے وھذا لا یخفی علی من لہ ادنی فہم فی الدین۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ

وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۸۰۔۶۔۲۳

نوٹ:۔ آپ کے سوالات صاف نہیں اور چند سوال تو بالکل ہی بلا ضرورت سا ہے۔ زید کی اسلم کا حق کھانے والا ہے اور پھر زید کے نام ہی سے سوال کیا جاتا ہے کہ اسلم کو کس قدر کہا سکتا ہے! بہر حال ظاہر مفہوم کے لحاظ سے جواب لکھے گئے ہیں۔

الاستفتاء

ذی المجد والفضل والکرم حضرت علامہ مولانا محمد نور اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ و انوار علومہ ساطعہ

دربارہ مین مجھ سے علی خصامہ مسکرۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔ مزاج گرامی!

عبارت کبیری مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۳۵۵ سطر۱۴ حسب ذیل ہے:۔



عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من صلی علی میت فی المسجد فلا اجر لہ و روی فلا شیٔ لہ ۔ اور ص۵۴۶ س۳ میں ہے و اعلم ان لفظ حدیث ابی ھریرۃ محتمل لکل من الکراھۃ فی ھذہ الصورۃ وعدمھا فان الجار و المجرور ان تعلق بالفعل اقتضی الکراھۃ وان تعلق بصفۃ النکرۃ لم یقتضھا ۔ جار مجرور اگر متعلق بفعل ہوئے تو کیا معنے ہوں گے جو مقتضی کراہت ہے ؟ کیا یہ معنے ہے کہ میت بھی مسجد میں ہو ؟ صفت نکرہ کیا ہے اور حرف جار "علی" کی بحث ہے یا "فی" کی ؟ اور ایسی صورت میں کیا معنے ہوں گے ؟ اس سے میت کا بیرون مسجد ہونا کس طرح سمجھا جائے ؟ یعنی نماز مسجد میں پڑھی جائے اور میت بیرون مسجد ہو تو کراہت نہیں ، یہ عبارت سے کس طرح سمجھا جائے ؟ براہِ کرم تفصیل سے ارقام فرمائیں ۔

نیاز مند : حکیم تجمل حسین خان از ڈرگ کالونی بلاک ۲ ماسٹاپ ، کراچی مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۶۱ء



یہ دو احتمال حرف جار "علی" کے متعلق ہرگز ہرگز نہیں ، "علی" تو "صلے" کے متعلق ہی ہے کہ یہ مسئلہ متعلقہ صلوٰۃ الجنازہ ہے اور صلوٰۃ الجنازہ صلوٰۃ علی میت ہی ہے بلکہ "فی المسجد" کے متعلق ہیں) ۔ پہلے احتمال یعنی تعلق بالفعل کی صورت میں معنٰی یہ ہوں گے کہ جو شخص کسی میّت (عام ازیں کہ میّت مسجد کے اندر ہو یا باہر کہ "میت" ، نکرہ غیر موصوفہ ہے اور نکرہ حیز شرط میں عام ہوا کرتا ہے) پر مسجد کے اندر نماز پڑھے تو اس کے لئے کوئی ثواب یا کوئی شے نہیں ، تو اس کا صریح تقاضا یہ ہے کہ نمازی مسجد سے باہر پڑھیں کہ نماز ثواب کے لئے ادا کی جاتی ہے اور مسجد کے اندر نہ پڑھیں ، میت مسجد کے اندر ہو یا باہر دونوں صورتوں میں ، اور دوسرے احتمال یعنی تعلق "بصفۃ النکرۃ" کی صورت میں یہ معنے

ہوں گے کہ جو شخص ایسے میت پر جو "حاصل" یا "کائن" یا "ثابت" فی المسجد ہو نماز پڑھے (عام ازیں کہ خود نمازی مسجد کے اندر ہو یا باہر، کہ اس صورت میں "مَنْ" موصولہ شرطیہ کے صلہ "صَلّٰی" کے لئے فی المسجد کی قید نہیں) تو اس کے لئے کوئی ثواب یا کوئی شئے نہیں تو اس کا صریح تقاضا یہ ہے کہ میت بوقتِ نماز مسجد میں نہ ہو کہ فی المسجد کی قید ہے ہی میت کے لئے۔ اور جب تقاضائے حدیث کے موافق عمل کرے تو کراہت نہیں ہو سکتی اور اس ترجمہ سے ہی واضح ہو گیا کہ صفت النکرہ سے مراد وہ اسم فاعل مقدر ہے جو اسی ظرف مستقر فی المسجد کا متعلق بہ ہے حاصل ہو یا کائن یا ان کا ہم معنی کوئی اور کلمہ، اور پہلی صورت میں فی المسجد ظرفِ لغو بنے گی کہ اس صورت میں متعلق بہ "صلّٰی" ملفوظ ہے مقدر نہیں۔ کبیری کی اسی ساری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ اسی حدیثِ ابی ہریرہ میں دو احتمال ہیں جن میں سے ایک صورتِ مذکورہ بالا (ولو وضعت خارج المسجد والامام و بعض القوم معها والباقی فی المسجد الخ) کی کراہت کا تقاضا کرتا ہے اور دوسرا احتمال عدمِ کراہت کا حالانکہ یہ قاعدہ مشہورہ ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال تو اس حدیث سے صورتِ مذکورہ کی کراہت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اقول یہاں تین احتمال اور بھی ہیں وہ یوں کہ فی المسجد ظرفِ مستقر بنے اور مقدر کے متعلق ہو کر ضمیر مستتر "ھو" (جو صلّٰی کا فاعل ہے) سے یا میت سے یا ھُوَ اور میت دونوں سے حال واقع ہو تو اس احتمال نمبر اول اور نمبر دوم کے حاصل معنے بالترتیب وہی ہیں جو پہلے دو احتمالوں سے حاصل ہیں۔ البتہ احتمال ۳ کی صورت میں حاصل معنی بدل جاتا ہے یعنی حدیث کا یہ تقاضا بن جاتا ہے کہ نمازی اور میت دونوں مسجد میں ہوں تو اجر نہیں اور اگر نمازی یا میت میں سے کوئی ایک فریق مسجد سے باہر ہو تو کراہت نہیں۔

البحرالرائق ص۱۸۷ جلد ۲، شامی ص۸۲۳ جلد ۱، طحطاوی علی الدر ص۳۷۷ جلد ۱ میں ہے والنظم منہ ان لفظ فی المسجد الواقع فی الحدیث یحتمل ان یکون ظرفا للمصلّی او للمیّت او لهما الخ اس احتمال سے پانچوں احتمال ہی واضح ہو رہے ہیں۔ فی المسجد "صلّٰی" کی ظرف بنے اس کا صدق دو طرح ہے بلا واسطہ صلّٰی سے متعلق ہو یا مقدر کے متعلق ہو کر فاعلِ صلّٰی کا حال بنے کہ حال بھی اپنے عامل کی



ظرف بنا کرتا ہے اور میت کا ظرف بننا بھی دو طرح ہے۔ ایک یہ کہ فی المسجد کا متعلق بہ مقدر میت کی صفت واقع ہو اور دوسرا یہ کہ حال واقع ہو۔ اور میت و صلٰے دونوں کے لئے ظرف بننا یوں ہے کہ فاعل و مفعول دونوں سے حال واقع ہو۔ علامہ ابراہیم حلبی علیہ الرحمۃ نے چونکہ صرف حدیث کا محتمل ہونا ہی دکھانا تھا اور حصر مقصود نہیں تھا لہذا دو ہی احتمال ذکر فرمائے کہ محتمل ہونے کا ادنیٰ درجہ یہی ہے۔

یہاں بحرالرائق میں ایک اعتراض کرتے ہوئے اس کا جواب دیا ہے جسے شامی علیہ الرحمۃ نے رَدّ کرتے ہوئے اپنا تحقیقی جواب بلکہ مستقل تحقیق بیان کی ہے مگر عبارتِ کبیری کی تفہیم جس کا ارشاد ہوا ہے اس پر موقوف نہیں لہذا تفصیل سے سکوت مناسب۔ ہاں اجمالاً اتنا معروض کہ شامی علیہ الرحمۃ کی نظر میں یہ سب احتمالات مضمحل ہیں اور حدیث کا معنے متعین صرف ایک ہے اور "فی المسجد" "صلّٰی" کی ظرف ہے۔ ان کا صرف ایک ہی جملہ عرض کئے دیتا ہوں۔ ص۸۳۵ جلد ا میں ہے فقول۔ من صلی علیٰ میت فی مسجد یقتضی کون المصلی فی المسجد سواء کان المیت فیہ او لا فیکرہ ذٰلک اخذا من منطوق الحدیث۔ پھر اخیر میں فرمایا فاغتنم ھٰذا التحریر الفرید فانہ مما فتح بہ المولیٰ علیٰ اضعف خلقہ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

کبیری کی عبارت تو بفضلہ تعالےٰ پہلی ہی نظر میں واضح تھی مگر بفضلہ تعالےٰ مجھے التزام ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو متعدد معتمداتِ مذہب ضرور دیکھا کرتا ہوں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

حضور والا فقیہ اعظم مدظلہ!

السلام علیکم:۔ گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل مسئلہ کی صحیح تحقیق سے مطلع فرمائیں کہ یہاں اس مسئلہ پر اختلاف آئے باعثِ فتنہ ہو رہا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ زید نمازِ جنازہ کی امامت کرتے ہوئے دائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے دایاں ہاتھ چھوڑ دیتا اور بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے بایاں ہاتھ چھوڑ دیتا ہے لیکن بکر کہتا ہے کہ اس طرح نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور یہ چیز باعثِ فتنہ ہے۔ امید ہے کہ حضور والا تشفی فرمائیں گے۔ والسلام

السائل: نذیر احمد بٹ کریانہ سٹور گھاس منڈی ساہیوال





وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بکر کا یہ کہنا کہ اس طرح نماز فاسد ہو جاتی ہے بالکل غلط ہے۔ بلاشک و شبہ نماز صحیح رہتی ہے مگر ہے زید کا فعل بھی بے دلیل۔ صحیح یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے فوراً بعد[1] دونوں ہاتھ کھول دے پھر دونوں سلام کہے۔ خلاصۃ الفتاوے ص۲۲۵ جلد۱ میں ہے فالصحیح ان یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین ھکذا فی الذخیرۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ ۲۴/۶/۷۲

الاستفتاء

بخدمت جناب مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب جی ساکن دس بصیر پور شریف

---

[1] ای بعد التکبیر الرابع کما قیل ھذہ العبارۃ ۱۲ منہ غفرلہ

عرض ہے کہ ہمارے گاؤں چک ۲۹/ڈی میں قضائے الٰہی سے ایک آدمی فوت ہوگیا ہے اور اس کے جنازے کے واسطے تمام گاؤں والے اکٹھے ہوگئے اور صفاں باندھیں اور آگے امام بھی کھڑا ہوگیا اور جب امام نے نیت جنازہ کی کر دی تو پہلی تکبیر کہہ دی تو ایک آدمی جو فتح دین قوم ترکھان نے پیچھے سے امام کو کہا کہ تھوڑا سا آگے ہو جاؤ۔ اور مخول کے ذریعے اس نے کہا اور اس آدمی کے ساتھ ایک ماچھی نام مراد تھا وہ ہنسنے لگا۔ اسی ہنسی میں دوسری تکبیر بھی امام نے کہہ دی اور ایسی ہنسی ان دونوں کو ہوئی کہ تمام آدمی ہنسنے لگے اور شور ہوگیا۔ اسی طرح جنازہ ٹوٹ گیا اور امام نے بھی سلام پھیر دیا۔ جناب عالی عرض ہے اس واسطے آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ فتح دین اور مراد ماچھی کو کسی چیز کا فتویٰ لگنا چاہیے یا نہیں؟ جو آپ فیصلہ کریں گے ہم اس پر عمل کریں گے۔ جب ان کو ہنسی ہوئی تو آدمی بہت گالی دینے لگے اور وہ ان دونوں کو روکنے لگے بلکہ یہ نہ رُکے اور ان کی ہنسی سے تمام کے تمام بُرا بھلا کہنے لگے۔ فقط والسلام مورخہ ۵۷-۹-۲۶ کا واقعہ ہے تقریباً اس جنازہ میں ۳۵ آدمی تھے۔

سائل : نظام الدین بقلم خود



اگر فتح دین ترکھان نے امام کو حیثیتِ امام میں مخول کیا تو یہ شریعتِ مطہرہ کے ساتھ مخول بنے گا اور اس صورت میں وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا۔ اس پر لازم کہ وہ از سرِ نو کلمۂ اسلام پڑھے اور مسلمان ہو اور عورت سے دوبارہ نکاح کرے اور ایسے ہی جو لوگ اس کا یہ فعلِ بد جانتے ہو شامل یا راضی ہوئے ان کا بھی یہی حکم ہے و ذا ظاھر جدًّا لاغبار علیہ قطعًا۔ اور اگر امام کی حیثیت سے مخول نہیں کیا بلکہ دنیاوی طور پر ویسے ہی شرارت کی اور ظاہر بھی یہی ہے کہ آخر وہ کلمہ گو ہے۔ اندریں صورت وہ اور جو اس کے کام میں شریک ہوئے سب کے سب سخت گنہگار ہوئے اور ان سب کے برابر اس اکیلے کا گناہ ہوا۔ اس پر فرض ہے کہ سچے دل سے توبہ کرے اور امام صاحب سے معافی مانگے۔ قرآنِ کریم میں ہے و الذین یؤذون المؤمنین و المؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا و اثما مبینا ہ پ۲۲ ع۴، الخ

یا ایہا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منہم (الیٰ قولہ تعالیٰ) ومن لم یتب فاولٰئک ہم الظالمون ؀

پ۲۶ ع ۱۴۔ باقی رہی تعزیر وغیرہ تو وہ اسلامی حکومت کا کام ہے وہ سخت سے سخت تعزیر ایسے برے کاموں پر لگا سکتی ہے۔ ہاں زمیندار وغیرہ بااثر لوگ آپ جتنا زیادہ سے زیادہ کر سکتے ہیں جوتوں وغیرہ سے مرمت کریں کہ ایسے گندے اور برے کام سے لوگ باز رہیں اور نمازیں حسبِ شریعت ادا کرتے رہیں وھذا واضح جدا من الآیات الشریفۃ والاحادیث الشریفۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

منجانب مولانا ابوالفیض علی محمد صاحب نوری خطیب ہاڑی، خط کے ضمن میں :۔

ایک مسئلہ دریافت طلب ہے کہ قبرستان میں جبکہ قبریں سامنے موجود ہوں تو وہاں نمازِ جنازہ ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ اور اگر جنازہ اور سامنے والی قبروں میں کوئی چیز حائل ہو تو پھر تو جائز ہوگا ؟ مجھے اس سلسلے میں حوالہ بھی مطلوب ہے ۔



یہ سوال بوجہ اجمال تفصیل طلب ہے مگر بوجہ قلتِ فرصت ایسا مجمل جواب دیتا ہوں کہ عاقل کے لئے

بفضلہ تعالےٰ اکثر صُوَر کا تفصیلی جواب بن جائے گا فاقول مستعینا بہ کافیا العبادہ قبرستان میں قبروں کے سامنے بلکہ قبروں کے درمیان بھی اگرچہ مکان نجس ہو نمازِ جنازہ جائز بلکہ فرض بھی ہے جبکہ بلانمازِ جنازہ یا قبل از تکمیلِ غسل یا بلاولی اقربِ جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا ہو بشرطیکہ قدم پاک چیز پر ہوں۔ تنویر الابصار، در المختار، رد المختار ص۸۳۶ جلد ا میں ہے (وان دفن) و اھیل علیہ التراب (بغیر صلوٰۃ) او بہا بلا غسل او ممن لا ولایۃ لہ (صلی علی قبرہ) الخ شامی فرماتے ہیں ای افتراضا فی الاولیین و جوازا فی الثالثۃ لانہا لحق الولی افادہ ح۔ ہمارے پیارے نبی اولی بالمومنین متعدد صحابہ کرام کی قبروں پر نمازِ جنازہ ادا فرما چکے ہیں حالانکہ قبر عمومًا قبرستان میں ہوتی ہے ایک طرف یا درمیان اور یونہی میت غیر مدفون کی نمازِ جنازہ بھی قبرستان میں قبروں کے سامنے ہو سکتی ہے جبکہ قبروں کے درمیان نہ ہو جبکہ قبریں کراہت مرور بار امام المصلی کی حد سے دور ہوں (جو ایک قول پر جائے سجدہ ہے اور صحیح یہ کہ نمازی باخشوع جب جائے سجدہ پر نظر رکھے تو مار پر نظر نہ پڑے کما فی الھندیۃ وغیرھا) شامی ص۶۱۲ جلد ا میں ہے لاتکرہ الصلوٰۃ فی جہۃ قبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لوصلی صلوٰۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ کما فی جنائز المضمرات۔ ہندیہ ص۵۶ جلد ا میں ہے ان کانت القبور ماوراء المصلی لایکرہ۔ اور اگر قبریں بالکل نزدیک ہوں اور سترۂ شرعیہ ہو تو بھی کراہت نہیں کہ وہ ایسا حجاب ہے جو شرعًا معتبر ہے۔ مشکوٰۃ شریف ص۷۳ میں مرفوعًا ہے اذا وضع احدکم بین یدیہ مثل مؤخرۃ الرحل فلیصل ولایبال من مرّ وراء ذلک رواہ مسلم۔ فتاوٰے ہندیہ ص۵۶ میں ہے ان کان بینہ و بین القبر مقدار ما لو کان فی الصلوٰۃ ویمر انسان لایکرہ فھھنا ایضا لایکرہ کذا فی التتارخانیۃ۔ اقول یصدق علی السترۃ ایضا

؎ اصل مسائل کے ماسوائے صرف اسمائے کتب پر اکتفار کیا ہے اختصاراً ۱۲ امنہ غفرلہ

اور یہ تو مسلم ہی ہے کہ سترۃ الامام سترۃ القوم اور میت چونکہ عادۃً چارپائی پر ہوتا ہے تو چارپائی ہی بہترین سترہ بن جاتی ہے۔ مرقات ص۲۴۰ جلد۲ میں ہے ھی بالضم ما یستتر به کائنا ما کان و قد غلب علی ما ینصبه المصلی قدامه من عصا او سجادة او سوط او غیر ذلك من آدمی او شجرة او دابة الخ (ھذا مما یجب التنبه لیفید) ہاں اگر وہ مکان نجس ہو اور نجاست نہ اٹھائی جائے بلکہ مصلے وغیرہ ڈال کر پڑھی جائے کہ بدبو وغیرہ آئے تو مکروہ کہا جاسکتا ہے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۰۲ جلد۲ میں ہے و محاذاتها (ای النجاسة) فی الصلوٰة مکروهة سواء کانت فوقه او تحت ما هو واقف علیه اقول و عندی هٰذا محمول علی مجیئ الریح او کون نحو العذرة امام المصلی۔ اور قبروں کے درمیان جبکہ قبریں نزدیک اور غیر مستور ہوں تو مکروہ ہے۔



حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث مرفوع ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم ان یصلی علی الجنائز بین القبور (جامع صغیر ص۱۹۶ جلد۲ برمز طس) شارح فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ بدائع صنائع ص۳۲۰ جلد۱ طحطاوی علی المراقی ص۳۶۱ میں ہے قال ابو حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه لا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور و کان علی و ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما یکرهان ذلك۔ ہاں اگر پڑھا جائے تو ہو جائے گا۔ انہی میں ہے وان صلوا اجزأهم لما روی انهم صلوا علی عائشة و ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنهما بین مقابر البقیع والامام ابو هریرة و فیهم ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهم

عہ ھذا لفظ الهندیة ص۵۷ جلد۱ ۱۲ منہ غفرلہ سہ عزیزی علیہ الرحمۃ السراج المنیر ص۴۰۷ جلد۳ میں فرماتے ہیں واسنادہ حسن ۱۲ منہ غفرلہ

اور اگر مقبرہ میں نماز کی جگہ تیار کی گئی ہو اور وہاں قبریں نہیں اور پاک وصاف ہو تو مطلقاً حرج نہیں جبکہ سامنے قبر بلا سترہ نہ ہو شامی صـ۳۵۳ جلد۱ میں ہے و لا بأس بالصلوٰۃ فیھا اذا کان فیھا موضع اعد للصلوٰۃ و لیس فیہ قبر و لا نجاسۃ کما فی الخانیۃ و لا قبلتہ الی قبر حلیہ اھ اگر قبریں نمازیوں کے صرف دائیں بائیں یا پیچھے ہوں اور جگہ پاک ہو تو نمازِ جنازہ میں پھر بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ مقبرہ میں کراہت نماز (جو حدیثِ حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مستفاد ہے) اس کی وجہ بعض یہ فرماتے ہیں کہ مقبرہ میں چونکہ اموات کے جسم سے خارج ہونے والا مواد پیپ وغیرہ اور گوشت اور ہڈیاں بھی خاک شدہ ہوتے ہیں اور بار بار کھدائی سے ایسی ناپاک مٹی اوپر آجاتی ہے لہٰذا طہارتِ مکان مشکوک ہوجاتی ہے (طحطاوی علی الدر صـ۱۸۳ جلد۱ و ذٰلک لان تراب المقابر قذر بسبب ما یصیبہ من مائعات الموتٰی و یکثر تقلبہ بجعل اسفلہ اعلاہ اھ شامی صـ۳۵۳ جلد۱ میں ہے لان فیھا عظام الموتٰی و صدیدھم وھو نجس، مرقاۃ میں ہے اور عینی علی البخاری صـ۳۵۱ جلد۲ میں گوشت کا ذکر بھی ہے مگر یہ وجہ صرف ان مقابر میں پائی جاتی ہے جو بڑے پرانے ہوں اور ان پر بھی دوبارہ، سہ بارہ کھدائی کے بعد بارش نہ پڑی ہو ورنہ ناپاک نہیں کہ یوں ہو تو ہر جگہ احتمال ہوسکتا ہے کہ یہاں کوئی قبر رہی ہو، پھر بارش سے پہلے بھی ناپاک یا مشکوک کہنا مشکل ہے کہ دوبارہ سہ بارہ وہی قبریں کھودی جاتی ہیں جو پرانی اور مٹی ہوئی ہوں تو ایسے اموات کے فضلاتِ نجسہ بھی خاک بن چکے ہوتے ہیں حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ ہر شئے قلبِ ماہیت کے بعد پاک ہوجاتی ہے کما قیل فی حمار وقع فی مملحۃ فصار ملحا و عذرۃ صارت ترابا و خمر تخلل۔ شامی صـ۲۹ جلد۱ وغیرہ میں ہے بخلاف نحو

سہ مرقات صـ۲۰۲ جلد۲ میں ہے و قیل تاویل الحدیث (اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد) بجوازھا فیھا ان الغالب من حال المقبرۃ اختلاط تربتھا بصدید الموتٰی و لحومھا و النھی لنجاسۃ المکان فان کان المکان طاھرا فلا باس ۱۲ منہ غفرلہ

خمر صار خلا و حمار وقع فی مملحة فصار ملحا و کذا دردی خمر صار طرطیرا او عذرة صارت رمادا او حماة فان ذلک کله انقلاب حقیقة الی حقیقة اخری اسی میں ہے ان العلة عند محمد هی التغیر و انقلاب الحقیقة و انه یفتی به للبلوی ۔ غالباً اسی بنا پر اس وجہ کے متعلق شامی میں و هو نجس کے بعد ہے و فیه نظر اور مرقات میں فرمایا کہ قبریں بھی چونکہ اموات پر مشتمل ہیں اور نجاست کا آگے پیچھے یا نیچے ہونا اگرچہ پردہ سے ہو مکروہ ہے و نصه لتصریحهم بکراهة الصلوٰة فی مقبرة غیر الانبیاء و ان لم تنبش لانه محاذ للنجاسة و محاذاتها فی الصلوٰة مکروهة سواء کانت فوقه او خلفه او تحت ما هو واقف علیه (مرقاة صـ۲۰۳ جلد ۲) مگر یہ قطعاً مسلم نہیں کہ یوں دبی ہوئی نجاست کہ بو تک بھی نہ آئے، کراہت پیدا کرے غنیۃ المستملی صـ۳۵۳ میں خلاصہ سے ہے هذا اذا لم یکن بین یدی المصلی و بین هذه المواضع حائل کالحائط و ان کان حائط لا یکره۔[منها القبر ۱۲ منہ غفرلہ] اور یونہی بدائع صـ۱۱۶ جلد ۱ میں بھی ہے۔ اور فتح القدیر صـ۳۶۵ جلد ۱ میں ہے و یکره و قدامه عذرة کما یکره ان تکون قبلة المسجد الی حمام او مخرج او قبر فان کان بینه و بین هذه حائل حائط لا یکره۔ اور غنیہ کے اسی صفحہ میں ہے لان الکراهة فی المسجد انما هی لاحترامه لا لان الصلوٰة الی النجاسة لان جدار الحمام حائل بخلاف ما لو صلی و بین یدیه عذرة او غیرها من النجاسات بلا حائل حیث یکره لذلک ۔ پھر یہ بھی مسلم نہیں کہ ہر مسلمان خاک ہو جاتا ہے



ـه مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کئی مقبور بعینہٖ رہتے ہیں وجاء فی الاحادیث ایضا کما فی شرح الصدور ۱۲ منہ غفرلہ

یا اس کی قبر ناپاک ہے البتہ ایسے پرانے قبرستان ہیں اور ادب سے جانا چاہیے کہ خاک بھی محترم ہے۔ اور یہ تو تمام صورتوں میں ضروری ہے کہ قبر پر کھڑے نہ ہوں یا پاؤں نہ پڑیں کما بین فی جنائز کتب المذھب فی زیارۃ القبور۔ اور بعض نے قبرستان میں کراہتِ نماز کی یہ علت بیان کی ہے کہ بے سمجھ لوگ قبروں کی آڑ میں بول و براز کر لیتے ہیں تو جہاں نجاستِ مانعہ متیقن پر قیام ہو نماز ہو گی ہی نہیں اور شک و ظن کی صورت میں کراہت۔ بدائع صہ۱۱۵ جلد۱ مبسوط صہ۲۰۶ جلد۱ میں ہے و النظم من البدائع قیل معنی النھی ان المقابر لا تخلو عن النجاسات لان الجھال یستترون بما شرف من القبور فیبولون و یتغوطون خلفہ فعلٰی ھٰذا لاتجوز الصلٰوۃ لو کان فی موضع یفعلون ذٰلک لانعدام طھارۃ المکان۔ مگر یہ علت بھی عام نہیں۔ اور بعض نے یہ علت بیان کی کہ اس میں یہود سے تشبہ ہے کہ قبورِ انبیاء و صالحین کو سجدے کرتے ہیں جیسے بخاری و مسلم کی احادیثِ مرفوعہ سے ثابت ہے اتخذوا قبور انبیائھم و صالحیھم مساجد۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ علت یہ ہے کہ مشرکین کی عبادتِ اصنام کا اصل یہ ہے کہ قبورِ صالحین کو سجدے کیا کرتے تھے تو شیطان نے مجسمے بنا دیے یا بنوائے۔ شامی وغیرہ میں وقیل لان اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد و قیل لانہ تشبہ بالیھود و علیہ مشی فی الخانیۃ۔ اور یہ دونوں علتیں بلاشبہ تمام مقابر کے متعلق عام ہیں جبکہ سترہ نہ ہو مگر یہ سجود والی نمازوں کے ساتھ خاص ہیں کہ ان کا اصل سجود الی القبور ہی ہے۔ اور چونکہ نمازِ جنازہ میں سجدہ نہیں لہٰذا کراہت ثابت نہیں ہو سکے گی۔ بلکہ حدیثِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جس میں صلٰوۃ فی المقابر سے نہی ہے اور یونہی حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وغیرہ کی حدیثیں جن میں صلٰوۃ الی القبر سے نہی ہے صلٰوۃِ جنازہ کو شامل نہیں ہونی چاہیے کہ یہ حقیقۃً صلٰوۃ ہے ہی نہیں بلکہ دعا و استغفار ہے اور مجازاً صلٰوۃ کہا جاتا ہے

سہ کہ القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار۔ نیز میتِ مسلم کی نجاست جو موت سے عارض ہوتی ہے غسل سے ساقط ہو جاتی ہے حتی کہ میتِ مسلم مغسول کو اٹھانا مفسدِ صلٰوۃ نہیں پھر احادیث میں آ گیا سبحان اللہ! ان المومن لاینجس حیا ولا میتا ۱۲ منہ غفرلہ



یا صلوٰۃ بمعنے دعاء ہے چنانچہ رکوع و سجود و قرأت رکنِ صلوٰۃ ہیں اور جنازہ میں نہیں کہ وہ حقیقۃً صلوٰۃ نہیں مبسوط صہ۶۴ جلد۲، بدائع صنائع صہ۳۱۴ جلدا و النظم صہ۸ و قولہ علیہ السلام لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب و لاصلوٰۃ الا بقراءۃ لایتناول صلوٰۃ الجنازۃ لانہا لیست بصلوٰۃ حقیقۃ انما ھی دعاء و استغفار للمیت الاتری انہ لیس فیہا الارکان التی تترکب منہا الصلوٰۃ من الرکوع والسجود الا انہا تسمّی صلوٰۃ لما فیہا من الدعاء و اشتراط الطہارۃ و استقبال القبلۃ فیہا لایدل علی کونہا صلوٰۃ حقیقۃ کسجود التلاوۃ و لانہا لیست بصلوٰۃٍ مطلقۃٍ فلا یتناولہا مطلق الاسم اور یہ یوں بھی واضح ہے کہ قبر کو سجدہ حرام ہے مگر قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعاء و استغفار حرام نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہے اور جنازہ ہے ہی یوں۔

بہر حال فقیر کی نظرِ قاصر میں نمازِ جنازہ کی کراہت ان علّتوں سے ثابت نہیں ہوسکتی۔ اور ہندیہ صہ۹۵ جلدا میں جو ہے والصلوٰۃ علی الجنازۃ فی الجبانۃ و الامکنۃ و الدور سواء کذا فی المحیط۔ اس جبانہ کا معنے قبرستان ہوسکتا ہے کہ جبانہ کے معانی سے ہے کما فی منتہی الارب و المنجد۔ ہاں بین القبور کی نہی میں صلوٰۃِ جنازہ کی تصریح ہے تو وہ بلاشبہ مکروہ ہے تنزیہا او تحریما و الظاھر الاول کما یتبین من ھامش۔ السراج المنیر صہ۴۰۳ جلد۳ میں ہے مکروھۃ تنزیہا۔ ہاں مقبرہ میں نمازِ جنازہ حضرتِ ابو برزہ اور انس رضی اللہ تعالے عنہما سے بھی مروی ہے سنن بیہقی صہ۳۳ جلد۴ میں ہے ان جنازۃ وضعت فی مقبرۃ اھل البصرۃ (الی ان قال) فتقدم ابو برزۃ فصلی بھم المغرب۔ فی الناس انس بن مالک و ابو برزۃ من الانصار من اصحاب النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ثم صلوا علی الجنازۃ۔ بہر نہج بین القبور والی صورت کے علاوہ جب کہ مکان پاک ہو اور قبور پر پاؤں بھی آئیں



عہ لان فیہ تفصیلا حسنا ۱۲ منہ غفرلہ

کراہت فقیر کی نظرِ قاصر میں ثابت نہیں خصوصاً جبکہ بلاسُترہ قبور سامنے نہ ہوں تو اصلاً کوئی وجہِ کراہت نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ ، ۲۷ جنوری ۱۹۶۵ء

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرعِ متین مسئلہ ذیل کے متعلق:

نمبر۱:- کہ جب نمازِ جنازہ کسی میت پر پڑھی جائے سلام پھیرنے کے بعد فوراً اس میت پر اسی جگہ کھڑے دعا مانگنی شرع شریعت شریف کے نزدیک جائز ہے کہ نہیں؟

نمبر۲:- پھر جب میت کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم پر قبرستان سے باہر آکر جو دعا مانگی جاتی ہے یہ بھی شریعت کے مطابق جائز ہے؟

حضور کی خدمت میں بعد السلام علیکم کے نہایت مؤدبانہ التماس ہے مذکورہ بالا دونوں مسائل کی پوری کوشش فرما کر دلائل قویہ کے ساتھ بحوالہ کتبِ شرعیہ کے ثبوت کے ساتھ تحریر فرمادیں بہت مہربانی ہوگی۔

از طرف: فدویان مولوی محمد عارف امام مسجد چک ۳۲/۲-ایل براستہ اوکاڑہ ضلع منٹگمری

شیخ عبد العزیز دوکاندار چک ۳۲/۲-ایل، عبدالعزیز بقلم خود، محمد عارف بقلم خود



نمبر۱:- شرعاً یہ دونوں صورتیں یقیناً جائز ہیں۔ آیاتِ متکاثرہ واحادیثِ متظافرہ اور اقوالِ ائمہ وعلمائے کرام متواترہ

سے روزِ روشن کی طرح نمایاں و عیاں ہے کہ دعا ایسی خصوصی عبادت و مغزِ عبادت ہے کہ اس کا جواز زمان و مکان و تعداد کی قیود سے آزاد ہے تو لامحالہ ان دونوں صورتوں میں بھی جائز ہی رہے گی کہ کسی آیت و حدیث یا اجماعِ امت سے ان آیات و احادیث مشرعہ دعا و اجماعِ مجوز کی تخصیص ان دونوں صورتوں کے ماسوا کے لئے ہرگز ہرگز ثابت نہیں بلکہ ان کے عموم و شمول کی تائیدِ صریح ثابت ہے کہ قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ و اجماعِ امت سے بالخصوص بلا کسی قیدِ زمانی و مکانی و تعدادی کے ثابت کہ دعائے احیاء، امواتِ مؤمنین کیلئے نافع و مفید اور سنتِ محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کا دستورِ مسلّم ہے حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ شرح الصدور طبع مصر ص۱۲۷ میں فرماتے ہیں قد نقل غیر واحد الاجماع[عہ] علی ان الدعاء ینفع المیت و دلیلہ[عہ] من القراٰن قولہ تعالیٰ والذین جاءوا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان یعنی متعدد حضرات نے اس پر اجماع نقل فرمایا کہ بے شک دعا میت کو نفع دیتی ہے اور دلیل اس کی قرآنِ کریم سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے اور وہ لوگ جو آئے ان کے پیچھے عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے بخشش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کے لئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے" اور یونہی قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ تذکرۃ الموتٰے مجتبائی ص۳۵ میں یہ اجماع و دلیل بیان فرماتے ہیں حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح فقہ اکبر طبع مصر ص۱۱۸، ص۱۱۹ میں فرماتے ہیں ان دعاء الاحیاء للاموات نفع لھم بے شک زندوں کی دعائیں اموات کے لیے سود مند ہیں (الیٰ ان قال) وقد



عہ فی شار التنکیت للنواب صدیق حسن خان البھوفالی ص۱۰ ان الدلیل علی انتفاعہ بما فعل لہ الاحیاء الکتاب والسنۃ والاجماع وقواعد الشرع اما الکتاب فقولہ تعالیٰ والذین جاءوا من بعدھم الاٰیۃ (الیٰ ان قال) وھذا اعنی انتفاع المیت بدعاء الاحیاء نزاع فیہ الخ ۱۲ عہ وقد استدل بہ امام المنکرین ابن القیم الجوزیۃ فی کتاب الروح ص۱۹ علی ھذا وقال بعد ذکر الاٰیۃ فاثنی اللہ سبحانہ علیھم باستغفارھم للمؤمنین قبلھم فدل علی انتفاعھم باستغفار الاحیاء ۱۲



توارث۔ السلف و اجمع علیہ الخلف یعنی پہلوں اور پچھلوں سب کا اس پر اتفاق ہے۔ پھر آیاتِ کثیرہ و احادیث سے استدلال کے بعد فرماتے ہیں اتفق اھل السنۃ ان الاموات ینتفعون من سعی الاحیاء۔ یعنے اہلِ سنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ مردے زندوں کی کوشش (دعاؤ استغفار وغیرہ) سے نفع اٹھاتے ہیں۔ اور یونہی عقائدِ نسفیہ و شرح تفتازانی طبع مجیدیہ ص۱۲۳ اور تکمیل الایمان تصنیف حضرتِ مولانا عبدالحق محدثِ دہلوی ص۱۰۰ مجتبائی میں ہے۔ بلکہ ابنِ قیم جوزیہ کی کتاب الروح طبعِ حیدرآباد ص۱۸۸ اور نواب صدیق حسن خان بہادر بھوپالی کی ثمار التنکیت طبع بھوپال ص۱۰۱ میں ہے مجمع علیھما بین اھل السنۃ من الفقھاء و اھل الحدیث و التفسیر احدھما ما تسبب الیہ المیت فی حیاتہ و الثانی دعاء المسلمین لہ و استغفارھم الی اخرہ۔ یعنے تمام گروہ اہل السنت والجماعت فقہاء و محدثین و مفسرین اس پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کی دعاؤ استغفار سے اموات نفع اٹھاتے ہیں۔ نیز ابنِ قیم کی اسی کتاب کے ص۱۹۱ میں ہے و دعاء النبی صلی اللہ علیہ و سلم للاموات فعلا و تعلیما و دعاء الصحابۃ و التابعین و المسلمین عصرا بعد عصر اکثر من ان یذکر و اشھر من ان ینکر یعنے حضرتِ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا مردوں کے لئے جو آپ نے خود کی اور امت کو تعلیم فرمائی اور صحابہ کرام، تابعین، تمام اہلِ اسلام کا زمانہ بعد زمانہ اموات کے لئے دعا کرتے رہنا اس سے زیادہ ہے کہ اس کا ذکر کیا جا سکے اور اس سے زیادہ مشہور ہے کہ اس کا انکار کیا جا سکے۔ یہ دونوں صاحب معترضین کے مسلّم امام ہیں ؏ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔ حضرتِ امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کشف الغمہ طبع مصر ص۱۷۳ جلد ا میں حضرتِ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے ناقل کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحث علی الدعاء و الصدقۃ و القرب المُھدات للاموات من اقاربھم و اخوانھم و یقول ان ذٰلک ینفعھم یعنی رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم شوق دلایا کرتے تھے ان دعاؤں اور خیراتوں اور نیکیوں پر جو اموات کے لئے ان کے رشتہ داروں اور بھائیوں کی طرف سے بطورِ تحفہ بھیجی جائیں، فرمایا کرتے تھے کہ بے شک یہ سب کچھ انہیں نفع دیتا ہے و قد صرح الشعرانی بتصحیح جمیع الاحادیث المذکورۃ فی کتابہ ص۹۰۵ ۔ اور



استدلال بعموم و اطلاقِ نصوص طریقۂ ائمہ قدیم و حدیث بالاتفاق ہے و ذا ممالا ینکر من رائی کلمتہم العالیۃ۔ حتےٰ کہ معترضین کے مسلّم امام نواب صدیق حسن خان بہادر اپنے رسالہ حل سوالات مشکلہ مطبوعہ نظامی کے ص۵ میں بعد از نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں کہتے ہیں کہ مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے مگر بعد از نماز کی قید نہ نفیاً ہے اور نہ اثباتاً، پس عموم ادلہ و مطلقاتِ آں شاملِ فریضہ خواہد بود تا آنکہ دلیلے بر تخصیصِ دَرے قائم شود، یعنی ان دلائل جواز کا عموم و اطلاق دعا بعد از نمازِ فرض کو بھی شامل ہوگا تا آنکہ کوئی دلیل بر تخصیص ثابت کرے کہ بعد از نماز جائز نہیں (ہمارے ائمہ کرام بھی یونہی فرماتے ہیں کہ بلا دلیلِ تخصیص حکم عام سب افراد کو شامل ہے) لہذا بعد از نمازِ فرض جنازہ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا جواز انہی کے مسلّم پیشوا کے دلائل سے بھی ثابت ہوگیا اور جوازِ شرعی واضح و ہویدا، مگر اطمینانِ سائلاں کے لئے اور توضیح کی جاتی ہے:۔

(۱) بالخصوص دعا بعد از نمازِ جنازہ کی تصریح بھی بلاشبہ ثابت ہے۔ سنن ابوداؤد مجیدی ص۱ جلد۲، سننِ بیہقی طبع حیدر آباد ص۴۰ جلد۴، سنن ابنِ ماجہ اصح المطابع ص۱۰۹ میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مرفوعاً ہے اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء یعنے جب میت پر نماز پڑھ چکو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو۔ مرقات ص۵۹ جلد۴ میں ہے قال ابن حجر وصححہ ابن حبان۔ یعنے ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ ابنِ حبان نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ بدائع صنائع ص۳۱۱ جلد۱ طبع مصر میں ہے کہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پر نماز پڑھا چکے تو حضرتِ عمر حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی، دوبارہ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرتِ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصلوٰۃ علی الجنازۃ لا تعاد ولکن ادع للمیت واستغفر لہ یعنی جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاتی مگر اس میت کے لئے (جس پر ابھی ابھی نمازِ جنازہ پڑھی گئی ہے) دعا و استغفار کرلو۔ (وھذا نص فی الباب کما قال ملک العلماء علیہ الرحمۃ) نیز بدائع کے اسی صفحہ اور مبسوط سرخسی طبع مصر ص۶۷ جلد۲ میں ہے کہ حضرتِ ابن عباس اور ابنِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم ایک جنازہ پر نماز سے رہ گئے تو اسی جنازہ پر حاضر ہو کر اس کے لئے استغفار کیا نیز ان دونوں کے انہی صفحات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نمازِ جنازہ سے رہ گئے تو حاضر ہو کر بولے ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ



آپ لوگوں نے اگر حضرتِ عمر رضی اللہ تعالے عنہ پر نماز میں مجھ سے پہل کرلی ہے تو ان کے لئے دعا کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔

اس سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام بعد از نمازِ جنازہ دعا، کیا کرتے تھے۔ مصنفِ ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز طبع ملتان صفحہ ۱۳۲ جلد ۳ میں ہے کہ حضرتِ مولیٰ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں ثم مشی حتی اتاہ و قال اللّٰھم عبدک و ابن عبدک نزل بک الیوم فاغفر لہ ذنبہ و وسع علیہ مدخلہ فانا لا نعلم منہ الا خیرا وانت اعلم بہ۔ یعنے بعد از نمازِ جنازہ چل کر میت کے نزدیک ہو کر یہ دعا، فرمائی۔ شرح الصدور صفحہ ۵۳ میں بحوالۂ بزار حضرتِ معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے حدیث مرفوع طویل میں ہے کہ فرشتے مومن قرآنِ کریم پڑھنے والے کی روح پر روحوں میں نمازِ جنازہ ادا کرتے ہیں۔ ثم تستغفر لہ الی یوم یبعث پھر فرشتے اس کے لئے قیامت کے دن تک استغفار کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا ایسی عبادت ہے جو فرشتے بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ استغفار عمومِ آیاتِ مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم و یؤمنون بہ و یستغفرون للذین اٰمنوا الاٰیات۔ یعنی وہ فرشتے جو حاملینِ عرش ہیں اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں اپنے رب کے حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں ساتھ اس کے اور استغفار کرتے رہتے ہیں ایمانداروں کے لئے "آخر دعا تک۔ نیز قرآنِ کریم میں ہے والملٰئکۃ یسبحون بحمد ربھم و یستغفرون لمن فی الارض فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں" میت تو میت اور محتاج ہے، میت کے احسان کرنے والے پر بھی بعد از نمازِ جنازہ دعا، فرمائی حدیثِ طویل مرفوع سے ثابت ہے سننِ دار قطنی صفحہ ۳۰۰ طبعِ دہلی، کشف الغمہ صفحہ ۱۶۱ جلد ۲، عمدۃ القاری علے البخاری صفحہ ۶۶۵، صفحہ ۶۶۶ جلد ۵، فتح الباری صفحہ ۳۶۹ جلد ۴ مطبوعاتِ مصر میں حضرتِ انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے کہ حضرتِ مولیٰ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے میت کا قرض اپنے ذمہ لیا تو حضور پاک صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھائی۔ پھر حضرتِ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو یہ دعا فرمائی جزاک اللہ خیرا فک اللہ رہانک کما فککت رہان



اخیک اور اس دعا کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو مرنے والا اس حالت میں مرے کہ اس پر دین (قرض وغیرہ) ہو تو وہ اپنے دَین کے بدلے گروی ہی رکھا ہوا ہوتا ہے۔ پھر ہر اس شخص کے لئے جو میت کے دَین ادا کر کے گروی سے چھڑائے یہ دعا دی ومن فك رهان ميت فك الله رهانه يوم القيامة تو آفتابِ نیمروز و ماہِ نیم ماہ کی طرح واضح ہوا کہ بعد از نمازِ جنازہ دعاء جائز ہے، کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر۔ آخر نمازِ جنازہ میں بھی کھڑے ہو کر ہی دعا کیا کرتے ہیں اور کسی آیت یا حدیث بلکہ کسی امامِ معتمد کی تصریح کسی کتابِ مستند میں قطعاً کوئی نہیں دکھا سکتا کہ بعد از نمازِ جنازہ کھڑے ہو کر ایسی مختصر دعائیں ناجائز ہیں۔ ہاں یوں کھڑے رہنا جائز نہیں کہ کھڑے ہی رہیں اور دفن میں دیر کر دیں۔ یوں کھڑے رہنا تو بلا دعا بھی منع ہے مگر یہ اور چیز ہے۔ فوری دعا جس سے دیر نہ ہو دلائل مذکورہ بالا کی رُو سے یقیناً جائز ہے۔ اور بعض لوگ جو یہ شبہ کرتے ہیں کہ جب جنازہ میں دعا ہو گئی تو دوبارہ کیوں کی جائے؟ تو ان کا یہ شبہ بھی دلائل مذکورہ بالا سے اُٹھ گیا۔ نیز کثرت و تکرارِ دعا یقیناً جائز و مستحب و مستحسن ہے كما اثبتناها بالدلائل المحكمة في فتاوانا من الكتاب والسنة لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ دوبارہ کیوں نہ کی جائے؟ جو کہے، دلیلِ شرعی سے عدمِ جواز ثابت کرے۔ ہم نے تو جواز ثابت کر دیا۔

بدائع صنائع ص۳۱۳ جلد ا میں اسی تکرارِ دعا بعد از جنازہ کے اثبات میں فرمایا ان التنفل بالدعاء والاستغفار مشروع۔ یعنے دعا و استغفار نفلی طور پر دوبارہ شروع کرنے مشروع ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) دفنِ میت کے بعد خصوصی طور پر اس کے لئے بخشش مانگنے اور جواب منکر و نکیر میں کامیاب رہنے کی دعا کرنے کا حکم حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ثابت ہے۔ سنن ابو داؤد ص۱۰۳ جلد۲، بیہقی ص۵۶ جلد۴، عمل الیوم واللیلہ لابن السنی ص۱۵۸، حاکم بحکم صحت و تقریر ذہبی، مستدرک ص۳۷ جلد ا میں یہ کلمات متقاربہ ہے والنظم للبیہقی كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت قال استغفروا لميتكم وسلوا له التثبيت فانه الآن يسئل۔ یعنے پیارے مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے تو فرماتے اپنے میت کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے سوالِ تثبیت کرو اس لئے کہ وہ ابھی سوال کیا جائے گا رضاف



صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال وجواب سے فارغ ہونے تک یہ استغفار و دعائے تثبیت جاری رہیں تو بہت ہی اچھا ہے اور مقبور کی سخت احتیاج کے وقت بہترین امداد ہے۔ سراج المنیر شرح جامع الصغیر ص۱۳۳ جلد ۳ طبع مصر میں ہے (وسلوا) اللہ (لہ التثبیت) ای اطلبوا منہ ان یثبت لسانہ وجنانہ لجواب الملکین (فانہ الآن یسئل) ای یسئلہ الملکان منکر و نکیر فھو احوج الی الدعاء حالانکہ ان سوالات منکر نکیر کا سلسلہ کافی دیر تک قائم رہتا ہے۔ صحیح مسلم ص۷۶ جلد ۱ اصح المطابع، سنن بیہقی ص۵۶ جلد ۴ میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت میں ہے والنظم للمسلم ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جزور و یقسم لحمھا حتی استأنس بکم و انظر ماذا اراجع بہ رسل ربی یعنی بعد از دفن میری قبر کے گرد اگرد اتنے وقت کے لئے ٹھہرے رہنا کہ اونٹ نحر کیا جائے اور اس کا گوشت بانٹا جائے تاکہ میں تمہارے ساتھ اُنس حاصل کرتا رہوں اور دیکھ لوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کو کیا جواب دیتا ہوں۔" مرقات ص۱۸ جلد ۴ میں استانس بکم کی شرح میں فرمایا ای بدعائکم و اذکارکم و قراءتکم و استغفارکم یعنی تمہاری دعاؤں اور ذکروں اور قرآن خوانی و استغفار سے۔"

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو نحر کرکے گوشت بنا کر تقسیم کرنے پر جتنا وقت خرچ آتا ہے اتنے وقت کے لئے سوالات ہوتے رہتے ہیں اور زیادہ وقت تک جاری رہنے کی نفی نہیں۔ اور شرح الصدور ص۵۷، کشف الغمہ ص۱۷۴ جلد ۱، ثمار التنکیت مصنفہ صدیق حسن خان بھوپالی ص۷۶ تا ۷۷، تفسیر در المنثور ص۸۳ جلد ۴ میں احادیث موقوفہ لفظاً، مرفوعہ حکماً سے ہے کہ یہ سلسلہ سوالات سات دن تک جاری رہتا ہے اور الحاوی للفتاوی طبع درب الاتراک میں ص۱۷۸ سے ص۱۹۵ تک جلد ۲ انہی احادیث کی تحقیق انیق ہے۔ شرح الصدور کے لفظ یہ ہیں واخرج الامام احمد فی الزھد وابو نعیم فی الحلیۃ عن طاؤس قال ان الموتی یفتنون فی قبورھم سبعا فکانوا یستحبون ان یطعم عنھم تلک الایام یعنی امام احمد نے زہد میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں بے شک مردے اپنی قبروں میں سوال کیے جاتے ہیں سات دن تک پس پسند کرتے تھے وہ (صحابہ کرام) یہ کہ ان دنوں میں کھانا مردوں کو ثواب پہنچانے کے لئے کھلایا جائے۔ حاوی ص۱۸۳ جلد۲ میں ہے فالحکم علی مثل ھذا بالرفع من الامور التی اجمع علیہ اھل الحدیث یعنے بالاجماع ایسی حدیثیں حکما مرفوع ہیں اور یونہی بھوپالی نے بھی ثمار التنکیت کے ص۷۷ میں لکھا ہے۔ نیز حاوی کے اسی صفحہ میں ہے اذا تقرر ان اثر طاؤس حکمہ حکم الحدیث المرفوع المرسل واسنادہ الی التابعی صحیح کان حجۃ عند الائمۃ الثلاث ابی حنیفۃ ومالک و احمد مطلقا من غیر شرط یعنی یہ حدیثیں مرفوع حکمی بہ صحیح الاسناد حضرات امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد کے نزدیک بلا کسی شرط کے دلیل قوی ہے۔ پھر آگے امام شافعی کے نزدیک بھی دلیل قوی ہونے کا بیان مفصل ہے۔ پھر یہ بھی بظاہر کہ صحابہ کرام کا سات سات دن تک اس اطعام طعام سے مقصود یہ تھا کہ میت کی امداد جاری رہے اور منکر نکیر کے جوابات میں اس کے دل و زبان ثابت رہیں۔ حاوی ص۱۸۵ جلد۲ میں ہے ان اخبار عن الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنہم بانہم کانوا یستحبون الاطعام عن الموتی تلک الایام السبعۃ صریح فی ان ذلک کان معلوما عندھم وانہم کانوا یفعلون ذلک لقصد التثبیت عند الفتنۃ[1] فی تلک الایام اور جب سات دن تک اطعام طعام برائے تثبیت جائز ہے تو دعا و استغفار و قرآن خوانی بھی جائز رہے گی لہذا قرون سالقہ میں بھی یہ سب کچھ اہالیان اسلام میں رائج رہا حاوی ص۱۹۴ جلد۲ میں ہے الظاھر انہا لم تترک من عھد الصحابۃ الی الان وانہم اخذوھا خلفا عن سلف الی الصدر الاول ورأیت فی التواریخ کثیرا فی تراجم الائمۃ یقولون واقام الناس علی قبرہ سبعۃ ایام یقرء ون القرآن الخ اور دعا و استغفار کا مفید تثبیت ہونا تو حدیث مندرجہ بالا عن سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ سے ثابت ہو چکا بلکہ اسی سے سات دن تک بالخصوص



---

[1] حاوی ص۱۸۶ جلد۲ میں ہے اطبق العلماء علی ان المراد بقولہ یفتنون و بفتنۃ القبر سوال الملکین منکر و نکیر ۱۲ منہ غفرلہ



دعا و استغفار کا کرنا بوجہ وجودِ علتِ سوال ثابت ہو رہا ہے نیز اطعامِ صحابہ سے سات دن تک دعا و استغفار و قرآن خوانی کا جواز و استحباب یوں بھی مستفاد کہ دلائلِ شرعیہ میں یہ تفریق قطعاً نہیں کہ ایک عمل کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور دوسرے کا نہیں بلکہ نصوصِ کثیرہ سے تمام اعمالِ خیر کا ثواب پہنچنا ثابت ہے۔ یہ صرف ہمارے ہی ائمہ کا فرمان نہیں بلکہ مخالف حضرات کے مسلّم مقتدا بھی یہی اقرار کرتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کی کتاب ثمار التنکیت ص۱۰۲ میں ہے فای نص او قیاس او قاعدة من قواعد الشرع یوجب وصول احدهما و یمنع وصول الأخر بل هذه النصوص متظافرة على وصول ثواب الاعمال من الاحياء الى الاموات الخ۔ ابنِ قیم کی کتاب الروح ص۲۲۷ میں ہے وهل هذا الا تفريق بين المتماثلات۔ تو بالوضاحت ثابت ہو گیا کہ سات دن تک میت کے لئے دعا و استغفار اور اطعام و قرآن و فاتحہ خوانی بالخصوص مفیدِ تثبیت اور جائز و مستحسن ہیں۔ اور جب سات دن تک جائز ہے تو صرف چالیس قدم چلتے ہی کیسے ناجائز ہو جائیگی تو آفتابِ تاباں سے بھی زیادہ واضح ہو گیا کہ چالیس قدم پر دعا، جائز ہے اور مفید و مستحسن ہے اور یوں ہی چالیس قدم سے پہلے اور بعد بھی جائز و مفید ہے چالیس کی تخصیص محض اتفاقی طور پر ہے کہ غالباً اس[ف۵] تک امتحانِ میت شروع ہو جاتا ہے اور وہ پانی میں ڈوبنے والے فریادی کی مانند امداد کا بہت زیادہ مستحق ہوتا ہے اور حاضرین امتحان سے فارغ ہونے تک عادۃً ٹھہرا نہیں کرتے لہذا قبر پر دعا مانگ کر روانہ ہونے کے بعد جاتے جاتے کچھ اور دعا بھی کر جاتے ہیں اور پھر سات دنوں تک نوبت بہ نوبت فاتحہ خوانی بھی جاری رکھتے ہیں اور شرعِ مطہر سے ممانعت قطعاً نہیں بلکہ دلائلِ جواز بے شمار موجود، تو یقیناً جائز ہے۔

وہی نواب بھوپال اسی کتاب کے ص۱۰۳ میں مسئلہ ایصالیہ میں کہتے ہیں وهب ان ما فعل هذا احد منهم فانه لا يقدح فيهم لانه مندوب لا واجب و لانه قد ثبت لنا دليل جواز فعله سواء سبقنا

ف۵ کہ اس وقت لوگ قبرِ میت سے متفرق و منتشر ہو جاتے ہیں اور منکر و نکیر کی آمد کا وقت احادیث میں اذا ولوا منصرفین حین یولون اذا ولیتم عنہ مدبرین تفرق عنہ اصحابہ۔ انصرف الناس بکلمات متقاربہ آیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

الیہ احد اولا۔ شرح الصدور ص۱۳۷ میں دیلمی اور بیہقی کی شعب الایمان سے اور مشکوٰۃ شریف ص۲۰۶ اصح المطابع میں ہے عن عبد اللہ بن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا وان اللہ تعالیٰ لیدخل علی اہل القبور من دعاء اہل الارض امثال الجبال وان ہدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لہم رواہ البیہقی فی شعب الایمان مظاہر حق ص۲۹۲ جلد۲ طبع لکھنؤ میں اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے، روایت ہے عبداللہ بن عباس سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہوتا ہے مردہ قبر میں مگر مانند ڈوبنے والے فریاد کرنے والے کے کہ کوئی ہاتھ اس کا پکڑے منتظر ہوتا ہے دعا کا کہ پہنچے اس کو باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے یا بھائی کی طرف سے یا دوست کی طرف سے پس جس وقت کہ پہنچتی ہے دعا، اس کو ہوتا ہے پہنچنا دعا کا بہت پیارا طرف اس کی دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے اور تحقیق اللہ تعالےٰ البتہ پہنچاتا ہے قبر والوں کو بسبب دعا زمین والوں کے مانند پہاڑوں کے یعنی ثواب بڑا اور رحمت اور بخشش اور تحقیق تحفہ زندوں کا طرف مردوں کی استغفار کرنا ہے ان کے لئے۔ نقل کی یہ بیہقی نے شعب الایمان میں ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ بھی تذکرۃ الموتٰی ص۳۵ میں بیہقی اور دیلمی سے یہ ذکر فرماتے ہیں بناءً علیہ زیادہ سے زیادہ دعا و خیرات و فاتحہ خوانی و استغفار سے ایسے نازک وقت میں خصوصاً اولین اوقات ہیبت ناک میں امداد میت کی بہت زیادہ ضرورت ہے مگر بعض لوگ اس تھوڑی سی امداد سے بھی روکنے کے درپئے ہیں جو مستحسن نہیں مستحسن یہ ہے کہ ایسے امورِ خیر پر جو رائج ہیں قائم رہتے ہوئے اور زیادہ امداد کی طرف توجہ دی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی



---

۵ شرح الصدور اور تذکرۃ الموتٰی میں ہے من اب او ام او ولد او صدیق ثقۃ ۱۲ منہ غفرلہ

اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
جمادی الاخریٰ ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

مکرمی و معظمی جناب مفتی صاحب مدرسہ عربیہ بصیر پور

السلام علیکم و رحمتہ و برکاتہ :- عرض ہے کہ چند دن ہوئے ایک دوست کے جنازہ میں شرکت کا اتفاق ہوا متوفی کے حلقۂ احباب میں بریلوی اور دیوبندی سب ہی تھے۔ ہماری اہل السنت والجماعت (بریلوی) کی اکثریت تھی مگر اتفاق ایسا ہوا کہ ایک دیوبندی عالم کو جنازہ کے لئے امام بنا لیا گیا۔ اس امام نے جنازہ کے بعد دعا نہیں کی جس پر ہنگامہ ہو گیا اور بحث شروع ہو گئی۔ ہمارے سب بریلوی حضرات دعا مانگنے پر زور دیتے رہے لیکن وہ مولوی صاحب دیوبندی انکار کرتے رہے۔ ہمارا یہ دعویٰ تھا کہ جنازے کا سلام پھیرنے کے بعد دعا کرنا سنت ہے۔ ان کا یعنی فریق مخالف کا کہنا ہے کہ یہ سنت نہیں ہے۔ آخر فیصلہ اس بات پر ہوا کہ فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے جو آج سے کم از کم دو سو برس پہلے کی لکھی ہوئی ہوں دو سو سال سے بعد کی لکھی ہوئی کتاب کو نہیں مانا جائے گا، ان کتابوں میں سے فتویٰ لا دیں کہ جنازہ کے بعد دعا مانگنی چاہیے۔ ہم نے بفضلہ تعالیٰ دیوبندیوں کا چیلنج قبول کر لیا ہے۔ مہربانی فرما کر فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں سے جو دو سو سال قبل کی لکھی ہوں ان میں سے مفتیٰ بہ قول مع کتاب کا نام تحریر فرمائیں تاکہ جھگڑا ختم ہو۔ دعا فرمائیں فتح اہل السنت والجماعت کی ہو اور خدا کے سچے رسول کی سنت زندہ ہو۔

دعا گو :

شیخ محمد حنیف بزاز ریل بازار منڈی بورے والا ضلع ملتان

۱۶-۱۰-۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت بفضلہٖ وکرمہٖ تعالےٰ قرآنِ کریم کی آیات اور صحاح ستہ کی حدیثوں سے دیا جاسکتا ہے مگر آپ کے فیصلہ کے لحاظ سے صرف فقہ حنفی کی نہایت مستند کتابوں سے جو دو صدیوں سے بھی کئی صدیاں پہلے کی لکھی ہوئی ہیں اور جن کو دنیائے حنفیت میں نہایت ہی بلند پایہ اور مستند سمجھا جاتا ہے حوالے دئے جاتے ہیں۔ مبسوطِ سرخسی ص۶۷ جلد۲ طبع مصر، بدائع صنائع ص۳۱۱ جلد۱ طبع مصر میں ہے کہ حضرتِ ابنِ عباس اور ابنِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم (جو جلیل القدر صحابی ہیں) ایک جنازہ پر نمازِ جنازہ سے رہ گئے تو اسی جنازہ پر حاضر ہو کر اس کے لئے استغفار کیا۔ و لنا ما روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہما فاتہما الصلوٰۃ علیٰ جنازۃ فلما حضر ا ما زادا علی الاستغفار لہ۔ نیز ان دونوں میں ہے کہ حضرتِ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جنازہ سے رہ گئے تو حاضر ہو کر کہا ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ۔ یعنے آپ حضرات نے اگر حضرتِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر نمازِ جنازہ میرے آنے سے پہلے پڑھ لی ہے تو ان کے لئے دعا کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔" اس سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام بعد ازنمازِ جنازہ دعا کیا کرتے تھے۔

تنبیہ

مصنفِ مبسوطِ سرخسی حضرتِ امامِ سرخسی کی وفات ۴۸۳ھ میں ہے کما فی کشف الظنون صفحہ ۱۵۸۰ جلد ۲ اور بدائع صنائع کے مصنف علامہ کاشانی کی وفات ۵۸۷ھ میں ہے کما فی کشف الظنون ص۳۷۱ جلد ۱ طبع تہران اور صاحب کشف الظنون کی وفات ۱۰۶۷ھ میں ہے۔ تو واضح ہوا کہ مبسوط کے تصنیف ہونے کو کم از کم ۹۰۶ سال ہو چکے ہیں۔ اور بدائع صنائع کی تصنیف کو کم از کم ۸۶۲ سال ہو چکے ہیں۔



دیوبندیوں نے تو دو صدیوں سے پہلے کی لکھی ہوئی کتاب فقہ کا حوالہ مانگا ہے مگر فقیر نے بفضلہ تعالیٰ چار مرتبہ دو دو صدیاں گزرنے سے بھی پہلے کا حوالہ دے دیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیب سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ر شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ ۱۰/۶۹/۱۷

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر قبرستان مشرق کی طرف ہو تو جنازے کے پیر قبلہ کی طرف کئے جائیں یا سامنے؟ اور جو مولوی قبلہ شریف کا ادب نہ کرتا ہوا پاؤں قبلہ کی طرف کروادے اس کو کوئی شرعی ڈنڈ ہے یا نہیں؟ اسی طرح قطب (شمال) کی طرف منہ کرکے پیشاب کرنا یا پاؤں کرکے سونا یا میت کے پاؤں قطب کی طرف کرنا یہ تمام جائز ہیں یا ناجائز اور حرام؟ بینوا توجروا۔



فضلائے کرام نے جنازہ اٹھانے کا جو طریقۂ سنت کاملہ بیان فرمایا وہ مستلزم ہے کہ اگر قبرستان جانب مشرق ہو تو پاؤں قبلہ کی طرف کئے جائیں۔ ہندیہ وغیرہا میں ہے اما کمال السنۃ فلا یتحقق الا فی واحد الخ۔ رہا بے ادبی کا شبہ تو وہ محض جہالت ہے۔ مریض ومیت کے حق میں یہ صورت توجہ الی القبلہ ہے کما صرحوا فی صلوٰۃ المریض والغسل۔ اور جب بے ادبی نہ ہوئی تو مولوی صاحب بے ادب نہ بنے بلکہ ادب سکھلانے والے بنے تو سزا کے مستحق وہ لوگ ہیں جو مولوی صاحب کی مخالفت کرتے ہیں نہ مولوی صاحب۔ اسی طرح قطبِ شمالی کی طرف منہ کرکے قضائے حاجت یا پاؤں کرکے سونا یا وقتِ غسل میت

کے پاؤں کرنا سب جائز و حلال ہے، جو ناجائز بتاتا ہے وہ شریعت غرا پر افترا کرتا ہے۔ اگر سچا ہے تو دلیل لائے اصل اباحت ہے قرآن کریم فرماتا ہے عفا اللہ عنہا، حدیث شریف میں ہے مما عفا، فقہائے کرام نے بھی اس کی تصریح فرمائی کما فی الدر وغیرھا بلکہ پہلے دو مسئلے مفہوما بیان فرمائے و مفهوم الكتب حجة اور تیسرا صراحۃً بیان فرمایا۔ درمختار، فتاویٰ عالمگیریہ میں ظہیریہ سے ہے والاصح انہ یوضع کما تیسر ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیانِ شرع ِمتین اندریں صورت کہ میت کو قبرستان لے جاتے وقت سر کس طرف کرنا چاہیے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر قبرستان مشرقی جانب ہو تو اس میں بے ادبی ہے کہ سر آگے ہو۔ بینوا توجروا۔

سائل: شیر محمد از شہامند ۲۶ شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ



سر آگے ہی ہونا چاہیے۔ فتاوے عالمگیر صـ۸۳ جلد ۱، بحرالرائق صـ۱۹۳ جلد ۲، فتاوے برہنہ صـ۳۵۷ دفتر اول میں ہے و النظم من الهندية و فی حالة المشی بالجنازة يقدم الرأس كذا فی المضمرات اور یہی اکثر کتب معتبرۂ مذہب مہذب سے صراحۃً مستفاد کہ سنت طریقہ جنازے اٹھانے کا کامل یہ بیان فرمایا کہ پہلے جنازے کی اگلی طرف دائیں شانے پر پھر پچھلی طرف دائیں شانے پر پھر اگلی طرف بائیں شانے پر پھر پچھلی طرف بائیں شانے پر یوں اٹھائے کہ میت کی دائیں جانب اور اٹھانے والے کا دایاں شانہ اور میت کی بائیں جانب اور اٹھانے والے کا بایاں شانہ ملتے جائیں۔ ہدایہ مصریہ مع الفتح صـ۹۷

جلد ۲، شرح الوقایہ ص۲۵۷ جلد ۱، کنز الدقائق ص۲۷، بدائع صنائع ص۳۰۹ جلد ۱، مبسوط امام سرخسی ص۵۶ جلد ۲، فتاوی قاضی خان ص۹۰ جلد ۱، در المختار، شامی ص۸۳۳ جلد ۱، نور الایضاح، مراقی الفلاح، حاشیہ طحطاوی ص۳۶۵، بحر الرائق ص۱۹۳ جلد ۲، فتح القدیر، عنایہ شرح ہدایہ ص۹۷ جلد ۲ و النظم من الهندية واما كمال السنة فلا يتحقق الا فى واحد وهو ان يبدأ الحامل بحمل يمين مقدم الجنازة كذا فى التتارخانية فيحمله على عاتقه الايمن ثم المؤخر الايمن على عاتقه الايمن ثم المقدم الايسر على عاتقه الايسر ثم المؤخر الايسر على عاتقه الايسر هكذا فى التبيين

اور روزِ روشن کی طرح واضح کہ اس صورتِ مسنونہ میں سر آگے ہی ہوگا ولا يقول بخلافه الا من اكب على وجهه۔ رہا بے ادبی کا خیال تو اس کا جواب یہ ہے کہ خیالِ جہال مقدم ہے یا منصوص کتب شرعیہ؟ آخر خیال اور وہ بھی جہال کا خیال ہی تو ہے بلکہ شرعاً مریض و میت کے توجہ الی القبلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ پاؤں اس طرف ہوں لیٹے ہوئے کے کما لا يخفى على من طالع باب صلوة المريض وبيان غسل الميت من اسفار المذهب المهذب۔

والله تعالى اعلم وصلى الله تعالى على حبيبه وآله وصحبه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

جوابِ مسئلہ جو مولوی صاحب نے لکھا ہے واقعی درست ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔

نصیر الدین بقلم خود از دکن، یوره

الاستفتاء

بخدمت شریف اقدس حضرت مولانا الفضل اولنا دام اقبالہٗ: سلامِ مسنون نبوی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام و صوفیائے ذوالکرام ۔

نمبر ۱:۔ بعض علماء نے جو تحریر فرمایا ہے اگر کسی کا قبرستان مشرق کی طرف ہو تو وہ جنازے کا سر مشرق کیطرف کیا جائے اور قدم کعبہ شریف کی طرف بھی ہو جائیں تو جائز ہے!

نمبر ۲:۔ زید کی بیوی فوت ہو گئی ہے اور اس کا ارادہ ثانی نکاح کا پہلی بیوی جو گزر چکی اس کی ہمشیرہ سے ہے کیا جس سے وہ نکاح کا خواہش مند ہے بغیر عدت کے وہ پہلی بیوی کی ہمشیرہ سے نکاح کر سکتا ہے؟ اگر عدت ہو تو کتنی عدت گزار کر نکاح ثانی کرے۔ مہربانی فرما کر ان دو مسائل کو تفصیل سے لکھ کر روانہ فرمائیں جناب کی بڑی مہربانی ہوگی۔

خادم العلماء حافظ بشیر احمد امام مسجد چک ۷۷/۱۲۔ ایل ڈاکخانہ خاص براستہ اقبال نگر ضلع منٹگمری





۱:۔ حضرت امام عالی مقام امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ ارشاد اور خود ان کا اپنا معمول ہے جو ہماری کتابوں میں مفصّل ہے وہ یہ ہے کہ میت اٹھانے والا میت کی اگلی دائیں طرف پہلے اپنے دائیں شانے پر اٹھائے پھر میت کی پچھلی دائیں طرف اپنے دائیں شانے پر اٹھائے۔ پھر اگلی بائیں طرف اپنے بائیں شانے پر بعد ازاں پچھلی بائیں طرف اپنے بائیں شانے پر اٹھائے۔ فتاوٰی عالمگیر ص۸۳ جلد ا میں ہے واما کمال السنۃ فلا یتحقق الا فی واحد وھو ان یبدأ الحامل بحمل یمین مقدم الجنازۃ کذا فی التتارخانیۃ فیحمل علی عاتقہ الایمن ثم المؤخر الایمن علی عاتقہ الایمن ثم المقدم الایسر علی عاتقہ الایسر ثم المؤخر الایسر علی عاتقہ الایسر ھکذا فی التبیین۔ جامع صغیر ص۱۲ میں ہے قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ رأیت اباحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصنع ھذا و یقولہ۔ اور جب اس طریقہ سے اٹھایا جائے تو سر قبرستان کی طرف ہی ہوگا۔ باقی رہا یہ وہم کہ قبرستان مشرق کی طرف ہو تو میت کے پاؤں کعبہ شریف کی طرف ہو جائیں گے تو وہ بالکل غلط ہے کیونکہ مریض اور میت کا ایسی صورت میں منہ قبلہ کی طرف سمجھا جاتا ہے۔ اگر کھڑا کر دیا جائے تو قبلہ رخ نظر آئے گا لہذا اس صورت میں قبلہ رُخ تصوّر کیا

جائے گا اور کوئی حرج نہیں ہو گا۔ فتاوٰے عالمگیر ص۸۱ جلد۱ میں ہے الوضع طولا کما فی حالۃ المرض اذا اراد الصلوٰۃ بایماء۔

م۲: بیوی کے مرنے کے بعد بیوی کی ہمشیرہ سے فوراً نکاح ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اور مانع نہ ہو کہ عدت نہیں پڑتی تو جمع بین الاختین بھی نہیں بن سکتا اور قرآن کریم میں ہے و احل لکم ما وراء ذٰلکم فتاوٰے عالمگیر م۷ جلد۲ میں ہے ولا یجوز ان یتزوج اخت معتدتہ۔ اور جب کہ مرنے والی پر یقیناً عدت نہیں تو اس کی بہن کے ساتھ نکاح بلا عدت گزارے جائز ہو گا لہذا فتاوٰی عالمگیر کے اسی صفحہ میں فرمایا کما اذا ماتت۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ $\frac{۱}{۶۴}$ ۳۰



الاستفتاء

بخدمت اقدس حضرت مولانا ابوالخیر مفتی اعظم دام اقبالہٗ۔ سلام مسنون نبوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین کہ بعض علماء نے جو یہ تحریر کیا ہے اگر کسی کا قبرستان مشرق کی طرف ہو تو وہ جنازے کا سر مشرق کیطرف کیا کریں اور پاؤں کعبہ شریف کو، اسی طرح میت کو غسل کے وقت بھی، کیونکہ میت کا منہ کعبہ کو ہوتا ہے اگر بٹھایا جائے یا نہ بٹھایا جائے یکساں ہے۔ نیز سونے کی انگوٹھی پہننا مرد کے لئے جائز ہے یا نہیں سفر کے لئے۔ ان دو مسائل کی تفصیل ساتھ پوری تحقیق آیات واحادیث شریفہ سے تحریر فرما کر ذرہ نوازی فرمائیں حضور کی عین نوازش ہو گی۔

خادم العلماء: محمد نذیر ولد غلام قادر زرگر شہیدی بازار پاکپتن شریف

(نوٹ)، ایک علیحدہ کاغذ پر یہ بھی لکھا ہوا تھا، جناب ایسی دلیلیں ہم کو شیعہ دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری

اہلِ سنت وجماعت کی کتابوں میں بھی ایسا ہے۔ حدیث تفسیر کا ہم کو علم نہیں۔ فقط والسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الجواب
اللھم اجعل لی النور والصواب

جنازہ اٹھانے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے اٹھانے والا اپنے داہنے شانے پر میت کا اگلا داہنا حصہ اٹھائے پھر اسی پر پاؤں کا داہنا حصہ بعد ازاں بائیں شانے پر میت کی اگلی بائیں طرف پھر اسی پر پاؤں والی بائیں طرف۔ اب اس طریقہ سے اٹھانے کی صورت میں اگر مشرق کی طرف قبرستان ہو تو بظاہر پاؤں قبلہ کیطرف ہو جائیں گے اور یونہی غسل کے ایک طریقہ میں بھی مگر ایسی مجبوری کی صورت میں ظاہر پر نظر نہیں ہونی چاہئے بلکہ دل پر ہو۔ حدیثِ پاک میں صاف ارشاد ہوا انما الاعمال بالنیات۔ اور اس کی شریعت میں کافی صورتیں ہیں کہ ظاہر میں کچھ اور دکھائی دیتا ہے مگر دوسرا پہلو جو ذرا انقوڑا ظاہر ہوتا ہے، ہو جاتا ہے مثلاً غیر اللہ کے لئے جھکنا یا رکوع کرنا منع ہے مگر جب کہ ایک شخص یا جانور کے پاؤں میں کانٹا لگا تو کوئی رحمدل کانٹا نکالنے کے لئے جھکے تو یہ جھکنا وہ جھکنا نہیں ہو گا جو ناجائز ہے کیونکہ نیت کانٹا نکالنے کی ہے۔ دیکھئے کسی کو تنگ کرنا دکھانا یا خون بہانا اور زخمی کرنا جائز نہیں مگر طبیب یا ڈاکٹر مریض کا اپریشن کرے یا فصد کھولے تو یہ تنگ کرنا، دکھانا اور خون بہانا جائز ہے کہ نیت علاج کی ہے۔ اس کی صدہا مثالیں ہیں جو قرآنِ کریم اور حدیث پاک سے ثابت ہیں۔ باقی شیعہ صاحبان کی کتابیں تو واقعی ان میں بھی یونہی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے مگر کسی ہمارے مسئلہ میں ان کی موافقت سے یہ تصور کرنا کہ ہمارا مسئلہ غلط ہے کہ شیعہ کے موافق ہو گیا بالکل غلط ہے۔ کئی چیزوں میں وہ ہمارے موافق ہیں۔ دیکھئے خانہ کعبہ کیطرف منہ کر کے ہم بھی نماز پڑھتے ہیں اور وہ بھی ادھر ہی منہ کرتے ہیں تو کیا ہم ان کی وجہ سے خانہ کعبہ کو منہ نہ کریں؟ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ مگر اس سے یہ بھی دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ ہمارا ان کا کوئی فرق ہی نہیں، حقیقت پر قائم ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنے مذہب پر ثابت قدم ہونا ضروری ہے۔

رہی سونے کی انگوٹھی تو حدیثِ پاک مسلم اور بخاری وغیرہا میں مرد کے لئے حرام قرار دی گئی ہے تو



نہ سفر میں مرد پہن سکتا ہے اور نہ ہی گھر میں۔ ہاں اگر کوئی اور نقدی نہیں سونا ہی گھر ہے تو سفر میں ضرورت کے لئے ساتھ لے جاسکتا ہے مگر یہ جائز نہیں کہ مرد پہن بھی لے بلکہ بٹوہ وغیرہ میں محفوظ رکھے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۱۴ شوال المکرم ۱۳۸۳ھ ۲۸-۲-۶۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مفتیانِ فقہ اس بارہ میں کہ ایک آدمی درویش، عالم حکیم، خلیفہ عارف، کامل جو کہ تقریباً دو تین ماہ کا دنیا فانی سے رخصت ہوگیا ہے اور اس کی مزار ایک تنگ جگہ پر واقع بنائی جاچکی ہے جس کی وجہ سے عام طور پر دنیا دار بھی معترض ہیں اور عوامی درویشی طبقہ بھی یہی چاہتا ہے کہ ان کو یہاں سے نکال کر کسی اور جگہ پر دفن کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دو تین مرد عورتوں کو بذریعہ خواب مکمل طور پر اس بزرگ نے کہا ہے کہ مجھے یہاں تکلیف بہت ہے مجھے یہاں سے نکال لیں لہٰذا آپ جناب ان بیانات کے مطابق فیصلہ فرمادیں اور ہمیں نکالنے کے شرائط اور دوسری جگہ دفن کرنے کے قانون اور خیرات وغیرہ حسب توفیق حکم دے کر مشکور فرمادیں تاکہ بندہ ہر طرح شریعت طریقت کے لحاظ سے مطمئن ہوسکے۔ بندہ ہمیشہ ہمیشہ جناب کا شکریہ ادا کرتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

احقر العباد تابعدار بندہ خاکسار خادم الفقراء پیر غلام رسول سجادہ نشین دربار شریف حضرت الٰہی بخش نوشاہی قادری از موہل شریف



ان بزرگ صاحب کو وہیں آرام کرنے دیں۔ دنیا دار اور عوام کیا جانتے ہیں۔ حدیث پاک سے ثابت ہے

کہ اللہ کے پیاروں کی قبریں بہت فراخ ہو جاتی ہیں جہاں تک ان کی نظر پہنچتی ہے وہاں تک فراخ ہو جاتی ہیں تو پھر تنگی کا کیا حرج ہے! کتبِ مذہب مہذب حنفی میں بعد از دفن نکالنے کی ممانعت ہے۔ کما فی اسفار المذھب المھذب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ ۲۲-۱۱-۶۶

الاستفتاء

ایک صاحب کی طرف سے زبانی پوچھے گئے فتوے کا درج ذیل جواب دیا گیا۔ (مجیب)



محب ملک وملت جناب سلطان علی صاحب ممبر یونین کونسل پھلانتولی

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ، مزاج شریف! محمد امین ڈولا نے دریافت کیا ہے کہ قبرستان میں قبر تیار ہونے پر میت کو دوسرے گاؤں کے قبرستان میں دفنایا گیا تو پہلی قبر کا کیا کیا جائے؟ لوگ کہتے ہیں کہ غلہ جو یا مونجی سے پُر کی جائے۔ کیا یہ درست ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں جو یا مونجی ڈال کر خراب کرنا شرع شریف میں ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اسراف یعنی بے جا خرچ کرنا ہے اور اضاعتِ مال یعنی مال کا ضائع کرنا ہے جو بحکم قرآنِ کریم اور حدیث

پاک بالکل ناجائز اور حرام ہے لہٰذا قبر کو مٹی سے پُر کیا جائے یا کوئی میت ہو تو اسے دفن کر دیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ و

صحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ر جمادی الاخری ۱۳۸۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک مردہ کے دفن کئے ہوئے کو عرصہ سال کا گزر چکا ہے۔ اب بوجہ بارش یا سیلاب قبر میں پانی داخل ہو گیا ہے۔ قبر بھی زمین میں دب گئی ہے اور یہ بھی یقین کامل ہے کہ مٹی و پانی باہم مل کر کیچڑ بن گیا ہے اور کیچڑ سے مردہ آلودہ ہو گیا ہے اب اس صورت میں علمائے کرام کیا حکم صادر فرماتے ہیں؟ مردہ کو قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کیا جائے یا اسی قبر پر مٹی ڈال دی جائے۔ بینوا توجروا یا اولی الابصار۔

المستفتی: غلام رسول از پھلرون



بعد از تکمیلِ دفن نبشِ قبر واخراجِ میت کو حضرات احناف ادام اللہ تعالیٰ فیوضہم وبرکاتہم نے ممنوع وحرام قرار دیا ہے لہٰذا اوپر سے قبر بنادی جائے۔ مبسوط، فتاویٰ قاضیخان، فتاویٰ عالمگیر، بحرالرائق، مراقی الفلاح، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، درالمختار، ردالمحتار، فتح القدیر وغیرہا اسفارِ مذہب میں ہے والنظم من مراقی الفلاح والنبش حرام حقا للہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ شوال المکرم ۱۳۶۷ھ

الاستفتاء

مکرمی ومعظمی قبلہ وکعبہ جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی ــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ــ مزاج گرامی! قبلہ! ایک استفتاء آپکی خدمتِ عالیہ میں پیش کررہا ہوں یہاں اس فتویٰ کی سخت ضرورت ہے اسلئے آپ سے استدعا ہے کہ فوری جواب سے سرفراز فرمائیں، میں ہمیشہ آپکا بیحد ممنون رہونگا:

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک میت کو عارضی طور پر ایک سال کے لئے کسی جگہ ایک عام قبرستان میں لکڑی کے صندوق میں رکھ کر امانۃً دفن کردیا گیا تاکہ مناسب اور موقع کے مطابق جگہ حاصل ہونے پر وہاں سے منتقل کرکے دفن کیا جاسکے۔ اندریں حالات کیا مذہبِ حنفی سنت والجماعت میں میت کو عارضی طور پر دفن کرنا جائز ہے؟

۲۔ اگر جائز ہے تو میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی کیا صورت ہے؟

السائل: سید محمد یونس گیلانی مکان ۸۲۷/سی، کوچہ منھراگئی گمٹی بازار لاہور مورخہ ۱۰-۷-۳۰



(۱): مذہبِ مہذب حنفی میں ایسی کوئی صورت نہیں۔

(۲): بعد از دفن میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی ایسی کوئی وجہ جواز نہیں۔ فتاوٰے شامی ص۸۴۲ جلد اول میں ہے واما نقلہ بعد دفنہ فلا مطلقا قال فی الفتح واتفقت کلمۃ المشائخ فی امرأۃ دفن ابنہا وھی غائبۃ فی غیر بلدھا ولم تصبر

وارادت نقله علی ان لایسعها۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعد از دفن نقل کی بالکل اجازت اور گنجائش نہیں اور اس پر ہمارے مشائخ کرام کا اتفاق ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۶ر ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۹ھ ۵۔۳۔۷۰

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں میرے عمِ محترم جناب حاجی چراغدین صاحب مرحوم نے وفات کے وقت بندہ کو فرمایا تھا کہ میں نے جناب میاں غلام اللہ صاحب دام فیضہٗ سے آستانہ عالیہ شرقپور شریف میں دفن ہونے کے لئے جگہ طلب کی تھی اور آپ نے آمادگی کا اظہار فرمایا تھا۔ وفات کے بعد مجھے صندوق میں رکھ کر بطورِ امانت ملتان میں دفن کرنا اور اس کے بعد شرقپور شریف لے جانا۔ مرحوم کو شرقپور شریف لے جاتے وقت ان کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بعض اقارب وفات کے وقت زیارت نہ کر سکے ہوں تو ان میں سے جو زیادہ قریب ہیں وہ زیارت کر سکتے ہیں یا تمام؟ نیز شرقپور شریف لے جاتے وقت مرحوم کا دوبارہ جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: شیخ علی محمد از بصیر پور



شرعاً دفن کرنے کے بعد صرف نقل مکانی کے لئے نکالنا جائز نہیں اور یہ جو لوگوں میں امانت رکھنا مشہور

ہے، شرعلیہ اصل ہے۔ اور جب نکالنا جائز نہیں تو دیدار کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اور دوبارہ جنازہ پڑھنا بھی ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہٖ وصحبہٖ بارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ ربیع الاول شریف ۱۳۹۰ھ

الاستفتاء

نوٹ:۔ مولوی اللہ بخش صاحب مدرس شرقپوری نے بذریعہ جوابی کارڈ سوالِ ذیل کا جواب طلب کیا ہے:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ قبروں پر پھول عدس ماش پانی چھڑکنا پیسہ پیسے ڈالنے خصوصاً محرم الحرام میں جائز ہے یا کہ نہیں۔ کتبِ معتبرہ بمع حوالات تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔



قبروں پر پھول وغیرہ ڈالنے اصل میں امورِ مباح ہیں کہ شریعتِ مطہرہ نے جس چیز کو حرام و منع نہیں فرمایا وہ اباحت اصلیہ پر ہے۔ یہ قاعدہ احناف متعدد آیات اور کثیر احادیث ابوداؤد و ترمذی وابنِ ماجہ ومستدرک وبیہقی وغیرہا سے ثابت ہے وقد صرح بہ الائمۃ الاعلام من المفسرین والمحدثین والمتفقہین اور جب اباحت ثابت ہوئی تو نیتِ صالحہ سے مستحب بن سکتے ہیں کہ مباحات نیاتِ صالحات سے عبادات اور نیاتِ فاسدات سے خطیات بن جاتے ہیں وھذا ایضا ثابت بالآیات والاحادیث وتصریحات المحدثین والفقہاء۔ اور بلا وجہ مسلمانوں پر ظنِ بد نا جائز البتہ یہ معلوم ہو کہ اس خاص شخص نے نیتِ فاسدہ سے ڈالے ہیں تو اسے سمجھا دیا جائے۔ نہ یہ کہ علی العموم حرمت و بدعت کا فتوے دے دیا جائے وقد صرح الفقہاء

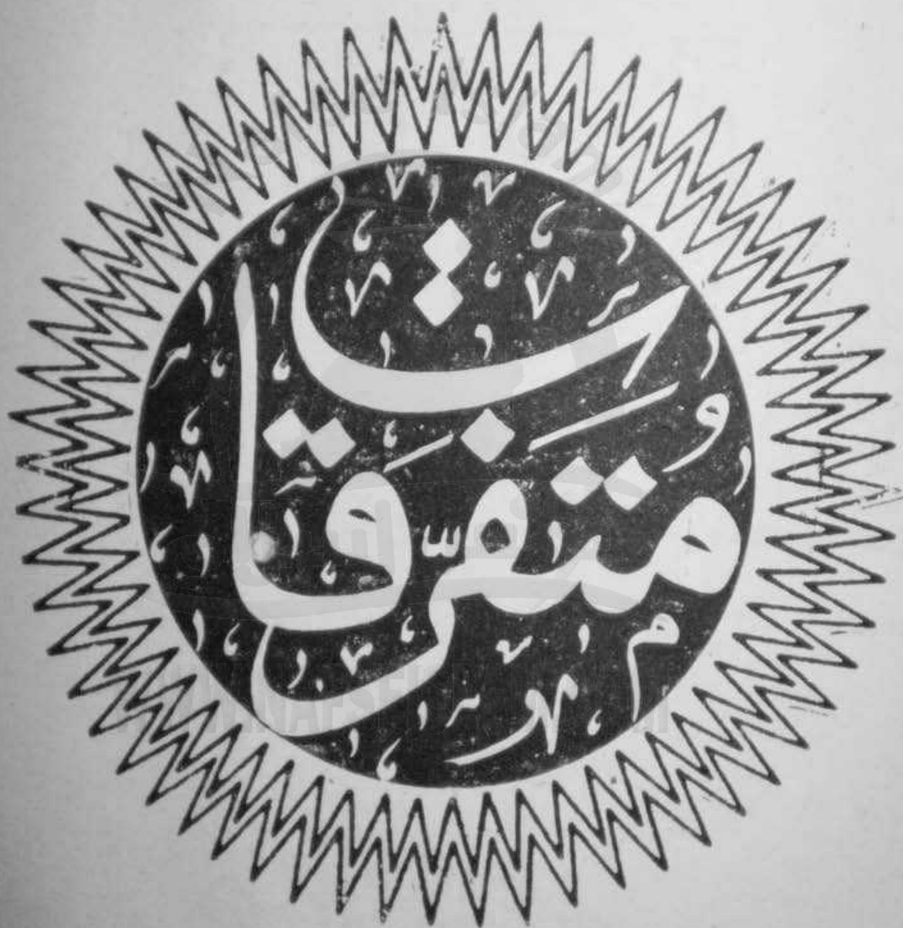
باستحباب وضع الورد ونحوها على القبور وذا ايضا مقيد بحسن النية
والباقي عند التلاقي ان شاء المولى الباقي۔

عبدہ المفتقر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

نوٹ: آیات و احادیث و نصوص ائمہ کرام کارڈ پر نہیں لکھ سکتے معذرۃ






متفرقات

مسائلِ شتّٰی

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کرام اس مسئلہ میں کہ زید برائے تبلیغ بر دوکان فرید بخش گیا۔ نماز کے لئے کہا فرید بخش نے عذر کیا، آئندہ پڑھنے کا وعدہ کیا۔ قریب ہی ایک پیر صاحب مسمّٰی غلام قادر شاہ بیٹھے تھے، وہ چلّاکر کہتے ہیں خالی پیشانی رگڑنے سے تو "یہ" بھی نہیں ہے۔ "یہ بھی" کا اشارہ اپنے آلہ تناسل کی طرف کرتے ہیں۔ ایسا کرنا ہمارے عرف میں توہین ہے۔ دوسرا اشارہ بھی استہزا کرتا ہے۔ عند الشرع کیا حکم ہے؟

السائل: مولوی الٰہی بخش چک نمبر ۳۰



العیاذ باللہ! نماز کو خالی پیشانی رگڑنے کا نام دینا اور پھر بیہودہ جاہلانہ اشارہ سے توہین و استہزا بدترین حرام ہے۔ غلام قادر نے سخت ترین جرم سنگین کا ارتکاب کیا۔ اس پر لازم کہ فوراً سچے دل سے اہل اسلام کے روبرو توبہ نصوحا کرے۔ قرآنِ کریم میں صاف موجود ہے واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزوا و لعبا ذلک بانھم قوم

لا یعقلون ۰ پ۶ رکوع ۱۳ ۔ اور ارشاد ہوتا ہے قل اباللہ و اٰیتہ و رسولہ کنتم تستھزءون ۰ لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم اور اگر نہ مانے اور توبہ نہ کرے تو اہلِ اسلام پر لازم کہ اس سے بالکل الگ رہیں۔ بیٹھنا اٹھنا وغیرہ کسی قسم کا تعلق و رابطہ نہ رکھیں۔ حضرتِ ربّ العالمین کا حکم قرآنِ کریم میں ہے یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا و لعبا من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم و الکفار اولیاء و اتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین پ۶ ع ۱۳ ۔

و اللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ و اٰلہ وصحبہ وسلم الی ابد الاٰباد۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ بندہ ریلوے چھاپہ خانہ میں ملازم ہے۔ میرے ساتھ اسی چھاپہ خانہ میں ایک اور آدمی بھی کام کرتا ہے۔ میرا اس سے لڑائی جھگڑا ہے۔ ہم نے بات چیت کبھی نہیں کی۔ ایک دن وہ میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک تیسرے شخص نے ہمیں اکٹھا بیٹھا دیکھ کر تمسخر کے لہجے میں مسکرا کر زور سے کہہ دیا اللہ اکبر! میں نے غصہ میں آکر اُس کے جواب میں کہہ دیا" اوکتے بکومت " کیوں کہ وہ مجھے پہلے بھی تمسخر و مذاق کرتا رہتا تھا۔ میں نے اس وقت بھی یہ سمجھا کہ یہ شرارتی آدمی ہے، شرارت کر رہا ہے اور غصہ میں آکر یہ الفاظ کہہ دئے۔ بلکہ غصہ میں مجھے یہ بھی پتہ نہیں لگا کہ اس نے کیا الفاظ استعمال کئے ہیں اور میں کیا کہہ رہا ہوں۔ باقی میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ توہینِ نامِ خدا میرا قطعاً مقصد نہیں تھا۔ میں تو ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں۔ آپ جیسے بزرگوں سے سن کر صوم و صلوٰۃ و داڑھی وغیرہ کی پابندی کر رکھی ہے۔ اسی لئے وہ مجھے مخول کرتا رہتا تھا۔ اب میں اپنے اس

لفظ پر نادم ہوں اور وہ مخالف بھی پروپیگنڈا کرتا ہے کہ اس نے خدا کے نام کی توہین کی ہے، کفریہ لفظ بولے ہیں، اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ لہذا میں آپ سے سائل ہوں۔ برائے مہربانی بندہ کے لئے شریعت کی رُو سے جو حکم ہو اس سے واپسی ڈاک مطلع فرمائیں۔ بندہ شریعت کے حکم کی تعمیل کے لئے بدل و جان حاضر ہے۔ والسلام

السائل: ولایت علی ساکن گڑھی شاہو لاہور، ۸-۸-۵۸ بروز جمعۃ المبارکہ





اس تیسرے شخص نے اگر واقعی لہجۂ تمسخریہ میں مسکراتے ہوئے زور سے تکبیر کہی تو وہ خود سخت گنہگار ہوا توہینِ نام پاک اور بے ادبی تکبیر کا مرتکب بنا۔ فتاوٰے عالمگیر صـ۹۰ جلد۴ میں ہے الکلام من ما یوجب اجرا کالتسبیح و التحمید و قراءۃ القرآن و الاحادیث النبویۃ و علم الفقہ و قد یأثم بہ اذا فعلہ فی مجلس الفسق و ھو یعلم لما فیہ من الاستھزاء و المخالفۃ لموجب۔ تو آپ کا اس کے جواب میں او کتے بکومت " کہنا اسے اس استہزاء و تمسخر سے (جو موجب توہین ہے) روکنا بنا جو سراسر جائز ہے۔ بلکہ اگر آپ یہ معنے سمجھ کر ردِ توہین کے لئے کہتے تو موجب اجرِ عظیم بھی بنتا کہ نہی عن المنکر ہے۔ اور ایسے ظالموں کا رد جو ارادۂ فاسدہ سے اچھا کلام بولیں، سنتِ الٰہیہ بھی ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے اذا جاءك المنافقون قالوا نشھد انك لرسول اللہ و اللہ یعلم انك لرسولہ و اللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون ہ بنا بریں حضرتِ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ الکریم کے سامنے جب خارجیوں نے لاحکم الا للہ پڑھا تو آپ نے فرمایا کلمۃ حق ارید بھا باطل۔ الی غیر ذلك من النظائر المتکاثرۃ

والجزئیات المتظاهرۃ المتوافرۃ۔

بہر حال آپ اندریں حالات اس الزام سے پاک اور ایمان و نکاح پر قائم ہیں۔ ہاں خود وہ مخالف نام پاک کی توہین کرنے والا، گستاخ ہے اور جھوٹا ہے، اپنے نکاح کا فکر کرے، پھر اس کا صوم و صلوٰۃ و لحیہ پر پابندی کی وجہ سے مخول کرتے رہنا بھی حرکت کفریہ ہے اور توہین شریعت علیہ ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲۸ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص کسی غصے کی بنا پر اپنے امام مسجد کی غائبانہ زبانی بے ادبی کر بیٹھتا ہے بعد میں اسکو احساس ہوتا ہے کہ میں نے غلطی کی ہے۔ آیا اب وہ اپنے امام مسجد کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا کہ نہیں؟ توبہ استغفار بھی کر لیتا ہے اس مسئلہ کی وضاحت قرآن و سنت کے مطابق کیجائے عین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا

السائل: محمد عارف خان نمبردار چک ۲۳۵/ای۔بی ڈاکخانہ چک ۲۲۹/ای۔بی ضلع ساہیوال

نوٹ: یہ سوال مولانا محمد شفیع صاحب نوری عارفی نے پیش کیا ہے۔



جب توبہ و استغفار کر لیتا ہے اور اپنی غلطی کا احساس کرتا ہے تو اسے نماز امام مسجد کی اقتدا میں ضرور ادا کرنی

چاہیے کیونکہ سچی توبہ سے گناہ مٹ جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے بھی برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ و یعفو عن السیاٰت پ۲۵ ع۴۔ نیز ارشاد ہے ان الحسنات یذھبن السیاٰت پ۱۲ ع۱۰۔ اور حدیث شریف میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ جامع صغیر ص۴۵۶ جلد ا اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ صحیح بخاری ص۹۵ جلد ا اور قرآن کریم میں ہے واركعوا مع الراكعين پ۱ ع۵۔ لہٰذا اسے اپنے امام کی اقتداء میں نماز ضرور ادا کرنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ: الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ ۲۸-۳-۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولوی صاحب امام مسجد جنڈ والی پاکپتن شریف نے حافظ صاحب جو کہ قرآن پاک نماز تراویح میں سنا رہے تھے ایک رات ان کے سامع جو حافظ صاحب تھے وہ موجود نہ تھے تو امام مسجد نے بعد نماز تراویح کے اعلانیہ نمازیوں کو کہا کہ آج رات نماز تراویح بالکل نہیں ہوئی نمازیوں نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے مولوی صاحب نے کہا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز تراویح پڑھائی تو اس رات جبریل امین علیہ السلام سامع نہیں تھے۔ اس رات کے قبل حضرت جبریل امین سامع ہوتے اور حضور نماز پڑھاتے لہٰذا جبریل امین کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے نماز تراویح نہ ہوئی تو حضور نے صحابہ کو فرمایا کہ آج رات سب کی نماز تراویح نہیں کیونکہ میرے پیچھے جبریل سامع نہیں تھے۔ تو مولوی صاحب نے نمازیوں کو یہ زبانی ثبوت دے کر کہا کہ ہماری بھی نماز تراویح نہیں ہوئی۔ ۱۔ نماز تراویح ہو گئی یا کہ نہیں۔ ۲۔ مولوی صاحب نے جو ثبوت دیا ہے یہ بالکل صحیح ہے یا کہ نہیں؟ اگر مولوی صاحب کی دلیل کا ثبوت نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: حافظ پیر بخش فریدی پاکپتن شریف ۱۴-۱۰-۷۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی الرشد والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو اس مولوی نما برائے نام امام کا یہ اعلان جھوٹ اور افتراء و بہتان ہے ایسی کوئی حدیث کسی ایک مستند کتاب میں بھی ہرگز ہرگز نہیں ۔ اس کا یہ افتراء اللہ جل و سبحانہ کے پیارے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر خود اللہ تعالےٰ پر افتراء ہے جس کی سزا بہت ہی سخت ہے ۔ قرآنِ کریم میں ہے فمن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا لیضل الناس بغیر علم ط ان اللہ لایھدی القوم الظّٰلمین ۔ نیز فرمایا انظر کیف یفترون علی اللہ الکذب وکفٰی بہ اثما مبینا ۔ پھر ایسا کوئی مسئلہ بھی نہیں کسی معتمد کتاب میں بھی نہیں کہ سامع کا ہونا شرطِ جواز ہے ۔ سچا ہے تو کوئی واقعی ثبوت دے ، بتائے کہ یہ کس کتاب میں ہے اور کونسے امام کا قول ہے ؟ اس کا ذبانی کہنا تو غلط اور جھوٹا دعوٰے ہے ، ثبوت نہیں ، پھر ایسے جھوٹے اور بڑے ظالم کا امام بنانا سرے سے ہے ہی ناجائز وہ جبتک اپنی غلطی کو غلطی مانتے ہوئے اپنے دل سے توبہ نہ کرے امامت کے قابل نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی حبیبہ الاعظم محمد رسول اللہ وعلیٰ الہٖ واصحابہ وبارک وسلم ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ ۱۴-۱۰-۷۳

تمّ الجزء الاوّل من الفتاوی النوریّۃ

فالحمد للہ علی اتمامہ




فہارس



فہرست آیات کریمہ میں ہر آیت کے سامنے اوپر ' نیچے دو نمبر درج ہیں۔ (مثلاً ۲۹/۲) ان میں نیچے والا سورت کا نمبر ہے اور اوپر والا ہندسہ آیت کا نمبر ہے۔

فہرستِ آیاتِ مبارکہ

پ ۱

پ ۲





۱۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ ۱۵۳/۲ ۲۳۹
۱۳ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ ۱۸۴/۲ ۱۱۷
۱۴ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۱۸۵/۲ ۲۱۱
۱۵ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ
وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ ۱۸۶/۲ ۵۱۱
۱۶ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ
فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ۔ ۲۰۶/۲ ۳۹۰
۱۷ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ۔ ۲۲۹/۲ ۳۳۱
۱۸ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۲۳۸/۲ ۴۰۰
وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ ۲۳۸/۲ ۳۰۳
۱۹ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا۔ ۲۳۹/۲ ۲۱۰

پ ۳

۲۰ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ
مِّائَةُ حَبَّةٍ۔ ۲۶۱/۲ ۵۸۰
۲۱ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ
مِنَ التَّعَفُّفِ۔ ۲۷۳/۲ ۲۰۰
۲۲ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ ۲۷۵/۲ ۱۹۱
۲۳ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ







فتاوی رضویہ
جلد اول

۳۶ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا
شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ ۶۵/۴ ۶۲۵

۳۷ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ
الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ ۷۵/۴ ۶۲۳

۳۸ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۸۰/۴ ۶۳۰

۳۹ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ
تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ۔ ۱۰۱/۴ ۷۳۱

۴۰ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ ۱۴۵/۴ ۴۹۶

پ ۶

۴۱ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔ ۲/۵ ۱۵۹

۴۲ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ ۶/۵ ۱۳۳

۴۳ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ
الْوَسِيْلَةَ۔ ۳۵/۵ ۶۳۱-۶۳۷

۴۴ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
دِيْنَهُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا الاٰية ۵۷/۵ ۷۳۰

۴۵ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ
لَعِبًا الاٰية۔ ۵۸/۵ ۷۲۹

پ ۷

۴۶ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ
اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (الٰى قوله تعالٰى) عَفَا اللّٰهُ
عَنْهَا۔ ۱۰۱/۵ ۳۷۱-۳۷۲-۳۷۴-۵۱۵-۵۲۴-۶۲۴-۷۱۶



۴۷	یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ۔	۱۰۵/۵	۲۲۰
۴۸	یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (الٰی قولہ تعالٰی) ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔	۱۰۶/۵	۶۸۴
۴۹	اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔	۱۱۸/۵	۵۳۸
۵۰	وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔	۶۸/۶	۳۳۳

پ ۸

۵۱	فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ۔	۱۴۴/۶	۴۳۴
۵۲	وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔	۱۶۴/۶	۶۳۹
۵۳	یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔	۳۱/۷	۴۲۳-۵۰۰-۵۰۱
۵۴	قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ۔	۳۲/۷	۵۲۰

پ ۹

۵۵	هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔	۱۸۹/۷	۴۷۷
۵۶	خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ۔	۱۹۹/۷	۴۵۷
۵۷	وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔	۲۰۴/۷	۴۲۵-۵۲۸-۶۲۶

پ ۱۰

۵۸	وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ الاٰیة	۶۰/۸	۴۵۶

۵۹	وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِہِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔	۷۲/۸	۶۲۷
۶۰	قَاتِلُوْھُمْ یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ بِاَیْدِیْکُمْ (الی قولہ تعالٰی) وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ۔	۱۴/۹	۲۵۶
۶۱	مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ شٰھِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ بِالْکُفْرِ۔	۱۷/۹	۳۱۹-۱۹۰
۶۲	اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ۔	۱۸/۹	۱۹۷-۱۸۷
۶۳	اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ (الی قولہ تعالٰی) وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔	۶۰/۹	۵۵۰-۱۹۲
۶۴	وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔	۶۱/۹	۳۱۵
۶۵	قُلْ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ۔	۶۵/۹	۴۳۰
۶۶	لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ۔	۶۶/۹	۴۳۰

پ ۱۱

۶۷	مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ ھَدٰھُمْ حَتّٰی یُبَیِّنَ لَھُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔	۱۱۵/۹	۴۲۹-۴۲۸
۶۸	یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔	۱۱۹/۹	۴۲۵
۶۹	حَتّٰۤی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیْنَ بِہِمْ۔	۲۲/۱۰	۲۰۸
۷۰	اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔	۶۲/۱۰	۶۵۰



پ ۱۲

٧١ وَهِىَ تَجْرِىْ بِهِمْ فِىْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۔ ۴۲/۱۱ ۲۰۸

٧٢ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۔ ۱۱۳/۱۱ ۲۱۹

٧٣ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ
اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى
لِلذّٰكِرِيْنَ ۔ ۱۱۴/۱۱ ۷۳۳

٧٤ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۔ ۲۳/۱۲ ۵۴۳

پ ۱۳

٧٥ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ
اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ ۲۸/۱۳ ۴۲۵

پ ۱۴

٧٦ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۔ ۲۴/۱۵ ۶۶۹

٧٧ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ ۸/۱۶ ۴۱۸-۴۵۴

٧٨ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۔ ۱۴/۱۶ ۵۲۰

٧٩ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ
بُطُوْنِهٖ ۔ ۶۶/۱۶ ۵۹۳

٨٠ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔ ۸۹/۱۶ ۴۵۵

٨١ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ ۔ ۱۰۶/۱۶ ۳۳۳

٨٢ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا
حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ الآية ۱۱۶/۱۶ ۳۰۷-۳۷۲-۵۱۳-۵۰۳-۵۰۴

پ ۱۵

۸۳	وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔	۲۶/۱۴	۱۲۹
۸۴	اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔	۲۷/۱۴	۱۲۹
۸۵	اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔	۳۶/۱۴	۶۵۳
۸۶	يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ۔	۷۱/۱۴	۳۳۳
۸۷	وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔	۸۲/۱۴	۶۴۱ ۲۵۹-۲۳۲-۲۳۵
۸۸	وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔	۱۱۰/۱۴	۴۱۱-۴۲۸-۴۳۲

پ ۱۶

۸۹	فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا۔	۹۵/۱۸	۹۴۷
۹۰	اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ الاٰية	۹۶/۱۸	۵۲۰
۹۱	وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔	۶۴/۱۹	۳۷۰-۵۱۹
۹۲	اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔	۱۴/۲۰	۲۴۰
۹۳	يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ۔	۱۰۸/۲۰	۴۵۷

پ ۱۷

۹۴	وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔	۳۲/۲۲	۱۹۰
۹۵	فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔	۳۶/۲۲	۱۸۵



۹۶	اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ۔	۴۱/۲۲	۱۹۵
۹۷	وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔	۷۸/۲۲	۳۱۲-۳۱۱

پ ۱۸

۹۸	نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا۔	۲۱/۲۳	۵۹۳
۹۹	فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً۔	۴/۲۴	۳۲۵
۱۰۰	لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۔	۱۳/۲۴	۳۲۵
۱۰۱	فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔	۳۶/۲۴	۱۳۷-۱۲۲-۱۹۰
۱۰۲	رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔	۳۷/۲۴	
۱۰۳	وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔	۷/۲۵	۳۶۱
۱۰۴	وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔	۸/۲۵	۵۳۹

پ ۱۹

۱۰۵	فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔	۷۰/۲۵	۳۲۹
۱۰۶	وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۔	۲۱۹/۲۶	۴۲۲
۱۰۷	وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔	۲۲۷/۲۶	۶۴۲

پ ۲۰

۱۰۸	وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔	۸۸/۲۷	۲۴۲
۱۰۹	فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي		

	اَلْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ۔	٣٠/٢٨	٤١٨
	پ ۲۱		
١١٠	وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔	٣١/٣٠	٥٠٦
١١١	لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔	٢١/٣٣	٥٣٣،٢٨٢
١١٢	وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ۔	٢٥/٣٣	١٨٢
	پ ۲۲		
١١٣	وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ۔	٣٣/٣٣	٦٦٩،٦٩٧
١١٤	مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ الاٰية	٤٠/٣٣	٥٣٨
١١٥	يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔	٥٦/٣٣	٢٨٢
١١٦	اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ الاٰية	٥٧/٣٣	٣١٥،٦٥٩
١١٧	وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ۔	١٠/٣٤	٥٢٠
١١٨	وَتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا۔	١٢/٣٥	٥٢٠
١١٩	اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ۔	١٣/٣٦	٦٢٣
١٢٠	جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ۔	٢٠/٣٦	٦٢٣
	پ ۲۳		
١٢١	وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔	٩٦/٣٧	٦٣٦
١٢٢	فَبَشِّرْ عِبَادِ۔	١٧/٣٩	٤٧٨،٤١٨،٣٨٦
١٢٣	اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ۔	١٨/٣٩	٤٧٨،٤١٨،٣٨٦
١٢٤	تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔	٢٣/٣٩	٤٢٥





پ ۲۴

پ ۲۵

پ ۲۶





۱۴۰	يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ الاٰية۔	۱۲/۴۹	۳۲۳
۱۴۱	وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ۔	۳۹/۵۰	۴۰۸
۱۴۲	وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔	۴۰/۵۰	۴۰۸
۱۴۳	وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ۔	۴۱/۵۰	۴۵۶
	پ ۲۷		
۱۴۴	وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔	۵۵/۵۱	۳۹۰
۱۴۵	وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۔	۴۸/۵۲	۴۰۸
۱۴۶	وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ۔	۴۹/۵۲	۴۰۸
۱۴۷	يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ۔	۶/۵۴	۴۵۶
۱۴۸	هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔	۶۰/۵۵	۱۸۵
۱۴۹	وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔	۲۵/۵۷	۵۲۲-۵۲۰
	پ ۲۸		
۱۵۰	لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔	۲۲/۵۸	۳۱۶
۱۵۱	مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔	۷/۵۹	۴۰۲-۳۴۱
۱۵۲	يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔	۱۰/۵۹	۴۰۲





۱۵۳	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ الآية	۱۴/۶۱	۶۲۷
۱۵۴	مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ۔	۱۱/۶۲	۳۱۴
۱۵۵	اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ الآية	۱/۶۳	۷۳۱
۱۵۶	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔	۸/۶۶	۳۲۹

پ ۲۹

۱۵۷	كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ۔	۳۳/۶۸	۶۷۲
۱۵۸	وَالَّذِيْنَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ۔	۲۴/۷۰	۶۳۴
۱۵۹			
۱۶۰	وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ۔	۱۸/۷۲	۱۴۰۔۱۵۰۔۱۶۱
۱۶۱	فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔	۲۰/۷۳	۵۲۵
۱۶۲	وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔	۴/۷۴	۵۰۴
۱۶۳	وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ۔	۲۲/۷۵	۵۴۵
۱۶۴	اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔	۲۳/۷۵	۵۴۵
۱۶۵	وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔	۸/۷۶	۶۳۳

پ ۳۰

۱۶۶	فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔	۵/۷۹	۶۵۰
۱۶۷	ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔	۱۵/۸۷	۴۰۵

٥٨ لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ.	١/٩٠	[illegible]
٥٩ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ.	٢/٩٠	[illegible]
٦٠ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ.	٤/٩٤	٣٩
٦١ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ.	٧/٩٤	٥٣
٦٢ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ.	٨/٩٤	٥٣
٦٣ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ.	٩-١٠/٩٦	٣٠
٦٤ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ.	٧/٩٩	٣٣





فہرست احادیث مبارکہ





فتاویٰ نوریہ
جلد اول



جلد اول
فتاوی رضویہ



فتاوی رضویہ
جلد اول

نمبر شمار	احادیث مبارکہ	صفحہ
	انہاکم عن ذلک۔	۶۴۳
۷۵	ان یتدافع اہل المسجد لا یجدون اماما یصلی بہم۔	۶۵۳
۷۶	ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بہا احدہما۔	۶۵۹
۷۷	انہکوا الشوارب واعفوا اللحی۔	۶۶۷
۷۸	اذا شہدت احداکن المسجد فلا تمس طیبا۔	۶۶۸
۷۹	ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام متکئا علی عصا او قوس۔	۶۷۳
۸۰	ان صلی اللہ علیہ وسلم قام متوکئا علی قوس او عصا۔	۶۷۵
۸۱	اذا خطب فی الجمعۃ خطب علی عصا۔	۶۷۵
۸۲	ان صلی اللہ علیہ وسلم قام خطیبا بالمدینۃ متکئا علی عصا او قوس	۶۷۵
۸۳	ان صلی اللہ علیہ وسلم قام متوکئا علی عصا او قوس۔	۶۷۶
۸۴	اتخذوا قبور انبیائہم وصالحیہم مساجد۔	۶۹۹
۸۵	ان المؤمن لا ینجس حیا ولا میتا	۶۹۹
۸۶	ان المؤمن لا ینجس حیا ولا میتا۔	۶۹۹
۸۷	اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔	۷۰۴
۸۸	ان اللہ کرہ لکم ثلاثا قیل وقال واضاعۃ المال وکثرۃ السوال۔	۱۴۹
۸۹	انما کنا فی صلوٰۃ ورجعنا فی صلوٰۃ فلا وضوء۔	۱۱۶
۹۰	ان علیا رأی مؤذنا فی صلوٰۃ العشاء قال اخرجوا ہذا المبتدع	۲۱۵
۹۱	انہم کانوا فی زمن عمر بن الخطاب یصلون یوم الجمعۃ حتی یخرج	۲۸۷
۹۲	انہم کانوا یتحدثون فی زمن عمر بن الخطاب۔	۲۸۸
۹۳	ان رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل المسجد	











فتاوی خواجگیر
جلد اول

نمبر شمار	احادیث مبارکہ	صفحہ
	ر	
١٤٨	رفع عن امتی الخطأ والنسیان۔	٣٣٠
١٤٩	ربما جهر وربما اسر۔	٤٦٣
١٥٠	رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعة بلا عمامة۔	٥٠٥
١٥١	رفع صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ ثلاث مرات۔	٥١٢
١٥٢	رکعتین قبل العصر۔	٦٠٧
١٥٣	رکعتین بعد العشاء۔	٦٠٧
١٥٤	رش قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان الذی رش الماء علی قبرہ بلال بن رباح۔	٦٤٤
١٥٥	روی مجاهد قال دخلت مع ابن عمر مسجدا یصلی فیہ الظهر فسمع مؤذنا یثوب فغضب۔	٢١٥
١٥٦	رفع (عمر) صوتہ بالقراءة حتی لو کان فی الوادی احد لاسمعہ۔	٤٣٥
	ز	
١٥٧	زوروا القبور فانها تذکرکم الموت۔	٦٣٠
١٥٨	زوروا القبور فانها تذکرکم الآخرة۔	٦٣٠
	س	
١٥٩	سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الجدار امن البیت هو قال نعم۔	١٦١، ١٦٢
١٦٠	سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ بالطور فی المغرب۔	٥٣٤







نمبر شمار	احادیث مبارکہ	صفحہ
۱۸۵	الصلوة وجبت عليكم خلف كل مسلم۔	۳۵۸
۱۸۶	صلى فى الظهر (السفر) ركعتين وبعدها ركعتين۔	۶۱۰
	ط	
۱۸۷	طوفى من وراء الناس وانت راكبة۔	۴۶۳
	ع	
۱۸۸	عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين۔	۳۰۷، ۵۳۱، ۵۳۳
۱۸۹	عن ابن عباس وابتغ بين ذلك سبيلا يقول تعالى اطلب بين الاعلان۔	۴۶۰
۱۹۰	عن ابن عباس ولا تجهر .... ولا تجعلها كلها جهرا ولا تخافت بها...... سرا۔	۴۳۳
۱۹۱	عن ابن عباس فكما الصلوة قبل صلوة الحضر وبعدها حسن فكذلك الصلوة فى السفر۔	۶۱۲
۱۹۲	عن ابن مسعود انه۔ قرأ فى الاولى من الصبح اربعين آية من الانفال۔	۵۳۱
۱۹۳	عن ابى جعفر محمد بن على من وجد فى قلبه قسوة فليكتب يٰس۔	۶۴۲
۱۹۴	عن ابن عباس فى المرأة تعسر عليها ولادتها قال يكتب يٰس فى قرطاس ثم تسقى۔	۶۴۲
۱۹۵	عن صهيب قال رأيت عليا يقبل يد العباس ورجليه۔	۶۴۵





جلد اول

ق

نمبر شمار	احادیث مبارکہ	صفحہ
۲۴۲	قال نعم كان يعتمد عليها اعتمادا۔	
۲۴۳	القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار۔	۶۷۵
۲۴۴	قال علی فی بئر وقعت فیہ فارة ينزح ماءها۔	۶۹۹
۲۴۵	قال علی بن ابی طالب لا جمعة الا فی مصر جامع۔	۱۲۶
۲۴۶	قال علی لا جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع	۶۲۳، ۶۵۷، ۶۶۶
۲۴۷	قال علی لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا اضحى الا فی مصر جامع۔	۴۹۰، ۶۲۳، ۶۵۴، ۶۶۰
۲۴۸	قال قتادة يقرأ سورة واحدة فی ركعتين او يردد .... كل كتاب الله۔	۵۲۶
۲۴۹	قرأ عمر فی الركعة الاولی بمائة وعشرين اية۔	۵۳۰
۲۵۰	قرأ عمر بال عمران فی الركعتين الاوليين من العشاء۔	۵۳۱
۲۵۱	قرأ بنا سيدنا عمر ال عمران فی الركعتين۔	۵۳۱
۲۵۲	قال عثمان يا يها الناس ان هذا يوم قد اجتمع لكم فيه عيدان۔	۶۲۶
۲۵۳	قال ابو الدرداء ما ارى الامام اذا ام القوم الا قد كفاهم۔	۶۲۷
۲۵۴	قال عمرو بن العاص ثم اقيموا حول قبری قدر ما تنحرجزون	۷۰۴
۲۵۵	قد كان النبی صلی الله عليه وسلم فی الابتداء يجهر ...... وكان المشركون يؤذونه۔	۴۳۱
۲۵۶	فان خرج صوت من المسجد۔	۴۳۴
۲۵۷	قد توقف النبی صلی الله عليه وسلم فی تحريم الخمر حتی نزل عليه النص القطعی۔	۴۵۲



ك

نمبر شمار	احادیث مبارکہ	صفحہ
۲۷۰	كان صلى الله عليه وسلم يامر بستر الراس بالعمامة او القلنسوة و ينهى عن كشف الرأس فى الصلوة۔	۵۰۳
۲۷۱	كان يلبس القلانس تحت العمائم وبغير العمائم ويلبس القلانس تحت العمائم۔	۵۰۳
۲۷۲	كان يلبس القلانس تحت العمائم وبغير عمامة۔	۵۰۴
۲۷۳	كان اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا۔	۵۱۲
۲۷۴	كان النبى صلى الله عليه وسلم يعجبه ان يدعو ثلاثا ويستغفر ثلاثا۔	۵۱۲
۲۷۵	كان الناس يتنابون الجمعة من منازلهم ومن العوالى۔	۶۲۵،۶۵۸
۲۷۶	كان اهل الجاهلية ياكلون اشياء ...... فبعث الله نبيه ...... وما سكت عنه فهو عفو۔	۶۲۸
۲۷۷	كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها۔	۶۳۱
۲۷۸	كنت نهيتكم ...... الا فزوروها فانها تزهد فى الدنيا وتذكر الآخرة۔	۶۳۱
۲۷۹	كان النبى صلى الله عليه وسلم يأتى مسجد قباء كل سبت ماشيا او راكبا۔	۶۳۵
۲۸۰	كلفوا من العمل ما تطيقون فان خير العمل ادومه وان قل۔	۶۳۷
۲۸۱	كان يصليهما قبل العصر ثم انه شغل عنهما او نسيهما فصلاهما بعد العصر۔	۶۳۷
۲۸۲	كان صلى الله عليه وسلم اذا قام يخطب اخذ عصا۔	۶۷۵









جلد اول



ماخذ و مراجع فتاوٰی نوریہ جلد ۱

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱	قرآن مجید			

کتب تفسیر و اصولِ تفسیر

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن طباعت	مصنف	سن وصال
۲	جامع البیان (طبری)	کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۳۰ھ	ابوجعفر محمد بن جعفر طبری	۳۱۰ھ
۳	احکام القرآن جصاص	بہیہ مصر ۱۳۴۸ھ	ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص	۳۷۰ھ
۴	معالم التنزیل	تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۷ھ	ابومحمد حسین بن مسعود فراء بغوی	۵۱۶ھ
۵	مفاتیح الغیب کبیر	حسینیہ و عامرہ شرقیہ مصر	فخرالدین محمد بن عمر رازی	۶۰۶ھ
۶	انوار التنزیل	نول کشور لکھنؤ ۱۲۸۲ھ	ابوسعید عبداللہ بن عمر شافعی بیضاوی	۶۸۵ / ۶۹۲ھ
۷	مدارک التنزیل	احیاء الکتب العربیہ مصر ۱۳۴۴ھ	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی	۷۱۰ھ
۸	غرائب القرآن نیشاپوری	کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۳۰ھ	حسن بن محمد قمی نیشاپوری	۷۲۸ھ
۹	لباب التاویل (خازن)	تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۷ھ	علی بن محمد بغدادی صوفی خازن	۷۴۱ھ
۱۰	ابنِ کثیر	عیسی البابی الحلبی مصر ۱۳۲۱ھ	ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر	۷۷۴ھ
۱۱	تفسیر جلالین	مجیدی کانپور	جلال الدین محمد بن احمد محلی	۸۶۱ھ
			جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی	۹۱۱ھ
۱۲	ارشاد العقل	حسینیہ و عامرہ مصر	ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی	۹۸۲ھ
۱۳	تفسیرات احمدیہ	علیمی دہلی ۱۳۴۹ھ	شیخ احمد ابوسعید ملا جیون جونپوری	۱۱۳۰ھ
۱۴	روح البیان	درسعادت مصر ۱۳۳۰ھ	شیخ اسماعیل حقی بن مصطفےٰ بروسوی	۱۱۳۷ھ







۱۵	فتوحات الالٰہیہ (جمل)	عیسی البابی الحلبی مصر	سلیمان بن عمر عجیلی شافعی	۱۲۰۴ھ
۱۶	کنز العرفان	برقی پریس مراد آباد ۱۳۳۰ھ	اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں	۱۳۴۰ھ
۱۷	خزائن العرفان	〃	صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین	۱۳۶۷ھ
۱۸	مظہری	فاروقی دہلی	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۱۹	تفسیر صاوی	ازہریہ مصر ۱۳۴۸ھ	شیخ احمد بن محمد صاوی مالکی	۱۲۴۱ھ
۲۰	عزیزی	محمدی لاہور ۱۲۹۴ھ	شاہ عبد العزیز دہلوی	۱۲۳۹ھ
۲۱	مترجم	〃	〃	〃
۲۲	فتح القدیر	مصطفے البابی حلبی مصر ۱۳۵۱ھ	محمد بن علی شوکانی	۱۲۵۰ھ
۲۳	روح المعانی	الطباعۃ المنیریہ بیروت	سید محمود بن عبد اللہ آلوسی بغدادی	۱۲۷۰ھ
۲۴	اکلیل علی المدارک	اکلیل المطابع ۱۳۳۳ھ	محمد عبد الحق مہاجر ہندی مکی	تکمیل ۱۳۹۶ھ
۲۵	فتح البیان	عاصمہ شارع الفلکی قاہرہ ۱۹۶۵ء	محمد بن علی صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی	۱۳۰۷ھ
۲۶	ترجمان القرآن بلطائف البیان	صدیقی ۱۳۱۹ھ	نواب صدیق حسن خاں بھوپالی	۱۳۰۷ھ

کتب حدیث

۲۷	مسند امام اعظم	اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۰۹ھ	امام اعظم نعمان بن ثابت	۱۵۰ھ
۲۸	مؤطا امام مالک	دار الاشاعۃ رحیمیہ دیوبند	ابو عبد اللہ مالک بن انس	۱۷۹ھ
۲۹	کتاب الآثار	الاستقامۃ ۱۳۵۵ھ	ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم	۱۸۱ھ
۳۰	مؤطا امام محمد	یوسفی ۱۳۴۳ھ	محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۳۱	مسند ابو داؤد طیالسی	دائرۃ المعارف ۱۳۲۱ھ	ابو داؤد سلیمان بن داؤد طیالسی	۲۰۴ھ
۳۲	کتاب الام	ازہریہ مصر ۱۳۸۱ھ	امام محمد بن ادریس شافعی	
۳۳	مصنف عبد الرزاق	اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ	ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام	۲۱۱ھ

۳۴	مصنف ابن ابی شیبہ	اقبال برقیہ ملتان ۱۳۷۴ھ	ابوبکر بن ابو شیبہ	۲۳۵ھ
۳۵	مسند امام احمد	دار صادر بیروت	ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۳۶	سنن دارمی	مدینہ منورہ ۱۳۸۶ھ	ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن	۲۵۵ھ
۳۷	الادب المفرد	قاہرہ ۱۳۷۹ھ	ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۳۸	صحیح بخاری	اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ	" " " "	"
۳۹	صحیح مسلم	" " ۱۳۴۹ھ	ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشیری	۲۶۱ھ
۴۰	سنن ابن ماجہ	" کراچی ۱۳۷۲ھ	ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ ۲۷۵
۴۱	سنن ابوداؤد	مجیدی کانپور ۱۳۴۶ھ و اصح المطابع	ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
۴۲	جامع ترمذی	" و علیمی دہلی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ
۴۳	سنن نسائی	مجتبائی ۱۳۵۰ھ	ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب خراسانی	۳۰۳ھ
۴۴	شرح معانی الآثار	اصح المطابع ۱۳۹۰ھ رحیمیہ دیوبند	ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی	۳۲۱ھ
۴۵	مشکل الآثار	دائرۃ المعارف ۱۳۳۳ھ	" " "	"
۴۶	عمل الیوم واللیلہ	" ۱۳۵۸ھ	ابوبکر احمد بن محمد ابن سنی	۳۶۴ھ
۴۷	سنن دارقطنی	فاروقی دہلی ۱۳۱۰ھ	علی بن عمر بن احمد بغدادی دارقطنی	۳۸۵ھ
۴۸	مستدرک علی الصحیحین	دائرۃ المعارف ۱۳۳۴ھ	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم	۴۰۵ھ
۴۹	تلخیص	"	ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸ھ
۵۰	بیہقی	" ۱۳۴۴ھ	ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی	۴۵۸ھ
۵۱	شرح السنۃ	اسلامی ۱۳۹۰ھ	محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود فراء	۵۱۶ھ
۵۲	جامع المسانید	دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ	مؤلف محمد بن محمود خوارزمی	۶۶۵ھ
۵۳	مشکوۃ المصابیح	اصح المطابع	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب	۷۴۰ھ
۵۴	الجامع الصغیر	تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۲ھ	جلال الدین عبدالرحمن بن ابوبکر سیوطی	۹۱۱ھ





۵۵	مجمع الزوائد	بیروت ۱۹۶۷ء	نور الدین علی بن ابو بکر ہیثمی	۸۰۷ھ
۵۶	بلوغ المرام	مجتبائی دہلی ۱۳۴۲ھ	علامہ ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۵۷	حصن حصین	مجتبائی دہلی ۱۳۳۱ھ	محمد بن محمد ابن جزری شافعی	۸۳۳ھ
۵۸	سفر السعادت	مصطفے البابی الحلبی مصر ۱۳۷۰ھ	مجد الدین محمد بن یعقوب شیرازی	۸۱۷ھ
۵۹	حلیۃ الاولیاء	السعادۃ مصر ۱۳۵۱ھ	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی	۴۳۰ھ
۶۰	کنز العمال	دائرۃ المعارف ۱۳۱۲ تا ۱۳۱۴ھ	علاؤ الدین علی متقی ہندی	۹۷۵ھ
۶۱	تذکرۃ الموضوعات	طباعۃ منیریہ ۱۳۴۳ھ	محمد طاہر بن علی فتنی ہندی	۹۸۶ھ
۶۲	موضوعاتِ کبیر	مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ	ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
۶۳	منیر العین	گیلانی پریس لاہور	شاہ احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ

کتب شروح حدیث

۶۴	الکواکب الدراری	بہیہ مصر ۱۳۵۶ھ	شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی	۷۹۶ھ
۶۵	فتح الباری	〃 ۱۳۴۸ھ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۶۶	عمدۃ القاری	دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۳۰۸ھ	ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی	۸۵۵ھ
۶۷	ارشاد الساری	بولاق مصر ۱۲۸۵ھ	علامہ احمد بن محمد قسطلانی	۹۲۳ھ
۶۸	سندھی	عثمانیہ مصر ۱۳۵۱ھ	ابو الحسن محمد بن عبد الہادی سندھی	۱۱۳۷ھ
۶۹	الجامع الرضوی	رحمانی، عظیم آباد ۱۳۵۱ھ	مولوی محمد ظفر الدین بہاری	۱۳۸۲ھ
۷۰	حاشیہ مسلم للنووی	اصح المطابع ۱۳۴۹ھ	ابو زکریا یحیی بن شرف نووی شافعی	۶۷۶ھ
۷۱	مسوّی	رحیمیہ دہلی	شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم محدث دہلوی	۱۱۷۹ھ
۷۲	مصفّٰی	〃	〃	〃
۷۳	زہر الربی	مجتبائی ۱۳۵۰ھ	امام جلال الدین عبد الرحمن سیوطی	۹۱۱ھ

۷۴	زرقانی علی النسائی	مصر	محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی	۱۱۲۲ھ
۷۵	سندھی علی النسائی	مجتبائی ۱۳۵۰ھ	ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی	۱۱۳۸ھ
۷۶	مرقاۃ المفاتیح	امدادیہ ملتان ۱۳۷۶ھ	ملا علی بن سلطان محمد قاری	۱۰۱۴ھ
۷۷	اشعۃ اللمعات	منشی نولکشور ۱۳۵۴ھ	شیخ عبدالحق بن سیف الدین محدث	۱۰۵۲ھ
۷۸	مظاہر حق	۱۹۳۳ء	مولوی قطب الدین	
۷۹	شرح سفر السعادہ	نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۵ء	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۸۰	نصب الرایہ	مجلس علمی ۱۳۵۸ھ	جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی	۷۶۲ھ
۸۱	السراج المنیر	میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ	علی بن احمد عزیزی مصر	۱۰۷۰ھ
۸۲	شرح حصن حصین		ملا علی بن سلطان محمد قاری	۱۰۱۴ھ



کتب اسماء الرجال، لغت

۸۳	تاریخ بغداد	دار الکتب العربی بیروت	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳ھ
۸۴	میزان الاعتدال	السعادہ مصر ۱۳۲۵ھ	ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸ھ
۸۵	تقریب التہذیب	نول کشور لکھنؤ ۱۳۵۶ھ	علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۸۶	تنقیح الرواۃ	انصار دہلی ۱۳۳۳ھ	سید ابوالوزیر احمد حسن	
۸۷	کشف الظنون	اسلامیہ طہران ۱۳۷۸ھ	مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی	۱۰۶۷ھ
۸۸	النہایہ	خیریہ مصر ۱۳۰۶ھ	مجد الدین مبارک بن محمد ابن اثیر جزری	۶۰۶ھ
۸۹	الدر النثیر		علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱ھ
۹۰	مجمع البحار	کشوری ۱۳۱۴ھ	مولانا محمد طاہر بن علی فتنی ہندی	۹۸۶ھ
۹۱	لسان العرب	بیروت ۱۳۷۵ھ	جمال الدین محمد بن مکرم مصری	۷۱۱ھ

۹۲	صراح	احمدی کانپور ۱۳۱۰ھ	ابوالفضل محمد بن عمر جمال قرشی	تکمیل ۶۸۱ھ
۹۳	منتہی الارب	اسلامیہ لاہور ۱۳۲۴ھ	شیخ عبدالرحمن بن عبدالسلام صفوری	۸۸۴ھ

کتبِ سیرت

۹۴	المواہب اللدنیہ	ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ	علامہ احمد بن محمد قسطلانی	۹۲۳ھ
۹۵	زرقانی علی المواہب	" "	محمد بن عبدالباقی زرقانی مصر	۱۱۲۲ھ
۹۶	سیرت حلبیہ	مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۳۴۹ھ	نورالدین علی بن برہان الدین ابراہیم حلبی	۱۰۴۴ھ
۹۷	معارج النبوۃ		ملا معین کاشفی ہروی واعظ حنفی	۹۵۴ھ
۹۸	مدارج النبوۃ	نول کشور ۱۹۱۳ھ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۹۹	زاد المعاد	ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ	شمس الدین بن عبداللہ ابن قیم جوزی	۷۵۱ھ
۱۰۰	جمع الوسائل	عامرہ شرقیہ مصر ۱۳۱۸ھ	ملا علی بن سلطان محمد قاری	۱۰۱۴ھ



کتبِ عقائد

۱۰۱	فقہ اکبر	حلبی مصر ۱۳۲۷ھ	امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ	۱۵۰ھ
۱۰۲	منح الروض	مصطفی البابی حلبی مصر ۱۳۷۲ھ	ملا علی قاری حنفی	۱۰۱۴ھ
۱۰۳	شرح فقہ اکبر	مجتبائی دہلی ۱۹۱۰ء	ابوالمنتہی احمد بن محمد مغنیساوی	۱۰۹۰ھ
۱۰۴	العقائد	سراج الدین لاہور	نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد	۵۳۷ھ
۱۰۵	شرح العقائد	" "	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۱۰۶	شرح الصدور	احیاء الکتب العربیہ مصر	امام جلال الدین عبدالرحمن بن ابوبکر سیوطی	۹۱۱ھ
۱۰۷	تذکرۃ الموتی والقبور	مجیدی کانپور ۱۳۳۳ھ	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۱۰۸	کتاب الروح	دائرۃ المعارف ۱۳۲۵ھ	شمس الدین بن عبداللہ ابن قیم جوزی	۷۵۱ھ

۱۰۹	تمہید ابو شکور سالمی	حزب الاحناف لاہور ۱۳۸۰ھ	ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی	پانچویں صدی ھ
۱۱۰	تکمیل الایمان	مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۱۱	اقامۃ القیامہ	لاہور	شاہ احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ

کتب تصوّف

۱۱۲	قوت القلوب	شرکۃ مکتبہ مصر ۱۳۸۱ھ	ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ حارثی	۳۸۶ھ
۱۱۳	جلاء الافہام	طباعۃ المنیریہ ۱۳۵۸ھ	ابن قیم جوزی	۷۵۱ھ
۱۱۴	مدخل الشرع الشریف	عامرہ شرقیہ ۱۳۲۰ھ	محمد محمد محمد ابن امیر الحاج فاسی مالکی	۷۳۷ھ
۱۱۵	جذب القلوب	نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۶ء	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ

کتب فقہ

۱۱۶	جامع صغیر	علوی ۱۳۱۲ھ	ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۱۱۷	جامع کبیر	استقامۃ مصر ۱۳۵۶ھ	" "	"
۱۱۸	احکام الوقف	دائرۃ المعارف	علامہ ہلال بن یحیٰ	۲۴۵ھ
۱۱۹	قدوری	اصح المطابع کراچی	ابو الحسین احمد بن محمد قدوری بغدادی	۴۲۸ھ
۱۲۰	مضمرات		صوفی یوسف بن عمر کادوری	۸۳۲ھ
۱۲۱	مبسوط	السعادۃ مصر ۱۳۳۱ھ	محمد بن احمد بن ابو سہل سرخسی	۴۸۳ھ
۱۲۲	خلاصۃ الفتاویٰ	الیکسپورٹ لیتھو لاہور	طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری	۵۴۲ھ
۱۲۳	فتاویٰ سراجیہ	نولکشور ۱۳۴۴ھ	سراج الدین علی بن عثمان اوشی فرغانی	مصنفہ ۵۶۹ھ
۱۲۴	بدائع صنائع	جمالیہ مصر ۱۳۲۸ھ	ملک العلماء علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاشانی	۵۸۷ھ
۱۲۵	فتاویٰ قاضیخان	نولکشور ۱۹۲۱ھ	فقیہ النفس حسن بن منصور اوزجندی	۵۹۲ھ



۱۲۶	ہدایہ	مصطفائی و مجتبائی دہلی ۱۳۵۰ھ و شرکۃ علمیہ	شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی	سنہ ۵۹۳ھ
۱۲۷	نہایہ		حسام الدین حسین بن علی صغناقی	سنہ ۷۱۰ھ
۱۲۸	کفایہ	میمنہ مصر سنہ ۱۳۰۷ھ	مولانا جلال الدین خوارزمی	سنہ ۷۱۱ھ
۱۲۹	عنایہ	"	محمد بن محمود بابرتی	سنہ ۷۸۱ھ
۱۳۰	عینی	نول کشور سنہ ۱۲۹۳ھ	علامہ بدر الدین محمود عینی	سنہ ۸۵۵ھ
۱۳۱	فتح القدیر	میمنہ مصر سنہ ۱۳۰۷ھ	کمال الدین محمد بن عبد الحمید ابن ہمام	سنہ ۸۶۱ھ
۱۳۲	منیہ	قرآن محل کراچی سنہ ۱۳۷۴ھ	علامہ سدید الدین محمد بن محمد کاشغری	سنہ ۷۰۵ھ
۱۳۳	کبیری	مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۳۲ھ	شیخ ابراہیم بن محمد حلبی	سنہ ۹۵۶ھ
۱۳۴	صغیری	" سنہ ۱۳۲۵ھ	"	"
۱۳۵	کنز الدقائق	مجتبائی و شمس المطابع وغیرہ	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی	سنہ ۷۱۰ھ
۱۳۶	تبیین الحقائق	امیریہ مصر سنہ ۱۳۱۳	فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی	سنہ ۷۴۳ھ
۱۳۷	رمز الحقائق	حیدری بمبئی سنہ ۱۲۹۴ھ	بدر الدین محمود عینی	سنہ ۸۵۵ھ
۱۳۸	منحۃ الخالق	دار الکتب العربیہ مصر سنہ ۱۳۳۳ھ	علامہ ابن عابدین شامی	سنہ ۱۲۵۲ھ
۱۳۹	شلبی	امیریہ مصر سنہ ۱۳۱۳ھ	شہاب الدین احمد شلبی	اٹھویں صدی ہجری
۱۴۰	بحر الرائق	دار الکتب العربیہ مصر سنہ ۱۳۳۳ھ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری	سنہ ۹۶۹ھ ۹۷۰
۱۴۱	مختصر الوقایہ	مجتبائی و مجیدی	عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ	سنہ ۷۴۷ھ
۱۴۲	شرح الوقایہ	سعید اینڈ کمپنی کراچی	"	"
۱۴۳	برجندی		عبد العلی برجندی	سنہ ۸۷۹ھ
۱۴۴	جامع الرموز	نولکشور سنہ ۱۳۰۹ھ	شمس الدین محمد خراسانی قہستانی	سنہ ۹۶۲ھ
۱۴۵	عمدۃ الرعایہ	مجیدی	علامہ عبد الحی لکھنوی	سنہ ۱۳۰۴ھ





۱۴۶	نور الاحکام	دار السعادۃ مصر ۱۳۲۹ھ	ملا خسرو محمد بن فراموز	۸۸۵ھ
۱۴۷	درر الحکام	"	"	"
۱۴۸	غنیۃ ذوی الاحکام	دار السعادۃ مصر ۱۳۲۹ھ	حسن بن عمار وفائی شرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۴۹	زاد الفقیر	جید برقی پریس دہلی ۱۳۵۲ھ	محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام	۸۶۱ھ
۱۵۰	فتاوے برہنہ	نول کشور کانپور ۱۹۱۴ء	نصیر الدین مینائی	دسویں صدی
۱۵۱	ملتقی الابحر	دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۳۱۶ھ	شیخ ابراہیم بن محمد حلبی	۹۵۶ھ
۱۵۲	مجمع الانہر	"	محمد بن سلیمان شیخ زادہ	۱۰۷۸ھ
۱۵۳	الدر المنتقی	"	علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی	۱۰۸۸ھ
۱۵۴	الحاوی للفتاوی	منیریہ درب الاتراک ۱۳۵۲ھ	جلال الدین عبد الرحمن سیوطی	۹۱۱ھ
۱۵۵	کتاب الفقہ	دار الکتب مصر ۱۳۶۹ھ	عبد الرحمن جزیری	۱۴ ویں صدی
۱۵۶	ثلاثین شامی	دار السعادۃ ۱۳۱۵ھ	علامہ ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۱۵۷	فتاوی امام غزی	اہل السنۃ والجماعۃ بریلی ۱۳۳۲ھ	محمد بن عبد اللہ غزی تمرتاشی	۱۰۰۴ھ
۱۵۸	تنویر الابصار	احمدی دہلی دار السعادۃ ۱۳۲۴ھ	محمد بن عبد اللہ تمرتاشی غزی	۱۰۰۴ھ
۱۵۹	در المختار	"	علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی	۱۰۸۸ھ
۱۶۰	غایۃ الاوطار	نول کشور لکھنؤ ۱۳۱۰ھ	مولوی خرم علی	۱۲۷۱ھ
۱۶۱	رد المحتار	احمدی دہلی دار السعادۃ ۱۳۴۶ھ	سید محمد امین ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۱۶۲	التحریر المختار لرد المحتار	امیریہ مصر ۱۳۲۳ھ	شیخ عبد القادر رافعی	۱۳۲۳ھ
۱۶۳	طحطاوی علی الدر	دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۲۵۴ھ	سید احمد بن محمد طحطاوی	۱۲۳۱ھ
۱۶۴	نور الایضاح	عیسے البابی الحلبی ۱۳۵۶ھ	حسن بن عمار وفائی شرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۶۵	مراقی الفلاح	"	"	"
۱۶۶	حاشیہ للطحطاوی	"	سید احمد بن محمد بن اسمٰعیل طحطاوی	۱۲۳۱ھ

۱۶۷	فتاوی عالمگیر	مجیدی کانپور ۱۳۵۱ھ	ملا نظام الدین برہانپوری وغیرہ	۱۱۰۹ھ
۱۶۸	العقود الدریہ	میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ	سید محمد امین ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۱۶۹	فتاوی عبدالحی	یوسفی فرنگی محل ۱۹۶۲ء	مولانا عبدالحی لکھنوی	۱۳۰۴ھ
۱۷۰	فتاوی رضویہ		مولانا احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۷۱	کفل الفقیہ الفاہم	دارالاشاعت نوری کتب خانہ لاہور	" "	"
۱۷۲	بذل الجوائز	نوری کتب خانہ لاہور	" "	"
۱۷۳	فتاوی افریقیہ		" "	"
۱۷۴	احکام شریعت	مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی	" "	"
۱۷۵	کشف شافیا	لیتھو برقی پریس کانپور	" "	"
۱۷۶	المحجۃ المؤتمنہ		" "	"
۱۷۷	اسواط العذاب		" "	"
۱۷۸	لمعۃ الضحی	لاہور نوری کتب خانہ	" " "	۱۳۴۰ھ
۱۷۹	نہج السلامہ	" "	" "	"
۱۸۰	بہار شریعت	رفاہ عام آگرہ	مولانا محمد امجد علی اعظمی	۱۳۶۷ھ
۱۸۱	حاشیہ شامی	غیر مطبوعہ	فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی	۱۴۰۳ھ
۱۸۲	انوار آفتن الدولہ	۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء	" " " "	"
۱۸۳	فیئ الزوال	۱۳۶۰ھ دین محمدی پریس لاہور	" " " "	"
۱۸۴	عجول العاجد لعمار المساجد	۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء	" " " "	"
۱۸۵	تقبیل الابہامین عند ثانی الاذانین	۱۳۷۸ھ	" " " " "	"
۱۸۶	ابداء البشری	نشار آرٹ پریس لاہور ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء	" " " "	"



۱۸۷	تکبیر الصوت	لاہور آرٹ پریس لاہور ۱۳۷۸ھ	فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی	۱۴۰۳ھ
۱۸۸	ضمیمہ تکبیر الصوت	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	〃

کتب اصولِ فقہ

۱۸۹	اصول الشاشی	رحیمیہ دیوبند	نظام الدین اسحاق بن ابراہیم شاشی	۳۲۵ھ
۱۹۰	مختصر المنتہیٰ	کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۶ھ	جمال الدین عثمان بن عمر بن حاجب مالکی	۶۴۶ھ
۱۹۱	شرح قاضی عضد	〃 〃	عضد الدین عبد الرحمٰن بن احمد ایجی	۷۵۶ھ
۱۹۲	حاشیہ تفتازانی	〃 〃	علامہ سعد الدین مسعود تفتازانی	۷۹۲ھ
۱۹۳	منار الانوار	سعید ایچ ایم کراچی ۱۳۷۹ھ	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی	۷۱۰ھ
۱۹۴	افاضۃ الانوار	دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۲۶ھ	سعد الدین ابو الفضائل دہلوی	۸۹۱ھ
۱۹۵	نسمات الاسحار	〃	علامہ ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۱۹۶	شرح المنار لابن ملک	دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۳۰۶ھ	مولوی عبد اللطیف بن الملک ابن ملک	۸۸۵ھ
۱۹۷	شرح المنار لابن شامی	〃 〃	زین الدین عبد الرحمٰن بن ابوبکر ابن عینی	۸۹۳ / ۸۹۱ھ
۱۹۸	نور الانوار	سعید ایچ ایم کراچی ۱۳۷۹ھ	شیخ احمد ملا جیون	۱۱۳۰ھ
۱۹۹	تنقیح الاصول	قصہ خوانی پشاور، مصر	عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ	۷۴۷ھ
۲۰۰	توضیح	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	〃
۲۰۱	تلویح	〃 〃 〃	سعد الدین مسعود تفتازانی	۷۹۲ھ
۲۰۲	تحریر الاصول	مصطفےٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۵۱ھ	علامہ ابنِ ہمام محقق علی الاطلاق	۸۶۱ھ
۲۰۳	تیسیر التحریر	〃 〃	محمد امین امیر بادشاہ	
۲۰۴	الاشباہ والنظائر	نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۵ء	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری	۹۷۰ھ
۲۰۵	شرح للحموی	نولکشور 〃	شہاب الدین سید احمد بن محمد حموی مصر	۱۰۹۸ھ

